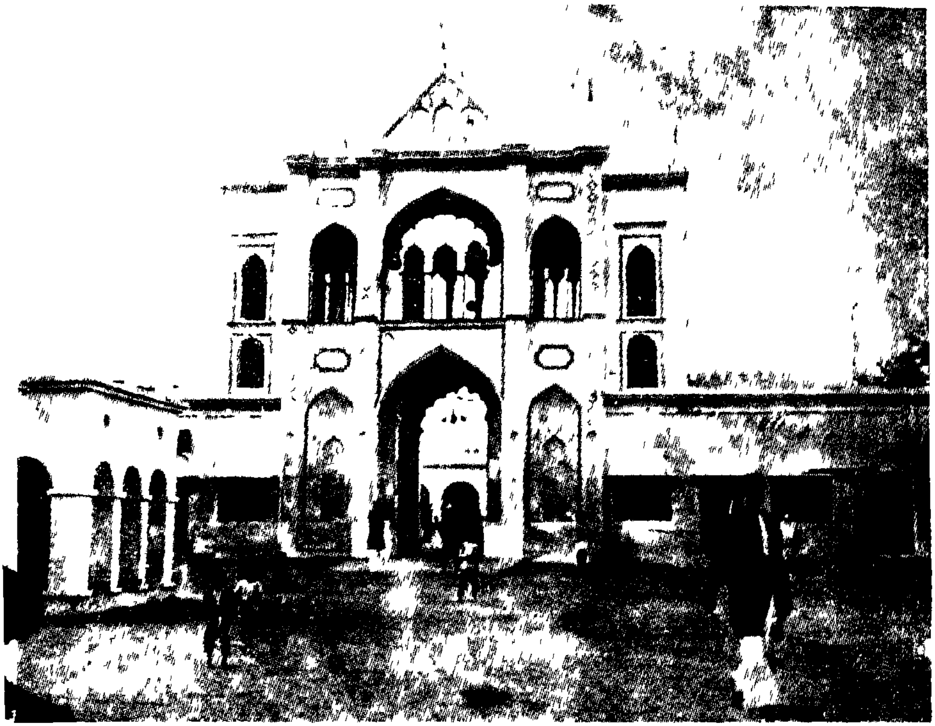
ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ

محرم ۱۳۹۵ھ



مدیر: مصطفیٰ حسن رضوی



صدر دروازہ شبیہ درگاہ حضرت عباس، درگاہ روڈ لکھنؤ

عطیہ حکیم میرن صاحب

سرفراز

لکھنؤ

ہفتہ وار

رجب نمبر

جلد ۵۳	لکھنؤ - ۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۷۵ء	نمبر ۲۴ و ۲۵

ایڈیٹر:-

مصطفیٰ حسن رضوی

چندہ سالانہ چودہ روپیہ

قیمت رجب نمبر تین روپیہ

سید امداد حسین پرنٹر و پبلشر نے
برائے آل انڈیا شیعہ کانفرنس
سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر
دفتر سرفراز قومی گھر نادان محل روڈ
لکھنؤ [illegible] سے شائع کیا

فہرست مضامین

امیر المومنین حضرت علیؑ کا دستورِ حکومت

جس کی وضاحت اس خط میں کی گئی ہے جو مالک اشتر کے نام ہے

یہ نہایت قیمتی دستاویز ہے، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں نہ کالج تھے نہ یونیورسٹیاں، علم سیاست مدوّن ہوا تھا، نہ عربوں کو حکمرانی کا تجربہ تھا اس پر بھی امیر المومنین نے انتہائی اختصار و بلاغت سے حکمرانی اور سیاستِ مدن کے جو اصول اس تحریر میں جمع کر دیئے ہیں آج بھی ان سے متمدن حکمران مستغنی نہیں ہو سکتے۔

جب محمد بن ابی بکر کے بعد مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنایا تو یہ بہترین دستور دیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ہے وہ وصیت، جس کا حکم دیا ہے اللہ کے بندے علی امیر المومنینؑ نے مالک بن الحارث اشتر کو جب اسے مصر کا گورنر بنایا تاکہ اس ملک کا خراج جمع کرے اس کے دشمنوں سے لڑے، اس کے باشندوں کی بہبود و بہبود کا خیال رکھے اور اس کی زمین کو آباد کرے۔

خواہشات کو روکنے کی ہدایت

مالک کو حکم دیا ہے تقویٰ الٰہی کا، اطاعتِ خداوندی کو مقدم رکھنے کا اور کتاب اللہ کے مقرر کئے ہوئے فرائض و سنن کی پیروی کا اس لئے کہ آدمی کی سعادت انہی کی پیروی سے وابستہ ہے اور ان سے انکار کرنے اور انہیں گنوا دینے میں سراسر بدبختی ہے۔

اور حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت میں اپنے دل سے اپنے ہاتھ سے، اپنی زبان سے سرگرم رہے کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے ذمہ لے لیا ہے کہ جو کوئی اس کی نصرت و تائید پر کمربستہ ہوگا نصرت و تائید خداوندی اُسے حاصل رہے گی۔

اور حکم دیا ہے کہ خواہشوں کے موقعے پر اپنے نفس کو توڑے، سرکشی کے وقت اُسے روکے، کیونکہ نفس برائی کی طرف لے جاتا ہو مگر یہ کہ خدا کا رحم آدمی کے شامل حال ہو جائے

مصر کی اہمیت

اس کے بعد اے مالک سُن! میں تجھے ایسے ملک میں بھیج رہا ہوں جس پر تجھ سے پہلے بھی حکومتیں گزر چکی ہیں، عادل بھی اور ظالم بھی لوگ تیری حکومت کو بھی اسی نظر سے دیکھیں گے جس نظر سے تو اگلے حاکموں کی حکومتوں کو دیکھتا رہا ہے اور تیرے حق میں بھی وہی کہا جائے گا جو تو ان حاکموں کے حق میں کہا کرتا تھا۔

تمہارے اخلاق

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ نیک آدمی اس کو ...

ہوتا ہے جو خدا اپنے بندوں کی زبان پر اس کے لئے جاری
کر دیتا ہے۔

لہٰذا تیرا سب سے پسندیدہ ذخیرہ، عمل صالح کا ذخیرہ ہو۔ یہ
ذخیرہ اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ تجھے اپنی خواہشوں پر قابو
حاصل ہو۔ جو
چیز حلال نہیں ہے اس کے لئے تیرا دل کتنا ہی مچلے اپنے آپ
کو اس سے دور رکھو۔

یہ بھی جان لو کہ محبوبات و مکروہات میں نفس کی مخالفت
کرنا ہی نفس سے انصاف کرنا ہے

اپنے دل میں رعایا کے لئے رحم، محبت، لطف پیدا کرنا۔

خبردار! رعایا کے حق میں پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن
جانا کہ اُسے لقمہ بنا لے۔ ایسے ہی میں تجھے اپنی کامیابی دکھائی دے۔

رعایا میں دو قسم کے آدمی ہوں گے۔ تمہارے دینی
بھائی یا مخلوق خدا ہونے کے لحاظ سے تمہارے جیسے آدمی
لوگوں سے غلطیاں تو ہوتی ہی ہیں جان بوجھ کے یا بھولے
چوکے سے ٹھوکر بھی کھاتے ہی رہتے ہیں تم اپنے عفو و
کرم کا دامن خطا کاروں کے لیے اس طرح پھیلا دینا
جس طرح تمہاری آرزو ہے کہ خدا تمہاری خطاؤں کے لئے
اپنا دامن عفو و کرم پھیلا دے

کبھی نہ بھول جانا کہ تم رعایا کے افسر ہو، خلیفہ تمہارا
افسر ہے اور خدا خلیفہ کے اوپر حاکم ہے۔ خلیفہ نے
تمہیں گورنر بنایا ہے، اور مصر کی ترقی و اصلاح کی ذمہ داری
تمہیں سونپ دی ہے۔

خدا سے لڑائی نہ مول لینا کیونکہ آدمی کے لئے
خدا سے کوئی بچاؤ نہیں خدا کی عفو و رحمت سے تم کبھی
بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

عفو پر کبھی نادم نہ ہونا، سزا دینے پر کبھی شیخی نہ
بگھارنا۔ غصہ آتے ہی دوڑ نہ پڑنا بلکہ جہاں تک ممکن ہو غصے
کو پی جانا۔

خبردار! رعایا سے کبھی یہ کہنا کہ میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا
ہوں! اور اب میں ہی سب کچھ ہوں سب کو میری تابعداری
کرنی چاہیئے۔ اس ذہنیت سے دل میں فساد پیدا ہوتا ہے،
دین میں کمزوری آتی ہے اور بربادی کے لئے بلاوا آتا ہے
اور اگر حکومت کی وجہ سے غرور پیدا ہونے لگے تو
سب سے بڑے بادشاہ ـــــ خدا کی طرف دیکھنا جو
تمہارے اوپر ہے اور تم پر وہ قدرت رکھتا ہے جو تم
خود بھی اپنے آپ پر نہیں رکھتے۔ ایسا کرو گے تو نفس کی
طغیانی کم ہو جائے گی۔ حدت گھٹ جائے گی کھوئی ہوئی
روح لوٹ آئے گی

خبردار! خدا کے ساتھ اس کی عظمت میں بازی نہ
لگانا، اس کی جبروت میں ہمسری اختیار نہ کرنا، کیونکہ خدا
جباروں کو ذلیل کر ڈالتا ہے اور مغروروں کو نیچا دکھا
دیتا ہے۔

اپنی ذات کے معاملے میں اپنے خاص عزیزوں
کے معاملے میں جنھیں تم اپنی رعایا میں سے چاہتے ہو
خدا سے بھی انصاف کرنا اور ـــــ خدا کے بندوں سے
بھی انصاف کرنا، یہ نہ کرو گے تو ظلم کرنے لگو گے۔

یاد رکھو جو کوئی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو
خدا خود اپنے مظلوم بندوں کی طرف سے ظالم کا حریف
بن جاتا ہے اور معلوم ہے خدا جس کا حریف بن جائے اس کی
حجت باطل ہو جاتی ہے، اور خدا سے لڑائی ٹھاننے کا مجرم
ہوتا ہے یہاں تک کہ باز آ جائے اور توبہ کرے۔
خدا کی نعمت کو اس سے بڑھ کر بدلنے والی اور خدا کی
عقوبت کو اس سے زیادہ بلانے والی کوئی چیز نہیں
کہ آدمی ظلم کو اختیار کر لے، یاد رہے خدا مظلوموں کی
سنتا ہے اور ظالموں کی تاک میں رہتا ہے۔

تمہیں سب سے زیادہ پسند وہ راہ ہونا چاہیئے جو
حق کے لحاظ سے سب سے زیادہ درمیانی، انصاف کی رو سے

سب سے زیادہ عام اور رعایا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والی ہو

یہ بھی یاد رکھو عوام کی ناراضی خواص کی رضامندی کو بہالے جاتی ہے اور خواص کی ناراضی عوام کی ناراضی نہ ہوتے ہوئے گوارا کی جا سکتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ رعایا میں جو لوگ حاکم کے لیے سب سے بڑا بوجھ، [illegible] سے کام آنے والے، انصاف سے [illegible] کرنے والے، [illegible] بخشش و عطا کے موقع پر سب سے کم شکرگزار ہونے والے، انعام و اکرام سے محرومی پر عذر نہ سننے والے اور زمانہ کی ناگواریوں کے مقابلے میں سب سے کم ثابت قدم رہنے والے خواص ہی ہوتے ہیں۔ دین کا اصلی ستون، مسلمانوں کی اصلی جمعیت، دشمن کے مقابلے [illegible] عوام ہیں، لہذا عوام ہی کا تمھیں زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے

تمھاری مجلس سے سب سے زیادہ دور اور تمھاری نگاہ میں سب سے زیادہ [illegible] وہ شخص ہونا چاہیے جو لوگوں کے عیب ڈھونڈنے والا ہے۔ لوگوں میں عیب [illegible] ہیں۔ [illegible] حاکم کا ہے [illegible] چھپے ہوئے عیبوں کی کرید کرنا تمھارا کام نہیں [illegible] ہے کہ جو عیب تم پر ظاہر [illegible] حتی المقدور [illegible] ڈھکے [illegible] کرو تاکہ خدا بھی تمھارے [illegible] جو تم رعایا سے چھپانا چاہتے ہو۔

وہ سب اسباب دور کر دو جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کرتے ہیں۔ عداوت رنجش کی رسی کاٹ ڈالنا۔ چغلخور کی بات ماننے میں جلدی نہ کرنا کیونکہ چغلخور دغاباز ہوتا ہے اگرچہ خیرخواہ کا روپ بھر کے سامنے آتا ہے۔

اپنے مشورے میں بخیل کو شریک نہ کرنا کیوں وہ تمھیں احسان کرنے سے روکے گا اور فقر سے ڈرائے گا۔

بزدل کو بھی صلاح میں شریک نہ کرنا کیونکہ مہمات میں تمھاری ہمت کمزور کر دے گا۔

حریص کو بھی شریک نہ کرنا کیونکہ ظلم کی راہ سے دولت سمیٹنے کی ترغیب دے گا۔

یاد رکھو بخل، بزدلی، حرص اگرچہ الگ الگ خصلتیں ہیں مگر ان کی بنیاد خدا سے سوءظن پر ہے۔

وزراء و مداحین

بدترین وزیر وہ ہے جو شریروں کی طرف داری کرے اور گناہوں میں ان کا ساجھی ہو۔ ایسے آدمی کو اپنا وزیر نہ بنانا کیونکہ اس قسم کے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ان کی جگہ تمھیں ایسے آدمی مل جائیں گے جو عقل و تدبیر میں ان کے برابر ہوں گے مگر گناہوں سے ان کی طرح لدے نہ ہوں گے۔ نہ کسی ظالم کی کسی کے ظلم میں مدد کی ہوگی۔ نہ کسی گنہگار کا اس کے گناہ میں ساتھ دیا ہوگا۔ یہ لوگ تمھیں کم تکلیف دیں گے۔ تمھارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے تم سے بہت زیادہ ہمدردی رکھیں گے اور غیروں سے اپنے سب رشتے کاٹ لیں گے ایسے ہی لوگوں کو نیکی کی صحبتوں اور عام دربار میں اپنا مصاحب بنانا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ خاص الخاص لوگوں میں بھی وہی تمھاری نگاہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوں جو زیادہ سے زیادہ کڑوی باتیں تم سے کہہ سکتے ہوں اور ان کاموں میں تمھارا ساتھ دینے سے انکار کر سکتے ہوں جو خدا اپنے بندوں کے لیے ناپسند فرما چکا ہے۔

اہل تقویٰ و صدق کو اپنا مصاحب بنانا۔ انھیں ایسی تربیت دینا کہ تمھاری جھوٹی تعریف کبھی نہ کریں کیونکہ تعریف کی کثرت سے آدمی میں غرور پیدا ہوتا ہے۔

[illegible] تمھارے سامنے نیکوکار اور خطاکار برابر نہ ہوں [illegible] کرنے سے نیکوں کی ہمت پست ہو جائے گی اور خطاکار اور بھی شوخ ہو جائیں گے ہر آدمی کو وہ جگہ دینا جس کا وہ اپنے عمل کے لحاظ سے مستحق ہے۔

اور تمھیں جاننا چاہیئے کہ رعایا میں اپنے حاکم کے ساتھ حسنِ ظن اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ حاکم رعایا پر رحم و کرم کی بارش کرتا رہے۔ اس کی تکلیفیں دور کرے اور کوئی ایسا مطالبہ نہ کرے جو اس کے بس سے باہر ہو۔ یہ اصول تمھارے لئے کافی ہے اس سے رعایا کا حسن ظن تمھیں بہت سی مشکلوں سے بچا دے گا۔

خود تمھارے حسنِ ظن کے سب سے زیادہ مستحق وہ ہوں جو تمھارے امتحان میں سب سے اچھے اتریں اسی طرح تمھارے سوءِ ظن کے بھی سب سے زیادہ مستحق وہی ہوں جو آزمائش میں سب سے برے نکلیں۔

کسی اچھے دستور کو نہ توڑنا جو اس امت کے اگلے لوگ جاری کر گئے ہیں اور جس سے لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے رعایا کی بھلائی کے دستور کو توڑو گے تو اچھے دستوروں کا ثواب اگلوں کے لیے باقی رہے گا اور عذاب تمھارے حصے میں آئے گا کہ بھلی راہ تم نے مٹا دی اس بارے میں اہل علم و عرفان سے مشورہ کرتے رہنا کہ تعمیر و اصلاح کے وسائل کیا ہیں اور انھیں کس طرح استحکام و دوام بخشا جائے۔

اور دیکھو، رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں، یہ طبقے ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں اور آپس میں کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

طبقاتِ عوام

چنانچہ ایک طبقہ وہ ہے جسے خدا کی فوج کہنا چاہیئے دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو عوام و خواص کا تحریری کام [illegible] پھر انصاف کرنے والے قاضی ہیں، امن و انتظام کے عمال ہیں۔ ذمی اور مسلم اہل جزیہ و اہل خراج ہیں پھر سوداگر اور اہل حرفہ ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کا نچلا طبقہ بھی ہے خدا نے حق میں ہر طبقے کا حصہ مقرر کر کے اپنی کتاب میں یا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اسے ضروری ٹھہرا دیا ہے اور اس کی پابندی و بجا آوری ہمارے ذمے لازمی کر دی ہے

خدا کی فوج باذن اللہ رعایا کا قلعہ ہے حاکم کی زینت ہے، دین کی قوت ہے، امن کی ضمانت ہے رعایا کا قیام فوج ہی سے ہے لیکن فوج کا قیام خراج سے ہے جو خدا اس کے لئے نکالتا ہے، خراج ہی سے سپاہی جہاد میں تقویت پاتے اور اپنی حالت درست کرتے ہیں۔

پھر ان دونوں طبقوں، فوجیوں اور اہل خراج کی بقا کے لیے تیسرا طبقہ ضروری ہے یعنی قضاۃ، عمال، کتاب کا طبقہ کیونکہ یہ لوگ ہر قسم کی مالی معاملات انجام دیتے ہیں اور ان چاروں طبقوں کی بقا کے لئے تاجر اور اہل حرفہ ضروری ہیں کہ بازار لگاتے اور سب کی ضرورتیں مہیا کرتے ہیں۔

آخر میں ادنیٰ طبقہ آتا ہے اور اس طبقے کی امداد و اعانت بالکل ضروری ہے

خدا کے یہاں سب کی گنجائش ہے اور حاکم پر سب کا حق قائم ہے حاکم جتنی بھی بھلائی کر سکتا ہے کرتا رہے مگر اس بارے میں اپنے فرض سے وہ عہدہ بر آ ہو نہیں سکتا جب تک توفیق الٰہی کی دعا کے ساتھ عزم مصمم بھی نہ رکھے کہ حق ہی کا ساتھ دے گا، حق ہی پر ثابت قدم رہے گا چاہے حق آسان ہو یا مشکل

فوج ـ دیکھو اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا انھی لوگوں کو افسر بنانا جو تمھارے خیال میں اللہ کے رسول کے اور تمھارے امام کے سب سے زیادہ خیرخواہ ہوں، صاف دل ہوں، بردبار ہوں، جلد غصے میں نہ آجاتے

ہوں، عذر معذرت قبول کر لیتے ہوں، کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں، زبردستوں پر سخت ہوں، نہ سختی انھیں جوش میں لے آتی ہو، نہ کمزوری انھیں بٹھا دیتی ہو۔

فوج کے لیے انھی کو منتخب کرنا جن کا حسب نسب اور خاندان اچھا ہے جن کا ماضی بے داغ ہے جو ہمت و شجاعت جود و سخا سے آراستہ ہیں۔ شرافت اور نیکی ایسے ہی لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

ان فوجیوں کے معاملات کی ویسی ہی فکر کرنا جیسی فکر والدین کو اولاد کی ہوتی ہے۔ ان کی تقویت اور درستی حال کے لیے جو بھی بن پڑے کرتے رہنا اور جو کچھ کرنا اُسے بہت نہ سمجھنا۔ ایسے کم سے کم لطف و احسان کو بھی معمولی نہ سمجھنا کیونکہ اس سے ان کی خیرخواہی بڑھے گی اور حسنِ ظن میں اضافہ ہوگا ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورتوں سے بھی بے پروائی اس بھروسے پر نہ کرنا کہ بڑی ضرورتوں کا خیال کر رہے ہو کیونکہ تمھاری معمولی رعایت بھی ان کے لیے نعمت ہوگی اور بڑی ضرورتوں میں تو وہ سراسر تمھارے لطف و کرم کے ہمیشہ محتاج رہیں گے۔

وہی فوجی سردار تمھارے سب سے زیادہ مقرب ہوں جو فوجیوں کی سب سے زیادہ مدد کرتے ہوں اپنے ہاتھ کی دولت سے سپاہیوں کو ان کی ضرورتوں اور بال بچوں کی فکروں سے آزاد کرتے ہیں تاکہ پوری فوج ایک دل ہو جائے اور اس کے سامنے بس ایک ہی خیال رہے۔ دشمن سے جنگ۔ فوج کے سرداروں پر تمھاری توجہ، فوج کے دلوں کو تمھاری طرف متوجہ کر دے گی

حاکم کی آنکھ کی ٹھنڈک کس چیز میں ہونا چاہیے اس میں کہ خود انصاف قائم کرے اور رعایا اس سے اپنی محبت ظاہر کرتی رہے۔ رعایا کی محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے دل سلیم نہ ہوں اور رعایا کی خیرخواہی صحیح نہیں ہوتی۔ جب تک اسے حاکم سے سچی محبت نہ ہو اس کی حکومت کو بوجھ

اور اس کے زوال میں دیر کو وبال نہ سمجھتی ہو۔

لہٰذا ضروری ہے کہ رعایا کی اُمیدوں کے لیے میدان کشادہ رکھنا اس کی دلجوئی برابر کرتے رہنا۔ اس کے بہادروں کے کارنامے سراہتے رہنا اچھے کاموں کی تعریف سے بہادروں کا جوش بڑھتا ہے اور پیچھے رہ جانے والوں کی ہمتیں اونچی ہوتی ہیں۔

ہر آدمی کے کارنامے کا اعتراف کرنا ایک کا کارنامہ دوسرے کی طرف منسوب نہ کرنا انعام دینے میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ خاندانی ہونے کی وجہ سے کسی کے معمولی کام کو بڑھا چڑھا نہ دینا اسی طرح ادنیٰ خاندان ہونے کی وجہ سے کسی کے بڑے کارنامے کی بے قدری نہ کرنے لگنا۔

مشتبہ معاملات پیش آئیں اور تمھاری بصیرت و علم کام نہ دے تو انھیں اللہ کی طرف اور اللہ کے اصول کی طرف لاؤ کیونکہ خدا مسلمانوں کی ہدایت کے لیے فرما چکا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[1]

اللہ کی طرف معاملے کا لوٹانا یہ ہے کہ کتاب محکم اور نص صریح کی طرف لوٹا جائے اور رسول کی طرف لوٹانا یہ ہے کہ جامع سنت نبوی کو لیا جائے نہ کہ اُسے جس میں اختلاف پڑ گیا ہو۔

پھر ملک میں انصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا جو تمھاری نظر میں سب سے افضل ہوں، ہجوم معاملات سے تنگ دل نہ ہوتے ہوں، اپنی غلطی پر اڑے رہنا ہی ٹھیک نہ سمجھتے ہوں اور حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد باطل سے چمٹے نہ رہتے ہوں۔ طامع نہ ہوں، اپنے فیصلوں پر غور کرنے کے عادی ہوں۔ فیصلے کے وقت شکوک و شبہات پر رکنے والے ہوں صرف دلائل کو اہمیت دیتے ہوں۔

---

[1] اے وہ جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اہل امر و اقتدار کی لیکن اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اس بات کو اللہ و رسول کے پاس لے جاؤ۔

[illegible] سے بحث میں اُلجھ جاتے ہوں واقعات کی تہہ تک پہونچنے سے بھی نہ گھبراتے ہوں اور حقیقت کھل جانے پر اپنے فیصلے میں بے باک اور بے لاگ ہوں یہ ایسے لوگ ہوں جنھیں نہ تعریف بے خود کر دیتی ہو نہ چاپلوسی ہی مائل کر سکتی ہو مگر ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

تمہارا فرض ہے کہ اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو کھلے دل سے انھیں معاوضہ دو تاکہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور کسی کے سامنے انھیں ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اپنے دربار میں انھیں ایسا درجہ دو کہ تمہارے کسی مصاحب اور درباری کو ان پر دباؤ ڈالنے یا انھیں نقصان پہونچانے کی ہمت نہ ہو سکے قاضیوں کو ہر قسم کے خوف سے بالکل آزاد ہونا چاہیئے۔ اس بارے میں پوری توجہ سے کام لینا کیونکہ دین اشرار کے ہاتھ میں پڑ گیا تھا جو اپنی خواہشوں پر چلتے اور دین کے نام پر دنیا کمایا کرتے تھے۔

عمال حکومت کے معاملات پر بھی تمہیں نظر رکھنا ہوگی جسے مقرر کرنا امتحاناً مقرر کرنا، رورعایت سے یا صلاح مشورے کے بغیر کسی کو عہدہ نہ دینا کیونکہ ایسا کرنے سے ظلم و خیانت کے دروازے کھل جاتے ہیں اچھے گھرانوں اور سابق میں اسلام کے خدمت گزاروں میں تجربہ کار اور باحیا لوگوں ہی کو منتخب کرنا کہ ان کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں۔ اپنی آبرو کا خیال رکھتے ہیں طمع کی طرف کم جھکتے ہیں اور انجام پر زیادہ نظر رکھتے ہیں۔

عہدہ داروں کو بہت اچھی تنخواہیں دینا اس سے یہ لوگ اپنی حالت درست کر سکیں گے اور حکومت کے اس مال سے بے نیاز رہیں گے جو ان کے ہاتھ میں ہوگا اس پر بھی حکم عدولی کریں یا امانت میں خلل ڈالیں تو تمہارے پاس [illegible] حجت ہوگی مگر ضروری ہے کہ ان کاموں کی جانچ پڑتال کرتے رہنا نیک لوگوں کو مخبر بنا کر ان پر

چھوڑ رکھنا یہ اس لئے کہ جب انھیں معلوم ہوگا کہ خفیہ نگرانی بھی ہو رہی ہے تو امانت داری اور رعایا سے مہربانی میں اور زیادہ چست ہو جائیں گے پھر اگر ان میں سے کوئی شخص خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمہارے جاسوسوں سے تصدیق ہو جائے تو بس یہ شہادت کافی ہو تم بھی سزا کا ہاتھ بڑھانا، جسمانی اذیت کے ساتھ خیانت کی رقم بھی اگلوا لینا پھر اُسے ذلت کی جگہ کھڑا کرنا اور پوری طرح اُسے رسوا کر ڈالنا۔

خراج

دیکھو محکمہ خراج کی نگرانی میں کوتاہی نہ ہو خراج کے ٹھیک رہنے ہی میں سب کی بھلائی و خوشحالی ہے سب کے رزق کا مدار خراج پر ہے اور خراج کے تحصیلداروں پر لیکن خراج سے زیادہ ملک کی آبادی پر توجہ رہنا چاہیئے کیونکہ خراج بھی تو خوشحالی سے حاصل ہوتا ہے جو حاکم آبادکاری کے بغیر خراج چاہتا ہے اس کی حکومت یقیناً چند روزہ ثابت ہوگی

اگر کاشتکار خراج کی زیادتی کی، کسی آسمانی آفت کی آبپاشی میں خلل پڑ جانے کی، رطوبت میں غلہ کی سڑاند یا خشکی کے سبب نقادی کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو ان کی سننا اور خراج کم کر دینا کیونکہ کاشتکار ہی تمہارا اصل خزانہ ہیں ان سے جو رعایت بھی کرو گے اس سے ملک کی فلاح ہوگی حکومت کی رونق بڑھے گی پھر تم رعایا سے مال کے خراج کے ساتھ تعریف کا خراج بھی وصول کرو گے

اس وقت ان میں عدل پھیلانے سے تمھیں اور زیادہ خوشی حاصل ہوگی مشکلات میں ان کی قوت پر تمہارا بھروسہ بڑھ جائے گا اور جو راحت تم نے انھیں پہونچائی ہے اور حسن انصاف کا انھیں خوگر بنا دیا ہے اس پر ان کی شکر گزاری تمہارے لئے خزانہ بن جائے گی ممکن ہے مشکلات نازل

چوں اور ان لوگوں پر بھروسہ کرنے کی مجبوری بس آجائے ایسی حالت میں وہ خوشی خوشی تمہارا ہر مطالبہ قبول کر لیں گے۔

ملک کی آبادی و سرسبزی ہر بوجھ اٹھا سکتی ہے لہذا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا ملک کی بربادی تو باشندوں کی غربت ہی سے ہوتی ہے اور باشندوں کی غربت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حاکم دولت سمیٹنے پر کمر باندھ لیتے ہیں کیونکہ انھیں اپنے تبادلے اور زوال کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور وہ عبرتوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتے

اپنے منشیوں کے معاملے کو بھی بہت اہمیت دینا، یہ منصب بہترین آدمیوں ہی کے سپرد کرنا اور راز کی خطوط کا بس انھیں لوگوں کو مقرر کرنا جو اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں جنھیں نہ اعزاز گستاخ بنا دے کہ بھری مجلس میں تم سے برابری کرنے لگیں نہ معاہدوں میں تمہاری مصلحتوں فائدوں سے چوک جایا کریں یا اگر کسی معاہدے سے تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے تو اس سے مخلصی کی صورت نہ نکال سکیں یہ لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ خود اپنی قدر جانتے ہوں، کیونکہ جو شخص اپنی قدر نہیں جانتا وہ دوسروں کی قدر کیا جانے گا؟

ان لوگوں کا چناؤ محض اپنی فراست میلان طبیعت یا حسن ظن کی بنا پر نہ کرنا کیونکہ لوگوں کا دستور ہے کہ تصنع اور ظاہرداری سے اپنے آپ کو حاکموں کی فراست کے مطابق بنا لیتے ہیں مگر جوہر خوبی اور امانت داری سے کورے ہوتے ہیں

انتخاب میں یہ بھی دیکھنا کہ اگلے حاکموں کے تحت انھوں نے کیا خدمتیں انجام دی ہیں عوام کو ان سے کتنا فائدہ پہونچا ہے اور امانت داری میں ان کا شہرہ کیسا ہے؟ ان باتوں کا لحاظ رکھو گے تو بے شک سمجھا جائے گا کہ تم اللہ کے اور اپنی رعایا کے خیر خواہ ہو۔

ہر محکمے کا ایک صدر مقرر کرنا جو محکمے کے تمام کاموں کو اپنے ہاتھ میں رکھے اور مشکلات سے بدحواس نہ ہو جایا کرے اور دیکھو تمہارے منشیوں میں جو عیب ہوگا اور تم اس سے چشم پوشی کرو گے تو وہ عیب خود تمہارا سمجھا جائے گا۔

تجار اور اہل حرفت کا پورا خیال رکھنا ان کا بھی جو مقیم ہیں اور ان کا بھی جو پھیری کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ملک کی دولت بڑھاتے ہیں دور دور سے سامان لاتے ہیں خشکیوں، تریوں، میدانوں، ریگستانوں، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں کو پار کر کے ضروریات زندگی مہیا کرتے ہیں۔ ایسی ایسی جگہوں سے مال ڈھولاتے ہیں جہاں اور لوگ نہیں پہنچ سکتے بلکہ وہاں جانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔

تاجر اور اہل حرفہ امن پسند لوگ ہوتے ہیں ان سے شورش و بغاوت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اس پر بھی ضروری ہے کہ پایۂ تخت میں بھی اور اطراف ملک میں بھی ان پر نگاہ رکھی جائے کیونکہ ان میں سے اکثر بڑے تنگ دل بڑے بخیل ہوتے ہیں، اجارہ داری سے کام لیتے ہیں اور لین دین میں آنکھوں میں دھول ڈال کے لوٹ لینا چاہتے ہیں۔

اجارہ داری کی قطعی ممانعت کر دینا کیونکہ رسول اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن ہاں خرید و فروخت، خوش دلی سے ہو وزن بٹے ٹھیک رہیں نرخ مقرر ہوں نہ بیچنے والا گھاٹے میں رہے نہ مول لینے والا مونڈا جائے اور ممانعت پر بھی اگر کوئی اجارہ داری کا مرتکب ہو تو اعتدال کے ساتھ اسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔

پھر اللہ اللہ ادنیٰ طبقے کے معاملے میں یہ لوگ وہ ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں، فقیر، مسکین، محتاج، قلاش، اپاہج ان میں سے ایسے بھی ہیں جو ہاتھ نہیں پھیلاتے مگر خود صورت سوال ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں جو فرض خدا نے تمہیں سونپا ہے اس پر نگاہ رکھنا اسے تلف نہ ہونے دینا۔ بیت المال میں ایک حصہ ان کے لئے خاص کر دینا اور [illegible]

[illegible] جائداد موجود ہے، اس کی آمدنی میں ان کا بھی حصہ [illegible] ان میں سے کون دور ہے، کون نزدیک ہے؟

یہ نہ دیکھنا دور نزدیک سب کا حق برابر ہے اور ہر ایک کے حق کی ذمہ داری تمہارے سر ڈال دی گئی ہے۔

دیکھو دولت کا نشہ تمہیں ان بیچاروں سے غافل نہ کر دے اگر تم نے اس بارے میں اہم ذکر کو پورا کر دیا تو بھی اس وجہ سے تمہاری معمولی غفلت بھی معاف نہ کی جائے گی لہٰذا ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا اور اپنی توجہ سے انہیں محروم نہ کرنا۔

عام ملاقات

ان میں ایسے بھی ہوں گے جو تمہارے پاس پہونچ نہیں سکتے انہیں نگاہیں ٹھکراتی ہیں اور لوگ ان سے گھن کھاتے ہیں ان کی خبرگیری بھی تمہارا کام ہے ان کے لیے بھروسے کے آدمیوں کی خدمات خاص کر دینا مگر یہ آدمی ایسے ہوں جو خوف خدا رکھتے ہوں اور دل کے خاکسار ہوں یہ لوگ ان لوگوں کے معاملات تمہارے سامنے لایا کریں اور تم وہ کرنا کہ قیامت کے سامنے تمہیں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ یاد رکھو رعایا میں ان غریبوں سے زیادہ انصاف کا مستحق کوئی نہیں ——— مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا جو حق ہے پورا پورا ادا کرتے رہنا اور یتیموں کے پالنے والوں کا بھی خیال رکھا ہوگا اور ان کا بھی جو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں جن کا کوئی سہارا باقی نہیں جو بھیک مانگنے کے بھی لائق نہیں رہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں حاکموں پر بے شک گراں ہوتی ہیں لیکن یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ پورے کا پورا حق گراں ہی ہے۔ اللہ خود اس حق کو بھی ان کے لیے آسان کر دیتا ہے جو عاقبت کی طلب میں رہتے ہیں اور اس لئے مشکلات و تکلیفوں میں اپنے دل کو مضبوط بنا لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا [illegible] اس وعدۂ الٰہی پر پختہ ہے جو وہ پروردگار نے نیک بندوں [illegible] ہے۔

اور تم اپنے وقت کا ایک حصہ فریادیوں کے لئے خاص کر دینا۔

سب کام چھوڑ کے ان سے ملا کرنا ایسے موقعے پر تمہاری مجلس عام رہے کہ جس کا جی چاہے بے دھڑک چلا آئے اس مجلس میں تم خدا کے نام پر خاکسار بن جاؤ فوجیوں، افسروں اور پولیس والوں سے مجلس کو بالکل خالی رکھنا تاکہ آنے والے دل کھول کر اپنی بات کہہ سکیں کیونکہ میں نے رسول اللہ کو بار بار فرماتے سنا ہے۔ اس امت کی بھلائی نہیں ہو سکتی جس میں کمزوروں کو طاقتور سے پورا حق دلایا نہیں جاتا۔

دفتری کام:۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس مجلس میں عوام ہی جمع ہوں گے۔ اب اگر بدتمیزی سے بات کریں یا اپنا مطلب صاف بیان نہ کر سکیں تو خفا نہ ہونا۔ برداشت کر لینا خبردار ان پر جبر و توبیخ نہ کرنا میری وصیت پر عمل کرو گے تو خدا تم پر اپنی رحمت کی چادریں پھیلا دے گا اور اپنی فرمانبرداری کا ثواب تمہارے لئے لازم کر دے گا

روز کا کام، جس کو کچھ دینا اس طرح کہ وہ خوش ہو جائے اور نہ دے سکتے تو اپنا عذر صفائی سے بیان کر دینا۔

پھر ایسے معاملات بھی ہیں جن کو خود اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا ہوگا ایک معاملہ تو یہی ہے کہ عمال حکومت کے ان مراسلوں کا جواب خود لکھا کرنا جو تمہارے منشی نہیں لکھ سکتے۔

روپیہ:۔ اور ایک معاملہ یہ ہے جس دن روپیہ آئے اسی دن مستحقوں کو بانٹ دینا۔ اس سے تمہارے درباریوں کو کوفت تو ضرور ہوگی کیونکہ ان کی مصلحتیں تقسیم میں تاخیر و تعویق چاہیں گی۔

روز کا کام روز ختم کر دینا کیونکہ ہر دن کے لئے اسی کا کام بہت ہوتا ہے۔

روز کا کام:۔ اپنے وقت کا سب سے افضل حصہ اپنے پروردگار کے لئے

خاص کر دینا۔ اگرچہ سب وقت اللہ ہی کے ہیں بشرطیکہ نیک نیت ہو اور رعایا کو اس نیک نیت سے سلامتی ملتی ہو۔

خدا کے لئے دین کو خالص کرنے میں سب سے زیادہ یہ خیال رہے کہ فرائض بغیر کسی کمی بیشی کے کما حقہ بجا لائے جائیں یہ فرائض صرف خدا کے لئے خاص ہیں اور ان میں کسی کا ساجھا نہیں۔

دن اور رات میں اپنا ایک وقت ضرور خدا کے لئے خاص کر دینا اور جو عبادت بھی تقرب الٰہی کے لئے انجام دینا اس طرح انجام دینا کہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہو کسی طرح کا کوئی نقص اس میں رہ نہ جائے چاہے اس سے تمہارے جسم کو کتنی ہی تکلیف ہو۔

امامت نماز

اور دیکھو! جب امامت کرنا تو ایسی امامت نہیں کہ لوگ نماز ہی سے بیزار ہو جائیں اور ایسی امامت بھی نہیں کہ نماز کا کوئی رکن ضائع ہو جائے یاد رکھو نمازیوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں تندرست بھی اور بیمار بھی۔ اور ضرورت مند بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خود مجھے یمن بھیجنے لگے تو میں نے عرض کیا تھا۔ "یا رسول اللہ امامت کس طرح کروں گا؟"

جواب ملا! تیری نماز ویسی ہو جیسی سب سے کم طاقت نمازی کی ہو سکتی ہے اور تو مومنوں کے لئے رحیم ثابت ہونا۔

یہ بھی ضروری ہے کہ رعایا سے تمہاری رو پوشی کبھی لمبی نہ ہو۔ رعایا سے چھپنا حاکم کی تنگ نظری کا ثبوت ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم رعایا کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

ترک ملاقات: جب حاکم رعایا سے ملنا جلنا چھوڑ دیتا ہے تو رعایا بھی ان لوگوں سے ناواقف ہو جاتی ہے جو اس سے پردے میں ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے بڑے لوگ اس کی نگاہ میں چھوٹے ہو جاتے ہیں اور چھوٹے لوگ بڑے ... اچھائی برائی بن جاتی ہے اور برائی اچھائی۔ حق اور باطل میں تمیز اٹھ جاتی ہے اور یہ تو کھلی بات ہے کہ حاکم بھی آدمی ہوتا ہے اور ان سب باتوں کو جان نہیں سکتا جو اس سے چھپا دی جاتی ہیں حق کے سر پر سینگ نہیں ہوتے کہ دیکھتے ہی سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہہ دیا جائے۔

سو جو تم دو میں سے ایک قسم کے آدمی ہو گے یا تو حق کے مطابق خرچ کرنے میں سخی ہو گے' ایسے ہو تو تمہیں چھپنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

حق کی طرف سے جو کچھ تمہارے ذمے واجب ہو چکا ہے اُسے ادا کرو گے یا اور کوئی نیک کام کر گزرو گے اور یا پھر تم بخل و منع کی آزمائش میں ڈالے گئے ہو تو اس صورت میں بھی چھپنا غیر ضروری ہے کیونکہ اس قماش کے آدمی سے لوگ بڑی جلدی مایوس ہو کر خود ہی کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم سے لوگوں کی زیادہ تر ضرورتیں ایسی ہوں گی جن سے تم پر کوئی بوجھ نہ پڑے گا وہ کسی ظلم کی شکایت لے کر آئیں گے یا کسی معاملے میں انصاف کے طالب ہوں گے۔

تمہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ حاکم کے درباریوں اور مصاحبوں میں خود غرضی فعلی زیادتی' بد معاملگی ہوا کرتی ہے ان کے شر سے مخلوق کو بچانے کی صورت یہی ہے کہ ان کی برائیوں کے سر چشمے ہی بند کر دیئے جائیں۔

خبردار! کسی مصاحب یا رشتہ دار کو جاگیر نہ دینا ایسا کرو گے تو یہ لوگ رعایا پر ظلم کریں گے خود فائدہ اٹھائیں گے اور دنیا و آخرت میں مخلوق خدا کی بدگوئی تمہارے سر پڑے گی۔

حق کسی کے خلاف پڑے اس پر حق ضرور نافذ کرنا چاہیئے چاہے تمہارا عزیز قریب ہو ... اس ... میں تمہیں صبر و ضبط اور ثواب ... [illegible]

...دار تمہارے رشتہ داروں اور عزیز ترین مصاحبوں ہی پر کیوں نہ پڑے تمہیں خوش دلی سے یہ گوارا کرنا ہوگا بے شک تم بھی آدمی ہو اور تمہیں اس سے کوفت ہو سکتی ہے لیکن تمہاری نگاہ ہمیشہ نتیجہ پر رہنا چاہیئے۔ یقین کرو نتیجہ تمہارے حق میں اچھا ہی ہوگا۔

اگر رعایا کو تم پر کبھی ظلم کا شبہ ہو جائے تو بے دھڑک رعایا کے سامنے آ جاؤ اور اس کا شبہ دور کر دو اس سے تمہارے نفس کی ریاضت ہوگی دل میں رعایا کے لیے نرمی پیدا ہوگی اور تمہارے عذر کا بھی اظہار ہو جائے گا ساتھ ہی تمہاری یہ غرض بھی پوری ہو جائے گی کہ رعایا حق پر استوار ہے۔

اور دیکھو، جب دشمن اسی صلح کی طرف بلائے جس میں خدا کی رضامندی ہو تو انکار نہ کرنا کیونکہ صلح میں تمہاری فوج کے لئے آرام ہے اور خود تمہارے لئے بھی فکروں سے چھٹکارا اور امن کا سامان ہے

جنگ و صلح

لیکن صلح کے بعد دشمن سے خوب خوب ہوشیار رہنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے صلح کی راہ سے اس نے تقرب اس لئے حاصل کیا ہو کہ بے خبری میں تم پر ٹوٹ پڑے لہٰذا بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے اس معاملے میں حسن ظن سے کام نہیں چل سکتا۔

اور جب دشمن سے معاہدہ کرنا یا اپنی ذمہ داری اسے دے دینا تو عہد کی پوری پابندی کرنا ذمہ کا پورا پاس کرنا عہد کے بچانے کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دینا کیونکہ سب باتوں میں لوگوں کا اختلاف رہا ہے مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ آدمی کو اپنا عہد پورا کرنا چاہیئے۔ مشرکوں تک نے عہد کی پاس ضروری سمجھی ... مسلمانوں سے بہت پیچھے تھے یا اس لیے تجربوں نے ... کہ عہد شکنی کا نتیجہ تباہ کن ہوتا ہے۔

لہٰذا اپنے عہد، وعدے، زبان کے خلاف کبھی نہ جانا دشمن سے دغابازی نہ کرنا کیونکہ یہ خدا سے سرکشی ہے اور خدا سے سرکشی بیوقوف و سرکش ہی کیا کرتے ہیں۔

اور عہد کیا ہے؟ خدا کی طرف سے امن و امان کا اعلان ہے جو اس نے اپنی رحمت سے بندوں میں عام کر دیا ہے، عہد خدا کا حرم ہے جس میں سب کو پناہ ملتی ہے اور جس کی طرف سبھی دوڑتے ہیں

اخلاق: خبردار! عہد و پیمان میں کوئی دھوکا، کوئی کھوٹ نہ رکھنا اور معاہدہ کی عبارت ایسی نہ ہو جو دو معنی ہو گول مول، مبہم ہو کئی کئی مطلب اس سے نکلتے ہوں اگر کبھی ایسا ہو جائے تو عہد ہو چکنے کے بعد اسی عبارت سے فائدہ نہ اٹھانا

اور یہ بھی یاد رہے کہ معاہدہ ہو چکنے کے بعد اگر اس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہو تو ناحق اسے منسوخ نہ کر دینا پریشانی جھیل لینا بدعہدی کرنے سے کہیں بہتر ہے بدعہدی پر خدا تم سے جواب طلب کرے گا اور دنیا و آخرت میں اس کے مواخذے سے کہیں مفر نہ ہوگا۔

قتل و خون

خبردار! ناحق خون نہ بہانا کیونکہ خونریزی سے بڑھ کر بد انجام، نعمت کا ڈھا لینے والا، مدت کو ختم کرنے والا کوئی کام نہیں، قیامت کے دن جب خدا کا دربار لگے گا تو سب سے پہلے خون ناحق ہی کے مقدمے پیش ہوں گے اور خدا فیصلہ کرے گا یاد رکھو خونریزی سے حکومت طاقتور نہیں ہوتی بلکہ کمزور ہو کر مٹ جاتی ہے۔

اور یہ تو کھلی بات ہے کہ قتل عمد میں تم نہ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتے ہو نہ میرے سامنے لیکن اگر سزا دینے میں تمہارے کوڑے، تلوار، ہاتھ سے

نادانستہ اسراف ہو جائے تو حکومت کے خزانے میں مقتول کا خون بہا اس کے وارثوں کے حوالے کرنے سے باز نہ رہنا۔

خبردار! خود پسندی کے شکار نہ ہو جانا۔ نفس کی جو بات پسند آئے اس پر بھروسہ نہ کرنا، خوشامد پسندی سے بچنا کیونکہ شیطان کے لیے یہ بہترین موقع ہوتا ہے کہ نیکوکاروں کی نیکیوں پر پانی پھیر دے۔

اخلاق

خبردار! رعایا پر کبھی احسان نہ جتانا، جو کچھ اس کے لیے کرنا اسے بڑھا چڑھا کر نہ دکھانا اور وعدہ خلافی بھی نہ کرنا۔ احسان جتانے سے احسان مٹ جاتا ہے۔ بھلائی کو بڑھا کر دکھانے سے حق کی روشنی چلی جاتی ہے اور وعدہ خلافی سے خدا بھی ناخوش ہوتا ہے اور حق کے بندے بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
كبر مقتاً عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون[۱]

جلد بازی سے کام نہ لینا، ہر معاملہ کو اس کے وقت پر ہاتھ میں لینا اور انجام کو پہونچا دینا۔ وقت سے پہلے اس کے لیے جلدی کرنا۔ وقت آ جانے پر تساہل برتنا، اگر معاملہ مشتبہ ہو تو اس پر اصرار نہ کرنا روشن ہو تو اس میں کمزوری نہ دکھانا۔ اصل یہ ہو کہ ہر کام اسکے وقت پر کرنا اور ہر معاملے کو اس کی جگہ پر رکھنا۔

احتیاط

کسی ایسی چیز کو اپنے لیے خاص نہ کر لینا جس میں سب کا حق برابر ہے اور نہ ایسی باتوں سے انجان بن جانا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں جو خود غرضی سے جو کچھ حاصل کرو گے تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا اور دوسروں کو دے دیا جائے گا جلد ہی تمہاری آنکھوں پر سے پردے اٹھ جائیں گے۔ اور مظلوم سے جو کچھ لے چکے ہو اس کی دادرسی ہو گی

دیکھو اپنے غصے کو، طیش کو، ہاتھ کو، زبان کو قابو میں رکھنا۔ سزا دینے کو ملتوی کر دینا۔ یہاں تک کہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے اس وقت تمہیں اختیار ہوگا کہ جو مناسب سمجھو کرو۔ مگر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکو گے۔ جب تک پروردگار کی طرف واپسی کا معاملہ تمہارے خیالات پر غالب نہ آ جائے۔

رسم و رواج

گزری ہوئی منصف حکومتوں، نیک دستوروں ہمارے نبیؐ کے واقعات اور کتاب اللہ کے فرائض ہمیشہ یاد رکھنا تاکہ اپنی حکومت کے معاملات میں ہمارے عمل کی پیروی کر سکو۔

تمہیں پوری کوشش سے میری ہدایتوں پر عمل کرنا چاہیئے جو اپنی اس وصیت میں لکھ چکا ہوں۔ میرا یہ عہد تم پر حجت ہے اور اس کے بعد اپنے نفس کی خواہشوں کا ساتھ دینے میں کوئی عذر نہ پیش کر سکو گے۔

میں اللہ بزرگ و برتر سے دست بدعا ہوں جس کی رحمت وسیع اور قدرت عظیم ہے کہ مجھے اور تمہیں اس راہ کی توفیق بخشے جس میں اس کی رضامندی اور مخلوق کی بھلائی ہے ساتھ ہی بندوں میں نیک نامی اور ملک کے لئے ہر طرح کی اچھائی ہے اور یہ کہ اس کی نعمت ہم پر پوری ہو۔ اس کی عزت افزائی بڑھتی ہے اور یہ کہ میرا اور تمہارا خاتمہ سعادت و شہادت پر ہو۔ بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

---

[۱] خدا کو نہایت ناپسند ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔

انسانِ کامل

قصیدہ در مدح مولائے کائنات حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام

جناب سید بلند الحسن صاحب خسرو نجف آبادی بدہ منزل منصور نگر لکھنؤ ۳

بھیجا آدم کو یہاں حق نے بنا کر آدمی
تھا جو پہلا آدمی اور آدمی گر آدمی

اس کے جوہر سامنے کھل کے ابھی آئے نہ تھے
کہہ نہ سکتا تھا ابھی پتھر کو پتھر آدمی

رنگ سے بھی خون کے اپنے ابھی لاعلم تھا
تھا ابھی ناواقفِ شمشیر و خنجر آدمی

کیا سمجھتا تھا نہ جانے سوچ میں پڑ جاتا تھا
دیکھتا تھا جب مہ و خورشید و اختر آدمی

ذہن میں آیا نہیں تھا مشرق و مغرب کا فرق
کر سکا اب تک نہ تھا سمتیں مقرر آدمی

اپنے بھولے پن میں پہروں رات کی تنہائی میں
گنتا رہتا تھا وہ تارے نیک اختر آدمی

قدر و قیمت سے ابھی پھولوں کی وہ واقف نہ تھا
کرتا کیا ایسے میں کانٹوں سے اُلجھ کر آدمی

طائرانِ خوش نوا نغمہ سرا ہوتے تھے جب
نغمگی میں ان کی کھو جاتا تھا اکثر آدمی

دیکھ کے دوشِ ہوا پر کاکلِ ابرِ سیاہ
بھرتا تھا مے سے خوشی کی دل کا ساغر آدمی

دیکھتا تھا جب لبِ گل پر تبسم کا فسوں
ہنس دیا کرتا تھا ان کی اس ادا پر آدمی

جب نظر آتے تھے برگِ گل پہ قطرے اوس کے
اپنے اشکوں کا انھیں کہتا تھا ہمسر آدمی

قدرِ گوہر شاہ جانے یا تو جانے جوہری
کون کہتا جب ہمیں رکھتا تھا گوہر آدمی

دل میں آیا تھا نہ اب تک نخوت و کبر و غرور
اپنے کو کمتر سمجھتا تھا وہ بہتر آدمی

بات تک بھی کوئی اس کی پوچھنے والا نہ تھا
کرتا کیا ایسے میں دل کا حال کہہ کر آدمی

پھر بھی جو کہتا تھا کہتا تھا لبِ خاموش سے
رہ گیا تھا خود تماشہ اپنا بن کر آدمی

ایک تصویرِ مکمل تھا حیا و شرم کی
چلتا تھا ہر راہ پہ نظریں جھکا کر آدمی

ایک سے اس کی نظر میں دشت و میدان و چمن
جانتا تھا جیسے انجامِ گلِ تر آدمی

تھا ابھی تک اس کے دل میں جذبۂ انسانیت
تھا بہر صورت ابھی تک حد کے اندر آدمی

عشق تھا لیکن ابھی تھا دل کے پردے میں نہاں
خود کو کرتا تھا نہ رسوا دل کو دے کر آدمی

عشق کو انعامِ فطرت کا سمجھتا تھا فقط
در بدر پھرتا نہ تھا دیوانہ بن کر آدمی

تھا ابھی محمل نشیں ہی زینت محمل نہ تھا
حسن کو لایا نہ تھا پردے سے باہر آدمی

کوئی میخانہ نہ تھا ساغر نہ تھے بادہ نہ تھا
بے پیے ہی رہتا تھا سرشار حد بھر آدمی

آتشِ بغض و حسد دل میں ابھی بھڑکی نہ تھی
خرمنِ دل کو جلاتا تھا نہ جل کر آدمی

تھا وہ زاہد زندگی میں رستے جیسے پڑے تھے
بڑھ رہا تھا اپنے دامن کو بچا کر آدمی

مسئلے ہی مسئلے تھے مشکلیں ہی مشکلیں
آگے جب بڑھنے لگا میدان پا کر آدمی

پیے آئے سامنے دنیا کے جبر و اختیار
ظلم سے ٹکرا گیا مظلوم بن کر آدمی

اللہ اللہ آدمی بھائی سے قاتل بن گیا
جب تشدد میں ہو گیا آپے سے باہر آدمی

پھر اسی نے کر دیا پرچم بغاوت کا بلند
تھا جو اب تک تابع مرضیٔ داور آدمی

آدمی تھا وہ بھی جس نے کر سفینہ آ گیا
بے سکا جب موج طوفاں سے نہ ٹکرا آدمی

بیٹا ہو سکتا ہے لیکن اہل بھی ہو کیا ضرور
پہلے پیدا کر کے اپنے میں جوہر آدمی

ساتھ اپنے کر چکا جب غرق بیڑا اہرمن کا
اٹھا اب سحر و فسوں گانے کے لشکر آدمی

وہ بھی تھا اک آدمی ہی جو اس سے جو ٹکرا گیا
آگیا جب سامنے فرعون بن کر آدمی

آدمی ہی نے مدد کی اس زمانے میں کہ جب
ڈس رہا تھا آستیں کا سانپ بن کر آدمی

ایک ڈوبا اور اک ساحل پہ پہونچا بے حجاب
شاہراہ آب دریا سے گزر کر آدمی

آگیا بن کے خلیل اللہ اک پیر دل نواز
اہرمن جب بن گیا نمرود ہو کر آدمی

آدمی ہی بن گیا معمار اس کعبہ کا پھر
جس کو قبلہ کہتا ہے اسلام لا کر آدمی

آدمی تھا خالقِ اصنام کہتے ہیں جسے
یعنی آذر کفر اور بدعت کا پیکر آدمی

خون کر ڈالا اخوت کا الگ کی بات ہو
تھا یقیناً ورنہ یوسف کے برادر آدمی

آدمی کے ہاتھوں جو پہونچا فراز دار تک
آدمی تھا وہ بھی تو اے بندہ پرور آدمی

خیر و شر میں بس اسی صورت سدا چلتی رہی
بن گیا کوئی سپر تو کوئی خنجر آدمی

لغزشوں پر اس طرح سے ٹوک دیتا ہو کوئی
جیسے ہو اس آدمی کے دل کے اندر آدمی

اصل میں ماحول یہ بھی تو اسی کا فیض ہو
کھا رہا ہے جس میں اب چکر پہ چکر آدمی

ہر قدم پر موج ناکامی سے ٹکرانا پڑا
خواہشوں کا بن گیا جب سے سمندر آدمی

لعنت کذب و خیانت دور کرنے کے لئے
آگیا خلق و کرم کا بن کے پیکر آدمی

کر نہ سکتے تھے جہاں جانے کی ہمت جبرئیل
یہ وہاں پہونچا شب معراج جا کر آدمی

ہیں مسلماں بھائی بھائی بارہا اس نے کہا
اس کو سب سمجھے تھا گھر گھر اور گھر گھر آدمی

اس کے پیرو اس پہ بھی کچھ اس طرح غفلت میں ہیں
جیسے سو جائے کوئی بیدار ہو کر آدمی

اس نے بھیجے بھی ہمیں کعبہ دیا قرآں دیا
اٹھا دنیا سے ہمیں اک اور دے کر آدمی

آج یہ جشنِ ولادت ہے اسی کا اصل میں
جو شبِ معراج تھا پردے کے اندر آدمی

آئیں گے اور آئیں گے یوں ہی برابر آدمی
غیر ممکن کوئی آئے مثلِ حیدرؑ آدمی

یہ نبیؐ کے نور سے مشتق ہے اس کے واسطے
دیکھ لے ہجرت کی شب احمدؐ کا بستر آدمی

اس کی کعبے میں ولادت ہونا یہ ہو گی ضرور
لاکھ ہو جائیں کھڑے دیوار بن کر آدمی

حوضِ کوثر پہ پہنچنا پھر کوئی مشکل نہیں
شرط ہے پی لے شرابِ حبِّ حیدرؑ آدمی

اپنا مولا گر نہ مانے اس کو پا سکتا نہیں
سلسبیل و جنت و تسنیم و کوثر آدمی

اس کی الفت کی بدولت ہو گئے پہلے تھے
قنبر و مقداد و سلمان و ابوذر آدمی

یہ مکمل آدمی ہے یہ بتانے کے لئے
بن کے آئے ہیں فرشتے اس کے در پر آدمی

تیغوں کے سایہ میں سو کے چین سے بتلا دیا
مول لے سکتا ہے یوں مرضیٔ داور آدمی

ہر فضیلت در حقیقت اب فضیلت بن گئی
آ گیا معیار کا معیار بن کر آدمی

ذکر اس کا ذکرِ احمدؐ ذکرِ احمدؐ ذکرِ حق
حق کو پا سکتا ہے یعنی اس کو پا کر آدمی

گر دیا ہوتا نہ اس نے آئینہ ایماں کا
آج ہوتا شرک اور بدعت کا پیکر آدمی

محترم کعبہ وہی اس کا زچہ خانہ بھی ہو
جس کے آگے اب جھکا رہتا ہو سر آدمی

ہو نہیں سکتا بہادر ہو نہیں سکتا شجاع
ہاتھ میں اپنے فقط تلوار لے کر آدمی

اتنا ہی آسان ہوتا جتنا کہتے ہو اسے
فتح اس سے پہلے ہی کر لیتا خیبر آدمی

شرط ہے شامل ہو اس میں حکمِ اللہ و رسولؐ
کاٹ دے چاہے اگر جبریل کے پر آدمی

آدمی تھا ایک وہ بھی کلِ ایماں جو ہوا
ایک مرحب آدمی تھا ایک عنتر آدمی

ہو گئی آنے سے اس کے آدمیت سربلند
چل نہیں سکتا تھا ورنہ سر اٹھا کر آدمی

امن ہو سکتا ہے قائم آج بھی اس دہر میں
گر چلے اس کے بنائے راستے پر آدمی

اب بھی بربادی سے بچ سکتی ہے دنیا بالیقیں
پڑھ لے گر اک بار قرآں کو سمجھ کر آدمی

بات اس کی مانتا سیرت کو اپناتا اگر
چاہتا جیسا بنا لیتا مقدر آدمی

طے جو کرتا اس کا دامن تھام کے راہِ حیات
اس طرح کھاتا نہ پھر در در کی ٹھوکر آدمی

اس کے صدقے میں خرد جو آپ کو عزت ملی
اور پائے گا بھلا کیا اس سے بڑھ کر آدمی

کشکول

(از خ۔ ک)

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے ایک نہایت ذی اثر بزرگ تھے۔ آنحضرت صلعم نے اُنھیں کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انہیں کے زیرِ حمایت مکہ کے کفرستان میں بلند آہنگی کے ساتھ دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا۔ ابو طالب ہر موقع پر سینہ سپر ہوئے اور سرورِ کائنات صلعم کو کفار کے ہر ظلم و ستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکینِ قریش نے رسول اللہ صلعم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور اُن کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں ایک گھاٹی میں محصور کر دیا کاروبار اور لین دین بند کر دیا۔ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحۂ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اُٹھایا" (خلفائے راشدین ص۱۱۷ مصنفہ مولانا معین الدین ندوی)

"سنہ ۱۰ھ کو تاریخ اسلامی کا سخت ترین دور شمار کیا جاتا ہے۔ ابو طالب کے انتقال کا صدمہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کم تھا کہ کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات کی وفات نے بے سہارا بنا دیا۔ وہ کریم چچا جن کی رحمتیں ایک باپ سے کم نہ تھیں اور وہ غمگسار بیوی جن کی تشفیاں آپ کے مضطرب دل کے لئے باعثِ اطمینان تھیں۔ ابو طالب جب تک زندہ تھے تب تک نبی کریم بے خوف و خطر تبلیغ فرماتے رہے کیونکہ ابو طالب کی سیادت و حزم پورے عرب میں مسلّم تھی اور یہ طبعی بات ہے کہ جسے پوری سوسائٹی اور پوری قوم اپنا قائد تسلیم کرے وہ مختار سمجھا جانے لگتا ہے اس کی سیاست پوری قوم کی سیاست ہوتی ہے اور اس کا فیصلہ پوری جماعت کا فیصلہ ہوتا ہے چنانچہ وہ اہم مسائل جو کسی سے حل نہ ہوتے اسے ابو طالب نہایت دور اندیشی سے حل کر دیتے۔ ان ہی اہم مسائل میں سے دعوتِ اسلامی بھی ایک مسئلہ بن کر اُن کے سامنے آئی۔ پورا قبیلہ قریش اس کی روک تھام کی تدبیر سوچتا لیکن اُسے ابو طالب کی حمایت اور نصرت حاصل تھی اس لئے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ وہ عرب تھے انھیں اپنے قول کا بہت پاس تھا۔ اُن کے نزدیک قتل و غارت گری کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن وہ اپنے مذہب کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان تو اُن کے مذہب کی کھلی ہوئی توہین تھی اُسے وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ قریش کے اعیان ناراض ہوئے جھنجھلائے مگر کچھ کر نہیں پائے۔

مشیتِ ایزدی کی یہ انوکھی اور لطیف تدبیر تھی جس نے ابو طالب کو نبوت کے آغاز ہی میں محمدؐ کی حمایت پر [illegible] کر دیا۔ فی الواقع ابو طالب کی یہ حمایت خدا کی طرف سے ایک مخفی قوت تھی جو ان پر [illegible]

عملی قوت کے در پردہ قانونِ الٰہی کو اُن کے خودساختہ قانون کی بیخ کنی منظور تھی تاکہ اسلام کا ہمہ گیر قانون مکمل طور سے نافذ ہو سکے۔

ابوطالب کی زندگی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کا کام علی الاعلان کرتے رہے لیکن ابوطالب کی وفات کے بعد یہ سہارا ختم ہو گیا۔ اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رفاقت ہی رسول اللہ کے لئے موجب تقویت تھی۔ حضرت خدیجہ اعلائے کلمۂ حق کے سلسلے میں رسول اکرمؐ کی ہمیشہ معاون و مددگار رہیں۔ منکرین حق کا انکار اور اُس کی مسلسل اذیت تاکی حضرت خدیجہ کی محبت اور دلداری کو کم نہ کر سکی۔ بارہا ایسا ہوا کہ جب بات پر قریش رسول اللہ کی تکذیب پر کمربستہ ہو جاتے ایسی بات کی تائید اور تصدیق میں ہمیشہ پیش پیش رہتیں۔ وہ اپنی عزیز زندگی کا مقصد اعلیٰ دعوت محمدی کی ہر طرح سے امداد ہی کو سمجھتی تھیں غرض یہ کہ رسول اللہ کو خدیجہ کی ذات گرامی سے ہر حیثیت سے رفاقت فرمائی۔ مالی اور روحانی دونوں ایک صحیح اور وفا شعار بیوی جو کچھ اپنے شوہر محترم کے لئے کر سکتی تھی انھوں نے کیا۔"

(ڈاکٹر مصطفیٰ صادق رافعی (مصر) ترجمہ ابوالبرکات اصلاحی۔ روزنامہ دعوت رہبر عالم نمبر ۱۹۸۱ء)

• امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نام نسب خاندان = علیؓ نام۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت حیدر تیسرا لقب۔ امیرالمومنین خطاب۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔ چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علی نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلعم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

خاندان ہاشم کو عموماً عرب اور خصوصاً قبیلۂ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اُسی کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔ (خلفائے راشدین صفحہ ۲۱۷)

"حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ کے بعد یکہ کے اس یتیم معصوم کے ساتھ ماں کی طرح شفقت و محبت ظاہر کی۔ مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں۔ اُن کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلعم نے کفن کے بجائے اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اُس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس خاص عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں" (خلفائے راشدین صفحہ ۲۱۸)

"ہجرت۔ بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلعم نے مکہ میں اسلام کی صدا بلند کی لیکن مشرکین قریش نے لبیک کہنے کے بجائے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے ظلم کئے یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین نے اپنے جان نثاروں کو اسیر پنجہ جور و جفا دیکھ کر آہستہ آہستہ سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے حیطۂ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں چنانچہ اس خطرہ نے اُن کو خود رسول مقبول صلعم کی جان کا دشمن بنا دیا اور ایک روز مشورہ کر کے رات کے وقت کاشانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے اس ذات اقدس کو دنیا سے رخصت کر دیں لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے منور ہو اور توحید کی روشنی شرک و ظلمت کو کافور کر دے اس لئے اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح

غروب ہو سکتا تھا۔ غرض وحی الٰہی نے مشرکین کے ارادوں سے اطلاع دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا سرور کائنات نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تئیس برس کی تھی۔ اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ رہا۔ ہر طرف برہنہ تلواروں کی جھنکار اور چمک سے ظلمت شب میں رعد و برق کا دھوکا ہوتا تھا لیکن یہ نوجوان اسی مسرت و انبساط میں اطمینان کے ساتھ فرش اطہر پر بستر چادر اوڑھے محو خواب تھا کہ اگر اس راہ میں جان گئی تو اس سے زیادہ اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرت سرور کائنات استراحت فرما ہیں صبح ہوئی تو حسب قرارداد اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے لیکن یہاں یہ دیکھ کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ نبوت کا دو عالم کے بجائے آپ کا ایک جان نثار اپنے آقا پر قربان ہو جانے کے لئے سر بکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی غفلت پر سخت برہم ہوئے اور اس فدائی کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں سرگرداں پھرنے لگے" (خلفائے راشدین صفحہ ۲۲۳-۲۲۴)

نکاح :- "اسی سال یعنی سنہ ۲ھ میں حضرت سرور کائنات نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر نے کی تھی لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت علی نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے۔ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر ڈالو"

(خلفائے راشدین صفحہ ۲۲۵)

"حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ جس زہد و اتقا، دینداری و امانت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو دوبارہ جس راستہ پر لانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب نے اس کے لئے لوگوں کے قلوب میں صلاحیت باقی نہیں رکھی تھی۔ ایک طرف امیر معاویہ اپنے طرفداروں کے لئے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے دوسری طرف حضرت علیؓ ہر شخص سے ایک ایک خرمہرہ کا حساب مانگتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار دل برداشتہ اور ان کے اعزہ تک ان سے جدا ہو رہے تھے لیکن بہرحال حق حق تھا اور باطل باطل"۔ (خلفائے راشدین صفحہ ۲۸۰)

مذہبی خدمات :- "امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علیؓ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں سب سے پیش پیش تھے۔ یمن میں اسلام کی روشنی انہیں کی کوشش سے پہنچی۔ سورہ برأت نازل ہوئی تو اس کی اشاعت و تبلیغ کی خدمت انہیں کے سپرد ہوئی"

(خلفائے راشدین صفحہ ۲۸۴)

فضل و کمال :- "حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ خود مسند میں ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو ایک خاص وقت میں معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع حاصل ہوتا تھا سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اسی حالت

[illegible] سے واقف ہونے کا موقع [illegible] تھا۔ چنانچہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہ سے مسح علی الخفین کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے اس کے لئے حضرت علی کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں اسی تقرب و تربیت کو اُن کے خصائل کی اصل بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے امام احمد بن حنبل کی مسند سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے۔ عبد ضعیف گوید سبب این معنی اجتماع دو جہت است در مرتضیٰ رضی اللہ عنہم یکے رسوخ او در سوابق اسلامیہ دوم قرب قرابت او بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اوصل ناس بارحام واعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الٰہی مساعدت نمودہ سوم حضرت مرتضیٰ را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت دو بالا شد و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا در عقد او دادند مزید فضیلت بادیار شد۔

اس قرب و اختصاص کی بنا پر رسول اللہ صلعم خود اُن کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر کرتے تھے۔ چند مخصوص حاشیے بھی قلم بند کر لی تھیں۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابتدا ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پا کر [illegible] اور تبحر اور فضل و کمال کے مالک ہوئے اور [illegible] وعلی بابھا (میں علم کا گھر ہوں اور [illegible] کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز [illegible]

([illegible] راشدین ص ۲۸۷)

علم نحو کی ایجاد ۔ "علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علی کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا۔ اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے۔ چنانچہ ابو الاسود دؤلی کو چند قواعد کلیہ بتائے اور اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ کی طرف منسوب ہیں۔"

(خلفائے راشدین ص ۳۷)

اخلاق و عادات: "معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلعم کے دامن عاطفت میں تربیت حاصل کی تھی اس لئے وہ قدرتاً حسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے کبھی اُن کی زبان کلمہ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کبھی اُن کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرّا اور پاک رہے۔ شراب جو عرب کی گھٹی میں تھی (اسلام سے پہلے بھی کبھی آپ نے نہیں پی اور اسلام کے بعد تو اس کا کیا موقع ہو سکتا تھا۔" (خلفائے راشدین ص ۳۰۲)

"خلیفہ رابع سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے حساب [illegible] ہیں، باجماع اُمت آپ امام الاتقیاء ہیں۔ سلوک و طریقت کے سلسلے زیادہ تر آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ آپ اُن کے مرکز و منبع اور قطب الارشاد ہیں۔ آپ مدینۃ العلم کے باب ہیں۔ مدینۃ العلم (سیدنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم) لانظیر و لاثانی ہے تو اس کا باب بھی لانظیر و لاثانی ہے طاقت بشر سے بالا۔ صرف انعام خداوندی۔"

(شواہد تقدس مولانا محمد میاں صاحب ص ۲۲۴)

"ہمارے حضور اپنی بیٹی فاطمہ کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ وہ حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی ہیں تو فرط محبت سے اُٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنی نشست مبارک پر ان

کو جگہ دیتے ہیں۔ کہاں جاہلیت کا عرب اور کہاں یہ عہدِ رسالتؐ کا عرب۔ خدا کی قسم حضور کی ہر بات ہی تو مثال اور نمونہ ہے اور سیدہ فاطمہؑ بھی سعادت مندی میں اپنی مثال آپ ہیں"

(روزنامہ دعوت رہبرِ عالم نمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۵)

"آپ کو اپنا نام ابوتراب بہت پسند تھا جب کوئی شخص اس نام سے آپ کو پکارتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس نام کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ ایک روز آپ گھر سے نکل کر مسجد میں آئے اور وہیں پڑ کر سو گئے۔ آنحضرت صلعم مسجد میں تشریف لائے اور حضرت علی کو اُٹھایا تو اُن کے جسم سے مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ابوتراب اُٹھو۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول مولانا اکبر شاہ خان صفحہ ۲۸۶)

"ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہیں جن سے محبت رکھنے کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ اُن کا نام بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ علیؑ، ابوذر، مقداد، سلمان فارسی"

(تاریخ اسلام حصہ اول مولانا اکبر شاہ خان صفحہ ۲۸۸)

"حضرت علیؑ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے، یہ بھی آپ کی فضیلت ہے کہ آپ خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ حضرت علیؑ کی والدہ طواف میں مشغول تھیں کہ دردِ زہ کی شدت ہوئی آنحضرت صلعم وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ کو پریشان دیکھ کر فرمایا اماں جان خانۂ کعبہ میں جاؤ، خدا مشکل آسان کرے گا یہ سُن کر آپ کعبہ کے اندر چلی گئیں اور اُسی وقت سیدنا علیؑ پیدا ہوئے"

ولدتہ فی حرم المعظمہ امہٗ
طابت وطاب ولیدھا والمولدٗ

(آپ کی والدہ نے حرمِ محترم میں آپ کو جنا۔ ماں بچہ جائے ولادت سبھی پاک ہیں۔)

(تذکرہ علی۔ علامہ محمد حسام الدین صفحہ ۳۶۱)

فضائل: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) "علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور علیؑ میرے اور ہر ایماندار کے دوست و ناصر ہیں۔"

(۲) "علیؑ کو منافق دوست نہیں رکھتا اور مومن اُن سے بغض نہیں رکھتا۔"

(۳) "میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔"

(۴) "میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں۔"

(۵) "اے علیؑ میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ اس مسجد میں سے بحالتِ جنابت گزرے۔"

(۶) "خداوندا جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علیؑ ہیں۔"

(۷) "الٰہی جو علیؑ کو دوست رکھے تو اُس کو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اُس سے دشمنی کر جو اُن کی مدد کرے تو اُن کی مدد کر اور جو اُن کو چھوڑ دے تو اُس کو چھوڑ دے۔ جہاں کہیں وہ ہوں حق اُن کے ساتھ ہے۔"

(۸) "جس نے علیؑ کو دوست رکھا اُس نے مجھ کو دوست رکھا جس نے مجھ کو دوست رکھا۔ اُس نے خدا کو بھی دوست رکھا اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اُس نے خدا سے بغض رکھا۔"

(۹) "علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس آجائیں گے۔"

(۱۰) علی کو دیکھنا عبادت ہے۔"

(تذکرہ علی۔ علامہ محمد حسام الدین صفحہ ۳۰۲)

شجاعت: "شجاعت و بسالت سیدنا علیؑ کا مخصوص وصف تھا آپ جملہ بہادرانِ عرب میں سب سے زیادہ شجاع تھے۔ خدا و رسول کے خوف کے سوا کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے آپ کی شجاعت کی وہ شہرت ہے کہ [illegible]

وہ جب کسی میدان میں نکلتے ہیں تو اکثر علیؑ علیؑ کہتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم تلوار چلانا اور میدان جنگ میں مارا جانا بستر پر پڑے پڑے جان دینے سے مجھے بہت زیادہ عزیز ہے۔ جنگ کے وقت آپ کی زرہ صرف آگے کی جانب ہوتی اور پیٹھ خالی ہوتی تو کسی نے آپ سے پوچھا کیا آپ کو اس بات کا ڈر نہیں کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور ہو اور آپ کو صدمہ پہنچائے۔ فرمایا اگر میں اتنا غافل ہو جاؤں کہ دشمن میرے پیچھے سے آکر مجھ پر وار کر سکے تو ایسے وقت تک خدا مجھے زندہ نہ رکھے

حضرت علیؑ سوا ایک جنگ تبوک کے تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے اور سب میں غیر معمولی شجاعت کے جوہر دکھائے جنگ بدر میں تجربہ کار اور جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش داد شجاعت دی حالانکہ اُس وقت آپ کا عنفوان شباب تھا۔ جنگ احد میں جب لڑائی بگڑی اور اکثر صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو گئے تو جو صحابہ اس وقت حضور انور کے ساتھ تھے اُن میں حضرت علیؑ بھی ہیں اس موقع پر آپ کے جسم پر تیر و تلوار کے سولہ زخم کاری لگے۔ یہ زخم یوں تو کھائے مگر نبی کریم کی حفاظت سے منہ نہ موڑا۔"

(تذکرہ علی ص۹)

جود و سخا :۔ "حضرت علیؑ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا۔ جو کچھ پاس ہوتا یہاں تک کہ قوت لایموت بھی دینے میں دریغ نہ کرتے۔

ایک دفعہ سیدنا امام حسنؑ و امام حسینؑ بیمار ہوئے حضرت علیؑ اور سیدہ فاطمہ نے نذر مانی کہ اگر دونوں صاحبزادے صحت پائیں تو تین روزے رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت بخشی تو حضرت علیؑ اور فاطمہؑ نے روزے رکھے حضرت علیؑ شمعون یہودی سے تین صاع جو قرض لائے حضرت فاطمہ نے ایک صاع جو پیس کر گھر والوں کی گنتی کے موافق پانچ روٹیاں پکائیں افطار کے وقت جب کھانے بیٹھے دروازہ پر ایک مسکین نے آواز دی حضرت علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ اور باندی فضہ نے اپنی اپنی روٹیاں مسکین کو دے دیں اور پانی سے روزہ کھول کر رات بسر کی۔ دوسرے دن روزہ رکھا افطار کے وقت ایک یتیم نے سوال کیا۔ سبھوں نے اپنا اپنا حصہ اُسے دے دیا تیسرے روز اسیر نے سوال کیا سب روٹیاں اُس کو عطا فرما دیں خدائے تعالیٰ کو یہ ایثار پسند آ گیا اور یہ آیت نازل فرمائی ۔

"ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا" (تذکرہ علی ص۱۱)

حضرت علیؑ کے القاب : آپ کے القاب تو شمار میں نہیں آ سکتے مگر ان میں سے جو احادیث سے ثابت ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں :

یعسوب المومنین۔ سید المسلمین امیر المومنین امام المتقین۔ ولی المتقین سید الصادقین قائد الغر المحجلین۔ سید الساجدین خیر المومنین۔ خاتم الوصیین ۔ سید المومنین مولی المومنین۔ سید العرب صدیق الاکبر فاروق الاعظم۔ ذی القرنین۔ وصی رسول اللہ۔ امام البررۃ قاتل الفجرۃ ۔ اسد اللہ۔ حجۃ اللہ ولی اللہ صفوۃ اللہ خلیفہ رسول اللہ۔ وارث رسول اللہ۔ ناصر رسول اللہ قسیم النار والجنۃ صاحب الرایہ۔ رایۃ الہدیٰ۔ صاحب السواد امام الاولیا الهادی۔ منار الایمان المرتضیٰ۔ المصطفیٰ۔ الامین۔ الشاہد۔ الشہید۔ الراکع۔ الساجد منجز الوعد باب حطہ۔ مثیل ہارون۔ مثیل مسیح۔ نفس الرسول۔ سیف اللہ۔ وزیر رسول اللہ۔ القاضی۔ خیر البشر۔ زوج القرۃ بنت الطاہر الصادق المومن۔ العابد الزاہد۔ السابق الحبیب۔ القاری۔ سفینۃ النجاۃ المہدی الہادی۔ امیر النحل۔ ذو القرنین طود النہیٰ۔ ایلیا۔ رایۃ الجنۃ العزم۔ قباب

عین النقمۃ ۔ کاسر الاصنام ۔ الانزع البطین ۔ خاصف النعل ۔ زوال اذن الواعی ۔ الرایع الساجد ۔ قاتل الناکثین قاتل القاسطین ۔ قاتل المارقین ۔ شیخ المہاجر ۔ شیخ الانصار الرمی سید فی الدنیا ۔ سید فی الآخرہ ۔ الاصلع ۔"

(سوانحعمری حضرت علیؓ ۔ ترجمہ کار پردازان دفتر اُردو اخبار لاہور صفحہ ۴۰۲)

" بلوائیوں نے ہمسایہ کے ایک گھر میں داخل ہو کر اور دیوار کود کر حضرت عثمان پر حملہ کیا ۔ سب سے پہلے محمد ابن ابی بکر حضرت عثمان کے قریب پہنچے اور اُن کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا اے نعثل (لمبی ڈاڑھی والے) خدا تجھ کو رسوا کرے ۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں نعثل نہیں بلکہ عثمان امیر المومنین ہوں ۔ محمد بن ابی بکر نے کہا تجھ کو اس بڑھاپے میں بھی خلافت کی ہوس ہے ۔ حضرت عثمان نے کہا ۔ تمہارے باپ ہوتے تو وہ میرے اس بڑھاپے کی قدر کرتے اور میری اس ڈاڑھی کو اس طرح نہ پکڑتے ۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول مصنفہ مولانا اکبر شاہ خان صفحہ ۵۵۴)

جعفر بن ابی طالب کی تقریر دلپذیر ۔ ۔ ۔ " اے بادشاہ ہم لوگ جاہل تھے ' بت پرست تھے ' مردہ خوار تھے ۔ بدکار تھے ' قطع رحمی اور ہمسایوں سے بدمعاملگی کرتے تھے ۔ ہم میں جو طاقتور ہوتا تھا وہ کمزور کا حق دبا لیتا تھا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا جس کے حسب نسب ' صدق و امانت سے ہم سب واقف تھے ۔ اُس نے ہم کو موحد بنا کر بت پرستی سے روکا ' راست گفتاری ' امانت اور صلہ رحمی کا حکم دیا ۔ ہمسایوں کے ساتھ نیک برتاؤ کی تعلیم دی ۔ بدکاری ' دروغ گوئی اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا ۔ قتل و غارت سے باز رکھا اور عبادت الٰہی کا حکم دیا ۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور اُس کی فرماں برداری کی اس لئے ہماری قوم ہم سے ناراض ہو گئی ۔ ہم کو انواع و اقسام کی اذیتیں پہنچائیں ۔ یہاں تک کہ ہم مجبور ہو کر اپنے وطن سے نکل آئے اور آپ کے ملک میں پناہ گزین ہوئے ۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ کے ملک میں ہم کو ستایا نہ جائے گا ۔"

(تاریخ اسلام حصہ اول مولانا اکبر شاہ خان صفحہ ۱۱۲)

" حضرت علی آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے ۔ ابوطالب نہایت کثیر العیال تھے ۔ معاش کی تنگی نے نہایت پریشان کر رکھا تھا قحط و خشک سالی نے اس مصیبت میں اور اضافہ کر دیا تھا اس لئے رحمۃ للعٰلمین نے اپنے چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں ابوطالب کا ہاتھ بٹانا چاہیئے ۔ حضرت عباس نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا چنانچہ وہ اُس وقت سے برابر حضور پر نور کے ساتھ رہے ۔"

(خلفائے راشدین صفحہ ۲۱۹)

" حضرت علیؓ کو علم دین کا باب کہا جاتا ہے ۔ علم و فضل کے میدان میں اُنھیں انتہائی ممتاز مقام حاصل ہے ۔ اُن کی پوری زندگی خدمت دین میں گزری ۔ زندگی کے حقائق کے متعلق اُن کی معلومات کتنی گہری اور وسیع تھیں اس کا اندازہ اس وصیتی خط سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ کو لکھا ۔ اگرچہ اس خط میں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو مخاطب کیا ہے لیکن اس خط میں جو پیغام ہے وہ پوری اُمت رسول کے لئے ہے ۔"

(دعوت ۲۸ مئی ۱۹۸۶ء)

مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی اپنے مشہور ترجمۂ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں :-

" خطبات کا یہ مجموعہ فصاحت و بلاغت اور معانی کلام کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتا ۔ ان خطبات میں فلسفہ بھی ہے اور منطق بھی ' تاریخ بھی ہے اور [illegible]

حقائق جو صرف دل کی آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، سماعت جو صرف دل کے کانوں سے سُنے جا سکتے ہیں۔ خدا کی یکتائی پر جو جو محکم دلیلیں اس کتاب میں ملیں گی کہیں اور نہیں مل سکتیں۔ جس طرح قرآن حکیم میں خدا کی معرفت کے لئے چھوٹی چھوٹی اور بڑی بڑی چیزوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اسی طرح ان خطبات کے خطیب نے بھی چھوٹی چھوٹی اور بڑی بڑی چیزوں کی سبق آموزی کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ بات دل میں اُتر جاتی ہے پھر کسی قسم کا وسوسہ اور اندیشہ باقی نہیں رہ جاتا۔ خدا کی یکتائی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور وہ یقین محکم حاصل ہو جاتا ہے جسے دنیا کا کوئی وسوسہ متزلزل نہیں کر سکتا

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی سیرت مقدس، آپ کا کردار، آپ کی شخصیت، آپ کے صفات، آپ کے اخلاق، آپ کے عادات و خصائل، آپ کی گفتار و کردار کی حقیقی واضح تصویر کشی ان خطبات میں ملے گی کہیں اور نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ یہ بیان اس شخص کا ہے جس نے ہوش کی آنکھیں آغوش رسول میں کھولیں اور جس کے دست و سینہ پر سرور کائنات نے زندگی کی آخری سانس لی جو فخر موجودات کا رفیق خلوت و جلوت تھا جو صرف ایک معتقد و مومن ہی نہ تھا بھائی بھی تھا حریص بھی تھا جس نے اپنی زندگی کا مقصد صرف یہ قرار دیا تھا کہ اُسے پیغمبر کا خادم بن کر رہنا ہے، جس نے جنگ کے میدان میں گھر میں، مسجد میں، ہجرت سے پہلے، ہجرت کے زمانہ میں اور ہجرت کے بعد، دعوت اسلام شروع ہونے سے پہلے دعوت اسلام شروع ہونے کے زمانہ میں اور اسلام کے پھیلنے کے بعد، جس نے مکہ کی بے سر و ساماں زندگی میں، مدینہ کی جنگی اور بیچیدہ زندگی میں، پھر فتح مکہ کے بعد حاکمیت کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا تھا اور ساتھ رہا تھا، اس رفاقت کو ہر حالت میں نباہا تھا، لڑائیاں جھیل کر، دُکھ اُٹھا کر، مصیبتیں سہہ کر، خطرات کا مقابلہ کر کے، تلوار کے سایہ میں ـــ کیا ایسے شخص سے بڑھ کر بھی کوئی حق رکھتا ہے کہ وہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حرف آخر کہہ سکے؟

قرآن کریم کی عظمت و شان، جبروت و جلالت کا، صداقت اور معنویت کا جیسا پُرشکوہ بیان ان خطبات میں ملے گا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ خطبات بتاتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نہ کرے، قرآن پر فکر و تدبر نہ کرے اُس کو اپنا راہ نما نہ بنائے کیونکہ وہ خود ہی نجات حاصل نہیں کر سکتا، کہیں ضمناً اصل موضوع بنا کر بار بار جناب مرتضیٰ نے قرآن پڑھنے، اُس پر غور کرنے اور اُس پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ ان خطبات کے پڑھنے سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ہی اصل اسلام ہے بس سچا اور کھرا مسلمان وہی ہے جو قرآن کے سر رشتہ کو کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ جو ہر معاملہ میں قرآن کی ہدایت و رہنمائی کا طالب ہو، جو ہر مشکل کا حل قرآن ہی سے ڈھونڈھے جو ہر مصیبت میں نصرت قرآن ہی کے وسیلہ سے مداوا تلاش کرے۔

ان خطبات میں اہلبیت اطہار کا بھی ذکر ہے اور اس طرح سے جس طرح ہونا چاہیئے۔ اہلبیت کو جو فضیلت اور مرکزیت حاصل تھی وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب

(جلد ۲ ترجمہ نہج البلاغہ از مولانا سید رئیس احمد ندوی)

غذا و لباس :- حضرت علی کے غیر معمولی زہد و ورع نے اُن کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا۔ کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے۔ عمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا۔ عمامہ بہت پسند کرتے تھے چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمائم تیجان العرب یعنی عمامے عربوں

کے تاج میں کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ کرتے کی آستینیں اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہ بند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی۔ کبھی صرف ایک تہ بند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے غرض آپ کو ظاہری نمائش اور طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لئے اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں۔ ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر نستر الملک نقش تھا۔

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں اُن کے لئے دعا کی تھی اللھم اذھب عنہ الحر والبرد یعنی اُن سے گرمی و سردی دور کر اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا لباس جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔"

(ص۳۲ ترجمہ نہج البلاغہ از مولانا سید رئیس احمد ندوی)

"عربی ادب کی مشہور کتابوں میں ایک "نہج البلاغہ" بھی ہے اس میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے منتخب خطبے، خطوط اور حکیمانہ اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ امیر المومنین کی گرامی ذات معدن فصاحت و بلاغت ہونے کے ساتھ خلیفۂ راشد یا امام معصوم کی حیثیت بھی رکھتی ہے، اس لئے اس کے مشمولات کی اہمیت دوہری ہو گئی ہے۔"

(استناد نہج البلاغہ از علامہ خان امتیاز علی خان عرشی ص۵)

اصابت رائے:۔ حضرت علیؑ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبوت ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کئے جاتے تھے۔ واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ اُن میں ایک حضرت علی بھی تھے۔ غزوۂ طائف میں آپ نے اُن سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک آنے لگا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں وہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں کے مشیر تھے۔ حضرت عمر کو اُن کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا "لولا علی لہلک عمر" اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔"

حضرت عثمان نے بھی اُن سے اہم معاملات میں مشورے لئے اور اگر اُن کے مشورے پر عمل کیا جاتا تو اُن کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔ آپ کی اصابت رائے کا سب سے زیادہ ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقدمات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے اُن کو قائم رکھا چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا ما اجد فیما الا ما قال علی میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؑ نے کیا۔ اُن کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ الذی جعل فینا [illegible] "اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیت کو حکمت [illegible]

(ترجمہ:۔ نہج البلاغہ از مولانا سید [illegible] ندوی ص۳)

علیؑ کے قدم

(جناب شاہد حیدری حیدرآباد)

ہے خدا کی عنایت نبیؐ کا کرم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم
نازِ زینتِ عرش و کرسی و لوح قلم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

میری ٹھوکر پہ شاہوں کا جاہ و حشم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم
نازِ یثرب کہو یا کہ فخرِ عجم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

مدعائے ریاضت ہیں بیشک یہی حاصلِ صد عبادت ہیں بیشک یہی
بڑھ گیا اب عبادت کا میری بھرم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

دینِ اسلام کی زندگانی یہی فتح نصرت کی اب ہے نشانی یہی
ہاں مسلمانو دو مجھ کو طبل و علم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

حال و ماضی بتا دوں میں سب آپ کا ہوگا انجام کیا مجھ کو یہ ہے پتا
ہاتھ آئے ہیں دو دوسرے جامِ جم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

دردِ دل کا تمھیں مدعا کب ملا ڈھونڈنے والو تم کو خدا کب ملا
آؤ میرے مقابل اگر کچھ ہے دم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

دیکھتے ہو ولائے علیؑ کا صلہ مجھ سے کمتر کو بھی اوجِ منبر ملا
اب سرِ عرش پہونچیں گے میرے قدم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

ہو ازل سے ابد تک وہ حاجت روا کیا رہے پھر کسی سے مجھے واسطا
کیوں کروں اب میں بحث حدوثِ قدم مل گئے مجھ کو مولا علیؑ کے قدم

دعوتِ ذوالعشیرہ!

(جناب اقبال حسین صاحب گوری گنج دارانسی)

جناب رسول خدا پر جب آیت "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی یعنی "ڈراؤ اپنے قریبی لوگوں کو" تو رسول خداؐ نے علی ابن ابی طالب کو بلایا اور حکم دیا کہ تم ایک صاع آٹے کی روٹی اور ایک ران بکری کی تیار کر لو اور ایک پیالہ دودھ مہیا کر رکھو۔ پھر اولادِ مطلب کو کھانے کے لئے شعبِ ابو طالب میں بلا لو تاکہ میں ان سے گفتگو کروں اور جو حکم خدا کی جانب سے مجھے دیا گیا ہے اُن تک پہنچا دوں۔ علیؑ نے حضرت محمد رسول خدا کے حکم کی تعمیل کی اور حسب ارشادِ جناب رسول خداؐ کھانا تیار کر کے اولادِ عبدالمطلب کو شعب ابوطالب میں بلایا۔ اُس دن وہ سب چالیس آدمی تھے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو جناب رسول خدا نے علیؑ کو کھانا حاضر کرنے کا حکم دیا جو کہ ان لوگوں کے لئے علیؑ نے تیار کیا تھا۔ پس وہ کھانا علیؑ نے حضرت کے سامنے حاضر کر دیا آنحضرتؐ نے اس کھانے میں سے ایک بوٹی اُٹھائی اور دندانِ مبارک سے کاٹ کر اسی رکابی کے کنارے پر رکھ دی جس میں سالن تھا بعد فرمایا۔ بسم اللہ نوش کیجئے۔ پس ان سب لوگوں نے اتنا کھایا کہ کسی کے پیٹ میں گنجائش باقی نہیں رہی۔ علیؑ کہتے ہیں کہ میں اُسی خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ کھانا جو میں نے ان لوگوں کے سامنے رکھا تھا اتنا تھا کہ اُن میں کا ایک آدمی اُسے کھا لیتا مگر میں نے کھانے پر صرف اُن لوگوں کی انگلیوں کے نشان ہی نشان دیکھے اور سب کھانا اُسی طرح باقی رہا۔ پھر میں دودھ کا کاسہ اُن سب کے سامنے لایا۔ وہ دودھ اُن سب نے خوب پیا اور سب سیراب ہو گئے یہاں تک کہ وہ دودھ اتنا تھا کہ اُن میں سے ایک ہی آدمی پی لیتا لیکن وہ دودھ بھی سب باقی رہا۔ بعد فراغت جیسے ہی جناب رسول خداؐ نے ان لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ کیا ابولہب فوراً بول اُٹھا۔ دیکھا تمہارے میزبان نے تم پر کیسا جادو کیا ہے۔ یہ سُن کر وہ سب کے سب چلائے اور متفرق ہو گئے۔ آنحضرتؐ کچھ بھی نہ فرمانے پائے۔ دوسرے دن پھر علیؑ سے نبیؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ دیکھی تم نے اس مرد (ابولہب) کی چال کہ مجھ سے پہلے ہی ایسی بات کہہ دی جس سے وہ سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں ان سے کچھ بھی نہ کہنے پایا۔ پھر کل کی طرح آج تم کھانا تیار کر کے ان سب کو دعوت دو۔ چنانچہ علیؑ نے ارشادِ نبوی کے موافق کھانا تیار کر کے [illegible] کو جمع کر لیا۔ آنحضرت نے کھانا طلب فرمایا۔ علیؑ نے کھانا حاضر کیا پس آنحضرت نے روزِ گزشتہ کے مانند [illegible]

سامنے رکھ دی۔ پھر ان سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ کسی کو خواہش طعام باقی نہیں رہی۔ پھر حضرت نے فرمایا انھیں دودھ بھی پلاؤ چنانچہ علیؑ نے دودھ کا پیالہ بھی لاکر رکھ دیا۔ وہ سب کے سب اُسے پی کر سیراب ہو گئے اور روزِ گزشتہ کی طرح کھانا اور دودھ باقی رہا۔ پس جناب رسولخداؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے عبدالمطلب کے فرزندو خدا کی قسم میں نے تو اس ملک عرب میں کسی کو نہیں سُنا جو اپنی قوم کے لئے مجھ سے بہتر چیز لایا ہو۔ میں تمھارے پاس دنیا اور آخرت کی بہتری لے کر آیا ہوں۔ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اُس کی طرف بلاؤں پس تم میں کون ایسا ہے جو خدا پر ایمان لائے اور میرا دین جاری کرنے میں میرا ہاتھ بٹائے تاکہ وہ میرا بھائی اور وزیر ہو اور وہ میرے بعد میرا وصی اور میرا خلیفہ میرے کنبہ میں ہو جائے۔ سنو خدا نے جتنے نبی بھیجے ہیں ہر ایک کے لئے اُس کے کنبہ میں سے اُس کا قوتِ بازو، وزیر، وارث، ہو۔ دوسرا میرے کنبہ میں سے میرا وارث نہ ہوا وہ نہ ہی میری تمام تابعین میں میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو اور اس کو مجھ سے وہی منزلت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ فرق اتنا ہی ہے کہ وہ میرے بعد نبی نہ ہو گا۔ حضرتؐ نے تین مرتبہ یہی ارشاد فرمایا کسی نے کچھ جواب نہ دیا پورا مجمع خاموش تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سب گونگے ہو گئے ہیں۔ میرے خیال میں بنی المطلب کے ضعیف العمر مردوں کو چاہیئے تھا کہ وہ کھڑے ہو کر کہتے کہ اے حضرت محمدؐ آپ ہمارے قوم اور قبیلہ کے ہیں اور پورا مکہ آپ کو امین اور صادق کہتا ہے اور عرب میں ہر قبیلہ والا اپنے والوں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور ہر امر میں ساتھ دیتا ہے اس لئے ہم سب بھی آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں لیکن بنی عبدالمطلب کے ضعیف العمر لوگوں نے بالکل خاموشی اختیار کی۔ کسی میں خدا کی وحدانیت اور نبی کی رسالت کی عام مجمع میں تصدیق کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہی میرا خیال بنی عبدالمطلب کے جوانوں کی جانب ہے کہ نبی کی تقریر کے بعد جوانوں کو کھڑے ہو جانا چاہیئے تھا اور یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اے حضرت محمدؐ آپ ہماری قوم اور قبیلہ میں سے ہیں اور پورا مکہ آپ کو امین اور صادق کہتا ہے اور عرب میں ہر قبیلہ والا اپنے ہی قبیلہ والوں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور ہر امر میں ساتھ دیتا ہے اس لئے ہم سب آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں لیکن بنی عبدالمطلب کے نوجوان بھی بالکل خاموش تھے کسی میں خدا کی وحدانیت اور نبی کی رسالت کی تصدیق کرنے کی جرأت عام مجمع میں نہ ہوئی۔ نبی اپنے قبیلہ والوں کے چہروں کی جانب دیکھتے ہوں گے اور دل میں یہ تمنا ہوگی کہ کاش اسی وقت میرے قبیلہ کا کوئی بھی فرد کھڑا ہو کر خدا کی وحدانیت اور میرا دین جاری کرنے میں میرا ہاتھ بٹانے کے لئے وعدہ کرلے تاکہ وہی میرا وصی، وارث، خلیفہ، قوتِ بازو اور وزیر ہو جائے۔ مجمع میں بالکل سناٹا تھا۔ دفعتاً ایک بجلی کوندتی نظر آئی۔ اس خاموشی کو ایک نوعمر نے توڑا۔ یا جو ابھی شباب کی منزل پر بھی نہیں پہنچا تھا جس کا نام علیؑ تھا۔ بہت ہی جرأت، خلوص اور جوش کے ساتھ علیؑ کھڑے ہو گئے اور نبی سے عرض کیا "اے خدا کے رسول! میں ہر طرح آپ کا ساتھ دوں گا"۔ پس آنحضرت کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے اور علی کا ہاتھ پکڑ کے ان لوگوں سے ارشاد فرمایا۔ یہی میرا بھائی اور وصی اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ تم لوگوں میں ہے۔ تم لوگ اُس کی سُنو اور اُس کی اطاعت کرو۔" وہ لوگ دیکھ رہے تھے پس علیؑ نے جناب رسولخداؐ سے بیعت کی اور اُن کے ارشاد کو قبول کیا! حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسولخداؐ فرماتے ہیں ہر ایک

نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے میرا وارث اور وارث
علیؑ ہے۔ علامہ عبید اللہ امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب
میں تحریر کرتے ہیں کہ ربیعہ ابن ماجد کہتے ہیں کہ ایک
آدمی نے جناب امیرؑ سے پوچھا۔ اے امیر المومنینؑ آپ
نے اپنے چچا کو چھوڑ کر اپنے ابن عم کا ورثہ کیوں پایا ہے
جناب امیرؑ نے فرمایا۔ ایک دفعہ جناب سرور کائنات نے
بنی عبد المطلب کو جمع کیا اور اُن کے لئے کھانا ایک پیمانہ
میں پکایا۔ وہ کھانے کو آئے اور کھانے لگے یہاں تک کہ
سیر ہو گئے اور کھانا جوں کا توں بچا رہا۔ پھر حضرت نے
شربت کا مٹکا منگوایا لوگ شربت پینے لگے یہاں تک
کہ سب سیراب ہو گئے اور شربت بچ رہا۔ گویا کہ کسی نے
چھوا تک نہ ہو۔ پھر حضرت نے فرمایا اے بنی عبد المطلب
میں تمہارے لئے خاص کر مبعوث ہوا ہوں اور عام طور
سے اور لوگوں کی طرف تم نے اس معجزہ کو دیکھا ہے پس
تم میں کوئی ہے کہ میری بیعت کرے اور میرا بھائی اور
دوست اور وارث اور وزیر بنے۔ اُن میں سے کوئی
نہ اُٹھا۔ میں کھڑا ہو گیا۔ میں اس وقت سب سے چھوٹا تھا
آنحضرتؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر تین دفعہ حضرت نے
وہی کلمات ارشاد کئے۔ میں ہی ہر دفعہ اُٹھتا رہا اور
حضرت فرماتے رہے بیٹھ جا۔ تیسری بار حضرت نے میرے
ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا "میرا بھائی اور وزیر اور دوست
ہے اس لئے میں نے اپنے چچا کے سوا اپنے ابن عم کا ورثہ
پایا۔ ابن یوسف گنجی کفایت الطالب میں تحریر کرتے
ہیں کہ جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں جناب
رسولؐ کے ساتھ مدینہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا کہ
ناگاہ ہم ایک نخلستان میں سے ہو کر گزرے کہ ایک نخل دوسرے
سے پکار کر کہنے لگا۔ یہ نبی مصطفےٰ ہیں اور یہ علی مرتضیٰ
ہیں۔ پھر ہم آگے نکل گئے۔ پھر ایک دوسرا نخل تیسرے سے
کہنے لگا یہ موسیٰ ہیں اور یہ اُن کا بھائی ہارون ہے۔

طبرانی معاجم ثلاثہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جناب امیرؑ سے
مروی ہے کہ جب غزوۂ تبوک میں حضرت مجھے [illegible]
پیچھے چھوڑ کر تشریف لے جانے لگے تو فرمایا ہم تجھ کو اس
لئے اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ہمارا خلیفہ بنے۔ میں
نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کے پیچھے کس طرح
رہ سکتا ہوں فرمایا کیا تو راضی نہیں کہ بنے تو مجھ سے ہارون
کی جگہ موسیٰ سے مگر میرے بعد نبی نہیں ہے۔ امام مسلم تحریر
کرتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے جناب امیرؑ سے ارشاد
فرمایا کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہے موسیٰ سے۔ علامہ
عبید اللہ امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب میں تحریر
کرتے ہیں کہ جناب علی ابن الحسینؑ جناب حسینؑ سے اور وہ
اپنے والد ماجد جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ خندق
کے روز جناب سرور کائنات نے پروردگار سے التجا کی
کہ اے میرے پروردگار تو نے بدر کے روز عبیدہ بن
الحارث کو مجھ سے لے لیا اور احد کے روز حمزہ بن
عبد المطلب کو لے لیا۔ اب یہ علیؑ باقی رہ گیا ہے پس تو
مجھے اب اکیلا مت چھوڑ۔ تو سب وارثوں سے بہتر ہے
ابو سعد عبد الملک بن ابی عثمان محمد واعظ خرکوشی اپنی
کتاب شرف النبوۃ میں تحریر کرتے ہیں کہ ابن عباس روایت
کرتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول خدا نے منبر پر چڑھ کر
خطبہ ارشاد کیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد وعظ بیان
فرمایا اور لوگوں کو آخرت کا خوف دلایا اور وعید الٰہی
سے ڈرایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا علی ابن ابی طالب
کہاں ہیں۔ جناب امیر جلدی سے اچھل کر اپنے دونوں
پاؤں پر کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میں
حاضر ہوں۔ حضرت نے اُن کو اپنے نزدیک بلایا جب
وہ نزدیک گئے تو آپ نے اپنے سینۂ مبارک سے لگایا
اور پیشانی پر بوسہ دیا اور رونے لگے یہاں تک کہ
مبارک پر اشک جاری ہو گئے۔ پھر [illegible]

[illegible] علی بن ابی طالب شیخ المہاجرین [illegible] ہے یہ میرا بھائی اور میرا ابن عم اور میرا داماد اور میرا گوشت اور میرا خون ہے۔ یہ ابوالسبطین یعنی امام حسنؑ اور حسینؑ کا باپ ہے جو اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ یہ مجھ سے تکلیف کو دور کرنے والا ہے خدا کی زمین پر خدا کا شیر ہے اور اُس کے دشمنوں کے لئے اُس کی برہنہ شمشیر ہے۔ اُس کے دشمنوں پر خدا اور خدا کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اللہ اُن سے بیزار ہے میں اُن سے بیزار ہوں۔ پس اگر کوئی خدا کی اور میری بیزاری چاہتا ہو تو وہ اس سے بیزاری اختیار کرے۔ تم حاضرین میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ غائبوں کو اس سے آگاہ کرے

"... امیرالمومنینؑ نے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں جہاد پر آمادہ کرنا چاہا تو وہ لوگ دیر تک چپ رہے تو آپ نے فرمایا: "تمھیں کیا ہو گیا ہے، کیا تم گونگے ہو گئے ہو؟" ایک گروہ نے کہا کہ اے امیرالمومنین! اگر آپ چلیں تو ہم بھی آپ کے ہمراہ چلیں گے۔ جس پر حضرت نے فرمایا۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے تمھیں ہدایت کی توفیق نہ ہو اور نہ سیدھی راہ دیکھنا نصیب ہو۔ کیا ایسے حالات میں میں ہی نکلوں۔ اس وقت تو تمہارے جوانمردوں اور طاقتوروں میں سے جس شخص کو میں پسند کروں گا اُسے جانا چاہیئے۔ میرے لئے مناسب نہیں کہ میں لشکر، شہر، بیت المال، خراج کی فراہمی، مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ اور مطالبہ کرنے والوں کے حقوق کی دیکھ بھال چھوڑ دوں اور لشکر لئے ہوئے دوسرے لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوں اور اس طرح خالی ترکش میں بے پیکان کا تیر ہلتا جلتا بے جنبش کھاتا رہوں۔ میں چکی کے اندر کا وہ قطب ہوں کہ جس پر وہ گھومتی ہے۔ میں اپنی جگہ پر ٹھہرا رہوں اور اگر میں نے اپنا مقام چھوڑ دیا تو پھر گھومنے کا دائرہ متزلزل ہو جائے گا اور دوسرا نیچے والا پتھر بھی بے ٹھکانہ ہو جائے گا۔ خدا کی قسم یہ بہت برا مشورہ ہے قسم بخدا اگر دشمن کا مقابلہ کرنے سے مجھے شہادت کی امید نہ ہو جب کہ وہ مقابلہ میرے لئے مقدر ہو چکا ہو تو میں اپنی سواریوں کو (سوار ہونے کے لئے) قریب کر لیتا اور تمھیں چھوڑ چھاڑ کر نکل جاتا اور جب تک جنوبی و شمالی ہوائیں چلتی رہتیں تمھیں کبھی طلب نہ کرتا۔ تمھارے شمار میں زیادہ ہونے سے کیا فائدہ جب کہ تم ایک دل نہیں ہو پائے۔ میں نے تمھیں صحیح راستہ پر لگایا ہے کہ جس میں ایسا ہی شخص تباہ و برباد ہو گا جو خود اپنے لئے ہلاکت کا سامان کئے بیٹھا ہو اور جو اس راہ پر جمع رہے گا وہ جنت کی طرف اور جو پھسل جائے گا وہ دوزخ کی جانب بڑھے گا۔"

(نہج البلاغہ)

مولا علیؑ

(جناب شارب لکھنوی)

میرا ایماں میرا مسلک مدحتِ مولا علیؑ
مجھ کو کہتے ہیں غلامِ حضرتِ مولا علیؑ

کھولا ہے قرآں نے بابِ مدحتِ مولا علیؑ
آیتِ تطہیر ہے یا سورۂ مولا علیؑ

ہر قدم پر سیکڑوں طوفاں ہیں میثم کی قسم
کیوں کیا سمجھی ہے دنیا مدحتِ مولا علیؑ

مسکرا اُٹھے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے
واقعی جو تھے غلامِ حضرتِ مولا علیؑ

بوذرؓ و سلماںؓ کی منزل تو پہلے جان لو
اے سمجھنے والو قدر و قیمتِ مولا علیؑ

جس کا جو جی چاہے سمجھے اپنی اپنی ہے نظر
میں عبادت جانتا ہوں مدحتِ مولا علیؑ

اس طرح جاؤں گا محشر میں محمدؐ کی قسم
ہاتھ میں قرآن دل میں اُلفتِ مولا علیؑ

ان کی منزل کیا ہے پھر بھی یہ سمجھنا ہے محال
عمر بھر سمجھے زمانہ رفعتِ مولا علیؑ

سارے عالم کی عبادت سے بھی افضل ہو گئی
کوئی کیا سمجھے گا وزنِ ضربتِ مولا علیؑ

دشمنِ حیدر کبھی جنت میں جا سکتا نہیں
مانگے گی جنت ثبوتِ اُلفتِ مولا علیؑ

ہر فسانہ جنگ کا عہدِ رسولؐ اللہ میں
نامکمل ہے بغیر شرکتِ مولا علیؑ

ایک ہی مقصد کے دو بدلے ہوئے یہ نام ہیں
حسنِ اخلاقِ محمدؐ ضربتِ مولا علیؑ

شامِ ہجرت سوئے دنیا ٹوٹ پڑتے ہیں ملک
آج ہی دیکھا ہے خوابِ راحتِ مولا علیؑ

ہر نبیؐ کا نور اک مرکز سے ظاہر کر دیا
کھینچ کے قدرت نے نقشِ صورتِ مولا علیؑ

عہد میں معبود کے جلوے نظر آنے لگے
ان سجدوں کو چھو رہی ہے طاعتِ مولا علیؑ

کتنی مشکل زندگی تھی کتنی آساں ہو گئی
دیکھ کر نورِ چراغِ سیرتِ مولا علیؑ

ہوں تو شارب خاک کا ذرہ مگر یہ ناز ہے
میرا شیوہ بن گئی ہے مدحتِ مولا علیؑ

حضرت علیؑ

جناب سکندر مرزا صاحب آنی لکھنؤ

ہوا چلی کلی کھلی گلوں پہ کیا نکھار ہے — چمن چمن بہار ہے دمن دمن بہار ہے
جو سبزہ محو خواب تھا وہ جاگ اٹھا تو کیا عجب — فضا بھی عطر بیز ہے ہوا بھی مشکبار ہے
کہیں ہیں نغمہ سنجیاں کہیں ہیں نغمہ ریزیاں — جہاں میں آج جو بھی ہے خوشی سے ہمکنار ہے
لدی ہے گل سے شاخ گل دلہن بنا ہے یوں چمن — ہیں رقص میں طیور اگر تو نغمہ زن ہزار ہے
بجا رہا ہے جل ترنگ اچھل اچھل کے آبشار — ہر ایک چیز زندہ تھا خود آپ پر نثار ہے

(مطلع)

کھلی ہوئی ہے چاندنی ہوا بھی خوشگوار ہے — ملا کے بادہ کے لئے ہر ایک بیقرار ہے
صدا یہ آئی اس گھڑی خبر نہیں ہے بے خبر — یہ آنے والا آج کا ولی کردگار ہے
علیؑ ہے اس کا نام تو ابوتراب ہے لقب — برادر رسولؐ ہے حرم کا ورثہ دار ہے
یہ ہاشمی وقار ہے یہ نازش سلیل حق — وصی ہے یہ رسول کا رضائے کردگار ہے

امام مومنوں کا ہے یہ راہبر ہے دیں کا — یہ کفو ہے بتول کا یہ ایسا باوقار ہے
علیؑ ہے باب علم کا رسولؐ شہر علم ہے — نفس ہے رسولؐ کا خدا کا اعتبار ہے
مجال کس کی ہے بھلا ثنا جو اس کی کر سکے — جہاں کہیں اس کی بات ہو وہاں بھی اختیار ہے
غدیر خم کا واقعہ بتا رہا ہے صاف صاف — خلافِ رسولؐ کا علیؑ ہی ذمہ دار ہے
یہی ہے شاہ شاہوں میں فقیروں میں یہ ہے فقیر — یہ نازِ کردگار ہے یہ فخر روزگار ہے
وفا کو اس پہ ناز ہے وفا کا اس کی ذکر کیا — نثار اس پہ حق اگر تو حق پہ یہ نثار ہے
فضائل علیؑ کو خود نبی بیان نہ کر سکے — فضیلت اس کی مومنو! اسی سے آشکار ہے
علیؑ ہی کی ذات پاک سے نبی بچے خدا بچا — اسی کی کوششیں ہیں جو دیں برقرار ہے

دے جام ایسا ساقیا ہو جس پہ مرتضیٰ لکھا
کہ آنی اس کے واسطے بہت ہی بیقرار ہے

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

(ع م ۔ عابدی دام پوری)

کتاب سوانح کربلا میں مندرجہ بالا عنوان سے سید المفسرین صدر الافاضل استاذ العلماء حضرت العلامہ مولانا الحاج الحافظ القاری المفتی السید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ السامی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل بڑی عقیدت مندی سے تحریر فرمائے ہیں اسی کتاب سے ہم یہ مختصر اقتباس ولادت جناب امیر علیہ السلام کے مبارک موقع پر نذر خصوصی کے لئے ارسال کر رہے ہیں یقین ہے کہ قارئین سرفراز رسید فرمائیں گے۔ (ع م عابدی رام پوری)

آپ کا نام نامی علی اور کنیت ابو الحسن و ابو تراب ہے۔ آپ کے والد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب ہیں علاوہ چچا زاد بھائی ہونے کے آپ کو حضور اکرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سنت مواخات بھی ہے اور سیدۃ نساء العالمین خاتون جنت حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ آپ کا عقد نکاح ہوا آپ سابقین اولین اور علمائے ربانیین میں سے ہیں جس طرح شجاعت میں بسالت میں آپ کا نام نامی شہرۂ عالم ہے، عرب و عجم، بر و بحر میں آپ کے زور و قوت کے سکے بیٹھے ہوئے ہیں آپ کی ہیبت و دبدبہ سے آج بھی جوان مردانِ شیر دل کانپ جاتے ہیں۔ اسی طرح آپ کا زہد و ریاضت اطراف و اکناف عالم میں شہرہ خاص و عام ہے کروڑوں اولیا، آپ کے سینۂ نور گنجینہ سے مستفیض ہیں اور آپ کے ارشاد و ہدایت نے زمین کو خدا پرستوں کی اطاعت دریاصفت سے بھر دیا ہے، خوش بیان فصحا اور معروف خطبا میں آپ بلند پایہ ہیں۔ جامعین قرآن پاک میں آپ کا نام نامی نورانی حرفوں سے چمکتا ہے۔ آپ بنی ہاشم میں پہلے خلیفہ ہیں اور سبطین کریمین حسنین جمیلین سعیدین شہیدین رضی اللہ عنہما کے والد ماجد ہیں، سادات کرام اور اولادِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ پروردگار عالم نے آپ سے جاری فرمایا۔ آپ تبوک کے علاوہ تمام مشاہد میں حاضر ہوئے۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ پر خلیفہ بنایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا کہ تمہیں ہماری بارگاہ میں وہ مرتبہ حاصل ہے جو حضرت ہارون کو (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مقاموں میں آپ کو لواء (جھنڈا) عطا فرمایا خصوصاً روزِ خیبر اور حضور نے خبر دی کہ ان کے ہاتھ پر فتح ہوگی آپ نے اس روز قلعۂ خیبر کا دروازہ اپنی پشت پر رکھا اور اُس پر مسلمانوں نے چڑھ کر قلعہ فتح کیا۔ اُس کے بعد لوگوں نے اُس کو کھینچنا چاہا تو چالیس آدمیوں سے کم اُس کو نہ اُٹھا سکے۔ جنگوں میں آپ کے کارنامے بہت ہیں آپ کو اپنے ناموں میں ابوتراب بہت پیارا معلوم ہوتا تھا اور اس نام سے آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک روز آپ مسجد شریف کے پاس لیٹے ہوئے تھے پشت مبارک کو مٹی لگ گئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی پشت مبارک سے مٹی جھاڑ کر فرمایا اجلس یا ابوتراب یہ حضور کا عطا فرمایا خطاب آپ کو ہر نام سے پیارا معلوم ہوتا تھا اور آپ اس نام سے سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف وکرم سے مزے لیتے تھے۔ آپ کے فضائل ومحامد بہت زیادہ ہیں۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں اہلبیت کی حفاظت کے لئے چھوڑا حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں خلیفہ بناتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کیا راضی نہیں ہو کہ تمہیں میرے دربار میں وہ مرتبت حاصل ہو جو حضرت ہارون کو دربار حضرت موسیٰ میں تھی علیہم الصلوٰۃ والسلام بجز اس بات کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزِ خیبر فرمایا کہ میں جھنڈا کل اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح فرمائے گا اور وہ اللہ اور رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ و رسول اُس کو محبوب رکھتے ہیں اس مژدۂ جانفزا نے صحابۂ کرام کو تمام شب امید کی ساعتیں شمار کرنے میں مصروف رکھا آرزومندوں کو رات کاٹنی مشکل ہوگئی اور مجاہدین کی نیندیں اُڑ گئیں، ہر دل آرزومند تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ اور کبریٰ سے وہ بہرہ مند ہو اور ہر آنکھ منتظر تھی کہ صبح کی روشنی میں سلطان دارین فتح کا جھنڈا کس کو عطا فرماتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی شب بیدار تمنائی اُمیدوں کے ذخائر لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ دیکھنے لگے کہ کریم ذرہ پرور کا دستِ رحمت کس سعادت مند کو سرفراز فرماتا ہے۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کی جنبش پر ارمان بھری نگاہیں قربان ہو رہی تھیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی ابن ابی طالب علی ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا وہ بیمار ہیں۔ اُن کی آنکھوں پر آشوب ہے ان کے بلانے کا حکم دیا گیا اور علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہنِ مبارک سے حیات بخش لعاب سے اُن کی چشمِ بیمار کا علاج فرمایا اور برکت کی دعا دی دعا کرنا تھی کہ نہ درد باقی رہا نہ کھٹک نہ سُرخی نہ ٹپک آن کی آن میں ایسا آرام ہوا کہ گویا کبھی بیمار نہ ہوئے تھے اس کے بعد اُن کو جھنڈا عطا فرمایا

ترمذی، نسائی و ابن ماجہ نے حبشی بن جنادہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علی منی وانا من علی۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے۔ اس سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا کمالِ قرب بارگاہِ رسالت سے ظاہر ہوتا ہے امام مسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ اُس کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور اُس کو

رسیدگی عنایت کی اور جانوں کو پیدا کیا، بے شک مجھ سے نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ مجھ سے ایماندار محبت کریں گے اور منافق بغض رکھیں گے۔ ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک علی مرتضیٰ سے بغض رکھنا منافق کی علامت تھی۔ اسی سے ہم منافق کو پہچان لیتے تھے۔ حاکم نے حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا حضور میں کم عمر ہوں قضا جانتا نہیں کام کس طرح انجام دے سکوں گا حضور نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مار کر دعا فرمائی پروردگار کی قسم معاملہ کے فیصلہ کرنے میں مجھے شبہ بھی تو نہیں ہوا صحابہ کبار حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو اقضا جانتے تھے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فیض ہے کہ حضرت امیر المومنین کے سینے میں وسعت مبارک لگایا اندر وہ علم تھا میں کامل اور اقران میں فائق ہو گئے جس کے ہاتھ سے سینے علوم کے گنجینہ بن جائیں اُس کے علوم کا کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے حق میں بہت سی آیتیں نازل ہوئیں طرانی۔ حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ ابو یعلیٰ و بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔

آنے والے دن !

لوگوں پر کاٹ کھانے والے (سخت) دن آنے والے ہیں۔ دولت مند اپنی دولت کو دانتوں سے پکڑیں گے (بخل کریں گے) حالانکہ اُن کو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ "حد کے فضل کو آپس میں نہ بھولو" (س ۲ ی ۲۳۷) اُس زمانے میں اوباش سربلند ہوں گے اور نیک لوگ ذلیل ہوں گے اور مجبور خرید و فروخت کریں گے (یعنی دکاندار انہیں ضرورت مند جان کر) جو چاہیں گے لیں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مجبوروں سے تجارت کرنے کو منع فرمایا ہے" (کہ اس طرح ظلم ہوتا ہے)۔

(نہج البلاغہ)

مجھے شاہی سے بہتر ہے گدائی بابِ حیدر کی

جناب مہدی حسین صاحب ہمدرد لکھنوی
(کوچہ شاہ حکڑا وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ)

فضیلت اور ہی کچھ ہوگئی اللہ کے گھر کی
صدا رکھے ولادت جب ہوئی نفسِ پیمبر کی

وہ چمکی برق وہ دیکھو کھنچی تلوار حیدر کی
گرا وہ کٹ کے مرحب خیر ہو جبریل کے پر کی

رجب کی تیرھویں آئی پلادے جام اے ساقی
کہ نظروں میں مرے پھرنے لگی تصویر کوثر کی

نہ کیونکر میکشوں میں آج اک جشن مسرت ہو
ولادت خانۂ حق میں ہوئی ساقیِ کوثر کی

زمیں سے عرش تک ہر سو چراغاں ہی چراغاں ہے
جن و انس و ملک میں دھوم ہے میلادِ حیدر کی

رہے گا حشر تک ذکرِ علی کے ساتھ افسانہ
قریب مہد آکر جاگ اٹھی تقدیر اژدر کی

مے حبِ علی سے ہوگیا ہوں ایسا مستانہ
مجھے خواہش نہیں ہے بادۂ تسنیم و کوثر کی

نہ فکر مال و زر مجھ کو نہ تخت و تاج کی خواہش
مجھے شاہی سے بہتر ہے گدائی بابِ حیدر کی

فشار قبر کا ہمدرد کیا ڈر بوترابی ہوں
جبیں پر خاک ہے میرے درِ مولائے قنبر کی

خلیفۂ رسولؐ کا انتخاب؟

سید لطیف الرحمٰن مدرس کلکتہ مدرسہ

ایک گروہ اہل اسلام کے عقیدہ کے مطابق حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی فی الواقع خلیفۂ رسول اور جانشین رسالت پناہ تھے لیکن اصحاب ثلثہ کا انتخاب جس طریقے سے وقوع میں آیا وہ نہ رسول اللہ کا انتخاب نہ تھا بلکہ وہ ایک اکابر امت کا من مانا انتخاب تھا۔ ایک حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابوبکر نے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے محض اپنی مرضی سے حضرت عمر کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان کو حضرت عبدالرحمن بن عوف نے خلیفہ بنایا اور ایک طرح انتخاب پر جمہوریت کا چھاپہ لگانے کے لئے خلیفہ بنائے جا چکنے کے بعد عام مسلمانوں سے بیعت طلب کی گئی جن لوگوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا ان کے جان و مال خطرے میں پڑ گئے۔ جبر و تشدد کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ خود جناب امیر علیہ السلام کو قتل اور ان کے مکان کو نذر آتش کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ دھمکیوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ جناب امیر نے منافقین کے شر و فساد سے اسلام کو بچانے کی خاطر بیعت نہ کر لی۔ (حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت کہ جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی محض بے بنیاد ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت کہ حضرت علیؑ نے کسی کے ہاتھ پر بھی بیعت نہیں کی یہ ہے کہ عمر کے بعد جب حضرت کے سامنے خلافت کی شرط کتاب قرآن سنت اور سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط رکھی گئی تو آپ نے شیخین کی سنت کی پیروی سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر شیخین کی سیرت کتاب و سنت کے مطابق تھی تو محض کتاب و سنت کی پیروی کی شرط ہی کافی ہے اور اگر سیرت شیخین کتاب و سنت کے مطابق نہ تھی تو میں ان کی پیروی سے انکار کرتا ہوں۔ اگر وہ ابوبکر و عمر کی بیعت کر چکے ہوتے ان کی سیرت کی پیروی سے انکار کی ان کے لئے گنجائش نہ ہوتی۔

— ایڈیٹر) وصال رسول کی اطلاع ملتے ہی انصار حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفۂ رسول انتخاب کرنے لگے تھے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سمجھانے بجھانے پر حضرت سعد خلافت سے دست بردار تو ہو گئے لیکن انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی اور مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے۔ ان کے پیچھے آدمی بھیجا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس طریقہ انتخاب و بیعت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۂ رسول کا انتخاب رسول اللہ کی مرضی کے مطابق نہ تھا بلکہ اکابر امت کا بیباکانہ و جبریہ انتخاب تھا۔ انتخاب و بیعت کی اس نوعیت نے خلافت رسول کو خالص و عام دنیاوارانہ حکومت میں تبدیل کر کے برعکس دنیا کی خلافت کا حقدار بنا دیا جو حکومت سمجھ لیا گیا۔ سیاست نے ہدایت و روحانیت

کو مغلوب کردیا۔ فکرِ دنیا نے رُوحِ اسلام کو ملیامیٹ کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دن بعد وہ لوگ بھی خلیفۂ رسول اور امیرالمومنین بن بیٹھے جو حد درجہ دنیا پرست اور نفس پرست تھے۔ انھوں نے خلافتِ رسول کو موروثی حکومت بنالیا اور اپنے مفاد کے لئے حق پرستوں کا ناک میں دم کردیا۔ شریکِ القرآن یعنی عترتِ رسول کا خون بڑی دلیری اور بیباکی سے بہایا۔ تمام ائمہ طاہرین کو کسی نہ کسی طریقے سے شہید کیا

اب سوال یہ ہے کہ جمہوری طرز پر خلیفۂ رسول کا انتخاب اکابرِ اُمت کرسکتے ہیں یا نہیں۔ خلیفۂ رسول کا جمہوری انتخاب صحیح اور جائز ہے بھی۔ ہوسکتا ہے کہ نبی اور غیر نبی سربراہِ حکومت کی حیثیتیں ایک ہی مان لی جائیں اور نبوت و دنیوی حکومت میں کوئی امتیاز باقی نہ رکھا جائے۔ اگر دونوں کی حیثیتیں ایک نہیں ہیں (جیسے کہ نہیں ہیں) تو اکابرِ اُمت سربراہِ حکومت کا انتخاب تو کرسکتے ہیں لیکن خلیفۂ رسول کا انتخاب نہیں کرسکتے۔ اگر اکابرِ اُمت کو خلیفۂ رسول انتخاب کرنے کا حق ہوسکتا ہے تو اُن کو اپنا نبی آپ انتخاب کرنے کا بھی حق ہوسکتا ہے اور اگر وہ نبی کا انتخاب و تقرر نہیں کرسکتے تو جن وجوہ کی بناء پر نہیں کرسکتے۔ انھیں وجوہ کی بناء پر خلیفۂ رسول کا انتخاب بھی نہیں کرسکتے کیونکہ جس طرح نبی سوائے خدا کے کوئی نہیں بناسکتا اُسی طرح خلیفۂ رسول کا انتخاب سوائے نبی کے کوئی نہیں کرسکتا۔ خلیفۂ نبی کا انتخاب نبی کا کام اس لئے ہوتا ہے کہ سوائے نبی کے کوئی نہیں جانتا کہ نبوت کے فرائض رضائے الٰہی کے مطابق کون انجام دے سکتا ہے۔ جس طرح خداوند عالم بنی نوعِ انسان میں سے کسی کو اٹھا کر نبی نہیں بنادیتا اُسی طرح نبی جس کو [illegible] نہیں بناتا۔ خلیفۂ نبی بھی نبی کی طرح خدا کا [illegible] ہوتا ہے۔ اُس کے اندر نبی کے فطری

فضائل موجود ہوتے ہیں خلافتِ رسول کا مستحق وہی بندۂ خدا ہوسکتا ہے جو فرائضِ نبوت رضائے الٰہی کے مطابق انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، اُس کی زندگی نبی کی زندگی کی طرح کفر و شرک سے کلیتہً پاک رہی ہو اور کفار و اہلِ خطا کے ماحول میں رہ کر بھی مومن و مقدس رہا ہو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم میں ایک جنابِ امیرؑ کے سوا کوئی بھی طلوعِ اسلام سے قبل مومن نہ تھے۔ اصحابِ ثلاثہ مومن تو تھے ہی نہیں، اہلِ کتاب بھی نہ تھے۔ مگر جنابِ امیر اپنی زندگی کے ہر دور میں خلافتِ رسول کی اہلیت کا مظاہرہ کرتے چلے آئے تھے۔

حقیقت میں جنابِ امیرؑ کیا تھے وہ رسول اللہ کی زبانی سنئے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ انا و علی من نور واحد یعنی میں اور علی ایک ہی نور سے ہیں۔ جنابِ امیرؑ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ لحمک لحمی۔ یعنی تمھارا گوشت میرا گوشت ہے۔ متعدد اقوالِ رسول سے جنابِ امیر کا نفسِ رسول ہونا مسلم ہے ایک دفعہ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے نے اُن سے دریافت کیا کہ صحابۂ رسول میں سب سے افضل کون تھے۔ اُنھوں نے ترتیبِ افضلیت کے اعتبار سے فرمایا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمن بن عوف۔ صاحبزادے نے متحیر ہوکر پوچھا کہ علیؑ؟ امام احمد نے فرمایا کہ علیؑ تو نفسِ رسول ہیں، اُن سے کسی کا کیا مقابلہ ولادتِ علیؑ کی شان یہ ہے کہ آپ بیت اللہ کے اندر پیدا ہوئے یہ وہ فضیلت ہے جو کسی نبی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ آنکھ کھولی تو سب سے پہلے رسول اللہ کا جلوہ دیکھا۔ اول غذا لعابِ رسول تھی۔ پرورش و تربیت خانۂ رسول اور آغوشِ رسول میں ہوئی۔ اعلانِ نبوت سے قبل رسول اللہ آبادی سے دور جاکر نمازیں پڑھتے تھے۔ اُن کے ساتھ علیؑ بھی نمازیں پڑھتے تھے۔ ایامِ طفولیت

سے رسول اللہ کے ساتھ رہے اور اُن کی سنت پر چلے۔ اعلانِ نبوت اور اشاعتِ اسلام کے لئے جب بحکمِ خدا رسول اللہ نے اپنے قرابت داروں کو اپنے دولت کدے پر مدعو کیا اور طعام کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے اپنے دین کی اشاعت کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے لہٰذا تم لوگوں میں کون ہے جو اشاعتِ دینِ اسلام میں میرا ساتھ دے۔ رسول اللہ نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے تینوں دفعہ حاضرین خاموش رہے لیکن ہر دفعہ جناب امیر جن کی عمر اس وقت دس اور تیرہ کے درمیان تھی کھڑے ہو کر بولے کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ رسول اللہ نے کمسنی کی بنا پر جناب امیر کو دو مرتبہ بٹھا دیا اور معمر لوگوں کو حصولِ اعزاز کا نظاہر موقع دیا لیکن جو اعزاز روزِ ازل میں مولودِ حرم کے لئے مقدر ہو چکا تھا وہ کسی اور کو کیسے نصیب ہوتا۔ رسول اللہ نے تیسری مرتبہ جناب امیر سے فرمایا کہ تم میرے بھائی، وزیر اور نائب ہو۔ اسی طرح اعلانِ نبوت کے ساتھ ساتھ خلافتِ علی کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ خلافتِ علی کا اول اعلان تھا۔

دعوتِ عشیرہ کے موقع پر جناب امیر نے جس تعاون و امداد کا وعدہ فرمایا تھا اُس کی ایفا کے لئے تا عمر اپنی جان کی پرواہ نہ کی۔ عہدِ نبوی کے ہر جہاد میں اپنی جانِ عزیز کی خیریت سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان ہیرو اور فاتحِ اسلام کا رول ادا کیا جس کافر بہادروں کے مقابلے میں جاتے ہوئے بہادرانِ اسلام کے دل دھڑکتے تھے جناب امیر بڑی شان سے اُن کے مقابلے پر نکلے اور اسد اللّٰہی قوت و شجاعت کا مظاہرہ کر کے دینِ اسلام کا بول بالا کیا۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو بڑے بڑے فیصلہ کن جہادوں میں فیصلہ اسلام کے حق میں نہ ہوتا۔ شبِ ہجرت علیؑ نے جو جاں نثاری دکھلائی، خود خداوند عالم کو ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ کہہ کر علیؑ کو

داد دینی پڑی لیکن تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ جنگ بدر میں رسول اللہ کو حملہ آور دشمنوں میں چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اُن کو بھی جناب امیرؑ سے افضل اور خلافتِ رسول کا زیادہ مستحق تسلیم کیا جاتا ہے۔

صحابۂ رسول میں جناب امیر کی دینی پوزیشن کیا تھی اس کا اندازہ سورۂ برأت کے واقعہ سے لگ سکتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ نے حجاجِ مدینہ کا ایک قافلہ حضرت ابوبکر کی قافلہ سالاری میں مکہ کو روانہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو سورۂ برأت دیا کہ زائرینِ کعبہ کے اجتماع میں پڑھ کر سنانا۔ قافلہ بہت دور نکل چکا تھا کہ فرمانِ الٰہی ہوا کہ اے نبی! اس کام کو آپ یا تو خود کیجئے یا اپنے ہی کسی قرابت دار کو سونپئے۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے رسول اللہ نے فوراً جناب امیرؑ کو پیچھے سے روانہ کیا اور اجتماعِ حجاج میں جناب امیر ہی نے سورۂ برأت پڑھ کر سنایا۔ اس فرمانِ الٰہی اور عزل و تقرر سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ غیبتِ رسول میں فقط جناب امیر اور دیگر ائمۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم ہی نبوت اور ہدایت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ اس نکتے کو رسول اللہ نے اپنے ارشاد انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا سے اور بھی واضح کر دیا۔

بہرحال دعوتِ عشیرہ سے لے کر تا دمِ آخر رسول اللہ اپنے ارشاد و عمل سے جناب امیر کی افضلیت اور استحقاقِ خلافت وقتاً فوقتاً نمایاں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وصال سے چند ماہ قبل آپ نے اجتماعِ غدیر میں من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کہہ کر خلافتِ رسول کے لئے جناب امیر کا انتخاب فرما دیا لیکن چونکہ اعلان میں خلیفہ کے بجائے مولا کا لفظ تھا اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خلافت کی کھچڑی پکانی شروع کر دی گئی اور

مصطفےٰ رسول کا انتقال ہونے لگا۔ انتقال کی گھڑیاں ختم ہوتے ہی ثاک میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے رسول اللہ کے انتخاب یعنی مولائے مومنین کو مسترد کردیا۔ اس کارنامے سے صحابہ رسول کے اندر پھوٹ پڑ گئی اور اُمت رسول عمر پارٹی اور علیؑ پارٹی یعنی شیعہ و سُنّی میں بٹ گئی جس کا نتیجہ آگے چل کر یہ ہوا کہ خود صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک میں ایامِ جاہلیت کی خانہ جنگیاں از سرِ نو وجود میں آگئیں۔ افسوس ہوتا ہے کہ خانہ جنگیوں کی تجدید کرنے والے ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت زبیر و طلحہ جیسے جلیل القدر اصحاب رسول تھے۔ خدا اُن کو بخاطر صحابیت رسول درگزر فرمائے۔

. . . خدا کی قسم خلافت کو ابوبکر نے (تنگ کرتے کی طرح) کھینچ تان کر پہن لیا حالانکہ وہ جانتے تھے میرا مرتبہ اُس میں ایسا ہے جیسا مینخ کا چکی میں (کیونکہ علم و حکمت و ہدایت کا) سیل مجھ ہی سے گر کر نیچے آتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ (ان سب کے ساتھ رسم خلافت کے وقت پردہ (صبر) گرالیا؛ اُس سے پہلو تہی کرلی اور سوچنے لگا کہ کیا (اپنے) دست بُریدہ سے حملہ کر بیٹھوں یا اس اندھیر پر صبر کرلوں جس کے صدمے میں بڑے تو ضعیف اور چھوٹے بوڑھے ہو جائیں اور مومن رنج و صدمہ اٹھاتا رہے یہاں تک کہ اپنے رب سے ملاقات کرے تو مجھے اس (مصیبت) پر صبر کرنا ہی مناسب معلوم ہوا لہٰذا میں نے صبر کیا (مگر) اس طرح کہ (اس صدمہ سے گویا میری) آنکھ میں خس و خاشاک پڑا تھا اور حلق میں ہڈی پھنسی تھی۔ میں اپنی میراث (خلافت و فدک) لُٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے صاحب نے اپنی راہ لی۔ وہ اپنے بعد اس (خلافت) کو عمر ابن خطاب کی طرف جھونکتے گئے (پھر مثالاً اعشیٰ کا یہ شعر پڑھا):

"کہاں میرا یہ دن کہ اپنے ناقہ کی پُشت پر مارا مارا پھرتا ہوں اور کہاں وہ جو یہاں برادر جابر کے ساتھ بسر ہوتا . . . ."

(نہج البلاغہ)

قصیدہ

بجناب سید توفیق احسن صاحب توفیقؔ، کوٹھی نواب محسن الملک، اٹاوہ

علیؑ کو کوئی لافتا جانتا ہے — کوئی مالک قُل کفیٰ جانتا ہے
کوئی اُن کو شبیرِ خدا جانتا ہے — کوئی اپنا مشکل کشا جانتا ہے
کوئی ہادی و رہ نما جانتا ہے — کوئی دین کا پیشوا جانتا ہے
کوئی دردِ دل کی دوا جانتا ہے — کوئی اپنا حاجت روا جانتا ہے
کوئی سرورِ اولیا جانتا ہے — کوئی ان کو اس سے سوا جانتا ہے
کوئی خانہ زادِ خدا جانتا ہے — تو کوئی انھیں کبریا جانتا ہے
سمجھتا ہے استادِ جبریل کوئی — کوئی اُن کو نورِ خدا جانتا ہے
حقیقت میں جو صوفیٔ باصفا ہے — وہ آئینۂ حق نما جانتا ہے
علیؑ کے فضائل علیؑ کے مراتب — نبیؐ جانتے ہیں خدا جانتا ہے
کوئی کہتا ہے مرکزِ دیں تو کوئی — وصیٔ رسولؐ خدا جانتا ہے
ملائک نہ سمجھے تو ہم آپ کیا ہیں — علیؑ کی حقیقت خدا جانتا ہے
وہ چاہے فرشتہ ہو جن و بشر ہو — ہر اک اُن کو عقدہ کشا جانتا ہے
ہر اک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق — جو کچھ جانتا ہے بجا جانتا ہے
یہ ظاہر ہیں فخرِ بنی نوعِ انساں — حقیقت ہے کیا یہ خدا جانتا ہے

میں کیا جانوں توفیقؔ خالق سے پوچھو
کہ وہ کیا سمجھتا ہے کیا جانتا ہے؟

قطعہ

جب خود نورِ خدا ہیں تو تعجب کیوں ہے — حُسن مستور سے گر جلوہ نمائی لے لی
سائے میں تیغوں کے سوئے شبِ ہجرت بے خوف — نفس کو بیچ کے حیدرؑ نے خدائی لے لی

صدفِ کعبہ میں اک گوہرِ یکتا دیکھا

(جناب سعید زیدی صبا بجنوری رضا ٹیکسٹائل، رامپور)

اپنی خودداریٔ دل کا یہ نتیجہ دیکھا
خود کو دنیا کی بھری بزم میں تنہا دیکھا

زخم خوردہ کسی چہرہ پہ نگاہیں نہ اٹھیں
ہم نے بس پاؤں کا خود اپنے ہی کانٹا دیکھا

یہی در اصل ہے احساس حمیت کی شکست
رقص بسمل کو بہ انداز تماشا دیکھا

جذبۂ جوشِ جنوں ختم ہوا میرے بعد
پھر بگولا کوئی صحرا سے نہ اٹھتا دیکھا

کون پہلو میں لئے بیٹھا ہے احساس کی لاش
آنکھ اٹھا کر بھی کبھی محفل دنیا دیکھا

ہو بہو آپ کی تصویر کے انداز تھے سب
دل کے آئینہ میں جب عکس تمنا دیکھا

لوگ جلوہ بھی نظر آیا تو پردہ سمجھے
ہم نے پردوں میں ترے حسن کا جلوہ دیکھا

حسن باطن میں نہاں رمز جہاں باقی ہے
حسن ظاہر کو تو بازار میں بکتا دیکھا

یہ بھی اللہ کرے میری سمجھ کا ہو قصور
میں نے ہمدردیٔ احباب میں دھوکا دیکھا

خود بخود کھل گیا پھر مطلعِ انوار کا در
جب مری حسن طبیعت کا تقاضا دیکھا

فرش سے تا بہ فلک نور کا دریا دیکھا
صدفِ کعبہ میں اک گوہرِ یکتا دیکھا

دستِ مرسل پہ بتا ذوقِ نظر کیا دیکھا
رحل پر بولتے قرآں کا نسخہ دیکھا

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا دیکھا
آپ کے حسن خداداد میں کیا کیا دیکھا

در پہ آتے کبھی قدسی کبھی تارا دیکھا
اس کو کہتے ہیں نبوت کا گھرانا دیکھا

آج خالق کی نگاہوں نے یہ ذوقِ فنکار
دیکھ کر خود کو تجھے مولدِ کعبہ دیکھا

نظر آیا وہی پی کر مئے عرفانِ علیؑ
تو نے جو طور پہ اے دیدۂ موسیٰ دیکھا

نورِ ایماں کے تبسم کی ضیا باری میں
عالم کفر کا اترا ہوا چہرہ دیکھا

رزم میں بزم میں منبر پہ کہ زیرِ محراب
ہر جگہ آپ کو کونین میں یکتا دیکھا

اک نظر میں ہوئے ارکانِ عبادت پورے
نگۂ شوق نے جب آپ کا چہرہ دیکھا

بخشش سائل کو قطار اونٹوں کی جن ہاتھوں سے
ان میں اک نان کا سوکھا ہوا ٹکڑا دیکھا

یہ شرف کم ہے کہ تو زینتِ منبر ہے سعید
مدحتِ ساقیٔ کوثر کا نتیجہ دیکھا

حقیقی اشتراکیت

کردارِ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے آئینے میں

(سید غضنفر نواب صاحب دانش)

مولائے کائنات کی سوانح لکھنا، جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ دشوار کام ہے۔ حضرت ختمی مرتبت کے ارشاد گرامی کے مطابق، فضائلِ جنابِ امیرؑ لکھنے کے لئے جب دنیا بھر کے اشجار و بحار اور تمام جن و انس ناکافی ہوں تو ظاہر ہے کہ ایک فردِ بے بضاعت اُن جناب کی سوانح کیا لکھے گا؟

جس کے فضائل لاتعداد اور لاتحصیٰ ہوں اُس کی زندگی کے ہر شعبے میں بے شمار ایسے گوشے ہوں گے کہ اگر اُن میں سے کسی ایک گوشے پر بھی مجھ سا بے سواد نہیں کوئی صاحبِ علم و قلم بھی خامہ فرسائی کی جرأت کرے تو حقِ سوانح نگاری ادا نہ کر سکے۔ گوناگوں اور بے حساب فضیلتوں والی شخصیت کے شعبہ ہائے حیات کا ایک ایک گوشہ اس لائق ہو گا کہ اہلِ بصیرت کو ہر ہر قدم پر دعوتِ فکر و نظر دیا جائے۔

بڑی جرأتِ رندانہ ہے کہ میں امیرالمومنین کا تذکرہ کرنے کی جسارت کروں مگر بہر نوع کچھ نہ کچھ لکھنا ناگزیر ہو گیا ہے اس میں خاطرِ احباب بھی ہو جائے گی اور آقا کے دربار سے کچھ انعام بھی ان شاء اللہ مل جائے گا۔ بنا بریں مختصراً عرض ہے۔

حضرت مولائے کائناتؑ، بعثتِ ختمی مرتبت سے دس سال قبل شہرِ مکۂ معظمہ عین خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جنابِ ابوطالب ابنِ عبدالمطلب رح (عمِ سرورِ کائنات) تھے اور والدۂ گرامی قدر، حضرت فاطمہؓ بنت اسد۔ حضرت فاطمہ کی ولادت باسعادت کے موقع پر محیر العقول واقعات پیش آئے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ دردِ زہ کی فطری تکالیف کے باعث خانۂ کعبہ کے قریب تشریف لے گئیں خدائے وحدہٗ لاشریک سے اپنے شکم کے جنین کے واسطے سے دعا کی اور شکمِ مبارک کو دیوارِ کعبہ سے مس کیا۔ ایک غیبی آواز آئی کہ اندر آ جاؤ اور ساتھ ہی ساتھ دیوارِ کعبہ شق ہوئی مادرِ شیرِ خدا بے تردد اندر داخل ہو گئیں اور دیوار ایسی برابر ہوئی کہ ذرا نشانِ شگاف تک نہ رہا۔ یہاں پر چند لمحوں کے لئے تاریخ ساکت ہے۔ تین دن کے بعد جنابِ سرورِ کائنات، صدر دروازہ سے خانۂ خدا میں تشریف لے گئے اور چچی سے ارشاد فرمایا کہ لائیے میرے بھائی کو مجھے دیجئے۔ چچی نے طفلِ نومولود کو بھتیجے کے

آغوش میں دیتے ہوئے کہا۔ یہ کیسا بچہ ہے کہ اس نے اب تک آنکھیں بھی نہیں کھولی ہیں؟ آپ یہ سُن کر مسکرائے اور مولودِ کعبہ نے خوشبوئے رسالت پا کر آنکھیں کھول دیں۔ ختمی مرتبتؐ نے فرمایا۔ چچی میں نے بحکم خدا اس بچہ کا نام علیؑ رکھا۔ پھر فرمایا علیؑ کچھ پڑھو۔ بچہ نے پڑھنا شروع کیا اور تمام گزشتہ و آیندہ کتب آسمانی سے تلاوت فرمائی۔ خدا کا رسول مسرت سے معمور رہا تھا اور ماں حیرت و استعجاب میں۔

چند سال بعد مکہ میں قحط پڑا اور لوگوں نے ایک دوسرے قرابت مند کی مدد کرنے کے خیال سے کثیر العیال رشتہ دار کی بعض اولاد کی کفالت کا بار اپنے ذمے کر اُن کا بار ہلکا کیا۔ جناب ابوطالبؑ کی بھی بہت زیادہ اولادیں تھیں۔ دختران کے علاوہ صرف بارہ بیٹے تھے جن میں زیادہ تر نابالغ تھے۔ چنانچہ آپ کے تین چار فرزندوں کی کفالت آپ کے قرابت داروں نے اپنے ذمے لی۔ حضرت علیؑ کی کفالت حضرت ختمی مرتبت نے قبول فرمائی اور اُس وقت سے گویا باضابطہ اور نزدیکی تربیتِ امیرالمومنین رسول مقبولؐ نے فرمائی۔

تعلیم و تربیت کے علاوہ، مولائے کائنات کی طبیعت ثانیہ بن گئی کہ جو رسول اللہ کو مرغوب ہو اور جو کچھ اُن کو کرتے دیکھیں وہ کریں۔ رشتہ کی محبت ایک طرف، ساتھ رہنے اور مشفقانہ تربیت پانے کی محبت دوسری طرف اور تیسری طرف وہ للّٰہی محبت جو دین کے معاملات میں ہم خیالی و تائید و تعاون کے سبب روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ چنانچہ محمدؐ و علیؑ کی باہمی محبت کی مثال، آفرینش عالم سے تا قیام قیامت ملنا محالات میں سے ہے۔ البتہ سمجھانے کے لئے اسے حضرت امام حسینؑ اور جناب ابوالفضل العباسؑ کی محبت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

امیرالمومنینؑ سایہ کی طرح رسول کریمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کے ہمراہ یوں چلتا تھا جیسے اونٹنی کے پیچھے پیچھے اُس کا بچہ چلا کرتا ہے۔ دس سال کی عمر میں دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر، بڑے بڑے قریش کے رو برو، پیغمبر خدا کی دعوت حق پر بہ بانگ دہل لبیک کہتے ہوئے تاحیات نصرت و امداد کا وعدہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اُس وقت خواہ یہ بات حرکتِ طفلانہ سمجھی گئی ہو لیکن بعد کے تاریخی حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ نصرت و امداد کا وعدہ، نہ بچپن کا عمل تھا نہ وقتی جوش کا مقتضیٰ تھا بلکہ سچی اور سوچی سمجھی ہوئی بات تھی۔

ہجرت کے موقع پر تلواروں سے گھرے ہوئے گھر میں بستر نبی پر سو رہنا ایک حیران کن کارنامہ ہے۔ صبح ہونے پر دشمنوں نے رسول اللہ کے بجائے علیؑ کو دیکھا تو حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ اسد کردگار نے دندان شکن اور شکست جواب دیا کہ تم لوگ تو اُن حساب کے متعلق مجھ سے یوں سوال کر رہے ہو جیسے کہ میرے سپرد کر گئے تھے کہ خدا کے پیغمبر نے اُسی وقت اعلان فرمایا کہ جس جس کی جو امانت اُس امین و صادق کے پاس رکھوائی ہو وہ آ کر مجھ سے لے لے۔ چنانچہ تین دنوں کے اندر لوگوں کی تمام امانتیں واپس کر کے، خانوادۂ رسالت کو ساتھ لیا اور خود بھی جانب مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینے میں پیغمبر اسلام کی دس سالہ زندگی میں متعدد غزوات درپیش ہوئے۔ بدر و احد ہو یا خندق و خیبر، ہر جنگ میں اسد کردگار حیدر کرار کا پیش پیش رہنا، علمداری لشکر کرنا، معرکے سر کرنا، عمرو بن عبدود و مرحب جیسے نامی بہادروں کو تہ تیغ کرنا، قلعۂ خیبر فتح کرنا اور باب خیبر کو (جسے ۴۰ پہلوان کھولتے اور بند کرتے تھے) اک جھٹکے میں اکھاڑ پھینکنا، علیؑ کے وہ کارنامے ہیں جن سے تاریخیں بھری

بڑی ہیں اور اُن میں کسی ایک بات کو تقریر دلپذیر کا جامہ پہنا کر علامہ سبط حسن صاحب اعلی اللہ مقامہ اور مولانا ابن حسن صاحب نونہروی مدظلہ، خطابت کے دریا بہا دیا کرتے تھے۔

معتقدات سے قطع نظر، خالص واقعاتی نقطۂ نظر سے بھی اگر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو اقوال سے افعال تک سب کے سب حکمتوں میں ڈوبے ہوئے ملیں گے اور آپ کا کوئی قول و فعل عبث نہ پایا جائے گا۔ ایک سکے کے دو رُخ کی طرح، سکۂ خدائے واحد کا ایک رُخ حضرت ختمی مرتبت اور دوسرا رُخ جناب مولائے کائنات تھے۔ علیؑ رسول خدا کے اسوۂ حسنہ کا پیکر تھے اور علیؑ کو دیکھ کر راست اور نیک عقل والوں کی سمجھ میں صاف آ جاتا تھا کہ رسول کیا ہیں یا کیا تھے ... در رسول، کردار مولائے کائنات کے بعض پوشیدہ گوشے ا... ظاہر ہوئے شوق سرداری و ہوسِ اقتدار، ایک عام بشری کمزوری ہے۔ علیؑ چاہتے تو اپنے ذاتی جوہر کردار و علم و لیاقت کے علاوہ صرف خمِ غدیر کی نامزدگی کے بل بوتے پر، اُسی تقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع سے اپنی خلافت و حکومت منوا لیتے (کیونکہ غدیر کا واقعہ ابھی تازہ تھا) خواہ اس میں خون خرابہ ہوتا تو ہوتا۔ حسنِ اتفاق سے ایک دنیاوی و سیاسی شخصیت اور طاقت ابوسفیان بھی آپ کو بھرپور مدد کرنے پر آمادہ تھی۔ ابوسفیان نے آکر علیؑ سے کہا۔ تم نے دیکھا! شیخین نے کس طرح تمہارا حق غصب کر لیا۔ اگر تم کہو تو میں سواروں اور پیادوں سے مدینے کی گلیاں بھر دوں اور تم خلافت و ریاست جو تمہارا جائز حق ہے اُن سے بزورِ شمشیر لے لو تاکہ اسلامی قدریں محفوظ رہیں۔ ابوسفیان نے بخیالِ خود ایک ضرب کے ذریعہ علیؑ کو زیر کرنے کی کوشش کی تھی اور خلافت و حکومت کو علیؑ کی ذاتی و شخصی چیز سمجھ کر انھیں بذریعۂ جنگ واپس دلوانے کی پیش کش کی تھی لیکن امام برحق کے جواب نے ابوالمعاویہ کی گہری چالوں اور اسلام دشمنی کو تو بے نقاب کیا ہی۔ یہ بھی دنیا کو بتا گئے کہ یہ ریاست و حکومت، دنیاوی نہیں۔ مولائے کائنات کا جواب تھا۔ ابوسفیان! یہ تم اسلام کے خیر خواہ کب سے ہو گئے؟ مجھے مسلمانوں کو پراگندہ و منتشر کر کے کمزور کرنا منظور نہیں ورنہ میں خدا کے بھروسہ اور اپنی قوت بازو اور ذوالفقار کے زور پر تمہاری مدد کے بغیر اپنا حق حاصل کر سکتا ہوں۔ تم جاؤ اپنا کاروبار دیکھو۔ کیا معنویت، بلاغت اور تاریخی حقیقت اس مختصر سے جواب میں سما گئی ہے۔ سبحان اللہ۔

ادھر بعض کم سواد افراد یہ کہنے لگے ہیں کہ وفات رسولؐ کے چھ ماہ بعد علیؑ نے خلیفۂ اول کی بیعت کر لی تھی یہ گھرانا (بنی ہاشم) بیعت کرنے کے لیے نہیں بیعت لینے کے لیے خلق کیا گیا تھا۔ کسی صحیح شخص کا کسی غلط شخص کی بیعت کرنا غیر ممکن ہے خواہ وہ غلط ہستی کتنی ہی طاقتور ہو اور صحیح شخصیت کتنی ہی بےکس و مجبور۔ علی کے کردار سے یہ بات عقلاً و درایتاً بعید تھی کہ کل جس چیز سے انکار کیا اُسے آج قبول کر لیا۔ رہا خلفا سے کھلم کھلا جنگ اور مثلِ بنتِ رسول ترکِ مراسم کرنا اس کی ضرورت آپ نے نہیں سمجھی۔ احساسِ ذمہ داری اور منجانب اللہ منصب ولایت و امامت پر فائز ہونے کا مقتضیٰ یہی تھا۔ قطعی طور پر علیحدگی، بائیکاٹ اور ترکِ تعلق کی صورت میں وہ خلفا مشکلات میں حلالِ مشکلات نہ مولائے کائنات کی طرف رجوع نہ کرتے نہ آج تاریخ اُن مسائل کے حل اور قضایا کے فیصلوں کو فخر کے ساتھ محفوظ رکھتی جو انہیں نہیں دوسرے دورِ خلافت میں امیرالمومنین نے صادر فرمائے جن پر متعدد بار خلیفۂ ثانی کو یہ جملہ زبان پر جاری کرنا پڑا۔ لولا علی لهلك عمر

آپ نے ظاہری دورِ خلافت و حکومت میں ایک آن واحد کے لئے بھی ایسے اہم سیاسی و ملکی امر میں بھی دنیوی مصلحت کو امیر المومنینؑ نے فدا نہ کی۔ اگر لوگوں کے مشوروں کے مطابق آپ امیر شام (معاویہ بن ابوسفیان) کو گورنری سے معزول نہ فرماتے اور اُس کی دلجوئی کرتے تو آج تاریخ دوسری ہوتی۔ آپ نے خاص و عام کے اصرار پر خلافت قبول کرتے وقت صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ تم آج مجھے دنیا کی حکومت و ریاست سپرد کرتے ہو مگر مجھ سے خوش نہ رہ سکو گے کیونکہ میں خدائی احکام پر سیاسی مصالح کو کبھی ترجیح نہ دوں گا اور تم اسی کے عادی ہو چکے ہو" وہی ہوا اور ۲۴ سال کی بگڑی ہوئی ذہنیتیں جو رسولِ کریم کے دور و طور کو بھلا چکی تھیں حق و انصاف کو برداشت نہ کر سکیں مگر مولائے کائنات خدا و رسول کے بتائے ہوئے راستے سے ایک انچ نہ ہٹے تا اینکہ مسجد کوفہ میں شہید کر دیئے گئے۔ جو شخص ذاتی گفتگو کے وقت بیت المال کا چراغ بجھا دے وہ خزانۂ اسلامی کے بیت المال سے ایک درہم بھی لحاظ و مروت، رشتہ و قرابت یا سیاست و مصلحت کے تحت کیونکر کسی کو دے کر اُسے خوش کر سکتا ہے؟

ہم اپنے خیالات، مصالح اور ضروریات کے تحت اکثر باتوں اور چیزوں کو اچھی اور جائز سمجھتے ہیں لیکن وہ سچ مچ اچھی اور جائز نہیں ہوتیں اور نہ خدا کی نمائندہ مصلحت وقت کی مجبوری سے اُنھیں جائز و درست قرار دے سکتا ہے خواہ اس میں کیسا ہی اور کتنا ہی ظاہری نقصان ہو جائے۔

امیر شام معاویہ بن ابوسفیان کو معزول کر کے اُسے ناخوش کرنا کھلم کھلا مخالفت مول لینا تھا اور اُس کے نتائج بد کو برداشت کرنا امیر المومنینؑ نے گوارا کیا لیکن سیاست دانوں، دانشوروں اور بخیال خود دور اندیشوں کے پر مصلحت مشوروں پر عمل کرتے ہوئے اُسے گورنری کے عہدہ پر اپنی رضامندی سے برقرار رکھنا گوارا نہ فرمایا۔ مولائے کائنات خوب جانتے اور سمجھتے تھے کہ آج سے بیس سال قبل سے اور اُس کے اہل خاندان (بنو اُمیہ) کو نہ فقط سیاستاً بلکہ مصلحتاً اور جان بوجھ کر اہلبیتِ رسالت کو زک پہنچانے کی نیت سے برسرِ اقتدار لایا گیا تھا اور اس طویل مدت میں اُس نے اپنی خاطر خواہ طاقت و سامان و لشکر مہیا کر لی تھی ظاہر ہے کہ سالہا سال کی جمی جمائی طاقت سے مقابلہ آسان تھا نہ نتیجہ خیز لیکن خلیفۂ حق الٰہی احکام کا رکھوالا اور ذمہ دار اپنی زندگی کی آخری سانس تک ان باطل اُصولوں کے منوانے سے برسرِ جنگ رہا جس کے نتیجے میں بالآخر شہادت قبول کی۔

مولائے مومنان نے معاویہ بن ابی سفیان کے ایک طعن آمیز خط کے جواب میں جو مکتوب گرامی لکھا تھا اُس کا ایک جملہ رسولؐ و آلِ رسول اور منصوص من اللہ اماموں کے کردار کی بھرپور اور صحیح عکاسی کرتا ہے آپ نے تحریر فرمایا تھا "معاویہ تو اپنے کو بہت عقلمند سمجھتا ہے مجھے خداوند قدوس نے تجھ سے کہیں زیادہ فہم و فراست عطا فرمائی ہے فرق یہ ہے کہ تو جن باتوں اور چالوں پر اپنی عقل صرف کرتا ہے میں اُنھیں غلط اور باطل سمجھتا ہوں اور قدرت رکھنے کے باوجود اُن پر اپنی عقل صرف نہیں کرتا نہ آئندہ کروں گا"۔ ایک اور معنی خیز فقرہ حضرت نے بلند روحانی سطح سے سیاسیوں سے ارشاد فرمایا تھا "حیف ہے کہ معاویہ کے طرفدار اُس کو ناحق (باطل) پر سمجھتے ہوئے بھی اُس کی حمایت و پاسداری پر جمے ہوئے ہیں اور تم مجھے حق پر سمجھ کر بھی میری حمایت و پاسداری میں استقامت نہیں رکھتے" سونے کے حروف سے لکھ کر رکھنے کے لائق ہیں

المختصر ایک گوشے پر اور ہلکی سی روشنی ڈال کر مضمون کو ختم کرنی رکھیزوں اور غلاموں کے ساتھ آپ کا حُسن سلوک ایسا تھا کہ اُنھیں کنیزی و غلامی کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس ایک مشہور تاریخی واقعہ سے ظاہر ہوگا کہ جناب امیرؑ خلق انسانی کے کس بلند درجوں پر تھے ایک بار آپ اپنے غلام قنبر کے ساتھ بازار تشریف لے گئے اور دو کرتے (ایک بیش قیمت، دوسرا کم قیمت) خریدے کم قیمت اپنے لئے رکھا اور بیش قیمت قنبر کو مرحمت فرمایا غلام نے عرض کی۔ آقا! یہ عمدہ پیراہن آپ کے لئے موزوں ہے۔ غلام کے لئے تو یہی بہت ہے جو حضور نے اپنے لئے رکھ لیا ہے اس کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا تھا مگر خطیب منبر سلونی نے قنبر کو مختصر، سادہ اور پُر معنی جواب دیا۔ فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہوا اور تم ابھی جوان ہو۔ میرے لئے یہی کم قیمت لباس مناسب ہے کس قدر تسکین بخش جواب ہے۔ **سبحان اللہ۔**

کہاں ہیں اسلام پر غلامانہ ذہنیت کو فروغ دینے کا الزام دینے والے اور اشتراکیت کے لمبے لمبے کھوکھلے دعویدار! دیکھیں کہ غلاموں کی دلدہی کرنے، انھیں برابر کا مساوی درجہ دینے اور سچی اشتراکیت کا نمونہ دکھانے والے (بغیر کمیونزم کا ڈھول پیٹے ہوئے) کون ہیں؟ اسلام کے صحیح رہنما یا دوسرے؟ —— واقعی اشتراکیت اسلام میں ہے —— یا اسلام سے باہر —— ؟

فوجی افسروں کے نام عام خط !

خدا کے بندے علیؑ امیر المومنین کی طرف سے۔ سرحدی سپہ سالاروں کے نام۔

اما بعد والی کا فرض ہے کہ اگر اُسے کوئی بڑائی ملی ہے اور کوئی درجہ حاصل ہوا ہے تو اس وجہ سے رعایا کے ساتھ اپنا برتاؤ نہ بدلے بلکہ خدا کی نعمتیں جتنی زیادہ ہوتی جائیں اُسی قدر خدا کے بندوں سے اُس کی نزدیکی اور اپنے بھائیوں سے اُس کی محبت و ہمدردی بڑھتی چلی جائے۔

مجھ پر تمھارا حق یہ ہے کہ جنگ کے سوا کوئی راز تم سے مخفی نہ رکھوں۔ حکم شرعی کے سوا تم سے سب باتوں میں مشورہ لیتا رہوں اور تمھارے کسی حق سے تمھیں محروم نہ ہونے دوں اگر میں یہ سب کر دوں تو تم پر واجب ہے کہ احسان الٰہی کا شکر بجا لاؤ، میری فرماں برداری کرو۔ میری کسی پکار پر پیچھے نہ رہو۔ کسی بھلائی میں کوتاہی نہ کرو اور حق کے نام پر مشکلات میں پھاند پڑا کرو۔ اگر تم اس مسلک پر استوار نہ ہوئے تو میری نگاہ میں تمھارے برگشتہ راہوں سے کوئی ہلکا نہ ہوگا۔ اس کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی اور میرے پاس ہرگز کوئی رعایت نہ ہوگی اور یہی عہد تم اپنے ماتحت سرداروں سے لو اور یہ عہد انھیں اپنی طرف سے دو۔ اس طرح تمھارے معاملات درست رہیں گے۔ (نہج البلاغہ)

نذرانۂ عقیدت

جناب سید ناظر حسین صاحب ریاض نسوانی

دینِ اسلام کا ہو سکتا ہے بس وہ ہادی   علمِ دیں میں جو کسی کا نہ ہو محتاج کبھی
جس پہ ظاہر ہوں سب اسرارِ خفی اور جلی   بار ہو جس کی امامت پہ فرشتوں کو بھی
کام جس کا ہو ہر اک شے کی ہدایت کرنا
ہر ستم سہہ کے غریبوں کی حمایت کرنا

ایسا انسان کبھی ہو نہیں سکتا ہادی   جس کے کردار سے ممکن ہو شریعت کی نفی
جو کہے اپنی جہالت کے تدارک میں یہی   آپ ہی مجھ کو ہلاکت سے بچاتے ہیں علیؑ
ایسے نادان کو ہدایت سے سروکار نہیں
کارِ دیں کے وہ کسی شعبہ کا حقدار نہیں

باعصمت سے ہے مخصوص ہدایت سب کی   اُس کی ہر بات میں شامل ہو خدا کی مرضی
اُس کو ہر خوبیِ کردارِ نبوت ہے ملی   اُس کے اطوار میں پنہاں ہے بہارِ ازلی
باعصمت ہی مناسب ہے خلافت کے لئے
کارِ دیں کے لئے لوگوں کی ہدایت کے لئے

خالقِ حق سے ملا ہے اُسے کچھ ایسا نور   اس کے جلووں سے پگھل جاتا ہے ظلمت کا جگر
خوف چھا جاتا ہے ہر چہرۂ کفر و شر پر   ہول سے ہلکا نظر آتا ہے بابِ خیبر
پنجۂ شیر سے سلماں کو چھڑا دیتا ہے
لشکرِ کفر کو تنہا ہی بھگا دیتا ہے

شاہد اس امر کا ہے جنگِ اُحد کا ہر باب   دائمی ہے سدا اُس کی صداقت کا شباب
علم و عصمت و تقویٰ میں نہیں جس کا جواب   وقف ہے اُس کے لئے جنت و کوثر کی شراب
اُس کو خالق نے نوازا شرف و عزت سے
حق کی تلوار سے اور علم کی ہر دولت سے

ہیں علی حیدرِ کرار ہی ماہِ عصمت   مسندِ دیں کے لئے باعثِ زیب و زینت
عاقلوں کے لئے سرچشمۂ علم و حکمت   چشمِ بینا کے لئے مظہرِ شانِ قدرت
رونق افزائے دو عالم ہے انہی کی ہستی
ثانیٔ نورِ مجسم ہے انہی کی ہستی

جوہرِ صدق و صفا ہمتِ مرداں ان میں   خیر سے ملتی ہے ہر خوبیٔ انساں ان میں
سیرت و شانِ محمد ہے نمایاں ان میں   اور نصیری کو نظر آیا تھا یزداں ان میں
ان کو اللہ نے ہاتھ اپنا کہا ہے واللہ
ان پر آئینِ خدا ختم ہوا ہے واللہ

نوعِ انساں کو ہدایت کی ضیا ان سے ملی   انھیں قرآن میں خالق نے کہا نفسِ نبیؐ
مرضیٔ حق کی خریدار ہے ان کی ہستی   کائنات ان کی ہے واللہ ہو جنت ان کی
معدنِ علم و ادب مصدرِ ایماں ہیں علیؑ
باغِ اسلام کے ہر باب کا عنواں ہیں علیؑ

بعد اسمائے خدا بعد کمالاتِ نبیؐ   بابِ جنت پہ ہے تحریر بعنوانِ جلی
وارثِ تختِ خلافت ہیں بلا فصل علیؑ   پھر انھیں کیسے نہ ہم مانیں محمدؐ کا وصی
سچ یہی ہے کہ علیؑ مثلِ نبیؐ مولا ہیں
کرمِ حق سے محمدؐ کی طرح یکتا ہیں

گوہرِ تاجِ نبوت انھیں کہتے تھے نبیؐ   آپ محبوبِ خدا کے ہیں امیں اور وصی
آپ کو ثانیٔ اکبر نے کہا اسد ولی   ہیں علیؑ رحمتِ خالق سے امامِ ازلی
ان کی ہر سانس سے آتی ہے شمیمِ حبیب
ان کے دامن کی ہوا بھی ہے نسیمِ جنت

آپ کی ذات ہے وہ چشمۂ علم و معنی   جس کی موجوں سے ہے شادابِ بستانِ نبیؐ
آپ کے پیشِ نظر وسعتِ لفظِ کُن تھی   بعد احمدؐ نہ ملا آپ سے بہتر کوئی
منزلِ قبلہ کو ہم قبلہ نما سے سمجھے
عظمتِ خالقِ کُن سرِّ خدا سے سمجھے

تختِ شاہی کے لئے رشکِ سلیماں ہیں علیؑ   طلبِ علم ہو تو بولتا قرآں ہیں علیؑ
خضر درکار ہو تو شاہِ رسولاں ہیں علیؑ   زندگی چاہیئے تو بخششِ یزداں ہیں علیؑ

"مظہرِ شانِ خدا" اہلِ وفا کہتے ہیں

جو نصیری ہیں، انھیں اپنا خدا کہتے ہیں

جو علی چاہیں تو اک قطرے کو دریا کر دیں　　سنگ ریزوں کو مثالِ دُرِ یکتا کر دیں
ریگزاروں کو بھی جنت کا نمونہ کر دیں　　شبِ تاریک کو پُر نور سویرا کر دیں
حکم دیں آپ تو ہر ذرہ منوّر ہو جائے
بخدا ظلمتِ شب نور کی چادر ہو جائے

ہم سے کیونکر ہو بھلا اُس کے فضائل کا شمار　　مسکرائی ہو جسے دیکھ کے کعبے کی دیوار
سر بلندی میں جو ہو دوشِ محمدؐ کا سوار　　عرشِ اعلیٰ نہ نظر آتے ہوں جس کے اسرار
آنِ واحد میں جو طے وسعتِ امکاں کر لے
آنکھ اِدھر جھپکے اُدھر ختم وہ قرآں کر لے

آپ ہیں نفسِ نبیؐ آپ ہیں روحِ ایماں　　آپ ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں کون و مکاں
آپ کے حکم کے محتاج ہیں حور و غلماں　　آپ ہیں حق کے ولی قاسمِ فردوس و جناں
آپ کی مدح میں بھی محوِ عبادت ہے ریاضؔ
آپ سے طالبِ پروانۂ جنت ہے ریاضؔ

قطعات

(جنابِ ڈاکٹر رفیق حسین صاحب رفیقؔ۔ لکھنؤ)

جو تعبیر خلیل اللہ کی لفظوں میں پنہاں تھے　　وہ جلوے پردۂ غیبت سے باہر آنے والے ہیں
ندا آئی جو دیوارِ حرم میں در ہوا پیدا　　خبردار کہ خدا کے گھر میں حیدرؑ آنے والے ہیں

ابھی سے کفر کی دنیا میں ہو زلزلہ پیدا　　جہاں میں فاتحِ صفین و خیبر آنے والے ہیں
عیاں ہوتا ہو دیوارِ حرم کی مسکراہٹ سے　　علیِ مرتضیٰؑ کعبے کے اندر آنے والے ہیں

علامہ مودودی کی "خلافت و ملوکیت" پر ایک نظر

(جناب سید نصیر الحسن صاحب ایم اے سابق ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس کندرکی مراد آباد)

جناب ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" جو مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی۔ میں ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہے میرے زیر مطالعہ ہے اس میں شک نہیں کہ موصوف نے اس کتاب میں جو طریقہ استدلال اختیار کیا ہے اس کو نہ نظر انداز ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ قلم انداز ہی کرنے کو دل چاہتا ہے موصوف نے اس کتاب میں اپنے حق عقیدہ کے مطابق مسئلہ خلافت و ملوکیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہی نظریۂ خلافت و ملوکیت عام برادران اہل سنت سے بھی وابستہ ہے فرق اتنا ہے کہ عام لوگ جنھیں کتب سیر و تاریخ کا عمیق مطالعہ کرنے کا موقع میسر آیا ہے وہ ان مسائل کو دل میں محسوس تو کرتے ہیں لیکن ان کی پست ہمتی کی جوش عقیدگی اپنے دلی تاثرات کے اظہار میں سد راہ ہی سی رہتی ہے۔ لیکن جناب مودودی صاحب نے اپنی عقیدت کی شدت کو نظر انداز کرتے ہوئے بے باکانہ طور پر اپنے خیالات کو لوح دل سے صفحۂ قرطاس پر لانے کی جرأت فرمائی ہے لیکن موصوف کا زور قلم حضرت عثمان اور امیر معاویہ پر تنقید کے لیے صرف ہوا ہے اس سلسلہ میں ہماری معروضات کو بغور مطالعہ کیا جائے تاکہ مودودی صاحب کی کتاب کے مطالعہ کرنے والے حضرات کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں

موصوف اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں

"اسلام ایک شورائی خلافت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے کہ نہ وہاں کسی خاندانی بادشاہت کی بنا ڈالی گئی اور نہ کوئی شخص طاقت استعمال کر کے برسر اقتدار آیا۔ نہ کسی نے خلافت حاصل کرنے کے لیے خود کوئی دوڑ دھوپ یا برائے نام بھی اس کے لیے کوشش کی بلکہ یکے بعد دیگرے چار اصحاب کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے چلے گئے"

بنیادی مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ اگر خلافت کا مفہوم اس نظریہ کے ماتحت تسلیم کیا جائے کہ جناب ختمی مرتبت کے وفات کے بعد جو بزرگ بھی حکمران یا اصطلاحاً خلیفہ ہوئے دنیاوی بادشاہ تھے تو مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے کسی مکتبۂ خیال کو اس مفہوم خلافت کے سلسلہ میں اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ بعد وفات رسول حضرت ابوبکر اسی نظریہ اور مفہوم کے تحت بادشاہ یا اصطلاحاً خلیفہ ہوئے جن کا سلسلہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانوں کو عبور کرتا ہوا خلیفہ عبدالحمید تک چلتا رہا اور جب اصطلاحی خلیفہ یا بادشاہ عبدالحمید سے خلافت کا منصب فضول و بیکار سمجھ کر حامیان خلافت ہی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تو دنیائے اسلام میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بھی تحریک خلافت شروع ہوئی جس کی موافقت میں بہت سے فدائیان خلافت و سیاست نے برٹش گورنمنٹ کی قید و بند کی سختیاں برداشت کیں اور عرصہ تک ملک کی فضا "جان بیٹا خلافت پہ دیدو" کے نعروں سے گونجتی رہی یہ اصطلاحی خلفائے اسلام پر دنیاوی بادشاہ جائز و ناجائز طریقوں سے برسر اقتدار آئے جن میں دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح نیک کردار اور انصاف پسند بھی ہوئے اور بہت سے خونخوار اور ظالم و جابر بھی۔

برخلاف اس مفہوم کے اگر خلافت کو اس اعتبار سے تسلیم کیا جائے کہ وہ ایک روحانی منصب تھا اور خلیفہ رسول کو رسول کی اس روحانی اور اخلاقی تعلیم کی نشر و اشاعت کرنا تھی جس کے لیے آں حضرت مبعوث برسالت ہوئے تھے تو قرآن اور احادیث کی روشنی

[illegible] سمجھتا ہو گا کہ بعد وفات رسول کس قسم کے خلفاء کا ہونا ضروری تھا اور ہے تاکہ امت مرحومہ ان کی اطاعت کو اپنا فریضہ سمجھے

خلافت کی تقرری کے سلسلہ میں جناب مودودی صاحب نے متعدد آیات قرآنی اور احادیث رسول کو درج کیا ہے جن میں سے چند کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے جو مودودی صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

آیات قرآنی کا ترجمہ:

(۱) اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا تم حق کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا لے جائے (ص ۲۶)

(۲) اور یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں (البقرہ ۳۱)

(۳) اے بنی اسرائیل، قریب ہے وہ وقت کہ تمہارا رب تمہارے دشمن (فرعون) کو ہلاک کرے اور زمین میں تم کو خلیفہ بنائے اور پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو (الاعراف)

(۴) اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور اس نے وہ پوری کر دیں تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا (البقرہ ۱۲۴)

(۵) (بنی اسرائیل نے کہا، اس کو (یعنی طالوت کو) ہم پر حکومت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا حالانکہ ہم اس کی بہ نسبت بادشاہی کے زیادہ حقدار ہیں اور اسے مال میں کوئی کشادگی نہیں دی گئی ہے۔ نبی نے کہا اللہ نے اسے تمہارے مقابلہ میں برگزیدہ کیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے (البقرہ ۲۴۷)

مندرجہ بالا آیات قرآنی سے مندرجہ ذیل نکات [illegible] واضح ہوتے ہیں۔

(۱) خلافت ایک ایسا عہدہ خداوندی ہے جس کے لیے خواہش نفس کی پیروی سے اجتناب کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ انصاف اور عدل کے ساتھ فیصلے کئے جائیں

(۲) یہ ایسا روحانی اہم عہدہ ہے کہ خدا بذات خود اس پر اپنے محبوب ترین بندہ کو مقرر کرتا ہے کوئی شخص اس عہدہ پر لوگوں کے شوریٰ کے ذریعہ مقرر نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ فرشتے جیسی معصوم مخلوق کو بھی اس بات کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ شوریٰ کے ذریعہ کسی کو خلیفہ بنا سکیں اس خدائی عہدہ کے عطا کرنے میں کسی مخلوق کو مشورہ دینے کا حق نہیں

(۳) کوئی ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا شخص اس عہدہ پر مقرر نہیں کیا جا سکتا

(۴) خلافت کے لیے علم اور جسم میں کشادگی کا ہونا ضروری ہے اور مال و دولت کا ہونا ضروری نہیں

(۵) خلیفہ اور امام دو مترادف الفاظ ہیں [illegible]

احادیث

(۱) [illegible]

(۱) لوگو سن لو تمہارا رب ایک ہے عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کے لحاظ سے

(۲) جو حکمران مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا

(۳) خدا کی قسم ہم اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو یا اس کا حریص ہو (از حوالہ بخاری و مسلم)

(۴) تم میں سب سے زیادہ خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے (ابوداؤد)

(۵) سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف (یا حق) کی بات کہنا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(۶) میرے بعد کچھ لوگ حکمراں ہونے والے ہیں جو ان کے جھوٹ میں ان کی تائید کرے اور ان کے ظلم میں ان کی مدد کرے

وہ مجھ سے نہیں اور میں اُس سے نہیں (بحوالہ نسائی)

(۷) عنقریب تم پر ایسے لوگ حاکم ہوں گے جن کے ہاتھ میں تمہاری روزی ہوگی وہ تم سے بات کریں گے تو جھوٹ بولیں گے اور کام کریں گے تو برے کام کریں گے وہ تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تم ان کی برائیوں کی تعریف اور ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرو۔ پس تم ان کے سامنے حق پیش کرو جب تک وہ اسے گوارا کریں پھر اگر وہ اس سے تجاوز کریں تو جو شخص اس پر قتل کیا جائے وہ شہید ہے (بحوالہ کنز العمال ج ۶ ص ۶۹)

ان احادیث سے مندرجہ ذیل نکات صاف طور پر ثابت ہو رہے ہیں،

(۱) اسلام نے نسلی عصبیت کو مذموم قرار دیا ہے مساوات کا سبق سکھایا ہے یہی نظریہ اسلام ہر موقع پر ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا خواہ خلافت ہی کا مسئلہ کیوں نہ ہو

(۲) کوئی مسلمان حکمران جو مسلمانوں ہی کا سربراہ ہو اگر مسلمانوں کے ساتھ دھوکا یا خیانت کرتا ہے تو وہ مسلمان ہی کہلانے کا مستحق نہیں اس لیے کہ ارشاد نبوی کے مطابق جنت اس پر حرام ہے اور وہ ایسے فاسق و فاجر اور ظالم و بے دین اشخاص کے زمرہ میں آجاتا ہے جن پر جنت حرام کی گئی ہے

(۳) خلافت کا اہم روحانی منصب خدا ایسے شخص کو تفویض نہیں کرتا جو اس کو خود طلب کرے یا اس کا حریص ہو

(۴) جو منصب خلافت خود طلب کرتا ہے وہ خدا و رسول کے نزدیک خائن ہے

(۵) اگر کوئی ظالم حکمران اور اصطلاحاً ظالم خلیفہ کے ظالمانہ طرز عمل کے خلاف احتجاج کرتا ہے تو وہ حق بجانب ہوگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے ظالم حکمراں کے خلاف آواز بلند کرنا جہاد ہی کے مترادف ہوگا اس لیے کہ ارشاد نبوی کے مطابق جو شخص اس احتجاج کے سلسلہ میں مارا جائے گا وہ شہید ہوگا۔

(۶) وفات ختمی مرتبت کے بعد ایسے حکمران یا اصطلاحاً خلفاء کا ہونا بھی ضروری ہے جن کا جھوٹا اور ظالم ہونا ارشاد نبوی کے مطابق لازمی ہوگا اور جو شخص بھی ان کے جھوٹ اور ظلم کے سلسلہ میں اعانت کرے گا اس کا رسول امت سے کوئی تعلق قائم نہ رہ سکے گا جس کے نتیجہ میں وہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

(۷) وفات رسول کے بعد کچھ ایسے حکمران یا اصطلاحاً خلفاء کا ہونا بھی ضروری ہے جن کے قبضہ میں مسلمانوں کی روزی یعنی ان کے وظیفے، دقیقے اور دنیاوی ترقیاں ہوں گی۔ وہ مسلمانوں سے اس وقت تک خوش ہی نہ رہ سکیں گے جب تک کہ وہ ان کے غلط رویہ کی تائید نہ کریں گے اسی لیے رحمت العالمین حضرت محمد مصطفےٰ نے اپنی امت کو مستقبل قریب میں آنے والے ظالم اور بدکردار حکمرانوں کے سامنے راہ حق پیش کرنے کی تاکید فرمائی۔ ایسی صورت میں اگر کوئی مسلمان ان ظالم حکمرانوں کے سامنے حق پیش کرنے کے نتیجہ میں مارا جاتا ہے تو وہ اسلام کے نزدیک شہید سمجھا جائے گا۔

جہاں تک ارشادات خداوندی کا تعلق ہے ان میں کسی ایک سے بھی یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ خلیفہ یا امام کو عوام خود منتخب کریں اسی طرح سے کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں جس میں حضرت ختمی مرتبت نے یہ فرمایا ہو کہ اے امت مرحومہ میری وفات کے بعد جس کو چاہو اپنی مرضی سے خلیفہ یا امام بنالینا۔ ایسی صورت میں بعد وفات رسول جن حضرات نے قرآن اور احادیث رسول کی طرف توجہ نہ کرتے ہوئے شورودی خلافت کا مسئلہ چھیڑا ان کی تائید میں سوائے خاموشی کے ہمارے لیے کوئی چارہ ہی نظر نہیں آتا۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں جو سب سے پہلی حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ خلافت کا اہم منصب خدا یا اس کا رسول ایسے شخص کو تفویض نہیں کرتا جو اس کے لیے دوڑ دھوپ کرے یا اس کا حریص ہو۔ اس سلسلہ میں دیکھنا

بعد وفات رسول ایسے حضرات کون تھے جنھوں نے نعش مقدس شفیق رسول کی تجہیز و تکفین کے اہم فرائض کو پس پشت ڈال کر حصول خلافت کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ شروع کردی اور اس سلسلہ میں ان کے حرص و آز کے حدود بڑھتے ہی گئے

علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" میں "سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف" کی سرخی کے تحت اس طرح رقم طراز ہیں۔

"یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند خلافت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں اس فعل کی ناگواری اس وقت اور نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب احادیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بھی بزور منوانا چاہا گو بنی ہاشم نے آسانی سے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔"

علامہ شبلی جیسے محقق کی مندرجہ بالا تحریر کو تمام کتب احادیث و سیر کا لب لباب سمجھنا چاہیئے جس کو انھوں نے اپنے حسن عقیدہ کے مطابق الفاروق ایسے جیسے شاہکار میں درج کرنے کا افتخار حاصل کیا ہے اس اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بعد وفات رسولؐ حضرت عمر و حضرت ابوبکر ہی وہ اہم ہستیاں تھیں جنھوں نے حصول خلافت کی دوڑ دھوپ اور غیر معمولی کوشش کو تجہیز و تکفین رسولؐ پر ترجیح دی ایسے تاریخی حقائق کے پیش نظر جناب مودودی کا یہ فرمانا کہاں تک حق بجانب ہے کہ "خلافت حاصل کرنے کے لئے نہ کسی نے کوئی دوڑ دھوپ کی اور نہ برائے نام کسی نے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کی، بلکہ یکے بعد دیگرے چار اصحاب کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے چلے گئے" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۳)

مودودی صاحب کے اس بیان سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے سلسلہ میں جو غیر معمولی کوششیں کی گئیں وہ محض افسانہ ہی افسانہ ہے نہ مہاجرو انصار میں حصول خلافت کے لیے کسی قسم کی کشمکش ہوئی نہ بزور آزمائی ہوئی اور نہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف اپنی آواز بلند کی

تمام کتب سیر و تاریخ شہادت دے رہی ہیں کہ وفات رسولؐ کے فوراً بعد حضرات عمر و ابوبکر مع اپنے موافق چند مہاجرین کے سقیفہ بنی ساعدہ کو انصار کے مقابلہ میں حصول خلافت کی جد وجہد کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ان بزرگوں نے ایسی سعی فرمائی جس سے ایسا خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں مہاجر اور انصار کی

تلواریں ایک دوسرے کا خون نہ بہانے لگیں یہ حقیقت آگے سے
ہے کہ یہ توقعات حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی طرف سے ہوں یا انصار
کے سردار سعد بن عبادہ کی طرف سے لیکن مہاجرین کی ایک جماعت
جو سقیفہ بنی ساعدہ گئی تھی اس کے قائد حضرت ابوبکر، عمر ہی تھے اور یہ
بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حصول خلافت کی کوشش میں ایک طرف تھے
حضرت ابوبکر مع اپنے ساتھیوں کے اور دوسری طرف حضرت سعد بن
عبادہ مع انصار کے ایک حظیرہ کو محاذ بنائے ہوئے تھے، بقول
علامہ شبلی کے، حضرت عمر نے یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابوبکر کے ہاتھ
میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ ہی حضرت
عثمان، ابوعبیدہ جراح اور عبدالرحمن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے
اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی نے اٹھتا ہوا طوفان
رک گیا۔ (الفاروق صفحہ ۸۴ طبع لاہور) بہت کم

یہ تمام تاریخی شہادتیں اس حقیقت کو صاف بتا رہی
ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت سعد بن عبادہ نے حصول خلافت
کے لیے ایسی غیر معمولی کوششوں کا مظاہرہ کیا تھا جو صاف طور پر
غیر معمولی حد تک نظر آ رہا تھا۔ ان حقائق کے پیش
نظر ہم اپنے قارئین کرام کی توجہ مندرجہ بالا حدیث نمبر ۳ کی طرف
مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ جس کو علامہ مودودی نے صحیح بخاری
اور مسلم جیسی مستند ترین کتب احادیث سے مسئلہ خلافت کے
سلسلہ میں نقل کیا ہے۔ اس لیے اس کو نظر انداز بھی کیا جا سکتا
ہے اور نہ اس کے صحیح ہونے میں کسی قسم کے شک کی گنجائش
نظر آتی ہے اس حدیث کے مطابق مخبر صادق جناب ختمی مرتبت
اپنے پروردگار کی قسم کھا کر امت مرحومہ سے فرماتے
ہیں کہ ہم اپنی اس حکومت کا منصب کسی ایسے شخص کو نہیں
دیتے جو اس کا طالب یا حریص ہو اور اسی طرح مسند کا لا
حدیث نمبر ۴ میں ارشاد نبوی ہوتا ہے کہ تم میں سب سے بڑھ
کر خائن ہمارے نزدیک وہ ہے جو اسے خود طلب کرے۔
ایسے کھلے ہوئے ارشادات نبوی کی روشنی میں جن بزرگوں نے
حصول خلافت کے سلسلہ میں اپنے حرص و آز کا قدم بڑھایا
اُن کے جواز کے سلسلہ میں ہمارے لیے سوائے دم بخود رہنے
کے کوئی چارہ ہی نظر نہیں آتا۔ قارئین کرام خود ہی اپنی ضمیر کی آواز
کے مطابق اس اہم مسئلہ کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے زیادہ
مستحق ہوں گے۔

یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ
بنی ساعدہ میں جو تقریر فرمائی تھی اس میں انصار کے مقابلہ
میں اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ مستحق ہونے کے سلسلہ میں
اس نکتہ ہی سے استدلال کیا تھا کہ مہاجر انصار سے افضل ہیں
اور غیر قریش ان کی سرداری کو قبول نہ کر سکیں گے کیونکہ ہمیں کو
رسول اللہ سے خاندانی رشتہ کی وجہ سے زیادہ قربت کی
خصوصیت حاصل ہے لیکن قابل غور و فکر یہ امر ہے کہ
حضرت ابوبکر کا یہ استدلال مندرجہ بالا حدیث نمبر ۱ کی روشنی
میں کہاں تک حق بجانب تھا۔ نسلی امتیازات کا مذموم تخیل
جو تکبر بے جا، غرور اور بے محل احساس برتری کو جنم دیتا
ہے، رحمت العالمین اس کے خلاف صریح الفاظ میں یہ
فرماتے ہیں کہ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے
نہ کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے
مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ سقیفہ میں اسی
نسلی امتیاز کو حضرت ابوبکر نے انصار کے مقابلہ میں استدلال
کے طور پر پیش کیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر
اس حدیث نبوی سے واقف نہ تھے اس لیے کہ آپ کو رسول
اللہ کی صحبت میں رہنے کا جو شرف حاصل تھا وہ سب جانتے
ہیں اس سلسلہ میں ان کے اس طریقہ استدلال کی موافقت
میں کچھ کہنا حدیث نبوی سے انکار کے مترادف ہی ہوگا
ایسی صورت میں ان سے عقیدت کے پیش نظر سوائے خاموشی
کے ہمارے لیے کوئی چارہ نہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے
سقیفہ کے خطبہ میں اپنے نسلی امتیاز ہی کو بطور استدلال پیش
کیا تھا لیکن جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے قرآن کے

کوئی ایک لفظ بھی ارشاد نہیں فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی نظر میں خلافت کے لیے تقویٰ کے بجائے نسلی امتیاز ہی فوقیت رکھتا تھا ورنہ اس کے متعلق بھی زور دیا جاتا۔ بخاری کی اس حدیث کے خلاف جو بزرگوں نے حصول خلافت کی جدوجہد کے سلسلہ میں جو استدلال کیا اس کی موافقت میں کچھ کہنے کے بجائے خوش عقیدگی کے پیش نظر ہمارے لیے سوائے خاموشی کے کوئی چارہ بھی نظر نہیں آتا۔

یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر کو شورائی طریقہ سے خلیفہ بنانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کے درمیان سقیفہ بنی ساعدہ کی محفل سے بیشتر مسلمانوں سے کوئی مشورہ بھی نہیں لیا گیا تھا۔ یہ اتفاقیہ ہی امر تھا کہ حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ کی ہنگامی میٹنگ میں حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور فرمایا کہ سب سے پہلے میں ابوبکر کی بیعت کرتا ہوں اس کے بعد حضرت عثمان، ابوعبیدہ جراح اور عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی" (واقعہ حال سقیفہ) یا اس لیے دور قدیم کے کل مسلمانوں کا نظریہ یہی تھا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت حضرت عمر اور ان کے چند با اثر مہاجرین کی غیر معمولی سعی و کوشش سے قائم ہوئی تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو جناب مودودی جیسے محقق کو بھی اس کتاب کے صفحہ ۴۰۳، ۵۰۵ پر صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ مستند روایت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ

"حضرت عمر کی زندگی کے آخری سال حج کے موقع پر ایک شخص نے کہا کہ اگر عمر کا انتقال ہوا تو میں فلاں شخص کے ہاتھ پر بیعت کروں گا کیونکہ ابوبکر کی بیعت بھی تو اچانک ہی ہوئی تھی اور آخر وہ کامیاب ہو گئی"

حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا کہ میں اس معاملہ پر ایک تقریر کروں گا اور عوام کو ان لوگوں سے خبردار کر دوں گا جو اُن کے معاملات پر غاصبانہ تسلط کرنے کے ارادے رکھتے ہیں چنانچہ مدینہ میں پہنچ کر انھوں نے اپنی پہلی تقریر میں اس قصہ کا ذکر کیا اور بڑی تفصیل کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی سرگزشت بیان کر کے یہ بتایا کہ اس وقت مخصوص حالات تھے جس میں اچانک حضرت ابوبکر کا نام تجویز کر کے میں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اگر میں ایسا نہ کرتا اور خلافت کا تصفیہ کیے بغیر ہم لوگ مجلس سے اٹھ جاتے تو اندیشہ تھا کہ راتوں رات لوگ کہیں غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں اور ہمارے لیے اس پر راضی ہونا بھی مشکل ہو اور بدلنا بھی مشکل۔ یہ فعل اگر کامیاب ہوا تو اُسے آئندہ کے لیے نظیر نہیں بنایا جا سکتا۔ تم میں ابوبکر جیسی بلند و بالا اور مقبول شخصیت کا آدمی اور کون ہے۔ اب اگر کوئی شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو وہ اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی دونوں آپ کو قتل کے لیے پیش کریں گے"

حضرت عمر کی اس تقریر کے متن کو اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اس سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ ان کے خیالات شورائی اسپرٹ سے بالکل ہی عاری ہیں۔ وہ خلافت کے عہدہ کو اپنا ذاتی حق سمجھتے تھے ان کا رجحان طبع جمہوریت کی بہ نسبت آمریت کی جانب زیادہ تھا چونکہ ان کے پیش رو خلیفہ حضرت ابوبکر نے ان کو اسی جمہوریت کے زیر اثر اپنا خلیفہ نامزد فرمایا تھا جس میں کسی قسم کی رائے عامہ کو دخل نہ تھا جس طریقہ نام زدگی کی بنا پر وہ

خلیفہ مقرر کئے گئے تھے اُسی طریقہ نامزدگی کے تحت وہ اپنے بعد عمر کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے جن کا ذکر آئندہ کرنے کی کوشش کروں گا

حضرت ابوبکر کی اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خلافت کے مسئلہ میں جمہور اسلام کی رائے کو کوئی اہمیت ہی نہ دیتے تھے وہ اس عہدہ کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے احباب خاص ہی کو اہل سمجھتے تھے عام مسلمانوں کو اس معاملہ میں چون و چرا کرنے کا نتیجہ یہی تھا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کریں۔ ایسے حالات کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شورودی خلافتیں تھیں جب کہ حضرت ابوبکر کی خلافت اتفاقیہ طور پر سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر کی کوشش کی بنا پر قائم ہوئی اور حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے ان کی سابقہ خدمات کی بنا پر اپنی خلافت کے لیے نامزد فرما دیا۔

قطعات

جناب حکیم محمد مرزا احبابؔ واصفؔ دہلوی

ذی صولت و ذی سطوت و ذی جاہ علیؑ — حق مظہر و حق کوش و حق آگاہ علیؑ
کہتی ہے تقدس کی جلالت واصفؔ — لاریب ہیں منصوص من اللہ علیؑ

چاند چمکا کسی منزل میں نہ تارا چمکا — بُرج میں اپنے نہ یوں مہر خود آرا چمکا
نیّرِ روئے علیؑ ابنِ ابی طالبؑ سے — جس طرح کعبہ کی قسمت کا ستارا چمکا

کعبے کے گلستاں سے صبا آئی ہے — بے وجہ نہیں آج یہ اترائی ہے
جو طرۂ دستار محمدؐ ہوگا — اُس پھول کے کھلنے کی خبر لائی ہے

بعد احمدؐ کے احد تک ہے رسائی تیری — اہلِ ایماں کا شرف ناصیہ سائی تیری
یا علیؑ کچھ تو ہے ایسا کہ خدا کے ہوتے — بعض بندوں میں مسلّم ہے خدائی تیری

جبینِ شوق کے ارماں ترے در پہ نکلتے ہیں

[illegible]

مہ خورشید ابر و باد [illegible] ہر [illegible] لفظ کُن سے یہ جوہر نکلتے ہیں

سمجھ سکتا نہیں کوئی ترے مخفی [illegible] کو [illegible] ہم نکلتے ہیں

مرے مالک تری [illegible] بخش رحمت [illegible] کر نکلتے ہیں

یارب
تجھ ہی نے تجھ کو دی طاقت [illegible] کر نکلتے ہیں
[illegible] نہاں رمز قرآنی [illegible] بسم اللہ [illegible] اکرام [illegible] اعلیٰ
یونہی ہو بائے بسم اللہ [illegible] قرآں [illegible] سحر [illegible] کر نکلتے ہیں

مہ خورشید و ابر و باد سب [illegible] نکلتے ہیں

درخت کبرِ نخوت پھولتا پھلتا نہیں ہرگز
بہتر
[illegible] اکثر نکلتے ہیں

پھلوں سے جو لدی رہتی ہے جھکتی ہے وہی ڈالی [illegible] ہے جھکا کر سر نکلتے ہیں

کبھی نمرود کی صورت میں آتا ہے نظر انساں [illegible] انساں ہیں جن میں کہ پیغمبر نکلتے ہیں
[illegible] جستجو اُن کی کہ جو انسان دنیا میں [illegible] ولی [illegible] مصطفیٰ [illegible] کر نکلتے ہیں

گھٹا کعبے سے اُٹھی بادۂ حبِ علیؑ برسی
ہوئے ہشیار رند پارسا ساغر نکلتے ہیں

جو دریائے مئے حبِ علیؑ میں غرق ہوتے ہیں
وہ رندِ پارسا جا کر لبِ کوثر نکلتے ہیں

یہاں پینے کے جو عادی تھے وہ جنت میں جب پہنچے
انھیں سیراب کرنے ساقیِ کوثر نکلتے ہیں

پڑھو اک مطلعِ نو بہرِ جشنِ مولودِ کعبہ میں
حرم میں آئے ہیں حیدرؑ صنم باہر نکلتے ہیں

یہ آغوشِ محمدؐ حیدرِ صفدر نکلتے ہیں
حرم سے زورِ بازو لیکے پیغمبرؐ نکلتے ہیں

برائے جنگِ خندق یوں نہیں حیدرؑ نکلتے ہیں
نبیؐ سے کُلِ ایماں کی سند لے کر نکلتے ہیں

ہے انوارِ الٰہی کا خزانہ خانۂ حیدرؑ
خدا رکھے یہاں سے نور کے پیکر نکلتے ہیں

یہ ہے وہ معدنِ عصمت جہاں سے اے مسلمانو
امام و ہادی و معصوم و پیغمبرؐ نکلتے ہیں

ہے ایماں پر تمھارے شک تحیر ہے ابوطالبؑ
تمھاری گود کے پالے تو پیغمبرؐ نکلتے ہیں

زمیں لرزی ہے کہ جبرئیلِ امیں ہشیار ہو جاؤ
خدا کی تیغ لے کر فاتحِ خیبر نکلتے ہیں

بہادر منچلے یوں تو بہت ہیں بزمِ احمدؐ میں
مگر ہر جنگ میں سینہ سپر حیدرؑ نکلتے ہیں

علیؑ کا خواب بھی معجز نما دیکھا شبِ ہجرت
جو چادر اوڑھ لیتے ہیں تو پیغمبرؐ نکلتے ہیں

نزولِ آیۂ تطہیر تو ہے بعد کا قصہ
علیؑ والے ازل سے طاہر و اطہر نکلتے ہیں

جو دیکھا نسلِ کافر میں کوئی مومن تو کہتی ہے
علیؑ کے تیغ میں ایمان کے جوہر نکلتے ہیں

کہیں سجدے کریں ہم یا علیؑ سیری نہیں ہوتی
جبینِ شوق کے ارمان تیرے در پر نکلتے ہیں

ازل سے تھی تمنائے زیارت یا علیؑ ہم کو
بڑی مدت کے ارمان قبر کے اندر نکلتے ہیں

خبر لو وحیدِ عاصی کی ہو تم بھی شافعِ محشر
کہ میرے دفترِ عصیاں سرِ محشر نکلتے ہیں

دیباچہ دیوان حضرت علیؓ

(از حکیم مولانا نور عالم صاحب)

جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور آپ کے اصلاحی کاموں میں آپ کی معاونت کی انہیں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت علیؓ وغیرہ مقدس ہستیاں بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ میں بحمد اللہ سنی ہوں اور سنی علمائے کرام کا جو عقیدہ ان حضرات کے بارے میں ہے وہی میرا بھی ہے اور وہی عقیدہ کچھ قرآن شریف سے اور کچھ معتبر احادیث کریمہ سے ثابت ہے چونکہ میں تمہید دیوان علیؓ کا دیباچہ لکھ رہا ہوں اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بعض حصہ درج کرنا مناسب اور موزوں سمجھتا ہوں عیب جو لوں اور نکتہ چینوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں "شیعہ ہے" اور جب کوئی شخص کوئی اصلاح پیش کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں "اہل حدیث" ہے و ربنا الرحمٰن المستعان علیٰ ما تصفون حد یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو کبھی شیعہ کہا جاتا ہے اور کبھی اہل حدیث حالانکہ جو شیعہ ہے وہ اہل حدیث نہیں اور جو اہل حدیث ہے وہ شیعہ نہیں۔ بدگوئی کا یہ طریقہ دراصل ہمزہ و لمزہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہوا "ویل لکل ہمزۃ لمزۃ" مسلمانوں کو بدگوئی، تمسخر اور غلط پروپگنڈے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جس وقت ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملی اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نابالغ بچے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہتے تھے عمر کی تعیین میں اختلاف ہے

آپ کا انتقال رمضان شریف میں ۴۰ھ (چالیس ہجری) میں ہوا آپ کے فضائل و مناقب میں چند احادیث کو میں درج کرتا ہوں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) علی سے فرمایا تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے جو (حضرت) موسیٰ سے قرین اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری شریف: مسلم شریف)

او حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے دن کہ میں یہ جھنڈا کل ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبت رکھتے ہیں چنانچہ پرچم آپ نے (آپؐ نے) حضرت علی کو عطا فرمایا بخاری شریف و مسلم شریف سے مختصر کر کے اس عبارت کو یہاں درج کیا گیا ہے

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے

درمیان مواخاۃ کو یعنی برادری کو قائم فرمایا (مہاجرین و انصار کے درمیان) تو حضرت علیؓ اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان میں برادری کو قائم کیا لیکن میری برادری کسی کے ساتھ نہیں قائم فرمائی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو (ترمذی شریف)

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے (ترمذی)

اور (ام المومنین) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کے وقت حجرے سے نکلے اور آپ کے جسم پر ایک چادر تھی سیاہ بالوں کی اور اس پر کجاوے کی تصویر تھی اس کے بعد حسنؓ (آپ کے پاس) آئے تو آپ نے ان کو (اس چادر میں) داخل فرمایا پھر حسینؓ آئے اور وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گئے پھر (حضرت) فاطمہؓ آئیں تو آپ نے ان کو بھی (چادر مبارک میں) داخل کیا پھر (حضرت) علیؓ آئے تو ان کو بھی داخل کیا پھر آپ نے فرمایا۔ انما یرید اللہ اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ تم لوگوں سے نجاست کو دور فرمائے اور اہل بیت اور تم لوگوں کو خوب پاک و صاف فرما دے (مسلم شریف)

ان پانچوں احادیث کریمہ کو مشکوٰۃ شریف کے مولف نے مذکورہ بالا کتابوں سے نقل کر کے اسی کتاب میں درج کیا ہے جس حدیث شریف میں آیت تطہیر کا تذکرہ ہے اس کی بنا پر پانچ مقدس ہستیوں کو پنجتن پاک کہتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے ؎

بگو طوطی حدیث پنجتن پاک

حضرت علی رضی اللہ عنہ حکمت کے گھر کے دروازہ اور بالفاظ دیگر علم کے شہر کا دروازہ ہیں۔ اس لئے انھوں نے علم و حکمت کی اشاعت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ کم تیس سال دنیا میں رہے اور علم و حکمت کی اشاعت میں مشغول رہے۔ جب آپ کو خلافت ملی تو کوفہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ کوفہ ملک عراق کا مشہور شہر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجہ سے اور بھی بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم ملک عراق میں رہنے لگے اس کی وجہ سے عراق میں اور خصوصاً اس کے بڑے شہروں میں علم و حکمت کی اشاعت بہت زیادہ ہوئی یعنی کوفہ، بغداد (شریف) بصرہ اور موصل واقعہ کربلا کے بعد آپ کا خاندان مدینہ شریف میں مقیم ہوا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اور دوسرے علماء ان حضرت کی وجہ سے مدینہ شریف میں بھی علم و حکمت کی اشاعت ہوئی۔ مکہ شریف وغیرہ میں وہاں کے علمائے کرام کی وجہ سے علم و حکمت کی اشاعت ہوئی۔

کوفہ شہر کے دو بڑے عالم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ کو ہارون رشید بادشاہ نے قاضی القضاۃ یعنی ممالک اسلامیہ کا بڑا جج بنایا اور اپنا مقرب بارگاہ بھی بنایا امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ کو بھی ہارون رشید نے اپنا مقرب بارگاہ بنایا ان دونوں کی وجہ سے فقہ حنفی کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور بغداد شریف وغیرہ شہروں میں علم و حکمت کی اشاعت ہوئی۔ دوسرے علمائے کرام نے بھی علم و حکمت کی اشاعت میں حصہ لیا۔

عاصم قرائے سبعہ میں سے ہیں بعض کتاب میں لکھا ہے کہ عاصم کی قرأت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قرأت سے ماخوذ ہے اتنا تو ضرور قرین عقل و قیاس ہے کہ حضرت

قرأت کا اکثر حصہ حضرت علیؓ کی قرأت سے ماخوذ ہے
واللہ اعلم بالصواب۔ عاصمؒ کی قرأت کی مقبولیت کا یہ عالم
ہے کہ موجودہ زمانے میں تمام ممالک اسلامیہ میں مصاحف
اکثر عاصمؒ کی قرأت کے مطابق چھاپے جاتے ہیں اور
مکہ شریف، مدینہ شریف وغیرہ تمام دنیا میں مناروں میں
عاصم کی قرأت کے مطابق قرآن شریف پڑھا جاتا ہے
الغرض اسلامی علوم وحکم کا بڑا حصہ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ سے دنیا میں پھیلا اور انھوں نے یہ علوم وحکم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے لہذا آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم علم کے شہر ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اس کے دروازہ ہیں جزاہ اللہ تعالیٰ عنا اکثر اور کرم
وجہہ ورضی اللہ عنہ

زمانۂ اسلام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی
زندگی کو میں تین حصوں میں تقسیم کرنا مناسب سمجھتا ہوں
پہلا حصہ اور پہلا دور آنحضرتؐ کی پیغمبری سے ہجرت تک
حضرت علیؓ اس دور میں بچے تھے البتہ اس دور کے
اخیر میں عنفوان نوجوانی میں داخل ہو چکے تھے اس
دور میں ان کا مشہور کارنامہ یہ ہے کہ ہجرت کی رات
یہ اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
بستر پر سوئے ہیں۔ دوسرا دور آنحضرت کی ہجرت سے
آپ کے عازم ملک بقا ہونے تک بالفاظ دیگر رفیق اعلیٰ
کے جوار رحمت میں آرام کرنے تک اس دور میں امت
محمدیہ کے جن بہادروں نے بہادری کے کارنامے پیش
کئے ان میں اکثر امت محمدیہ کے خیال کے مطابق سب سے
بہتر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کارنامے ہیں واللہ اعلم
بالصواب۔ تیسرا دور اس دور کے بعد سے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کی شہادت تک۔ یہ دور حضرت علیؓ
کے لئے مصیبت کا دور ہے وہ فرماتے ہیں۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت
کے بعد انکار کے باوجود لوگوں کے اصرار پر حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو منظور کر لیا پہلے ان کو جنگ
جمل میں الجھایا گیا پھر جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ
وجہہ حق پر تھے اس لئے امیر معاویہ کا ان سے
جنگ کرنا ان کی غلطی کا نتیجہ تھا اس کے علاوہ بخاری شریف
میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا تھا تقتلک الفئة الباغیة
یعنی تم کو باغی جماعت قتل کرے گی جنگ صفین میں حضرت
عمار بن یاسر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے اور
حضرت معاویہ کی فوج نے ان کو قتل کیا۔ اس واقعے سے
روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
حق پر تھے [illegible] معاویہ غلطی پر

اس مضمون کو [illegible] کے عالم نے حجۃ اللہ میں
لکھتے لکھتے لکھا ہے فعلم ان الفئة [illegible] فئة معاویہ۔ الغرض
حجۃ اللہ کے مؤلف کا بھی یہی قول ہے کہ حضرت علیؓ حق
پر تھے مسئلہ امامت میں عقائد کی جو کتاب پڑھائی جاتی ہے
یعنی شرح عقائد نسفی اس میں بھی یہی لکھا ہے۔ علامہ عینی
نے بخاری کی شرح میں بھی یہی لکھا ہے۔ مولانا احمد رضا
سہارنپوری نے بخاری کی جو شرح شائع کی ہے اس میں بھی یہی
لکھا ہے الغرض بڑے بڑے علماء نے اپنے اپنے الفاظ
میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر
تھے۔

حیاتِ علیؑ - مساوات کا عملی درس

(جناب سید غلام سبطین جعفر رضوی کراروی ایم کام)

"دنیا کے مزدورو ایک ہو جاؤ" کا نعرہ روس کی سرزمین سے بلند ہوا۔ دنیا کے گوشہ گوشہ میں آواز گونج اٹھی۔ مزدور، محنت کش اور کچلے ہوئے عوام نے اس نعرہ میں اپنی فلاح و نجات کا تصور کیا۔ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور محنت کش طبقہ کے درمیان عمل اور نظریاتی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ زار کی جابر و ظالم حکومت، کارل مارکس کے اقتصادی اور معاشی نظریات اور لینن کی سیاسی رہنمائی نے کشمکش کو پرتشدد انقلاب میں ڈھال دیا۔ روس میں اشتراکی حکومت کے قیام سے مزدور اور محنت کش سماج نے اطمینان کی سانس لی۔ اور فیصلہ کر لیا کہ مارکس نے جو معاشیاتی نظریات پیش کئے ہیں وہ رہتی دنیا تک کافی ہیں لیکن جب انقلاب کا بخار کچھ دھیما ہوا اور مارکس کے نظریات کو، عوام کی فلاح و بہبود کے لیے، عملی جامہ پہنایا جانے لگا تو معلوم ہوا کہ عمل اور نظریات میں کتنا فرق ہے۔ مارکس کا پیرو لینن میدان عمل میں کچھ ایسا مجبور ہوا کہ اپنے رہنما کے اصول و ضوابط میں کتر بیونت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ نقش اوّل تھا منزل اوّل ہی میں "مارکسزم"، "لینن ازم" میں بدل گئی۔ زمانہ آگے بڑھا۔ اور آج یہ بات واضح ہو گئی کہ مارکس اور لینن کے پجاری، طاقت اور قیادت کے مالک ہوتے ہی عملی طور سے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے مختلف نہیں رہے بلکہ کچھ باتوں میں تو ان سے بھی بازی لے گئے۔

اور یہ سب ناقص نظریات اور بے عمل طریقہ حیات کا نتیجہ تھا۔ شخصی اور انفرادی آزادی کا سلب کر لینا یا اتنی آزادی تحریر و تقریر دینا کہ سماج کے فلاح و بہبود کو تہس نہس کر ڈالے، دونوں ہی سماجی اور معاشی توازن کے لیے منفی پہلو کے حامل ہیں۔ اسلام نے ایک متوازن نظریہ حیات پیش کیا جس میں ہر طبقہ کے مفاد کی حفاظت کا عملی اصول کما حقہ، موجود ہے اور یہ اصول، اصولِ مساوات کا حامل ہے۔

امیرالمومنینؑ کی حیات کا ہر لمحہ مساوات کا عملی درس ہے مزدور، محنت کش، سرمایہ دار، جاگیردار ہر ایک کے لیے آپ کی زندگی ایک نمونہ عمل ہے۔ سیرت علویہ پر عمل کرنے کے بعد کسی طبقہ کو دوسرے طبقہ سے اختلاف و شکایت باقی نہیں رہتی۔

ایک مزدور جو اپنے قوت بازو سے اپنا رزق حاصل کرتا ہے سماج میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے لیکن علیؑ نے مزدوری کی، کھیتوں میں کام کیا۔ اجرت پر اور بھی کام کئے۔ اگر یہ پست اور ذلیل کام ہیں تو بتاؤ کہ علیؑ کا عمل کیسا رہا؟! اگر اس سے ان کے مرتبہ اور وقار پر حرف نہیں آیا تو مزدور اور محنت کش طبقہ بھی ذلیل اور پست نہیں ہوا۔

چند روپیوں اور پیسوں سے کسی کاروبار کا کرنا اگر ذلت و رسوائی کا باعث ہے تو میثم تمار کی خرموں کی دکان پر علیؑ کے خرید و فروخت کے عمل کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ اگر یہ عمل مستحسن تھا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کسی دوسرے شخص کو اس طرح کے عمل پر حقیر و ذلیل سمجھا جائے۔

اگر مزدوری پر آب کشی موجب ذلت ہے تو تعجب ہے علیؑ کا پانی لاتا باعث افتخار کیسے ہو سکتا ہے [illegible] معمولی پیوند دار اور ضرورت کے ٹکڑوں کا لباس [illegible] اور مجلس میں پست مقام کا [illegible]

[illegible] کے عالم میں امیرالمومنینؑ کا صرف ایک چادر میں اکا بیتے [illegible] تاکہ۔ خدا کی قسم میرے پاس یہی ایک چادر ہے جو [illegible] مدینہ سے لیکر آیا تھا کس صف میں رکھا جاسکتا ہے؟

اگر اپنی انتہائی ضرورت کی شے کسی اور کی ضرورت کو رفع کرنے کے لیے دے دینا حماقت اور نادانی کہی جاسکتی ہے تو سیدہ عالمیہ کی حالات میں عمر بھر کی پہلی اور آخری فرمائش نہ اتار حاصل کر کے ضرورت مند کو دے کر خالی ہاتھ گھر واپس آنے کو کیا کہا جاسکتا ہے؟

اب امیرالمومنینؑ کی زندگی کے دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے وہ پہلو جو سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور صاحبان حکومت کے لیے مشعل ہدایت ہے

مرسل اعظمؐ کی حیات طیبہ میں اور اس کے بعد عرب دات اور جنگوں کا ایک مستقل اور مسلسل دور رہا۔ فتوحات کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں علیؑ کا بھی وہی حصہ ہوتا تھا جو دیگر اصحاب پیغمبر علیہ السلام کا۔ قیصر و کسریٰ کی دولت کا سیلاب امڈ آیا تھا چنانچہ عشرہ مبشرہ کہے جانے والے اصحاب میں بھی ایسے لوگ تھے۔ جنہوں نے بعد میں کثیر دولت و ریاست چھوڑی جس کا شمار ناممکن بن چکا تھا۔ زبیر ابن العوام عرب اور مصر و بصرہ میں ایسی کئی عمارتی کوٹھیوں کے مالک تھے جہاں بڑے بڑے تجارتی قافلے رکتے تھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے مرنے کے بعد ان کے ورثا میں سونے چاندی کی تقسیم کلہاڑیوں سے کاٹ کر کی گئی۔ ظاہر ہے کہ تقسیم غنیمت میں امیرالمومنینؑ کا بھی وہی حصہ تھا اور انہیں بھی اپنے ورثا کے لیے اسی انداز میں دولت چھوڑنی چاہیئے تھی مگر تاریخ کہتی ہے کہ شب شہادت آپ کی آخری غذا نان جو نمک اور نمک تھا۔

یہ کردار یہ زندگی اعلان کر رہی ہے کہ جائز طریقوں سے تحصیل دولت گناہ نہیں ہے لیکن اسے اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق خرچ نہ کرنا۔ ضرورت مندوں سے دولت کو روک کر ذخیرہ کرنا ضرور گناہ ہے۔

حقیقی بھائی حضرت عقیلؑ کی تنگدستی اور فقر و فاقہ کی کیفیت علیؑ جانتے تھے مگر بیت المال سے وہی حصہ ان کو بھی ملتا تھا جو دوسروں کو ملتا۔ خود فاطمہؑ یا اولاد علیؑ حیات پیغمبرؐ ہی سے فدک کی مالک تھی۔ فدک ایک کثیر آمدنی کی جائداد تھی۔ اس کی آمدنی کا اندازہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ جب دور اوّل میں خلیفہ اوّل نے اہلبیتؑ کو فدک واپس کرنا چاہا تو حضرت عمر نے انہیں ایسا کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ اگر فدک واپس کر دیا تو فوجوں کے اخراجات پورے نہ ہوسکیں گے ظاہر ہے کہ چند قوموں کے درختوں کی آمدنی سے مسلح اور مضبوط فوجیں تیار کی جاسکتی ہیں اور ایسی فوجیں جو اندرون ملک کی شورشوں اور بیرونی حکومتوں سے ٹکر لینے کے لیے مرتب کی گئی ہو اور اس کثیر آمدنی کے بعد بھی اہلبیت پر فاقوں پر فاقے ہوتے تھے یہ فاقے تنگدستی یا مجبوری کی بنیاد پر نہ تھے تاجدار فاقہ کش کی یہ سیرت اور زندگی سرمایہ داروں جاگیرداروں اور صاحبان حکومت کو ایک عملی زندگی کا نمونہ پیش کرتی ہے

مذکورہ طبقوں کے علاوہ ایک مسلح فوجی طبقہ بھی ہے مضبوط فوج سے آمریت اور جمہوریت دونوں کو استحکام ملتا ہے دوران جنگ آج کی متمدن اقوام بھی کسی اخلاقی قانون کی پابند نہیں ہوتیں (EVERY THING IS FAIR IN LOVE AND WAR) محبت اور جنگ میں ہر شے جائز ہے کا اصول اسی بنیاد پر اپنایا جاتا ہے دشمن کے ہر شے کا استحصال جائز سمجھا جاتا ہے عورتوں، بوڑھوں، بچوں، فوجی غیر فوجی، زخمی، تندرست، فصلیں، درخت، مویشی وغیرہ سبھوں کا یکساں استحصال کیا جاتا ہے اگرچہ مجلس اقوام متحدہ نے اس سے متعلق قوانین اور ضابطے وضع کئے ہیں لیکن جنگ میں یہ سب غیر عملی ثابت ہوتے ہیں لیکن امیرالمومنین علی علیہ السلام بحیثیت ایک سپہ سالار اور سپاہی جو درس عمل دیتے ہیں۔ وہ ہر دور کے لیے مشعل راہ ہیں آپ کے واضح احکامات تھے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مویشیوں، درختوں، فصلوں،

تارک الدنیا انسانوں، نہتے دشمنوں، مغرور فوجیوں اور ہتھیار ڈال دینے والوں سے تعارض نہ کیا جائے کون نہیں جانتا کہ جنگ میں مفتوح دشمن سے کیا سلوک کیا۔ صفین میں دشمن نے گھاٹ پر قبضہ کر کے علیؑ کی فوج پر پانی بند کر دیا تھا اور جب آپ نے گھاٹ چھین لیا تو اس وقت دشمن کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جب عمر عاص مقابل ہوا تو علیؑ کی تلوار سے کیونکر نجات حاصل کی۔ اور آخر وقت اپنے قاتل ابن ملجم کے متعلق کیا احکامات صادر فرمائے۔

امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے ہر نقوش اعلان کر رہے ہیں کہ بے چین مصیبت زدہ، کچلی ہوئی اور ظلم و عدم مساوات کی شکار انسانیت کی جملہ بیماریوں کا علاج اگر کہیں ہے تو وہ اتباعِ علیؑ میں ہے جہاں ہر طبقہ کو سکون مل سکتا ہے۔ بدقسمت انسان اپنی بیماریوں سے پریشان ہو کر خود کتنے ہی "ازم" کیوں نہ اپنائے اور انھیں مداوائے غم ہی کیوں نہ سمجھے لیکن یہ سارے "ازم" چند قدم ساتھ چل کر دم توڑ دیتے ہیں اور انسان پھر تاریکیوں میں بھٹکنے لگتا ہے۔ ایک ایسا سماج جہاں غریب، امیر، نسل و رنگ، قوم و مذہب کا فرق نہ ہو، جہاں ذمہ داری اور حقوق مساوی ہوں، ایسا کامیاب اور متوازن سماج امیر المومنین علی علیہ السلام کے نقشِ حیات کو اپنا کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ علیؑ جس کے عمل و کردار نے ہر ملک ہر قوم اور ہر مکتبِ فکر و خیال سے خراجِ تحسین حاصل کیا جس کی ذات والا صفات دنیا کے لیے ہمیشہ کے لیے ایک روشن منارہ رہبرِ منزل ہے۔

قطعہ

جناب علامہ مانی جائسی صاحب مرحوم

ارضِ خیبر میں کھنچی ہے میاں سے تیغِ علیؑ
دیکھئے زورِ یدِ اللّٰہی عیاں ہونے کو ہے

کاٹ کر مرحب کو پہونچی ہے زمیں تک ذوالفقار
اب جنون کی قوم کی نوبت بجاں ہونے کو ہے

لافتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار
قدسیانِ عرش کے وردِ زباں ہونے کو ہے

ہونے والا ہے جو ذکرِ سیدِ اہلِ جناں
بزمِ ماتم رشکِ گلزارِ جناں ہونے کو ہے

دیکھئے محشر میں رتبہ مانیؔ مداح کا
بیت کے بدلے عطا بیتِ جناں ہونے کو ہے

قصیدہ در مدح امیر المومنین حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام

(از جناب مولانا تصویرؔ لکھنوی)

دلِ وحشت بس اک فریادِ بے آواز کے بدلے
یہ اسکی دُھن طوطی دے رہے ٹوٹے ساز کے بدلے

جو لب کا نام لیتا ہوں تو کلیاں ھسک دیتے ہیں
الٰہی ان سے کیا مانگوں نگاہ ناز کے بدلے

کوئی پیچ نہ جائے کیونکہ لے شتی قسم بیٹوں
فقط تم مسکرا دو رحمتِ اعجاز کے بدلے

نشاطِ جادۂ ہستی کو یں آواز کیا دیا
ملی ہیں دھڑکنیں دل کو شکستہ ساز کے بدلے

الٰہی آگ لگ جائے جس کی ڈالی ڈالی میں
یہ جنگ اگر اُشیاں ان کے بھرے انداز کے بدلے

یہ افراد و فا فرق جنون عشق آتا ہے
میں اپنا راز کہتا ہوں تمہارے راز کے بدلے

شکستہ پر ہیں کم ہمت جو اُڑنا چاہیں اے صیاد
قفس کی تیلیاں رکھ لیں پرِ پرواز کے بدلے

چمن کے غنچہ غنچہ کو ستارا میں سا دیتا
استارہ گر ترا ملتا کسی عماد کے بدلے

سُنیں اہلِ سمائے عشق کی باتیں بھی کچھ تو نے
مری آواز سنتے ہیں تری آواز کے بدلے

صحابِ عرش کہتے ہیں کہ آگے بند رستہ ہے
ہمیں انجام سنا دو مل گیا آغاز کے بدلے

علیؑ کو کیا ہجوم لشکر دشمن کا خطرہ ہو
کبوتر اُڑ گئے نیزہ ادھر شہباز کے بدلے

علیؑ کو کہہ کے بستر پہ پیمبرؐ نے سُلایا ہر
نیاز عاشقی وہ مول لے گا ناز کے بدلے

علیؑ کے ماسوا کس نے شرف پایا شجاعت میں
جدا یاران ہوا خود ہمت جانباز کے بدلے

علم عباسؑ کو میدان میں جبریل کر دے گا
پھریرا لہریں لیتا ہے پرِ پرواز کے بدلے

تم ہی شاعر نہیں تصویرؔ تم سے اور اچھے ہیں
قلم کو انکساری چاہیئے ہے ناز کے بدلے

حضرت ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

(میاں عابد حسین نظامی)

بعثت کا چوتھا سال تھا حکم نازل ہوا کہ اپنے اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے بنی مطلب! میں تمھارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے۔

چاروں جانب سناٹا چھا گیا۔ نوجوان اور بوڑھے حضور کی یہ بات سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ چند لمحوں بعد ایک آواز بلند ہوئی۔

"اگرچہ میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار بنوں گا"

قریش کے بھرے پڑے مجمع سے اُٹھنے والی یہ آواز علی ابن ابی طالبؑ کی تھی۔ حضور نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا۔ جواب میں ہر مرتبہ حضرت علیؓ ہی کی آواز آئی۔

حضرت علیؓ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔ آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے پورے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی حضور کے اور چچا بھی تھے لیکن جو تعلق خاطر آپ کو حضرت علیؓ کے والد ابوطالب کے ساتھ تھا وہ اور کسی کے ساتھ نہ تھا۔ ابوطالب بھی حضور سے بڑی محبت کرتے تھے اور اس زمانے میں جب کہ حضور ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے۔

ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اس لئے حضور نے اپنے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے دامن پرورش میں لے لیا تھا۔ اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔

حضرت علی دعوت اسلام کے ہر مرحلے اور آزمائش میں حضور کے ساتھ رہے۔ سنہ ۲ھ میں مدینہ آنے کے بعد حضور نے انھیں اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت علی نے تمام غزوات بدر، احد، خندق، بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ علاوہ ازیں متعدد سرایا میں آپ کو کمانڈر بنا کر بھیجا گیا جنھیں آپ نے کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے

جنازے کے غسل اور تجہیز و تکفین کی سعادت بھی آپ کے حصے میں آئی۔ غرض آغازِ بعثت سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دستِ راست بنے رہے

خلافت

ذی الحجہ ۳۵ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ مدینہ منورہ میں شورِ قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغیوں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اُس وقت اکابر صحابہ میں حضرت علیؓ ہی کی ذاتِ گرامی ایسی تھی جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین و انصار جن میں حضرت طلحہ و زبیر بھی تھے آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا۔ مجھ کو اس کی حاجت نہیں تم لوگ جسے منتخب کرو گے میں بھی اُسے قبول کر لوں گا۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس منصب کا حقدار نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے بجائے مجھے مشیر ہونا زیادہ پسند ہے

جب حضرت علیؓ نے بہت انکار کیا تو لوگوں نے کہا کہ ہم آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور اُمتِ اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے اس ذمہ داری کو قبول فرمایا اور جمیع عام میں مسلمانوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اس بیعت میں مدینہ منورہ کے تمام ممتاز صحابہؓ شریک تھے۔

حضرت علیؓ کا پورا دورِ خلافت خانہ جنگیوں میں گزرا۔ مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ کو ایک دن بھی ان جھگڑوں سے فرصت نہ ملی۔ اس کے باوجود آپ کے دورِ خلافت میں سیستان اور کابل کے بعض علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ ۳۹ھ میں بحری راستے سے کوکن پر بھی حملہ کیا گیا

مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر ایران میں جا بجا بغاوتیں بپا ہوئیں کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود ان بغاوتوں کو اس سختی کے ساتھ دبایا کہ آئندہ کسی کو بغاوت کی جرأت نہ ہوئی۔

شہادت

خلافت کے بعد جس طرح حضرت علی کو ستایا گیا اور قدم قدم پر مشکلات پیدا کی گئیں۔ غور کریں تو ان سے صرف حضرت علیؓ ہی عہدہ برآ ہو سکتے تھے۔ اپنے دورِ خلافت میں اُن کو جو جنگیں لڑنی پڑیں اُن میں ایک جنگ نہروان کے مقام پر خارجیوں کے ساتھ بھی تھی جس میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔

رمضان ۴۰ھ کو نمازِ فجر کے وقت ایک ہی دن ان اشقیا نے تینوں بزرگوں پر حملہ کیا اتفاق سے حضرت عمرو بن العاص کے بجائے اُس دن کسی اور شخص نے فجر کی نماز پڑھائی۔ اُن کے دھوکے میں وہ شہید ہو گیا۔ برک نے امیر معاویہ پر حملہ کیا مگر اُن پر اوچھا وار لگا اس لئے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے

ابن ملجم نے اپنے کام میں ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کر لیا تھا یہ دونوں حضرت علی کی گزرگاہ پر چھپ رہے جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے تو دونوں نے حملہ کر دیا حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا آپ نے آواز دی لوگ دوڑ پڑے، شبیب بھاگ گیا لیکن ابن ملجم کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُس روز حضرت علیؓ کے بجائے جعدہ بن ہبیرہ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد ابن ملجم

کو پیش کیا گیا۔ اُس سے چند سوالات کرنے کے بعد حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے، پھر لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ اگر میں زخم کے صدمے سے جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اُس کو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر بچ گیا تو اُس کے معاملے پر خود غور کر دوں گا۔

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ حضرت حسنؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت اور علم و عرفان کے اس آفتابِ عالمتاب کو کوفہ کے قریب عزی نامی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ انتقال کے وقت عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

دورِ خلافت میں عمال کی نگرانی

حضرت علیؑ اپنے عمال کی بڑی سخت نگرانی کرتے تھے۔ ایک دفعہ منذر بن جارود والیٔ اصطخر کے متعلق خبر ملی کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے ہیں اور فرائضِ منصبی میں غفلت برتتے ہیں۔ آپ نے انھیں لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کا بدلہ دوں گا۔"

اس کے بعد انھیں طلب کر کے معزول کر دیا۔

تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے بھی عمال کے طرزِ عمل کی تحقیقات کراتے تھے۔ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور فرمایا اور ہدایت کی۔

"تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ضلع میں جا کر وہاں کے عمال کی تحقیقات کرو اور اُن کی ہر روش پر کڑی نظر ڈالو"

بیت المال کی حفاظت

بیت المال کی حفاظت میں بھی آپ حضرت عمرؓ کی طرح اہتمام فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی۔ آپ کو معلوم ہوا تو فوراً انھیں رقم واپس کرنے کے لئے لکھا۔

ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے۔ اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادی اُم کلثوم نے یہ چیزیں مانگ بھیجیں۔ عمرو بن سلمہ نے ایک پیالہ شہد اور پیالہ چربی انھیں بھیج دی۔ دوسرے دن حضرت علیؓ نے بیت المال کی چیزوں کو شمار کیا تو دو پیالے کم نکلے عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا۔ انھوں نے بتا دیا آپ نے اُسی وقت دونوں پیالے منگا لئے اور اُس میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا اُس کا اندازہ لگا کر قیمت ادا کر دی۔

بازار کی نگرانی

بازار کے نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال اور نگرانی خود کرتے تھے۔ درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے۔

باب العلم

مکتبِ نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کسی کے حصے میں نہ آیا۔ خود زبانِ نبوت سے آپ کو انا مدینۃ العلم و علی بابھا کی سند ملی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارے میں، کہاں اور کس کے حق میں نازل ہوئی۔

تھی آپ کی ذاتِ گرامی صحابۂ کرام کا مرجع
حضرت عمر برابر آپ سے
مشورہ کرتے تھے حتیٰ کہ امیر معاویہؓ کو اختلاف کے
باوجود اکثر موقعوں پر آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا
حضرت عبداللہ بن مسعود جن کے فتاویٰ پر فقہِ حنفی
کی بنیاد ہے آپ کے فیض یافتہ تھے۔

تصوف کا سرچشمہ بھی آپ ہی کی ذاتِ گرامی ہے
گویا کہ تمام بڑے بڑے سلاسل حضرت خواجہ حسن بصریؒ
کے واسطے سے آپ تک پہنچتے ہیں۔

آپ شاعری کا بھی نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق
رکھتے تھے۔ آپ سے منسوب دیوان عام طور پر دستیاب
ہو جاتا ہے

علم نحو کی بنیاد بھی آپ ہی نے رکھی۔ سب سے پہلے
آپ نے ابوالاسود دؤلی کو نحو کے اصول سکھائے تھے جس نے
بعد میں ان اصولوں کی روشنی میں نحو کے قواعد مرتب
کئے تھے۔

علم کے ساتھ عمل کا یہ حال تھا کہ زبیر بن سعید کا
بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے بڑھ کر کوئی عبادت گزار
نہ تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ علی قائم اللیل اور
صائم النہار تھے۔

سیرتِ مرتضوی

عدی بن حاتم حضرت علیؓ کے صحبت یافتہ تھے ایک
مرتبہ امیر معاویہ نے اُن سے کہا کہ حضرت علیؓ کے بارے
میں کچھ بیان کریں۔ اُس کے جواب میں عدی نے جو تقریر
کی وہ سیرتِ مرتضوی پر ایک جامع تبصرہ ہے۔
انہوں نے کہا:۔

"علیؓ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے
فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ
کرتے تھے اُن کے ہر سمت سے علم پھوٹتا اور
حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا اور اُس کی دلفریبیوں
سے وحشت کرتے تھے۔ رات کی تاریکی
اور وحشت سے محبت کرتے تھے عبرت
پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے۔
معمولی لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند
کرتے تھے دینداروں کی تعظیم کرتے تھے۔
مسکینوں کو مقرب بناتے تھے اُن کے سامنے
طاقتور باطل میں طمع نہیں کر سکتا تھا
اور کمزور انصاف سے مایوس نہیں ہوتا
تھا بعض مواقع پر میں نے آنکھوں سے دیکھا
ہے کہ رات گزر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے
ہیں اور وہ اپنی داڑھی مٹھی میں دبائے
ایک مار گزیدہ انسان کی طرح
اشکبار ہو رہے ہیں۔ اے دنیا کسی اور کو
فریب دے۔ تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے
میری مشتاق ہے افسوس افسوس میں نے
تجھے تین طلاقیں دیں تیری عمر تھوڑی اور
تیرا مقصد حقیر ہے، ہائے ہائے سفر طویل
راستہ دشوار اور زادِ سفر تھوڑا ہے"

آپ کی زندگی میں آپ سے بغض رکھنے والے
اور آپ کی تعریف میں غلو کرنے والے لوگ موجود تھے
مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری فرمایا کرتے تھے کہ
میں منافقوں کو بغض علیؓ سے پہچان لیتا ہوں

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کے سامنے اُن کی
تعریف میں مبالغہ سے کام لیا تو آپ نے فرمایا:
"جو کچھ تم میرے متعلق کہتے ہو۔ میں
اس سے کمتر ہوں لیکن جو کچھ تمہارے دل
میں ہے اُس سے برتر ہوں۔" (مجلہ منادی دہلی)

وجہ اللہ

(الحاج مقبول احمد دہلوی ممتاز الافاضل رامپور)

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے القاب میں سے ایک لقب وجہ اللہ بھی ہے۔ "وجہ" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی لغت کی مختلف کتابوں میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں

(۱) الوجہ۔ مستقبل کل شیئ (قاموس ج ۴ ص ۲۸۹)

(۲) الوجہ۔ ذھب الیہ، ارسلہ الیہ، والامیر شرفہ، وجہ الشی ادارہ الی جھۃ ما، القوم الطریق سلکوہ وسیروا اشرہ (المنجد ص ۹۸۳)

(۳) صراح میں "وجہ" کے معنی روئی اور چہرہ ہیں (صراح ج ۴ ص ۱۹۰)

(۴) الوجہ: بالفتح رو و چہرہ و طریقہ و طرز و معنی ذات و حقیقت چیزے و آنچہ مدار معاش کردہ شود و جائے زمین و شاہراہ و بمعنی سوئے و جانب از منتخب و مدار و کنز (غیاث اللغات ص ۴۶۷)

تو اب لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے وجہ اللہ کے معنی ہوئے اللہ کا چہرہ' اللہ کا راستہ یا اللہ کا دین یا حق کا راستہ، کمالاتِ الٰہیہ کا مظہر اور معرفت خدا کا ذریعہ اور امیر المومنین بحق قرآن و احادیث ان سب معنوں میں وجہ اللہ ہیں

کلام پاک میں یہ لفظ اسی اضافت کے ساتھ دو مقام پر آیا ہے (۱) کل شیئ ھالکٌ الا وجھہ (سورہ قصص پارہ ۲) (۲) اور کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام (سورۂ رحمٰن پارہ ۲۷)۔

مفسرین ان آیات کی تفسیر بیان کرنے میں الجھ گئے ہیں اور عوام الناس میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے خدا کو مجسم مانتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے بھی تمام اعضائے بدن گل سڑ جائیں گے صرف چہرہ ہی چہرہ رہ جائے گا۔ ایسا اعتقاد اور ایسا قول کفر صریح ہے۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے کسی نے کل شیئ ھالکٌ الا وجھہ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے دریافت فرمایا ما یقولون فیہ عام لوگ کیا کہتے ہیں۔ سائل نے جواب دیا یقولون کل شیئ ھالکٌ الا وجہ اللہ ہر چیز ہلاک ہو جائے گی سوائے خدا کے چہرہ کے آپ نے فرمایا سبحان اللہ لقد قالوا قولاً عظیما۔ انہوں نے بہت بڑی بات کہی ہے اللہ کی شان اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کا چہرہ بیان کیا جائے۔ (اصول کافی)

قرآن مجید لغت عربی میں نازل ہوا ہے [illegible]

کا دار و مدار مجاز و استعارات پر ہے۔ پس جو کلام استعارہ و تشبیہ اور مجازات سے خالی ہو وہ فصیح و بلیغ نہیں سمجھا جا سکتا اور عربی ہی نہیں بلکہ ہر زبان میں اس کا رواج ہے مثلاً اردو زبان میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا ہاتھ ہے یعنی سب کاروبار اس کا اسی کی وجہ سے انجام پاتا ہے یا فلاں شخص فلاں شخص کی آنکھ ہے یعنی اسے بہت عزیز ہے۔ پیغمبر خدا اور ائمہ ہدیٰ بھی اسی طریقہ پر کلام کرتے تھے ایک مرتبہ پیغمبر اسلام نے امیر المومنین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا معاشر الناس انہ جنب اللہ الذی ذکرہ فی کتابہ یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ ۔ بے شک علی جنب اللہ ہے جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے "ایسا نہ ہو پھر اس وقت تم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے افسوس اس بات پر کہ میں نے پہلوئے خدا کے بارے میں کوتاہی کی۔ (اصول کافی صـ۱۴۴)

اگر کلام الٰہی اور احادیث معصومین میں مجازات و استعارات سے صرف نظر کر لی جائے تو پھر حقیقت تک پہنچنا دشوار ہو جائے گا اور آیات قرآنی اور احادیث ائمہ میں جہاں جہاں وجہ اللہ، لسان اللہ، ید اللہ، جنب اللہ کی لفظیں آئی ہیں ان سے خدا کا جسم ہونا لازم آئے گا جو محال ہے جس طرح جنب کے معنی پہلو کے ہیں اسی طرح وجہ کے معنی چہرہ کے ہیں اور خدا جسم و جسمانیت سے پاک اور منزہ ہے تو پھر پہلو، ہاتھ، زبان اور چہرہ کہاں مراد اس سے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ یہ رموز قرآنی اور اسرار قرآنی ہیں جنہیں راسخون فی العلم جانتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ اور یہ طریقہ شاید اس لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ دشمنان خدا تحریف نہ کر سکیں

جس طرح اصول کافی میں جنب اللہ سے مراد امیر المومنین علیہ السلام ہیں ویسا ہی خطبۃ البیان میں آپ فرماتے ہیں انا وجہ اللہ فی السموات والارض کما قال اللہ تعالیٰ کل شیء ھالک الا وجہہ خواجہ محمد بیدار نے آپ کے اس کلام کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"چوں حقیقت بودے وجود بودے
آں وجہ خاص است کان ہے کہ رحمت
رحیمی ... طرفۃ العین آں
وجہ باشد آں ہے معدوم شود پیغمبر و امیر
علیہ السلام ... آں وجہ خدا ام کہ وجہ
خدا است تعین وجود و حیثیت ہے آں
خدا است ہم در سموات آسمان و زمین
عالم ... سموات ملکوت و زمین ملکی
ہم در سموات و زمین باقی عوالم و ہر
جسمیں و ہر عالم و ہر مرتبہ کہ باشد انہ
بالفعل لاشئی ہالک است مگر وجہ اللہ کہ
محقق جہت وجود و تعین حیات اوست"

خلاصۃ الترجمان فی تاویل خطبۃ البیان ق ۱۰۵ قلمی مولفہ خواجہ محمد بیدار (ارکاذرات رضا لائبریری رامپور ق ۱۶۱ سطر ۱۷ تا ۱۹ ۲۲۹ — ۲۴۶)

ترجمہ: "چونکہ ہونے کی حقیقت اور اس کے جوہر کے لئے وجہ خاص کا ہونا ضروری ہے جس کو رحمت رحیمی کہتے ہیں کہ اگر ختم ہو جائے تو وجہ خاص نہ ہو تو شے معدوم ہو جائے امیر المومنین فرماتے ہیں کہ میں وجہ اللہ ہوں کہ جو علت وجہ سے اور تعین وجود و حیثیت سے

وہ کائنات چاہے سمٰوات آسمانی ہوں یا زمین انفعالی یا سمٰوات ملکوتی و زمین ملکی اور چاہے باقی عوالم کے سمٰوات و زمین جس طرح اور جس عالم اور حقیقی مرتبہ میں ہیں سب ہلاک ہو جانے والے ہیں سوائے وجہ اللہ کے جو محقق جہت وجود اور اُس کے لئے معین حیثیت ہے۔"

تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ کل شیٔ ھالک الا وجھہ کے یہ معنی ہیں کہ ہر شے فنا ہو جائے گی سوائے وجہ اللہ کے اور مراد وجہ اللہ سے اُس کا دین ہے اور ہم وجہ اللہ ہیں جس کے ذریعے سے اُس تک پہنچتے ہیں جس وقت تک خدا کو اپنے بندوں میں تحت باقی رکھنا منظور ہے ہم برابر باقی رہیں گے اور جب خدا ہماری ضرورت باقی نہ سمجھے گا دنیا سے ہم کو اُٹھا لے گا اور ہمارے بارے میں جو مناسب جانے گا کرے گا نیز امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے (تفسیر قمی صفحہ ۲۹۲) نیز امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ ونحن وکان رسول اللّٰہ وامیرالمومنین ولی اللّٰہ وجہ اللّٰہ وعلینا فی عبادہ ومسانہ الذی ینطق بہ ویدہ علی خلقہ ونحن وجہ اللّٰہ الذی یؤتی منہ لن نزال فی عبادہ ماوامت اللّٰہ فیھم رویۃ قلت وما الرویۃ قال الحاجۃ فاذا لم یکن اللّٰہ فیھم حاجۃ رفعنا الیہ وصنع ما احب الا وجہ سے مراد ہے دین خدا، جناب رسول خدا اور امیرالمومنین ولی اللہ تھے، وجہ اللہ تھے اور بندگان خدا کے لئے عین اللہ تھے اور لسان اللہ تھے جس کے ذریعہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں سے بات کرتا تھا اور خدا کی مخلوق کے لئے ید اللہ تھے یعنی خدا کی رحمت و بخشش کا ذریعہ اور ہم وجہ اللہ ہیں جس سے خدا تک رسائی ہوتی ہے جس وقت

تک خدا کو اپنے بندوں میں تحت باقی رکھنا منظور ہے ہم باقی رہیں گے اور جب خدا دنیا میں ہماری ضرورت نہ سمجھے گا ہمیں دنیا سے اُٹھا لے گا اور ہمارے متعلق جو کچھ مناسب سمجھے گا کرے گا۔"

(التوحید صفحہ ۱۵۰ از علامہ صدوق رح)

علاوہ ازیں بے شمار احادیث میں معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ مولائے کائنات اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں ہوں وجہ اللہ، ید اللہ، لسان اللہ، اذن اللہ اور میں ہوں جنب اللہ وجہ اللہ سے مراد آپ کی یہ ہے کہ میری وجہ سے اور میری جہت سے خدا کے پاس جانا چاہیئے۔ اور جس طرح چہرہ واضح ترین اعضاء ہے اسی طرح یہ بھی حقیقت میں واضح ترین حقائق ہیں اور ید اللہ کے معنی ہیں کہ وہ خدا کی نعمت اور اُس کی رحمت کا واسطہ ہیں، بندوں کے لئے لسان اللہ سے مراد ہے کہ اُن کی زبان میں خدا کی توحید، پیغمبر کی نبوت، احکام شریعت کا بیان ہوتا رہا ہے اور جو کچھ اُنھوں نے کہا بحکم خدا کہا اور اذن اللہ کے معنی یہ ہیں کہ احکام خدا کو رسول خدا سے سُن کے جس نے محفوظ تمام یاد رکھا وہ علیؑ ہیں

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ ایک سائل نے جناب امیر علیہ السلام سے سوال کیا کیف اصبحت یا امیرالمومنین اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اصبحت وانا الصدیق الاول والفاروق الاعظم وانا وصی خیر البشر وانا الاول وانا الآخر وانا الباطن وانا الظاھر وانا بکل شیٔ علیم وانا عین اللّٰہ وانا جنب اللّٰہ وانا امین اللّٰہ علی المرسلین بنا عبد اللّٰہ ونحن خزان اللّٰہ فی ارضہ وسمائہ وانا احیی وانا امیت وانا حی لا اموت فتعجب الاعرابی من قولہ فقال انا الاول اول من آمن برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ

وصدیق انا الآخر من بطرنبه لما کان فی نفسه وانا الظاهر ظاهر الاسلام وانا الباطن بطین من العلم وانا بکل شیئ علیم فانی علیم بکل شیئ اخبره اللہ نبیہ فاخبرنی بھا فاما عین اللہ فانا عینہ علی المومنین والکفرۃ واما جنب اللہ فان تقول نفس حسرتا علی ما فرطت فی جنب اللہ ومن فرط فیّ فقد فرط فی اللہ ولم یجز لنبی نبوۃ حتی یاخذ خاتما من محمد فلذالک سمی خاتم النبیین محمد سید النبیین فانا سید الوصیین واما خزان اللہ فی ارضہ فقد علمنا ما علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقول صادق وانا احیی حی سنتہ رسول اللہ وانا امیت امیت بدعۃ وانا حی لا اموت لقولہ تعالیٰ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

(ترجمہ) "میں صدیق اول ہوں، میں فاروق اعظم ہوں، وصی خیر البشر ہوں میں اول ہوں، میں آخر ہوں میں ظاہر ہوں، میں باطن ہوں میں ہر شے کا جاننے والا ہوں میں عین اللہ ہوں، میں جنب اللہ ہوں میں رسلین پرامین اللہ ہوں۔ ہم سے خدا کی عبادت سیکھی جاتی ہے ہم خدا کی طرف سے زمین و آسمان کے خازن ہیں میں جلاتا ہوں میں مارتا ہوں میں وہ زندہ ہوں جو مرتا نہیں یہ سن کر اعرابی نے تعجب کیا اور اس کلام کی توضیح چاہی تو آپ نے فرمایا میں اول ہوں یعنی سب سے پہلے رسول پر ایمان لایا آخر ہوں جس نے لحد میں پیمبر کی زیارت کی سب کے بعد لحد سے باہر آیا۔ میں ظاہر ہوں یعنی میں نے اسلام کو ظاہر میں قبول کیا، چھپا کے اسلام نہیں لایا باطن میرا علم سے بھرا ہوا ہے۔ میں ہر شے کو جانتا ہوں یعنی جو کچھ خدا نے اپنے نبی کو خبر دی انھوں نے اس سے مجھے آگاہ کر دیا اور میں ان سب چیزوں کو جانتا ہوں میں عین اللہ ہوں یعنی خدا نے مجھے کل مومنین و کفار پر معین کیا ہے کہ میں ان کا نگران حال رہوں جنب اللہ ہوں یعنی روز قیامت ہر نفس کہے گا حسرت ہے فرطت فی جنب اللہ میں حق نے میرے بارے میں کوتاہی کی اس نے خدا کے بارے میں کوتاہی کی اور وہ نقصان میں رہے گا اور جس طرح محمد خاتم النبیین ہیں میں خاتم الوصیین ہوں اور خازن ارض اللہ ہوں اس لئے کہ میں ان سب باتوں کو جانتا ہوں جو رسول اللہ پر نازل ہوئیں زندہ کرنے والا ہوں سنت رسول اور شریعت پیمبر کا، مردہ کرنے والا ہوں بدعت اور تمام برائیوں کا میں زندہ ہوں کہ میں مروں گا موافق قول باری تعالیٰ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

" اور ان لوگوں کو جو راہ خدا میں قتل کئے گئے مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں"

(مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب صفحہ ۲۴)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا۔۔

میں نے زمین کو بچھایا۔ میں نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور اُن سے چشموں کو نکالا اور نہروں کو بہایا درختوں کو لگایا اور پھلوں کو کھلایا، بادلوں کو پیدا کیا، رعد کو گرجایا، بجلی کو چمکایا، سورج کو روشن کیا، چاند کو طلوع کیا، ستاروں کو نصب کیا۔ میں بحر ذاخر ہوں۔ میں نے

زمین کے پہاڑوں کو ساکن کیا۔ میں نے پانی میں کشتیاں چلائیں۔ میں جنب اللہ ہوں۔ میں قلب اللہ ہوں میں کلمۃ اللہ ہوں اور وہ دروازہ ہوں جس کے بارے میں کتاب خدا میں ہے :۔

" ادخلوا الباب سجدا نغفر لکم خطایاکم و سنزید المحسنین "

" میرے ساتھ اور میرے ہاتھوں پر قیامت برپا ہوگی۔ میں اول ہوں میں ظاہر ہوں، میں باطن ہوں اور ہر شے کو جانتا ہوں۔"

امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کلمات کی تشریح اس طرح فرمائی ہے :۔

" میں نے زمین کو پھیلایا یعنی میں اور میری ذریت سکونِ ارض کا باعث ہیں میں نے پہاڑوں کو قائم کیا یعنی میری ذریت کے ائمہ ایسے مضبوط پہاڑ ہیں جن سے زمین قائم ہے۔ دریائے بہانے سے مراد دریائے علم ہے۔ جو قلب امیرالمومنین علیہ السلام سے جاری ہوئے اور اُن کی زبان سے پھوٹ نکلے اور اُن سے ایسی نہریں نکلیں جنھوں نے پیاسوں کو سیراب کیا اور درخت لگانے سے مراد ذریت طیبہ ہے، پھل کھلانے سے مراد نیک اعمال ہیں۔ بادلوں کے پیدا کرنے سے مراد سایہ ہے اُس شخص کے لئے۔ جو ان سے تمسک کرنے کے بعد سایہ چاہے قطروں کے برسانے سے مراد حیات و رحمت ہے، آوازِ رعد سے مراد وہ چیز ہے جو از قسم حکمت سُنی جائے اور بجلی سے مراد یہ ہے کہ ہم سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں سورج چمکانے سے مراد یہ ہے کہ ہم سے ایسا نور قائم ہے جو عالم پر روشنی ڈالتا ہے۔ طلوع قمر سے مراد میری ذریت سے مہدی علیہ السلام ہیں۔ نصب نجوم سے مراد یہ ہے کہ لوگ ہم سے ہدایت پاتے ہیں اور ہمارے نور سے روشنی چاہتے ہیں اور کشتیاں چلانے سے مراد وہ ائمہ ہیں جو میری ذریت سے ہیں اور پہاڑوں کے ساکن کرنے سے مراد فتنوں کا ذکر کرنا اور اُصولِ ضلالت کا مٹانا ہے اور جنب اللہ، قلب اللہ اور کلمۃ اللہ سے مراد ہے، سراج علم الٰہی ہونا اور میرے ہاتھوں پر قیامت ہوگی سے مراد ہے رجعت، خدا قبل قیامت مدد کرے گا۔ ان مومنین کی جو میری ذریت سے ہوں گے۔"

(مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب ص۲۳)

درحقیقت اگر معصوم ان کلمات کی توضیح نہ فرماتے تو ان حضرات پر خالق ہونے کا شبہہ ہو سکتا تھا اور راہِ راست سے عوام الناس کے بھٹک جانے کا قوی امکان تھا لیکن ان تشریحات کے بعد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی اور جو عقل رکھنے والا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ مصداق لولاک لما خلقت الافلاک اور

انا و علی من نور واحد کی تعلیق کا باعث تھا اس لئے قدرت نے آپ کو وجہ اللہ کہہ کر آپ کے مراتب و فضائل میں اضافہ فرمایا ہے اور جس طرح میں خانہ کعبہ کو اپنی طرف منسوب کر کے اس کی عظمت و حرمت کو بڑھایا انہیں معنی میں آپ کو وجہ اللہ کہہ کر تمام خلائق سے افضل گردانا ہے اور جب آپ وجہ اللہ ہیں تو یقیناً ایسے کی طرف نظر کرنا بھی عبادت ہے

چنانچہ مستدرک میں حاکم نے عمران بن حصین سے روایت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا النظر الیٰ علی عبادۃ علیؑ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے (مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۴۱) اور عبداللہ ابن مسعود سے کہا ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا النظر الی وجہ علی عبادۃ یعنی علیؑ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے (مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۴۲ صواعق المحرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۷۳)

نزل الابرار میں علامہ بدخشی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طبرانی اور حاکم ابن مسعود اور عمران بن حصین سے اور ابن عساکر ابو بکر صدیق اور عثمان بن عفان، معاذ بن جبل، جابر ابن عبداللہ، انس، ثوبان اور ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ النظر الی وجہ علی عبادۃ (نزل الابرار صفحہ ۳۹)

مولوی عبیداللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ جناب ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ ابو بکر کو دیکھا کہ علی ابن طالبؑ کے چہرہ مبارک کی طرف کثرت سے دیکھا کرتے ہیں میں نے کہا ابا جان میں دیکھتی ہوں کہ آپ جناب علی مرتضیٰ کے چہرہ مبارک کی طرف کثرت سے دیکھا کرتے ہیں فرمایا اے بیٹی میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ علی علیہ السلام کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے (ارجح المطالب صفحہ ۱۳۸)

اور جو صورت دیکھ سکیں ان دوستوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ صادق آل محمدؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے النظر الی علی ابن ابیطالبؑ عبادۃ و ذکرہ عبادۃ ولا یقبل ایمان عبد الا بولایتہ والبراءۃ من اعدائہ یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے کسی شخص کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا مگر ولایت علی کے ساتھ اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کے ساتھ (مصابیح الاخبار صفحہ ۱۸)

فرزند آدم کا فخر

یہ فرزند آدم کو کیا ہو گیا ہے کہ فخر کرتا ہے حالانکہ اس کی ابتدا نجس پانی (نطفہ) سے اور انتہا مردار ہے اپنے تئیں پال نہیں سکتا اور اپنی موت ٹال سکتا ہے!

(نہج البلاغہ صفحہ ۹۹۹)

حقیقی اسلام

میں اسلام کی وہ تعریف کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ اسلام کے معنی ہیں تسلیم، تسلیم کا مطلب ہے یقین اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق سے مراد ہے اقرار اور اقرار ادائے فرض اور ادائے فرض عمل کر کے ہے"

(نہج البلاغہ صفحہ ۹۲۶)

سب سے زیادہ قابل عزت حسب

"سب سے زیادہ قابل عزت حسب حسن اخلاق ہے"

(نہج البلاغہ صفحہ ۹۰۸)

اسلام اور انسانی اقدار

نفس اللہ کے آئینے میں

از

شہید صفی پوری ایم۔ اے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) مذہب برائے مذہب اور مذہب برائے زندگی

ملک کے سارے اخبارات اس وقت مسز اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی پروگرام سے متعلق بیانات اور خبروں سے بھرے ہوئے ہیں اور کانگریس تشدد پسند، ملک دشمن، رجعت پسند اور فرقہ پرور جماعتوں کے خلاف مہم میں مصروف ہے، کچھ دنوں پہلے ہمارے پڑوس میں ایک میلاد شریف ہوا جس میں ایک مولانا نے میلاد پڑھا اور اذان میں علیؓ کو وصی رسول اللہ اور خلیفہ بلا فصل کہنے پر سخت تکلیف کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کو خلفائے ثلاثہ سے افضل مانا جائے۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ سرفراز کا رجب نمبر نکلنے والا ہے اور اس میں حضرت علیؓ پر مقالات لکھے جائیں گے ایک موضوع سیاسی ہے جس میں کمیونزم، سوشلزم، جمہوریت اور قانون سے بحث کی جا رہی ہے دوسرا اجتماع مذہبی تھا جس میں پیغمبر اسلام کے ماننے والوں نے ذکر پیغمبرؐ کے بجائے "صحابہ" یعنی خلفائے ثلاثہ کی علیؓ سے افضلیت کے موضوع پر سارا وقت صرف کر دیا۔ اور سرفراز کے رجب نمبر کا موضوع علیؓ ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسانی مسائل، اسلامی فرقوں کے اختلافات اور مذہب حقہ کی تعلیمات میں کیا ربط ہے اور حضرت علیؓ کا مسلمانوں کے مذہبی رہنما اور رہبر انسانیت کی حیثیت سے کیا مقام ہے۔

سیاسی لیڈروں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ حضرت علیؓ افضل تھے کہ حضرات شیخین میلاد شریف کے مولانا کی تقریر سے ایسا لگتا تھا جیسے عالم انسانیت کسی مسئلہ سے بھی دوچار نہیں ہے۔ نہ مہنگائی ہے نہ غریبی ہے، نہ بیماری ہے، نہ جنگ ہے، نہ فساد ہے، نہ ظلم ہے، نہ نفس پرستی ہے، نہ جرائم ہیں۔ سارا انسانی معاشرہ تمام برائیوں سے پاک صاف ہے۔ بس ایک خرابی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ اذان میں علیؓ کو خلیفہ بلا فصل کہتا ہے اور حضرت علیؓ سے حضرات شیخین کو افضل نہیں مانتا اور یہی انداز فکر خود ہمارا بھی ہے یعنی ہمیں بھی نہ عالم انسانیت سے کوئی دلچسپی ہے نہ انسانی مسائل سے اور ہم بھی محض حضرت علیؓ کو مطابق قرآن و حدیث وصی رسول ثابت کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں

کچھ لوگ وہ ہیں جنھیں نہ مذہب سے کوئی دلچسپی ہے نہ وہ خدا کے قائل ہیں صرف طلب دنیا، پیروی نفس، اور سیاست اُن کا مذہب ہے۔ کچھ وہ ہیں جو طلب دنیا، پیروی نفس اور سیاست ہی کے لئے مذہب کو اختیار کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کو صرف سچے مذہب سے دلچسپی ہے۔ مذہبی اصطلاح میں یہی کافر، منافق اور مومن ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ لامذہبیت، منافقت اور سچے مذہب میں کیا فرق ہے۔ وہ کون سے اُصول ہیں جو ان رجحانات کے درمیان واضح خطوط امتیاز قائم کرتے ہیں اور ان رجحانات

لے یہاں منتظر ہیں کون کون سے نفسیاتی عوامل ہیں جو انسان کو حق یا باطل کی طرف لے جاتے ہیں مثلاً محض شیعہ قوم کی اصلاح کا متعین ہے۔ مثلاً محض سنیوں کو قائل کرنے کا متعین ہے" مثلاً محض ارباب سیاست سے زور آزمائی کا متعین ہے، مثلاً محض لامذہبیت سے مقابلہ آرائی کا متعین ہے۔ مسئلہ اس سے کہیں زیادہ گہرا اور کہیں زیادہ وسیع ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ اس کا ایک نظریاتی پہلو ہے اور ایک انسانی پہلو ہے۔ حق اور باطل مذاہب اور مختلف مکاتب ہائے فکر کا تجزیہ کر کے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کون سا مسلک نوع انسان کے لئے مفید اور کون مضر ہے۔ کون حق ہے اور کون باطل ہے۔ یہ قوموں، افراد اور گروہوں کا مسئلہ دوسرا ہے۔ وہ عملی، انسانی اور تعلیمی مسئلہ ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کسی قوم کے تمام افراد حق پرست ہیں یا کسی قوم کے تمام افراد اپنے رجحانات کے لحاظ سے باطل پرست ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ ہر قوم کے تمام افراد میں کفر، نفاق اور ایمان کے افراد کسی نہ کسی تناسب کے ساتھ موجود ہیں اور ہم زبان سے کسی بھی عقیدہ، کسی بھی فلسفہ اور کسی بھی نظریہ کی تائید کیوں نہ کریں نہ صرف عملی طور پر اس کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں بلکہ حسب موقع آتا ہے تو ایسے نظریات کو بھی حسب ضرورت بدل دیتے ہیں۔ اگر خیر انسانی فطرت میں شامل نہ ہوتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اگر شر انسانی فطرت میں شامل نہ ہوتا تو مسلمانوں میں منافقین کا وجود نہ ہوتا اور نہ صحیح تعلیم و تربیت کی مستقل ضرورت تمام انسانوں کو یکساں طور پر ضرورت ہوتی

علمائے مذہب یعنی حامیان مذہب علماء اور سائنسی نقطۂ نظر سے مذہب کا ایک سماجی مظہر کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کرنے والے مذہب کی اب تک کوئی ایسی جامع تعریف کرنے سے قاصر رہے ہیں جس کا اطلاق دنیا کے تمام مذاہب پر کیا جا سکے۔ مذہب بھی فلسفہ اور ادب کی طرح انسان کے تخلیقی ذہن کا پیدا کردہ ہے اس لئے اس کے حدود اربعہ کا تعین کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ وہ انسانی شعور کے بدلتے ہوئے کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے اور انسانی شعور متحرک اور خلاق ہے اسی لئے مذہب بھی مختلف ادوار میں مختلف حالات کے لحاظ سے اور مختلف افراد و اقوام کے میلانات و رجحانات کے اعتبار سے بدلتا رہا ہے اور اس وقت بھی انسانی فطرت کی بوقلمونی، نیرنگی اور رنگارنگی کی طرح عجیب عجیب شکلوں میں موجود ہے۔

جب ہم انسانوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام مذاہب میں اسلام ہی سچا مذہب ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کے سامنے کوئی ایسی کسوٹی پیش کریں جس کو تمام دنیا بلا تفریق مذہب و ملت مانتی ہو اور اس کو دعوت دیں کہ اس کسوٹی پر پرکھ کر حق مذہب کو باطل مذاہب سے الگ کر لو۔ اگر اسلام اس کسوٹی پر پورا اترے تو بے شک ہمیں حق ہے کہ ہم دنیا کو دعوت دیں کہ وہ اسے قبول کرے محض اس بنیاد پر کہ ہم مسلمانوں میں پیدا ہوئے اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام حق مذہب ہے اور دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر ہے ہم دنیا کو اسلام کی دعوت دینے کا حق نہیں رکھتے اس لئے کہ دوسری قومیں انھیں بنیادوں پر اپنے اپنے مذاہب کو حق اور دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر سمجھتی ہیں۔ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کی ابد الآباد تک رہنمائی کر سکتا ہے اور تمام انسانی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ اگر اس کی تبلیغی حیثیت ختم ہو گئی تو وہ محض ایک قوم کا مذہب بن جائے گا اور اپنی آفاقیت اور ہمہ گیری کو کھو دینے کے بعد اس کی حیثیت بھی تمام باطل مذاہب کی طرح محض سماجی اور سیاسی بن جائے گی اور اس کا امتیازی تفوق ختم ہو جائے گا۔

جب ہم اسلام کی تبلیغ کے لیے کمیونسٹوں، سیاسی پارٹیوں، الحاد و کفر و ضلالت کے فلسفوں اور باطل مذاہب کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو خود اسلام کے ماننے والے مسلمانوں ہی کے لشکر سے منافقین کے گروہ ایک ایک کرکے ہمارے مقابلہ میں آجاتے ہیں اور کفر کے سینہ سپر ہو کر ہمیں دعوت مبارزت دینے لگتے ہیں۔ اسلام کے جھنڈوں کے نیچے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے یہ مجاہدین ملت زبان حال سے کہتے ہیں کہ جب تک ہمارے جسم میں ایک قطرہ خون بھی باقی ہے ہم کفر و ضلالت پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ وہ چیلنج کرتے ہیں کہ پہلے ہم سے نپٹ لو پھر کفر و الحاد سے مقابلہ کرنا۔ پہلے یہ فیصلہ کرلو کہ علی افضل تھے یا خلفائے ثلاثہ پھر اسلام کی تبلیغ کرنا

پہلی دشواری باطل مذاہب سے اسلام کو ممیز کرنا

دوسری دشواری خود سچے اسلام کو اسلام کی بگڑی ہوئی صورتوں میں سے پہچاننا تیسری دشواری، ان فلسفوں کا مقابلہ جو اللہ کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں اور چوتھی دشواری علم کی مختلف شاخوں سے مذہب کا ارتباط قائم کرنا اور انسانی مسائل پر اصول مذہب کا انطباق کرکے ان کو حل کرنا جو مذہب کا اصل مقصد ہے

مذہب جب اپنے مقصد کو کھو دے گا تو صرف جمود و تعطل کا شکار ہو کر بے روح اور بیجان بن جائے گا بلکہ اس کے اجزاء میں انتشار پیدا ہو جائے گا، نئے نئے باطل نظریات اور گمراہ کن تصورات پیدا ہوں گے اور تنگ نظری، ذہنی تعصب اور نفرت و فساد سے انسانی معاشرہ کے لیے نئے نئے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ مذہب برائے مذہب سچے مذہب کا سب سے خطرناک حریف ہے اور اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہب کو ایک خانہ میں بند کر دیتا ہے، صرف مذہبی رسموں اور اوراد [illegible] ہو کر اسے بازار سے نکالا جاتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں سے اس کو خارج کر دیا جاتا ہے۔ تمام اعمال حیات میں مذہب برائے مذہب اور عقیدہ برائے عقیدہ کا حامی بالکل وہی سب کچھ کرتا ہے جو منافقین اور ملحدین کرتے ہیں۔ وہی نفس پرستی، وہی خود پرستی، وہی سیاسی پینترہ بازی، وہی دور دراز تمناؤں کی پرورش، وہی حصول اقتدار کی خواہش، وہی حرص مال اور وہی ظاہری اخلاق، وہی اپنی سادگی اور مذہبیت کی نمائش، وہی تصنع میں سادگی اور سادگی میں تصنع۔ اس کے مقابلہ میں مذہب برائے زندگی کا حامی وہ ہے جو مذہب کا زندگی سے رشتہ قائم کرتا ہے، جو مذہب کو انسانی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کا وسیلہ قرار دیتا ہے اور اس کا رشتہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے اس طرح قائم کرتا ہے کہ مذہب کی روح علم کے تمام شعبوں، فکر کے تمام میدانوں، سماجیات کی تمام سرگرمیوں، عمل کی تمام کارگاہوں غرض نفس کی تمام کیفیتوں اور سماج کے تمام رشتوں میں سرایت کر جاتی ہے اور انسان، کائنات اور خالق کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔

سچا مذہب ہم آہنگی ہے، قوائے نفس کی ہم آہنگی، معاشرہ میں افراد اور سماجی تعلقات کی ہم آہنگی اور انسانی فطرت کی قانون حیات اور مشیت الٰہی کے ساتھ ہم آہنگی!

باطل مذہب افتراق ہے اور انتشار ہے۔ یہ نفسیاتی زندگی میں دوہرا معیار اور منافقت، سماجی میدان میں معاشی لوٹ کھسوٹ، عدم مساوات، ظلم، جنگ اور فساد، کائنات اور قانون فطرت سے انحراف اور اللہ کے خلاف سرکشی اور بغاوت ہے۔ اسلام ذہن انسانی، کائنات اور خالق کائنات میں ہم آہنگی پیدا کرکے علم اور روحانی اقدار کی تدوین کرتا ہے، نفاق انسانی ارادہ و اختیار کا انکار کرکے عقل پر پہرے بٹھا دیتا ہے اور علم کے بجائے اندھی تقلید، انسانی اقدار کے بجائے نفس پرستی اور الحاد کے

بجائے افتراق و انتشار پیدا کرتا ہے۔ ایک کا سرچشمہ نفسِ امّارہ ہے، دوسرے کا سرچشمہ نفسِ مطمئنہ، ایک کا سرچشمہ تشکیک ہے دوسرے کا سرچشمہ یقین، ایک کا محرّک طلبِ دنیا ہے دوسرے کا محرک ہے اصلاحِ خلق، ایک کا آلۂ کار قہر و غلبہ ہے اور دوسرے کا ذریعہ تبلیغ اُسوۂ حسنہ، ایک کا مسلک مذہب برائے سیاست ہے دوسرے کا مسلک سیاست برائے مذہب ہے، ایک کا اُصول ہے کہ حُسن و قبح اشیا عقلی ہے اور دوسرے کا مسلک ہے کہ حسن و قبح اشیاء نقلی ہے، ایک کی بنیاد قیاس پر ہے دوسرے کی اساس آیاتِ الٰہی اور حدیثِ پیغمبر ہے۔ ایک وہ گروہ ہے جس کے لئے سورۂ منافقون نازل ہوا اور دوسرا وہ گروہ ہے جس کے ساتھ تمسک کو قرآن کے ساتھ تمسک کے ہم پلّہ قرار دیا گیا۔ پیغمبر کے بعد ایک گروہ کا رہنما وہ تھا شبِ ہجرت جس کے "بارِ رسول" اُٹھا لینے پر خود اس کے ماننے والوں کو حیرت ہے کہ اُس نے "بارِ رسالت" کیونکر اُٹھا لیا۔ تعجب کی بات ہے بھی کہ جس کے کمزور کاندھے بارِ خلافت کو برداشت نہ کر سکتے ہوں وہ بارِ رسالت اُٹھا لے: حالانکہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ اگر رسول کا وزن "بارِ رسالت" تھا تو اُسے حیوان بھی اُٹھا لیتے تھے اور ایک رہنما وہ تھا جسے روزِ غدیر رسولؐ نے بلند کر کے اعلان فرمایا۔ "من کنت مولاہ فھذا علی مولا"

(۲۳) الحاد، بُت پرستی اور خدا پرستی

سب سے پہلا اہم سوال "مذہب" کی تعریف ہے بہت سر مغزنی کے بعد علمائے مذہب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مذہب کی سب سے نمایاں خصوصیت مافوق الفطرت طاقت یا طاقتوں پر عقیدہ ہے۔ یہ ایک ایسی مشترکہ خصوصیت ہے جو تمام مذاہب میں موجود ہے۔ اسی لئے مذہب کا اصل محرک "خوف" کے جذبہ کو قرار دیا گیا خواہ وہ ناقابلِ فہم مظاہرِ فطرت کا رُوحوں یا دیوتاؤں کی شکل میں تصوّر کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہو یا اُس طاقت کی عظمت کے احساس سے پیدا ہوا ہو جو اس عظیم اور لامحدود کائنات کی خالق ہے یا جس کی یہ کائنات خود مظہر ہے۔ ایک بات لائقِ غور ہے جسے سائینس داں اور منکرینِ وجودِ خدا نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک نامعلوم، پُراسرار، عظیم اور ناقابلِ فہم طاقت کا ادراک جس کے ساتھ ذہن ایک بوجھ محسوس کرتا ہے اور جس سے ایک قسم کا ناقابلِ بیان خوف پیدا ہوتا ہے صرف وحشیوں اور مذہب کے ماننے والوں ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے نہ فلسفی کا ذہن آزاد ہے نہ سائینس داں کا، نہ شاعر کا اور نہ منکرِ وجودِ الٰہی کا۔ جو خدا کو نہیں مانتا وہ بھی کائنات کی لامحدود وسعتوں اور بے پناہ توانائی کے تصوّر سے خوف کی ایک جھرجھری محسوس کرتا ہے خواہ وہ اُس کا اظہار کرے یا نہ کرے، اُسے اہمیت دے یا نہ دے۔

یہ خدا کا تصوّر وہ ہے جو کائنات سے رابطہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور وحشیوں سے لے کر متمدن سائینس دان تک تاریخ کے ہر دور میں اپنی اپنی وسعتِ فکر و نظر کے لحاظ سے اس سے آشنا رہے ہیں۔ خدا کے تصور کا دوسرا اس سے قوی تر محرک خود انسان کی زندگی ہے۔ دنیا میں جب انسان آنکھ کھولتا ہے تو خواہ وہ وحشی ہو یا متمدن، فلسفی ہو یا سائینس داں اس کے تمام ذہنی اور جسمانی اعمال کا محرک تحفظِ حیات کا جذبہ ہوتا ہے۔ قدم قدم پر فطری حوادث اور انسانی معاشرہ اُس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے اور اُس کی زندگی کی بقاء کے لئے خطرہ ثابت ہوتے ہیں۔ زندگی کی [illegible] کے لئے اُسے عملی اقدامات کرنا پڑتے ہیں اور اس [illegible] ہی ساتھ اُس کا ذہن اپنے نفس کے علم، کائنات کے علم اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کی طرف [illegible]

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دنیا جس میں اُسے زندہ رہنا ہے کیسی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اسے کس نے پیدا کیا ہے اور وہ کیا کرے کہ اپنی زندگی کا تحفظ بھی کر سکے اور جہاں تک ممکن ہو ذہنی آسودگی اور تسکین کے ساتھ زندگی بسر کرے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر انسان کو زندگی کے مسائل سے نپٹنا نہ ہوتا تو نہ وہ کائنات اور اپنے نفس کو سمجھنے کی کوشش کر کے علم حاصل کرتا نہ خدا کا تصور کرتا۔ خدا کے تصور سے صرف مذہبی آدمی کا ذہن ہی نہیں اُلجھا ہوا ہے بلکہ منکرینِ خدا بھی خدا کے تصور سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کا وجود ہو یا نہ ہو کائنات کا بھی وجود ہے اور انسان کا بھی وجود ہے اور جب تک انسان کا وجود ہے زندگی کے مسائل موجود رہیں گے اور ان کو حل کرنے پر زندگی کی توانائی اُسے مجبور رکھتی رہے گی۔ انسان حصولِ علم دو طرح کر سکتا ہے ایک تجزیہ کر کے اور دوسرے ترکیب (Analysis and Synthesis) کے ذریعہ۔ جب وہ تجزیہ کرتا ہے تو علومِ طبیعی وجود میں آتے ہیں اور جب کلیات سے بحث کرتا ہے تو مذہب وجود میں آتا ہے۔ فلسفہ میں تو اس کی گنجائش ہے بھی کہ وہ محض کائنات اور ذہنِ انسانی کو اپنا موضوع بنا کر مطمئن ہو جائے لیکن مذہب انسانی ذہن کی بلند پروازی کا بلند ترین منارہ ہے جس سے وہ پوری کائنات اور اپنے سارے تجربات کو ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھنے اور اسرارِ کائنات کی تاریکیوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا کا انکار بھی ذہنِ انسانی کی اس خصوصیت کو ختم نہیں کرتا اور اسرارِ کائنات کے پردوں کو چاک کرنے کی خواہش پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ وہ خواہ خدا کی تلاش نہ ہو، فطرت کے انتہائی اسرار کو جاننے کی خواہش کیوں نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو محض لفظی اختلاف ہے، ذہن کے طریقِ کار اور مقصد میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ اس طرح اگر مذہبی تعصب یا لا مذہبی اور سائنسی تعصب سے کام نہ لیا جائے تو مذہب اور لا مذہبیت کا بنیادی فرق بھی مٹ جاتا ہے درحقیقت مذہب اور لا مذہبیت کا اصل فرق خدا کے وجود کو رسمی طور پر ماننے یا نہ ماننے سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اقرار یا انکار کا اثر انسان کے نقطۂ نظر اور کائنات، سماج اور نفس کے ساتھ اس کے رشتوں پر پڑتا ہے۔

خدا کے تصور کی محض چند امکانی صورتیں ہیں جن میں انسانی ذہن گردش کرتا رہتا ہے

(۱) پہلا راستہ یہ ہے کہ خدا کے وجود کا انکار کر دیا جائے یہ انکار یا تو کسی موجود مذہب کے تصور اور اس کے انکار پر مبنی ہو سکتا ہے۔ لیکن انکار کر کے انسانی ذہن نہ مطمئن ہوتا ہے اور نہ اُسے سکون نصیب ہوتا ہے۔ اگر خدا کے انکار سے زندگی کے تمام مسائل حل ہو جاتے، سارے فرائض شعاری جدوجہد سے نجات مل جاتی تو یقیناً دنیا کے تمام انسان خدا کے منکر ہو جاتے اور یقیناً وجود۔ خدا کے انکار کو عقلی حیثیت سے سب سے محقق مسلک سمجھا جاتا۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ انکار کے بعد انسانی زندگی اپنی تمام پیچیدگیوں اور کائنات اپنے تمام رازہائے سربستہ کے ساتھ اپنی جگہ پر موجود رہتی ہیں۔ خدا کا انکار کرنے سے اُس کی جگہ خالی نہیں ہوتی بلکہ اس کی جگہ کائنات آجاتی ہے اور وہ بھی اتنی ہی پُراسرار اور ناقابلِ فہم بن جاتی ہے جتنا خود خدا ہے۔ صرف یہی نہیں اس سے ایک نقصان بھی ہوتا ہے۔ خدا کے صحیح یا غلط تصور سے کم از کم انسان ذہنی اور عملی طور پر معطل نہیں ہوتا اور موجودات کے بارے میں کسی نہ کسی نظریہ کی موجودگی کے باعث اُسے یکسوئی رہتی ہے۔ لیکن خدا کا انکار کرنے کے بعد اس کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ذہنی خلا کو پُر کرنے کے لئے زندگی کے انتہائی مسائل کے بارے میں کوئی رائے فوری طور پر قائم کرے۔ ظاہر

ظاہر ہے کہ یہ اُس کے لئے ممکن نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کے تصور کو چھوڑنے کے بعد اُس کا ذہن معطل ہو جاتا ہے اور اُس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ اب اگر انسان کا ذہن غیر معمولی توانائی کا حامل ہے تو وہ انفرادی طور پر "فطرت" کا ایک ذہنی بت تیار کر لیتا ہے جسے وہ خدا کی جگہ بٹھا دیتا ہے اور اُسی کے لحاظ سے ایک نظامِ فلسفہ ترتیب دے لیتا ہے لیکن اس سے نہ وہ خود مطمئن ہوتا ہے اور نہ دوسرے اُسے کوئی اہمیت دیتے ہیں۔

(۲) دوسرا راستہ لاادریت (Agnosticism) کا ہے یعنی یہ نقطۂ نظر کہ نہ خدا کے وجود سے انکار کیا جائے نہ اقرار کیا جائے۔ عقلی طور پر یہ راستہ ذہنی دیانت داری کی غمازی کرتا ہے۔ جب ایک شخص خلوص قلب سے محسوس کرتا ہے کہ نہ خدا کا وجود اُس کے لئے قابلِ فہم ہے اور نہ اُس کے وجود کے انکار کے لئے اُس کے پاس معقول دلائل موجود ہیں تو وہ لاادریت کے اصول کو اپنا لیتا ہے۔ لاادریت یقیناً عقلی طور پر سب سے معقول راستہ ہوتا اگر اس سے انسانی فکر معطل نہ ہو جاتی۔ اگر زندگی کے انتہائی مسائل کے بارے میں لاادریت کا نقطۂ نظر اپنایا جاتا ہے تو پھر عقلی طور پر اسی نقطۂ نظر سے زندگی کے تمام مسائل کو بھی دیکھنا چاہیئے اور زندگی کے ہر مسئلہ پر انسان کو یہی کہنا چاہیئے کہ وہ نہیں جانتا کہ حقیقت کیا ہے اس لئے کہ انتہائی علم حاصل نہ ہونے کی بناء پر زندگی کے کسی مسئلہ کے بارے میں بھی قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ نقطۂ نظر زندگی کے بنیادی محرک یعنی "جہدِ حیات" کو معطل کر دیتا ہے اس لئے اگر اس نقطۂ نظر کو اس کے تمام منطقی لوازم کے ساتھ اپنانا چاہیں بھی تو نہیں اپنا سکتے۔ برٹرینڈ رسل کے ایسے دورِ حاضر کے عظیم فلسفی کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے وہ خدا کے بارے میں لاادریت کے نظریہ کا حامی تھا لیکن زندگی کے مسائل میں لاادریت کو اپنا نہ سکا۔ وہ جنگ کا مشہور مخالف اور امن کا حامی تھا حالانکہ اگر خدا کا وجود اور عدم وجود مشتبہ، خیر اور شر کے معیار غیر یقینی اور حیاتِ انسانی کی قدر و قیمت غیر معین ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ زندگی بہتر ہے یا موت، خیر و شر ایک سطح پر آ جاتے ہیں اور جنگ و امن دونوں یکساں طور پر بے مقصد اور بے معنی ہو جاتے ہیں۔ لاادریت سے انتہائی مسائل پر کوئی روشنی بھی نہیں پڑتی لیکن زندگی کے مسائل سے نپٹنے کے لئے اقدار کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور زندگی کی توانائی کے راستہ میں تذبذب کا پتھر حائل ہو کر اُس کے بہاؤ میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔

(۳) تیسرا راستہ خدا کے وجود کے اقرار کا ہے یہ راستہ وہ ہے جو خدا پرستی اور بت پرستی دونوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر مذاہبِ عالم کا جائزہ لیا جائے تو خدا پرستی اور بُت پرستی کی اتنی شکلیں نظر آئیں گی کہ ان کی قسموں کو شمار کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بُت پرستی اور خدا پرستی کی مختلف شکلوں کا احاطہ کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ ان کا جائزہ ان کے اصل مخزن سے لیا جائے جہاں سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ خدا پرستی اور بُت پرستی کے دو مخزن ہیں ایک کائنات اور دوسرا ذہنِ انسانی۔ کائنات اور ذہنِ انسانی دو الگ الگ وحدتیں ہیں لیکن حیاتِ انسانی میں یہ دونوں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتے ہیں۔ ذہنِ انسانی میں کائنات ہی سے تصورات آتے ہیں اس طرح ذہنِ انسانی کائنات کی ایک چھوٹی سی تصویر بن جاتا ہے اور ذہنِ انسانی کائنات کو اپنے رنگ میں اس طرح رنگ لیتا ہے کہ وہ ذہنِ انسانی کا ایک پرتو بن جاتا ہے۔ پھر بھی بُت پرستی اور خدا پرستی کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کی محرک خدا کی "سرِ کائنات" کی حیثیت سے تلاش ہوتی ہے یہ خاص علمی ذوقِ جستجو کا نتیجہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں نفسِ انسانی یا حیاتِ انسانی کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور

[illegible] کا وحشت [illegible] ہے کہ وہ خدا کا ایسا تصور قائم کرے [illegible] حیات اور عملی زندگی میں اُس کا زیادہ سے زیادہ [illegible] سکے۔

جب انسان خدا کی تجسیم کرتا ہے تو زندگی کی تمام [illegible] اور تمام ذہنی طاقتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ انتہائی دورِ وحشت سے لے کر انتہائی متمدن ادوار میں انسانوں میں حواسِ خمسہ، قوتِ متخیلہ، قوتِ فکریہ اور سائنسی اندازِ فکر میں سے کسی نہ کسی کو غلبہ حاصل رہا ہے بت پرستی کی پہلی اور ابتدائی شکل وہ ہے جب وہ حواسِ خمسہ کی مدد سے بت سازی کرتا ہے۔ اس سے کام لے کر انسان نے پوری کائنات کو ایک بت کدہ میں تبدیل کر دیا۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب کو اس نے بتوں میں تبدیل کر دیا۔ پھر وہ منزل آئی جب حواسِ خمسہ کے ساتھ اُس کی قوتِ متخیلہ یا قوتِ واہمہ بھی بت سازی میں شریک ہو گئی اور دیوتاؤں، بھوتوں، شیطانوں اور فطرت کی غیر مرئی طاقتوں کے لامحدود دیوتا وجود میں آ گئے یہاں تک کہ تمام قابلِ تصور اور قابلِ دید اشیا اور روحوں سے اُس کے ذہن کا بت کدہ آباد ہو گیا

اس کے بعد انسان کی قوتِ فکریہ بیدار ہوئی اور اُس نے کلیات کی تلاش شروع کی تو اُس نے کائنات کو ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اُسے ایک قانونِ فطرت کا ادراک پیدا ہوا اور اس کے نتیجہ میں وہ موحد بنا اور ایک خدا کے وجود کا قائل ہوا۔ اس طرح کے تصورات فلسفہ کے میدان میں بھی پیدا ہوئے لیکن فلسفی افکار کائنات اور زندگی سے کوئی مستقل رابطہ نہ قائم کر سکے۔ ارسطو کا خدا کا تصور اسی طرح کا تھا اور اٹھارویں صدی میں یورپ میں (Deism) کا نظریہ بھی ایسا ہی تھا

[illegible] نے انسان کے قوائے نفس میں انتشار پیدا کر دیا یہ انسان پر اُس کا نفسیاتی ردِ عمل تھا لیکن سماجی زندگی انسان کی فطرت ہے اس لئے قوم، قبیلہ اور ملکوں کے بت الگ ہو گئے۔ یہ بت سماجی زندگی کی علامت بن گئے اور اُن سے قوموں، قبیلوں اور ملکوں میں وحدت و یگانگی کا شعور بیدار ہوا لیکن اس کے ساتھ اُن کے درمیان دیواریں بھی کھڑی ہو گئیں۔ عقیدۂ توحید کے ساتھ وحدتِ نسلِ انسانی کا تصور ہم آہنگ ہے اس لئے عقیدۂ توحید کے ساتھ قوم اور قبیلہ اور ملک کے تصورات مٹے اور نوعِ انسانی کی وحدت کا تصور پیدا ہوا۔ کمیونسٹ اللہ کے وجود کے منکر ہو گئے لیکن کائنات اور نسلِ انسانی کی وحدت کے اسلامی تصورات کو انھیں اپنانا پڑا

عقیدۂ توحید نے بعض ممکنہ شکلیں بھی اختیار کیں۔

ان میں ایک اہم صورت وحدت الوجود (Pantheism) کی تھی جس میں خدا کو کائنات کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔ کائنات اور خدا کو سمجھنے کے لئے ذہنِ انسانی نے یہ ایک نیا تجربہ کیا تھا اس امید میں کہ اس سے انسان کو دو مسائل کو حل کرنے کے بجائے صرف ایک ہی مسئلہ سے نپٹنا پڑے گا۔ لیکن اس سے کوئی مسئلہ حل ہونے کے بجائے دونوں مسائل ایک دوسرے سے اُلجھ کر اور پیچیدہ ہو گئے۔ خدا اور کائنات کا انضمام کبھی فطرت سے خدا کے ساتھ، کبھی خدا سے فطرت کے ساتھ کیا گیا۔ اس سے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے نظریات پیدا ہوئے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اُن کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس مسلک کی تمام شاخوں میں کچھ باتیں یکساں ہیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ کائنات کو خدا میں ضم کر دینے سے کائنات کا ظاہری طور پر وجود ختم ہو گیا۔ صرف سب سے بڑی حقیقت یعنی خدا کو مایا کا پردہ چاک کر کے دیکھ لینا اور پہچان لینا ہی انسانی زندگی کا مقصد بن گیا۔

(۲) کائنات کا علم حاصل کرنے میں خدا کا تصور حائل

ہو گیا اور خدا کی معرفت میں کائنات کی بوقلمونی نے دشواریاں پیدا کر دیں۔ جب کائنات کو خدا مانا گیا تو اُس کے سارے نقائص خدا کی ذات میں منتقل ہو گئے، اُس کا کمال نقص میں اور اُس کی لامحدودیت محدودیت میں بدل گئی اور جب خدا کو لامحدود تصور کیا گیا تو اُس کا رابطہ پھر کائنات سے ٹوٹ گیا اور وہ پھر ہمیشہ کی طرح ناقابلِ فہم اور ناقابلِ اظہار بن گیا۔

(۳) کائنات کی حقیقت فریبِ نظر میں بدل گئی۔ سائنس اور فلسفہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں، خیر و شر دونوں خدا کے مظہر بن گئے اور سماجی زندگی کا تار و پود بکھر گیا اب ہر انسان ایک مستقل وحدت بن گیا جس کا فرض یہ رہ گیا کہ وہ دنیا چھوڑ کر خدا سے لو لگائے اور جب اُس کا جلوہ دیکھ لے تو خود خدا میں ضم ہو جائے سماجی زندگی کی اہمیت گھٹ جانے اور رہبانیت کی اہمیت بڑھ جانے کی وجہ سے کسی اخلاقی یا سماجی دستور العمل کی ضرورت ختم ہو گئی کائنات ختم ہو گئی خدا رہ گیا، سماج ختم ہو گیا خدا رہ گیا انسان ختم ہو گیا خدا رہ گیا۔ اس غیر عقلی اور غیر انسانی اور غیر فطری روحانیت کے خلاف جو ہندوؤں، عیسائیوں اور صوفی مسلمانوں کے یہاں رہبانیت کی شکل میں ملتی ہے شدید ردِ عمل تھا جو کرسٹوفر کاڈویل کی "فریبِ نظر اور حقیقت" Illusion and Reality کی شکل میں ظاہر ہوا اور جس میں مصنف نے کمیونزم کی حمایت میں صرف مادہ اور انسان کو حقیقی تسلیم کیا اور خدا اور روح کو فریبِ نظر قرار دیا۔ اور انسان انتہا پسندی کے ایک سرے سے انتہا پسندی کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا

(۴) خدا کے عرفان اور خدا میں ضم ہو جانے کی تعلیم دینے والے اس مذہب کے دونوں سرے اسرار کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔ نہ یہ معلوم کہ اس عمل کی ابتدا کیوں کر ہوتی ہے، نہ جمالِ الٰہی کا نظارہ کرنے والا یہ بتا سکتا ہے کہ اُس نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا۔ رہنمائی کے لئے مرشد کی تلاش کی گئی تو پہلے مرشد کو ڈھونڈھنا خدا کو ڈھونڈھنے سے کہیں زیادہ دشوار بن گیا اور پیری مریدی کا ایک ایسا چکر چل گیا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کرنا اُتنا ہی دشوار ہو گیا جتنا مرشد کو تلاش کرنا۔

(۵) اس کی ایک شکل صاحبانِ اقتدار کے یہاں اس طرح پیدا ہوئی کہ وہ انا الحق کہہ کر خدائی کے دعویدار ہو گئے یعنی کرشن، مہاتما بدھ سب شاہزادے تھے اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے نمرود اور فرعون بھی بادشاہ تھے۔ اس انسان پرستی کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ صاحبانِ اقتدار کو طاقت کے نشہ نے خدائی کا دعویٰ کرنے پر اکسایا تاکہ اس حیثیت سے رعایا پر اپنے مکمل اقتدار کو مسلط کیا جا سکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ طاقت کے ہر مظہر کی پرستش کی عادی رعایا نے خود ہی اپنے بادشاہ کو خدائی کے منصب پر فائز کر دیا ہو۔ خدا پرستی کی اس شکل میں سیاست، طاقت اور حکومت کے تصورات شامل ہو گئے۔ اور خدا کے تصور اور سیاست میں ایک نیا ربط پیدا ہوا اور اس سے نئی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔

بُت پرستی اور شرک کی چند اہم قسموں کا تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم عقیدۂ توحید کا تذکرہ کرتے ہیں جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ عقیدۂ توحید کا ایک نتیجہ تو بُت پرستی اور شرک کی قطعی ممانعت ہے لیکن یہ عقیدۂ توحید کا محض منفی پہلو ہے جس کی رُو سے بت پرستی اور شرک کو ختم کر دیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے تصور کا مثبت پہلو کیا ہے۔ یعنی اللہ کے بارے میں وہ مثبت تصورات کون سے ہیں جن پر پورے دینِ اسلام کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ اس سوال پر پہنچتے ہی سب سے پہلے ہمیں پھر اُسی مسئلہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کو حل کرنے میں تمام مذاہب اور تمام باطل مذاہب ناکام رہے۔ اس موقع پر اسلام نے

ہدایات دی ہیں۔ اسلام نے بتایا کہ اللہ کی کُنہِ ذات یعنی
اُس کی ذات کی واقعی ماہیت یا فطرت سے واقفیت انسان
کے حدودِ فہم سے باہر ہے۔ یہ کوئی نیا نتیجہ نہیں ہے بلکہ
لاادریت کی شکل میں اسلام کے علاوہ بھی موجود ہے
اس کے بعد اسلام نے اللہ کی معرفت پر زور دیا۔ حضرت
علیؑ نے فرمایا اول الدین معرفتہ دین کی ابتدا اللہ
کی معرفت سے ہوتی ہے۔ پہلی نظر میں ان دونوں باتوں میں
تضاد نظر آتا ہے یعنی ایک طرف خدا کو ناقابلِ فہم اور
ناقابلِ تصور قرار دیا جا رہا ہے دوسری طرف اُس کی معرفت
پر زور دیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب خدا ناقابلِ فہم
ہے تو اُس کی معرفت کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہے۔

جارج آرویل (George Orwell) نے اپنے
ایک مقالہ "گاندھی — ایک مطالعہ" 'Gandhi —
A Critical Study' میں لکھا ہے کہ ہمیں خدا
اور انسان میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا یا خدا کو چھوڑنا
پڑے گا یا انسان کو۔ مختلف مذہبوں اور فلسفوں نے یہی
کیا بھی یا خدا کو چھوڑ دیا یا انسان کو چھوڑ دیا۔ جب انسان
کو چھوڑ دیا تو انسانی زندگی سے مذہب کا رشتہ کٹ گیا
جب خدا کو چھوڑ دیا تو مابعد الطبیعیاتی مسائل میں اُس
کے ذہن میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ یہی وہ نازک موڑ ہے
جہاں اسلام نے انسانی فکر کو ان دونوں گڑھوں میں گرنے
سے بچایا اور وہ اس طرح کہ توحید کے بعد اس نے انسانوں کو
عقیدۂ عدل کی تعلیم دی۔ اسلام نے عقیدۂ عدل کی تعلیم
دے کر تصورِ خدا کو ایک نیا موڑ دے دیا۔ حضرت علیؑ نے
اس کی وضاحت یوں کی "توحید یہ ہے کہ خدا کو ناقابلِ فہم
مانا جائے اور عدل یہ ہے کہ اس پر بہتان نہ رکھا جائے"
توحید کا تعلق کُنہِ ذات سے ہے جو ناقابلِ فہم ہے۔ عدل کا
تعلق اللہ کو تمام برائیوں سے بری اور اخلاقی حیثیت سے
[illegible] ہے اور یہی درحقیقت اس کی معرفت ہے جس

کا حصول عقل کے حدودِ فکر سے باہر نہیں ہے۔ الٰہیات
کو اسلام نے جو نیا موڑ دے دیا وہ یہ ہے کہ عدل ایک
انسانی صفت ہے جب اُس کو انسان اور خدا میں ایک
قدرِ مشترک کی حیثیت دے دی گئی تو انسان اور خدا کے
درمیان جو وسیع مابعد الطبیعیاتی خلیج تھی وہ پٹ گئی اور
اللہ کے مابعد الطبیعیاتی تصور میں اس کی صلاحیت پیدا
ہو گئی کہ اُسے خالص انسانی اقدار میں تبدیل کیا جا سکے۔
اس طرح اسلام نے مذہب کے غیر عقلی اجزا کو ختم کر کے
نوعِ انسانی کو توہم پرستی اور دورِ جاہلیت کے جہل سے نجات دی
اور انسان کے روحانی، ذہنی اور مادی مسائل کو سمیٹ
لیا اور وہ حقیقی معنوں میں "دینِ فطرت" اور زندگی کا مذہب
بن گیا۔

کمیونزم نے جدلیت (Dialectics) کی منطق
کی بنا پر اپنے مادی اور انسانی فلسفہ کی عمارت کھڑی کی ہے
لیکن زندگی کے سب سے اہم مسئلہ یعنی تصورِ الٰہ کو جو
حقیقتاً تمام اقدار کا مجموعہ ہے اور جس پر انسانی نقطۂ نظر کے
تعین کا انحصار ہے، اُس نے جدلیت کی کسوٹی پر پرکھ کر
نہیں دیکھا۔ ورنہ اگر خدا کو کُل حقیقت اور خدا کا انکار
کر کے مادہ اور انسان کو مکمل حقیقت کے انتہائی نظریات
کو Thesis اور Antithesis کی حیثیت سے
دیکھا جائے تو وہ Synthesis میں اسلامی عقیدۂ توحید
و عدل ہی پیدا ہو جائے گا اور زندگی کے تمام متناقضات
اپنی ایک درمیانی شکل میں حل ہو کر محض ایک ہی حقیقت
کے دو پہلو بن جائیں گے اور روح و مادہ، خیر و شر اور
جبر و اختیار کی ساری گتھیاں کھل جائیں گی۔ یہی وہ حقیقت
تھی جس کی تعلیم اسلام نے خیر الامور اوسطہا کہہ کر
دی یعنی خیر تمام امور کی درمیانی صورت میں ہے۔
یہ بات تسلیم کرنا ہی پڑے گی کہ انسان جب بھی اللہ کا
تصور کرے گا تو اسے محدود کر دے گا۔ اگر وہ بت پرستی

اور شرک چھوڑ دے تب بھی وہ جب اللہ کا تصور کرے گا تو اُسے ہمیشہ اپنی ہی انسانی فطرت کے آئینے میں دیکھے گا۔ یہی وہ موقع ہے جب انسان کا نفس خود اپنے سانچے میں خدا کی ذات کو ڈھالنے لگتا ہے۔ یہاں سے پھر حق و باطل کے دو راستے الگ ہوتے ہیں۔ ایک راستہ وہ ہے جس میں انسان اپنے شر کو اللہ کی ذات سے منسوب کر دیتا ہے اور خود پرستی اور نفس پرستی کو خدا پرستی کہہ کر خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ یہ ضلالت و گمراہی کا راستہ ہے اور اسی کو علماء نے الحاد سے یہاں سے تعبیر کیا ہے اور دوسرا راستہ وہ ہے جب انسان اپنی اچھی فطرت یعنی عدل کے آئینہ میں اللہ کے عدل کا پرتو دیکھتا ہے۔ یہی ہدایت کا راستہ ہے جس پر دین کی اساس قائم ہے۔

فلاسفہ نے اس روایتی عقیدہ کی یہ کہہ کر کہ اگر تیر مصور ہوتے تو وہ خدا کی تصویر تیر کی شکل میں کھینچتے اور گھوڑے مصور ہوتے تو وہ خدا کی تصویر گھوڑے کی شکل میں کھینچتے یعنی انسان خدا کا تصور خود اپنی شکل میں کرتا ہے۔ یہ اعتراض غلط نہیں ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کا تصور انسان کی شکل میں کرنا ایک فطری امر ہے لیکن یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان کو خدا کا تصور اپنی انسانی فطرت سے بالاتر ہو کر کرنا چاہیے۔ یہ ایک مجبوری ہے انسان حصول علم میں اپنی داخلیت سے بچا نہیں چھڑا سکتا لیکن یہ مجبوری صرف مذہبی انسان کی نہیں ہے بلکہ فلسفی کی بھی مجبوری ہے۔ اور سائنس کی بھی مجبوری یہاں تک کہ سائنسدان کی بھی مجبوری ہے۔ خالص معروضیت Pure objectivity کا حصول فلسفی کی بھی تمنا ہے سائنسدان کی بھی آرزو ہے ادیب اور نقاد کی بھی تمنا ہے لیکن اس کا حصول محال ہے۔ انسان نہ اپنے ذہن سے آزادی حاصل کر سکتا ہے نہ اپنے جذبات سے بالاتر ہو سکتا ہے۔ وہ جب بھی تصور کرے گا جب بھی فکر کرے گا تو ہمیشہ اپنے ذہنی قوانین کے مطابق اور اپنی انسانی فطرت کے حدود ہی میں رہ کر کرے گا۔

عقیدۂ عدل نے اسلام کو ایک انسانی، اخلاقی اور سماجی فلسفہ میں تبدیل کر دیا اور ایک طرف بت پرستی اور شرک کو ممنوع قرار دے کر اُس ذہنی انتشار سے انسان کو بچایا جس سے بچنے کے لئے کمیونزم نے تمام مافوق الفطرت طاقتوں کے وجود سے انکار کو ضروری قرار دیا اور دوسری طرف عدل کے عقیدہ کی تعلیم دے کر مذہب کا رشتہ انسانی فطرت سے قائم کر دیا۔ کمیونزم نے مافوق الفطرت طاقتوں اور دیوتاؤں کا انکار کر کے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے پہلے جزو یعنی لا الٰہ کو اپنا لیا اور اسی کی تفسیر کی ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمیونزم نے سائنٹفک اور مادی نقطۂ نظر کا سہارا لے کر جس عقلیت پسندی، روحانیت اور فوق الفطرت ہستیوں کی پرستش کی مخالفت کی ہے اُس کو اسلام پہلے ہی شرک اور بت پرستی قرار دے کر باطل قرار دے چکا ہے۔ اس سے اسلامی عقیدۂ توحید ہرگز متاثر نہیں ہوتا اس لئے کہ اسلام میں اللہ کا تصور بجائے خود کسی مابعد الطبیعاتی فلسفہ کا موضوع نہیں ہے۔ کلمۂ توحید کا دوسرا جزو جس کی حیثیت مثبت ہے یعنی "الا اللہ" وہ محض اخلاق اور سماجی عدل و انصاف کا ایک مابعد الطبیعاتی سنگ اساس ہے اور یہ دونوں چیزیں وہ ہیں جنھیں کمیونزم کو بھی اپنے نظام فکر میں بنیادی اہمیت دینا پڑی۔

اسلام کا صرف "اللہ" کا تصور اخلاقی نہیں ہے بلکہ اُس کا "انسان" کا تصور بھی اخلاقی ہے۔ یہ کہہ کر کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اسلام نے ایک اخلاقی تصور پیش کیا ہے اور ایک سماجی تصور کی بنیاد رکھی۔ اخلاقی تصور تو یہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت عدل ہے، وہ فطرتاً نیک ہے شریر نہیں ہے۔ عدل اُس کی فطرت میں داخل ہے اور

فطرت کی تکمیل ایک عادل اللہ کی مشیت کی متابعت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اور دوسرا سماجی تصور یہ ہے کہ ہر وہ [illegible] جب کہ انسان خواہ کافر ہو، منافق یا مومن، خواہ گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ، خواہ کسی مسلک، کسی قوم، کسی نسل، کسی قبیلہ، کسی رنگ سے تعلق رکھتا ہو، بنیادی طور پر انسان ہے اور پیدائشی طور پر یعنی فطری طور پر عدل دوست ہے اور ظلم کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ جب گمراہی اختیار کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے تب بھی اس کی فطرت یعنی اس کا دل کبھی ظلم کو قبول نہیں کرتا اور اپنی روح کی گہرائی سے وہ کبھی عدل سے متنفر نہیں ہونے پاتا۔

انسان اور انسانی فطرت کے اس تصور [illegible] انسان روحانیت، جدوجہد، اصلاح، ترقی، مساوات اور زندگی کی توانائیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے اور یہ تمام تصورات وہ ہیں جن کے بغیر کوئی بھی فعال اور زندہ تحریک وجود میں نہیں آسکتی۔ کمیونزم کی تحریک بظاہر لادینی تحریک ہے لیکن اس کے صالح اجزائے ترکیبی میں مذہب کے یہ تمام عناصر موجود ہیں یعنی روحانیت، [illegible] جدوجہد، انقلاب آفرین اصلاح کی امنگ، ذہنی ارتقاء کے حصول کی آرزو، دکھی انسان اور انسانی مسائل سے [illegible] سماجی عدل و انصاف کی خواہش، ذہنی سماج میں مساوات اور اخوت کے جذبہ کی بیداری کی تمنا اور ذہنی ظلم اور ظالم، خود غرضی اور جذبۂ تفوق سے نفرت اور بیزاری ۔۔۔! مذہب بیزاری کے باوجود یہ تحریک اپنی روح کے لحاظ سے مذہبی تھی اور اس کی یہ خصوصیت اتنی نمایاں ہے کہ برٹرینڈ رسل کو بڑے عالمی مذاہب میں کمیونزم کو بھی شمار کرنا پڑا۔ لیکن اتنے ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہوتے ہوئے باوجود انسانی فطرت کے لحاظ سے اس [illegible] موجود ہیں۔ خدا کے وجود کا انکار کرنے کے بعد کمیونزم نے کائنات کے پیدا ہونے کے خلا کو مادی جدلیت Material Dialectics کے تحت تصور سے پُر کرنا چاہا ہے۔ یہ تصور قدیم ہندو فلسفہ کی ایک مادی تاویل ہے جس میں مادہ کو قدیم اور محدود اور متحرک مانا گیا ہے۔ خواہ وہ خدا ہو یا [illegible] انسانی ذہن کے لئے کبھی قابل تصور [illegible] کمیونزم کی [illegible] اس طرح مادہ، کائنات اور حرکت کے تصورات کے ساتھ [illegible] کمیونزم کی عملیت پرستی [illegible] کی مخالفت کو کمیونسٹ [illegible] اختیار رکھتے ہیں [illegible] جدلیت [illegible] مابعد الطبیعیاتی اساس سے ایک طرف [illegible] قابل تصور [illegible] خدا کے وجود کا انکار ہے [illegible] نہیں آتا اور [illegible] انسانی فطرت [illegible] کائنات [illegible] طاقت [illegible] دوسری طرف جب انسانی مسائل پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے تو [illegible] انسانی [illegible] محسوس ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ایک سیاسی اور معاشی فاسد [illegible] زندگی کے سارے [illegible] پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

اسلام [illegible] بنیادی طور پر انسانی اخلاقی اور سماجی نظامِ حیات ہونے کے نتیجہ میں عقیدۂ معاد پر زور دیا گیا [illegible] زندگی کو عدل کے راستے میں [illegible] کر نتیجہ خیز اور بامعنی بناتا ہے۔ عقیدۂ توحید [illegible] انسان نقطۂ نظر کو متعین کرتے ہیں اور عقیدۂ معاد انسان کے عمل کو بامعنی، بامقصد اور نتیجہ خیز بناتا ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر انسان اپنے عمل خیر کے اجر کا انسانی فطرت کے حدود میں ہی رہ کر تصور کرتا ہے اور جن چیزوں کو پسند کرتا ہے انھیں کو بدرجۂ کمال اور [illegible]

حاصل کرنے کی آرزو کرتا ہے یا جن چیزوں سے ڈرتا ہے انھیں کی مدد سے کمال شدید صورت میں عذاب کا تصور کرتا ہے۔ اگر ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں سال بھر برف جمی رہتی ہے تو وہ عذاب آخرت کا تصور برف کی شکل میں کرتا ہے اور اگر گرم ملک کا رہنے والا ہے تو عذاب آخرت کا تصور آگ کی صورت میں کرتا ہے۔ مذہب فلسفہ نہیں ہے جس کا خطاب ایک مخصوص اور محدود حلقہ سے ہوتا ہے اُس کا پیغام تمام نوع انسانی کے لئے ہے اس لئے اُس کے تعلیمات ایسے ہوتے ہیں جو ذہنی طور پر پست ترین اور بلند ترین کے لئے قابل فہم اور قابل قبول ہوں اس لئے اگر مذہب یہ کہتا انسان کو ایسی سزا و جزا کی خبر دے جو اُس کے لئے ناقابل تصور ہو تو وہ اپنے اصلاحی مقاصد میں ناکام رہے گا۔ ریگرٹ بہروے ایک جگہ جنت کا مذاق اڑایا ہے اور کہا ہے جس طرح گھوڑوں کو جلیبی کی لالچ دلائی جاتی ہے اُسی طرح مذہب نے انسان کو جنت کی لالچ دی ہے۔ یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا اس لئے کہ زندگی کے سارے محرکات میں لالچ اور خوف شامل ہیں ایسے بہت کم افراد ہیں جو اپنے ذوق حقانیت کی بنا پر خیر کو اس لئے اختیار کریں کہ وہ ہے ہی اختیار کرنے کے قابل اور شر سے اس لئے بچیں کہ وہ ہے ہی ناقابل قبول۔ ایسے لوگوں کے معیار کے لحاظ سے بھی حضرت علیؑ کا ایک قول موجود ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں اللہ کی عبادت نہ دوزخ کے خوف سے کرتا ہوں نہ جنت کی لالچ میں، بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ وہ ہے ہی عبادت کے قابل۔ دراصل عقیدۂ معاد میں جو بات اہم ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان کا عمل رائگاں نہیں ہوگا اگر دنیا کی مختصر حیات میں اس کا پورا بدلہ نہیں ملتا ہے تو ملے اس کا بدلہ ایک دن مل کر رہے گا۔ جو بات طبیعات میں صحیح ہے کہ ہر سبب کا ایک نتیجہ ہے اور ہر نتیجہ کے لا متناہی نتائج ہیں وہی بات اخلاقیات میں بھی درست ہے

مختصر طور پر فلسفۂ اسلام کا ایک خاکہ ہے جو اصولِ دین توحید، عدل اور معاد کے عقائد میں سمویا ہوا ہے جس کی ابتدا توحید اور انتہا معاد ہے اور عقیدۂ عدل ان دونوں میں ربط پیدا کرتا ہے۔ اب رہ گئے دو اصولِ دین یعنی نبوت اور امامت۔ تو نبوت کا عقیدہ ضروری اس لئے ہے کہ اسلام کے اس فلسفہ کی تعلیم دینے والے کی بات اُس وقت تک کوئی وزن نہ رکھتی جب تک اُس کی حقانیت اور صداقت کو تسلیم نہ کر لیا جاتا۔ پیغمبر نے حقانیت کا معیار کردار کو قرار دیا اور کفار سے اسلام کی تبلیغ سے قبل ہی اپنی صداقت کا اقرار کرا لیا۔ اُنھوں نے انھیں "امین صادق" کا لقب دے کر ان کی سچائی کی تصدیق کر دی تب قرآن نے انھیں "خلق عظیم" قرار دیا اور جب دریافت کیا گیا کہ مقصد بعثت کیا ہے تو رسول نے بتایا کہ میرا مقصد بعثت اخلاق کی تعلیم دینا ہے۔ پیغمبر پر ایمان کی منزل ہے۔ جب تک پیغمبر کی سچائی پر ایمان نہ لایا جائے گا اُس وقت تک اللہ پر ایمان لانے کا سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ مختلف حلقوں سے نبوت اور امامت پر ایمان لانے کو مورد تنقید بنایا جاتا رہا ہے لیکن یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کمیونسٹ نہ روح کے قائل ہیں نہ خدا کے قائل ہیں، نہ الہام و وحی کے قائل ہیں نہ عصمت کے قائل ہیں لیکن پھر بھی مارکس اور لینن پر ایمان لے آتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مجبوری ہے اگر مادہ اور جدلیت پر ایمان لانا ہے تو مارکس پر بغیر کسی عقلی دلیل کے ایمان لانا پڑے گا۔ اسی طرح حضرات اہلسنت اصولی طور پر "عصمت" کے منکر ہیں اور نتیجۃً اپنے پیشواؤں کو جائز الخطا تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی غلطیوں اور خطاؤں کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُن کی اخلاقی کمزوریوں ہی کو مقام مدح میں پیش کر کے انھیں کو معیار حقانیت اور معیار افضلیت بنا دیتے ہیں۔ اخلاق اور حقانیت کے کسی ہمہ گیر عقلی معیار کے فقدان کے باعث نہ کمیونسٹ "عصمت" کے قائل ہیں نہ حضرات اہلسنت اور اسی کا ایک نتیجہ ہے

کہ انھوں نے فکرِ انسانی پر بندش عائد کرنے کو ضروری سمجھا۔ اور اس کے نتیجہ میں دونوں یکساں طور پر تعصب اور تنگ نظری کا شکار ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ بغیر پختہ یقین کے عمل کی منزل میں انسان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا اگر رسول کی رسالت میں شبہہ ہوا تو یہ شبہہ صرف رسول ہی تک محدود نہ رہے گا بلکہ وجودِ الٰہی کو بھی مشتبہ کر دے گا اور تاریخ اور سورۂ منافقون گواہ ہیں کہ پیغمبر کی رسالت میں بار بار شبہہ کرنے والے افراد وفاتِ رسول کے بعد الٹے پاؤں جاہلیت کی طرف واپس چلے گئے۔ اور اسلام سے کا ربط صرف نفاق ([illegible]) کی شکل میں باقی رہ گیا

پیغمبرِ اسلام ؐ کی پُر طاقت اور فعال شخصیت کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد جتنا اسلام خطرہ میں تھا اتنا کبھی خطرہ میں نہیں آیا اور جتنا نقصان اسے اُس وقت پہنچا اتنا کسی وقت نہیں پہنچا اور جتنی عظیم قربانیوں اور جتنی بے مثال شجاعت سے اُس کا اُس وقت تحفظ کیا گیا اتنا کبھی نہ کیا گیا۔ یہ ائمۂ اہلبیت تھے جنھوں نے اسلامی تعلیمات کو اپنے کردار میں سمیٹ لیا۔ جنھوں نے اپنے اقوال و اعمال و خطبات میں اُس کی تعلیمات کو محفوظ کیا اور جنھوں نے اپنے بے مثال زہد اور دولت و اقتدار سے بے نیازی کے باوجود عالمِ انسانیت کی اصلاح کے لئے باطل طاقتوں سے ایک ایک قدم پر نبرد آزمائی کی اور ہر ہر قدم پر شکست دی۔ اُن کی حق پرستی اور اُن کی حق شناسی کی یہی وہ اہمیت تھی جس کی بنا پر اصولِ دین میں امامت بھی شامل ہے اگر نبوت کے بعد امامت کو جگہ نہ ملتی تو جس طرح توحید کے بعد عدل کا عقیدہ مسمار کر دیا گیا اُسی طرح نبوت کے بعد معاد کا تصور بھی ختم کر دیا جاتا اور اسلام اپنے انسانی اخلاق اور سماجی معنویت سے یکسر محروم ہو جاتا اور پیغمبر کی تعلیمات سے دنیا محروم ہو جاتی۔

(۳) اسلامی تصورِ الٰہ قرآنِ ناطق کی روشنی میں

اسلام کی سچی تعلیمات حضرت علیؑ کے کلام میں اپنے تاریخی جمال میں موجود ہیں۔ پورا دینِ اسلام معرفتِ الٰہی پر مبنی ہے۔ اور اس کا عقیدہ اسلامی فلسفہ، اخلاق اور تاریخ و تمدن میں اس طرح سرایت ہے کہ اُسے زندگی کے کسی شعبہ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے ضرورت ہے کہ اُس تصورِ الٰہ کے واضح خط و خال متعین کر دیئے جائیں جو صرف اسلام سے مخصوص ہے اور اُن تمام باطل تصورات کو اُس سے الگ کر دیا جائے جو بعد میں مسلمانوں میں تعلیماتِ پیغمبر سے ناواقفیت اور دوسری قوموں کے اثرات کی بنا پر پھیل گئے یا جنھیں اربابِ اقتدار نے سیاسی مفادات کے حصول کے لئے جان بوجھ کر مسلمانوں میں رائج کر دیا

کُنہِ ذات یہاں تک اللہ کی کُنہِ ذات اور اُس کی اصل حقیقت کا علم حاصل کرنے کا تعلق ہے، حضرت علیؑ نے نہایت وضاحت کے ساتھ اُس کے ناقابلِ ادراک اور ناقابلِ تصور ہونے کا اعلان کر دیا ہے:

"ہر طرح کی حمد اللہ ہی کو زیبا ہے جس کی مدح تک بڑے بڑے بولنے والے نہیں پہنچ سکتے، نہ گننے والے اُس کی نعمتوں کا شمار کر سکتے ہیں، نہ کوشش کرنے والے اُس کے حق کو ادا کر سکتے ہیں وہ خدا ایسا ہے کہ بلند ہمت والے نہ اُس کا ادراک کر سکتے ہیں نہ غور و خوض کرنے والی عقلیں اُس کو سمجھ سکتی ہیں، جس کی کُنہ و حقیقت کی کوئی حد نہیں ہے نہ موجود صفت نہ معین وقت نہ مقررہ مدت" (نہج البلاغہ خطبہ ۱)

جس کی مدح بڑے بڑے مقرر نہ کر سکیں اُس کی مدح
کا اس سے بلیغ پہلو فہم انسانی میں نہیں آسکتا کہ مدح کرنے
والوں کی مدح کرنے سے عاجزی ہی کو مقام مدح میں
پیش کر دیا جائے۔ بلند ہمت والے جس کا ادراک نہ کر سکیں
اور غور و خوض کرنے والی عقلیں جس کو سمجھ نہ سکیں اُس
کے فہم انسانی سے بالا تر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا لیکن
فہم و ادراک انسانی کی یہ کوتاہی بھی معرفت الٰہی کا ایک
منزلت یا پہلو اپنے مقام پر سمیٹے ہوئے ہے اس لئے کہ
خدا کو ناقابل فہم و ادراک سمجھنا بھی ایک ذہنی تصور
ہے اور یہ تصور بجائے خود اللہ کی معرفت کی نشاندہی
کرتا ہے۔ اللہ کی کنہ ذات ہماری فہم کی دسترس سے باہر
ہے لیکن اُس کا ناقابل فہم و ادراک ہونا ہماری فہم کے
حدود سے باہر نہیں ہے اسی لیے یہ تصور بھی معرفت ہی
کے دائرے میں آجاتا ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ حضرت
علیؑ نہ تو لا ادریوں کی طرح خدا کو ناقابل فہم و ادراک قرار
دے کر اُس کی معرفت کو ناممکن بنا کر پیش کرتے ہیں اور نہ خدا
کا تذکرہ اس انداز سے کرتے کہ وہ قابل تصور بن کر خالق کے
بجائے انسانی ذہن کی تخلیق میں بدل جائے۔ اس امر کی
وضاحت پھر امام محمد باقر نے اس طرح فرمائی ہے:

"جو بات تصور میں سما جائے اور احاطۂ
فہم میں آجائے وہ خالق نہیں فہم انسانی کی
مخلوق ہے۔"

علیؑ انسان کے عجز سے اللہ کی قدرت اور فہم انسانی کی کوتاہی
سے اُس کی بسیط، لامحدود اور کامل ذات کا سراغ لگا
لیتے ہیں اور یہ الٰہیات کے میدان میں تفکر انسانی کی
بلند پروازی کا نقطۂ معراج ہے

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا۔

معرفت اور توحید

• دین کا پہلا جزو
اُس کی معرفت ہے اور معرفت کا کمال اُس کا
یقین کرنا ہے اور یقین کا کمال اُس کی توحید
ہے اور توحید کا کمال اخلاص کرنا ہے اور
اخلاص اُس کا کامل ہو سکتا ہے جس نے ہر
صفت کا اُس سے انکار کیا کیونکہ ہر صفت
شاہد ہے کہ وہ غیر موصوف ہے اور ہر موصوف
شاہد ہے کہ وہ غیر صفت ہے۔"

(نہج البلاغہ ص۲۳)

دین کی ابتدا خدا کی معرفت یا اُس کو پہچاننے سے
ہوتی ہے۔ معرفت کا کمال اُس کے وجود پر یقین ہے اور
یہی ایمان ہے۔ وہ تمام مذاہب اور تمام فلسفے باطل ہیں
جو اللہ کی کنہ ذات یا اُس کی اصل حقیقت کو جاننے کی
انسان کو تعلیم دیتے ہیں یا اُس کے متعلق قیاس آرائی کرتے
ہیں۔ اسلام نے بتایا کہ خدا کی کنہ ذات کا بس اتنا علم کافی
ہے کہ وہ ناقابل فہم ہے۔ بس اُس کے وجود کا اقرار ہی اُس
کی معرفت ہے اور اس معرفت کا نقطۂ کمال یہ ہے کہ
اس پر یقین کر لیا جائے۔ ایمان کی پہلی منزل ہی میں
علم کی جگہ یقین لے لیتا ہے۔ یہ یقین اُس وقت کامل ہوگا
جب اللہ کی توحید کا اقرار کیا جائے۔

جو اخلاقی صفات انسان میں موجود ہیں انھیں
صفات سے ذات الٰہی کو متصف کرنا اور انسانی عیوب
سے اُس کی ذات کو بری قرار دے کر ہی اُسے انسان کے لئے
قابل تصور اور الٰہیات کو فلسفۂ اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ
بنا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام نے
انسانی صفات کو اللہ کی طرف منسوب کر کے اُس کو بالکل
ہمارے جیسا انسان بنا دیا ہے۔ انسان اور اللہ میں ایک فرق
یہی ہے کہ انسان کی صفت اُس کی ذات سے الگ ہوتی
ہے علم الگ ہے عالم الگ ہے۔ ذات اور صفت کا الگ
ہونا ذات کے نقص کی علامت ہے لیکن اللہ نقص سے
بری ہے جب وہ نقص سے بری ہے تو عالم بھی ہے اور علم بھی

بھی علم اُس کی صفت بھی ہے اور عین ذات بھی۔ دوسرا
فرق صفاتِ الٰہی اور صفاتِ انسانی میں یہ ہے کہ ہر صفت
انسانی بہت سے انسانوں میں مشترک ہوتی ہے۔ علم بہت
سے عالموں میں ہے لیکن اللہ کے صفات میں اُس کا کوئی
شریک نہیں ہے۔ وہ واحد ہے اور اُس کا جیسا کوئی نہیں
ہے اور جب اُس کا جیسا کوئی نہیں ہے تو اُس کی کوئی صفت
دوسروں میں مشترک نہیں ہو سکتی۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ غیر اللہ
کے صفات اُس کے وجود کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ہوتے
ہیں۔ موجودات میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو واحد یعنی
ناقابلِ تجزیہ ہو لیکن ذاتِ الٰہی ناقابلِ تجزیہ ہے۔ وہ
ایک وحدت ہے مرکب نہیں ہے جب مرکب نہیں ہے تو اُس
کے صفات اُس کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے الگ
الگ نہیں ہو سکتے۔ ہم خدا کے مختلف صفات کا تذکرہ
کرتے ہیں لیکن یہ خود ہمارے ذہن کے نقص کی بنا پر ہے
یہ ہماری اپنی مجبوری ہے کہ ہم کسی شے کے تمام پہلوؤں کا
بیک وقت تصور نہیں کر سکتے۔ صرف اُسی پہلو کا تصور
ایک وقت میں کر سکتے ہیں جس کی طرف اپنی توجہ
Attention مبذول کریں۔ تجزیہ (Analysis)
ذہنِ انسانی کی ایک خصوصیت ہے اس لیے ہم مجبوراً اللہ
کے صفات کا الگ الگ تصور کرتے ہیں لیکن حقیقت میں
صفاتِ الٰہی الگ الگ نہیں ہیں۔ جب ایک صفت
اُس کی ذات سے الگ نہیں ہے تو تمام صفات بھی اُس کی
ذات سے الگ نہیں ہو سکتے اور جب اُس کی ذات واحد
ہے تو اُس کے صفات بھی محض ایک ہی حقیقت کے بہت
سے پہلو ہیں اور جب وہ ذات میں ضم ہو گئے تو اُن کا
الگ سے وجود ختم ہو گیا اسی لیے حضرت علیؑ نے معرفت
[illegible] دیا تو اُس کے صفات کی نفی پر زور دیا اور صفات
کو ذات سے الگ تصور کرنے کو باطل قرار دیا۔

عقیدۂ عدل اسلام میں انسان کا ایک مثبت تصور
پیش کیا گیا ہے۔ ہر انسان اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے
وہ فطرتاً نیک ہے شریر نہیں ہے، عادل ہے ظالم نہیں
انسان کی یہ صفتِ عدل اُس کا اللہ سے رابطہ قائم کرتی
ہے۔ انسان میں اللہ نے اپنی روح پھونکی ہے۔ اللہ کی
روح اُس کی اپنی فطرت ہے اور یہ فطرت عدل ہے اس لیے
اسلام میں "سیکولرزم" جو انسان کو بنیادی اہمیت دیتا
ہے اور "مذہب" جو خدا کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا
ہے دونوں ہم آہنگ ہو کر ضم ہو گئے، پورا دینِ اسلام
الٰہیات ہے اور سارے علوم مادی و روحانی الٰہیات
ہی کے شعبے ہیں۔ انسان کا ہر عمل عبادت ہے اور الٰہیات
کا پورا نظام بنیادی طور پر انسانی اقدار کا حامل ہے اور
انسان کو اسلام نے اُتنی ہی اہمیت دی ہے جتنی اللہ کو
جتنی خدا شناسی اہم ہے اُتنی ہی خود شناسی بھی اہم ہے
اسلامی الٰہیات سے انسان خود اپنی حقیقت اور اپنے
مقصدِ حیات سے روشناس ہوتا ہے اور اپنی اصل فطرت
کے ادراک سے اُس پر معرفتِ الٰہی کے دروازے کھلتے
ہیں اسی لیے حضرت علیؑ نے فرمایا **من عرف نفسہ**
فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس
نے اللہ کو پہچان لیا۔ خود شعوری اور خود شناسی کو معرفت
کا وسیلہ بنا کر علیؑ نے مذہب کو جہل، تعصب اور توہم
پرستی کے ظلمت کدے سے نکال کر علم میں تبدیل کر دیا اس
لیے کہ آخری تجزیہ میں سارے علم کا ماحصل خود شعوری
ہی ہے۔

عقیدۂ عدل ایک طرف فطرتِ انسانی کے ساتھ مطابقت
رکھنے کی وجہ سے انسان کے لیے قابلِ فہم ہے اور وہ
اقدارِ انسانی کے لیے سنگِ اساس کا کام دیتا ہے دوسری
طرف وہ عقیدۂ توحید کے ساتھ جڑا ہوا ہے کائنات میں
نظامِ عدل اُسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب اللہ ایک
ہو اسی لیے قرآن نے بتایا **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ**

لفسدتا۔ "اگر زمین و آسمان میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو فساد برپا ہوتا" اور فساد ظلم کی طرح عدل و حکمت کی ضد ہے۔ اسی طرح عقیدۂ عدل اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اللہ مرکب نہیں ہے۔ اگر وہ مرکب ہوتا تو اُس کے اجزا میں تصادم اور اختلافات کی گنجائش پیدا ہو جاتی اور کائنات میں پھر بھی نظام حکمت و عدل قائم نہ ہو پاتا۔

عالم تکوین یعنی کائنات حکمت پر مبنی ہے۔ اس حکمت کی اساس بھی اللہ کی توحید ہے۔ جس طرح ذاتِ خالق واحد ہے اُسی طرح کائنات بھی ایک وحدت ہے اور ایک نظام کی پابند ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔

"اُس نے جس چیز کو خلق فرمایا اندازہ کے ساتھ خلق فرمایا اور اس اندازہ کو محکم کر دیا کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں اور اس شے کو منظم بنایا اور اس کی تنظیم کو لطافت باریکی بخشی کہ جسے عقلیں ہی ادراک کر سکتی ہیں اور اس شے کو اس کے رُخ پر یوں لگا دیا ہے کہ وہ اپنی منزلت کے حدود سے نہیں ہٹتی اور اپنی غرض و غایت تک پہنچنے میں کوتاہی نہیں کرتی اور نہ مامور ہونے کے بعد اپنے خالق کے ارادہ پر آگے بڑھنے میں کوتاہی کرتی ہے یہ ہو تو کیوں کر اس لئے کہ یہ نظم کائنات اُس خالق یکتا کی مشیت سے صادر ہوا ہے (اور یہ معلوم ہے کہ اُس کی حدب حقیقیہ کا نتیجہ نہری عدل ہے لہٰذا کسی مخلوق کا عدل کے دائرہ سے باہر جانا محال ہے) (توحید و عدل ص۱۲۱)

عدل کا یہ تصور کائنات کی حکمت پر دلالت کرتا ہے۔ کائنات کے بارے میں انسان کے تصورات دو طرح کے ہو سکتے ہیں یا تو وہ نظام فطرت کو عدل و حکمت پر مبنی مانے یا ظلم اور بے شعوری پر۔ جب وہ کائنات میں محض انتشار، حادثات، ظلم اور بے شعوری کو دیکھتا ہے تو قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے ٹامس ہارڈی Thomas Hardy کے ناول فطرت اور خدا کے ظلم کے خلاف بغاوت پر مبنی ہیں یا پھر اُن میں خدا کے وجود کا انکار ہے اور کائنات کو ایک بے شعور بے حس اور اخلاقی شعور سے عاری خودکار وجود فرض کیا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہارڈی کی کائنات تاریکی، بے مقصدیت، کرب و اذیت اور بے رحمی اور بے معنویت کا ایک جہنم نظر آتی ہے جس سے صرف ذہنی ناآسودگی اور روحانی کرب ملتا ہے اور قاری مریضانہ قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے اور اُس کے ایک بامعنی، باشعور اور فعال زندگی بسر کرنے کے سارے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

قنوطیت کے اس رجحان کا ایک اہم سبب جذباتیت ہے۔ جب محض جذباتی نقطۂ نظر سے غم و مسرت ہی کو معیار عدل بنا کر کائنات پر نظر کی جائے گی تو وہ تمام مظاہر فطرت جو انسانی زندگی کے لئے مضر ہیں ظلم پر مبنی نظر آئیں گے حالانکہ وہ نظام کائنات کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں اور محدود انسانی نقطۂ نظر سے اس لئے خلاف عدل و حکمت نظر آتے ہیں کہ وہ وسیع کائناتی نظم کے لحاظ سے ہی حکمت پر مبنی سمجھے جا سکتے ہیں نیز حساس اور جذباتی انسان حیات کی جہد مسلسل کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے تو ناقابلِ برداشت ذہنی اذیت سے اُس کی جلد جہد کی طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں، صبر و استقامت کا دامن اُس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور کسی مافوق الفطرت طاقت کے وجود پر یقین نہ رکھنے کے سبب سے اپنی بے بال زندگی اُسے بے مقصد غم و الم اور کرب و بے چینی کا مرقع نظر آتی ہے۔

بلکہ اُس کے دل میں فطرت کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کرتا ہے جو بعد میں زندگی کے خلاف بغاوت میں بدل جاتا ہے۔

تخلیقیت کا جو بھی رجحان ہو لیکن علم و عمل کے میدان میں نظامِ فطرت ہی کو معیارِ حُسن، معیارِ حکمت اور معیارِ عدل ماننا پڑے گا۔ وہ اقدار جو جذباتیت پر مبنی ہونے کی وجہ سے محض [illegible] انسان کی پیداوار ہوں اور جن کی بنا پر انسان [illegible] خواہشوں اور تمناؤں کو پورا کرنے کا خواہشمند [illegible] انسان میں [illegible] محرومی تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن زندگی کے [illegible] تقویت نہیں دے سکتے۔ سچا علم [illegible] اور کائنات کی ہم آہنگی سے پیدا [illegible] اور نفس کے تقاضوں اور فطرت کے قوانین میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ انسان کے ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کا مقصد فطرت کی [illegible] بھی ہے اور اس کو [illegible] کر نفسِ انسانی سے ہم آہنگ [illegible] اور اسی کے ساتھ اپنے نفس کا تحفظ اور اپنی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی ہے اور اُس کو دبا کر قانونِ فطرت کا تابع رکھنا بھی۔ یہی جبر و اختیار کی منزل ہے [illegible] انسان مجبورِ محض ہے نہ مختارِ مطلق اور یہ جبر و اختیار کا مسئلہ ہے جس کا تعلق الٰہیات سے بھی ہے طبیعیات سے بھی [illegible] سماجی زندگی سے بھی ہے اور نفسیاتی زندگی سے بھی ہے۔ کائنات کے ساتھ ہم آہنگی ذہنِ انسانی سے پیدا ہونے والے [illegible] تصورات کی اصلاح کر دیتی ہے اور انسان کو کائنات کے ایک جزو کی حیثیت سے کائنات کے پس منظر میں دیکھنے کی طرف مائل کرتی ہے۔ اس سے فکرِ انسانی کے اُفق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ انسان نفس کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو حکمتِ کائنات کے ساتھ ہم آہنگ پاتا ہے اور یہی وہ اہم موقع ہے جہاں باشعور انسان ایک بے شعور حیوان اور بے حس کائنات کے ساتھ ہم آہنگی پر نفسیاتی طور پر تیار نہیں ہوتا جب کہ ایک باشعور اور حکیم خالق کی مشیت کے سامنے آسانی کے ساتھ جھک جاتا ہے۔ اس طرح اسلام مادی اور روحانی علوم کی تفریق مٹا دیتا ہے۔ مطالعۂ کائنات اور حصولِ علم کو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بنا دیتا ہے اور اپنے علم کو بامعنی اور ہم آہنگ بنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں [illegible] اور یہی سچا اسلام ہے یعنی مشیتِ ایزدی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا [illegible] مشرق [illegible] اس بات کو تسلیم کیا [illegible] انسان [illegible] فطرت کے ساتھ ہم آہنگ [illegible]

[illegible] تین [illegible]

(۱) کچھ نام [illegible]

[illegible] انسان کا [illegible] احساس [illegible] تسلیم [illegible] کرتے ہیں

(۲) کچھ وہ نام ہیں جو اُس کی توحید کی تصدیق کرتے ہیں اور اُس کی لامحدودیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اُن کا تعلق اُس کی کُنہِ ذات سے ہے جس کی محض ایک ہلکی سی جھلک ہی انسان دیکھ سکتا ہے جیسے "واحد" "احد" "اکیلا" "اکمل"، "حی" ہمیشہ زندہ رہنے والا اس لیے کہ حیات سے عاری وجود کا تصور انسان کے لیے کوئی مادیت نہیں رکھتا [illegible] اور عمل [illegible] انسان کا [illegible] اُسی حالت [illegible] رابطہ قائم ہو سکتا ہے [illegible] "اوّل" "آخر" تصورِ زمان کی مدد سے اُس کی لامحدودیت

کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ جس زمانہ کے لحاظ سے وہ ازلی اور ابدی ہے وہ اُس زمانہ سے مختلف ہے جو مادہ کی محض ایک سمت ہے اور جس کا تصور مادی کائنات ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔ "سبحان" پاک منزّہ یعنی موجودات کے نقائص سے پاک۔

(۳) تیسری طرح کے نام وہ ہیں جو براہ راست اُس کی صفت عدل سے تعلق رکھتے ہیں ان صفات کی حیثیت اخلاقی بھی ہے، حکیمانہ بھی ہے اور یہ اللہ کی اصل اخلاقی فطرت اور انسان کی اصل فطرت کو [illegible] ان میں سب سے اہم نام یہ ہیں

"رحمٰن" تمام مخلوق کے ساتھ رحم کرنے والا خواہ وہ مسلم ہو یا کافر "رحیم" رحم والا [illegible] صاحبانِ ایمان کے ساتھ مخصوص ہے "حکیم" حکمت والا "قدیر" "قادر" قدرت والا "عزیز" قوی غالب "جبّار" زبردست حکم چلانے والا

اگر [illegible] ہو کہ عدل [illegible] ان تمام صفات پر محیط ہے [illegible] "سمیع" "بصیر" اور مدرک، متکلم [illegible] دلالت کرتے ہیں اور حکیم اُس کی صفت حکمت [illegible] ایک [illegible] کے دو پہلو ہیں عدل کا معیار حکمت ہے [illegible] حدود ہم میں عقلی اور علمی سے اور [illegible] یہ کہ "محض ترجیح اتفاقی سے"

وہ صرف رحیم ہی نہیں بلکہ رحمٰن بھی ہے یعنی اس کا رحم صرف مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں بلکہ وہ تمام عالم انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اسلام اگر دین فطرت ہے تو وہ صرف مسلمانوں سے مخصوص نہیں ہو سکتا وہ ایک آفاقی اور تبلیغی مذہب ہے اور اُس کا مقصد تمام انسانوں کو حق کی بنیادوں پر متحد اور ہم آہنگ کرنا ہے اس لئے رحیم کے ساتھ رحمٰن کی صفت کا اضافہ کیا گیا ہمارے

زمانے میں اب یہ بات شدّت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے کہ عالمی مشکلات اُس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک دنیا ملکوں اور قوموں میں بٹی ہوئی ہے اور جب تک نوعِ انسانی ایک وحدت کی حیثیت سے ایک عالمی حکومت کے ماتحت بقائے باہم اور عدل و مساوات کی بنیادوں پر متحد نہیں ہوتی دنیا سے ظلم، فساد اور جنگ کے مسائل ختم نہیں ہو سکتے اور مساوات، عدل اور امن کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا۔

لہٰذا رحم اور عدل میں ایک قسم کا تضاد نظر آتا ہے اس لئے کہ رحم کا تقاضا معاف کرنا ہے جب کہ عدل کا مقصد ہے سزا دینا۔ لیکن عام ممکنات میں انسان کبھی عادت بدلنے کی [illegible] نقص سے بری نہیں ہے۔ انسان [illegible] سے مبرا نہیں ہے اس لئے کوئی بے لوچ نظام اخلاق اس پر مسلط کر کے سختی کے ساتھ اُسے سزا دینا عادل کے منافی ہے "عظیم" صاحب عظمت ہے "علی" یعنی بلند مرتبہ والا ہے "ودود" یعنی مہربان ہے اس لئے اپنی ایک [illegible] مخلوق انسان کے ساتھ اُس کا رحم اور عفو بھی عدل میں داخل ہے

پھر عدل اور رحم کی صفات کا انسان کی تعلیمات سے بھی تعلق ہے [illegible] اس لئے وہ ظلم کا بدلہ ضرور دے گا وہ [illegible] قائم ہے بدلہ لینے والا ہے "شدید العقاب" "[illegible] سزا دینے والا ہے" "مالک" ہے "ملک" ہے یعنی حاکم حقیقی ہے اور حاکم کی حیثیت سے سزا و جزا دینا اُس کا فرض ہے اس لئے انسان کو اپنے نفس پر قابو رکھ کر اخلاقی زندگی بسر کرنا چاہئے اور دوسروں پر ظلم کرنے میں خدا سے ڈرنا چاہئے اسی خدا کے خوف یعنی تقویٰ کو اسلام نے معیارِ عزت و فضیلت قرار دیا ہے اسلام سے قبل عرب کا معیار حسب نسب سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے [illegible] نسلی تعصبات سے انسان کو [illegible]

نفرت و عقیدت کا معیار قرار دیا جس کی حیثیت اخلاقی ہے جس کا تعلق کردار اور عمل سے ہے۔ مذہب کا سماجی حیثیت سے مطالعہ کرنے والوں نے "خوف" کو مذہب کا محرک قرار دیا ہے لیکن دورِ وحشت کے باطل مذاہب میں جو کسی مافوق الفطرت طاقت کا خوف پایا جاتا ہے اس کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا تعلق صرف توہم پرستی، جہل اور جبلت سے ہے اس کے برعکس تقویٰ ایک "اخلاقی خوف" ہے جو نفس کے ان نہاں خانوں میں جہاں تک قانون، پولیس اور سماج کا ہاتھ نہیں پہنچتا انسان کو ایک حاضر و ناظر، سمیع و بصیر عظیم اخلاقی طاقت کے وجود کے احساس کے بوجھ سے دبائے رکھتی ہے اور بدعنوانیوں، نفس پرستیوں اور ظلم و فساد کو ان کے محور یعنی نفسِ انسانی ہی میں دبا دیتی ہے

انسانی جذبات جو در حقیقت زندگی کی توانائی ہیں دو حصوں میں منقسم ہیں ایک مثبت اور دوسرے منفی کچھ قوتِ جاذبہ (Attraction) کے مظہر ہیں کچھ قوتِ دافعہ (Repulsion) کے حامل ہیں ان میں توازن کے بغیر انسانی زندگی آگے نہیں بڑھ سکتی محبت، رحم اور مسرت کی حیثیت مثبت جذبات کی ہے نفرت، خوف اور غم کی حیثیت منفی ہے اگر خوف حد سے آگے بڑھ جائے گا تو نفرت، غم، مایوسی اور بغاوت میں بدل جائے گا اس لئے اسلام نے اس توازن کو برقرار رکھا۔ ظلم کی ممانعت پر زور دینے کے لئے اللہ کو "ذوالانتقام" بدلہ لینے والا اور "شدید العقاب" سخت سزا دینے والا کہا گیا۔ لیکن انسان کے لئے ہدایت، توبہ اور اصلاح کا دروازہ بند نہیں کیا گیا نہ اسے مایوسی کے غار میں دھکیلا گیا بلکہ اس بات پر زور دیا گیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کہ اگر انسان سے ایک مرتبہ لغزش ہو جائے تو وہ ہمیشہ ظلم اور فساد اور بدی کی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو جائے

اب ہماری عدالتوں اور ہمارے قانون نے بھی یہ بات کہیں کہیں محسوس کی ہے کہ سزا کا قانون ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ انسان ہمیشہ کے لئے جرائم پیشہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے قانون کا مقصد سزا کے ساتھ اصلاح بھی ہونا چاہیئے، بہت سے قانون مثلاً انسدادِ جسم فروشی اس لئے کامیاب نہیں ہو پائے کہ حالات کی مجبوری یا اپنی اخلاقی لغزشوں سے گرے ہوئے انسانوں کو سماج پھر سے باعزت زندگی بسر کرنے کا موقع نہیں دیتا۔ ایک طرف معاشرہ ان پر اصلاح کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے دوسری طرف قانون انہیں قابلِ سزا قرار دیتا ہے اور یہ یقیناً ظلم ہے اور عدل کے منافی ہے اللہ کا عدل اس طرح کے ظلم کی اجازت نہیں دیتا

اللہ حی ہے باشعور ہے اور قادر ہے قدرت کی اہمیت بھی اتنی ہی ہے جتنی عدل و حکمت کی اللہ کا عالم، باشعور، مدرک، حی اور سمیع و بصیر اور قدیم ہونا عبث تھا اگر وہ قادر نہ ہوتا علم، حکمت اور شعور و ارادہ بغیر قدرت کے بیکار ہیں قدرت ہی کی وجہ سے وہ خالق ہے، قدرت ہی کی وجہ سے وہ "مالک" اور "ملک" یعنی حاکم ہے اور قدرت ہی کی وجہ سے وہ سزا و جزا دینے والا اور معاف کرنے والا ہے

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ قدرت اور حکمت و عدل میں زیادہ اہم کون سی صفت ہے، وہ افراد جنہوں نے عقل، علم اور حکمت کے دروازے اپنے لئے بند کر لئے ہیں اور جو حق کو طاقت، قوتِ علم کو استحقاقِ حکومت کا ذریعہ اور طلبِ دنیا کے لئے اور مالِ غنیمت کی خاطر جنگ کو جہاد سمجھتے ہیں وہ اپنے نفس ہی کے آئینہ میں خدا کو بھی دیکھیں گے اور وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ وہ

قادرِ مطلق ہے اس لئے وہ جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ وہ نہ کسی اُصول کا پابند ہے نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہے۔ چاہے تو شرابی کو جنت میں بھیج دے اور چاہے تو نمازی کو دوزخ میں ڈال دے اور وہ یقیناً اُس کے عدل کا انکار کریں گے لیکن نہ انسانی فطرت "اندھے کی اس لاٹھی" کو قبول کر سکتی ہے نہ نظامِ کائنات اس کا متحمل ہو سکتا ہے۔ علم کے مختلف شعبوں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کائنات کا نظام محض طاقت (Energy) پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر کائنات حکمت سے خالی ہوتی تو یہی انرجی تصادم اور انتشار کا شکار ہو کر ختم ہو جاتی۔ کائنات عالمِ وجود میں اسی لئے آئی اور وہ اسی لئے برقرار ہے کہ وہ ایک نہایت بسیط اور مکمل قانون کی تابع ہے جو حکمت پر مبنی ہے۔ اسی لئے سارا علم اصول و قوانین و کلیات ہی کا علم ہے علم محض قوانائی کے اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ اُن اُصول و ضوابط کا نام ہے جن کے ماتحت توانائی کام کرتی ہے۔

اسی طرح الٰہیات کے میدان میں محض اللہ کے قادر بلکہ قادرِ مطلق ہونے کا تصور انسان کو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنی قدرت کا کن اُصول کے تحت استعمال کرتا ہے۔ قدرت کا حکیمانہ اور خود اختیاری کا استعمال نہ عجز ہے نہ حاکمیت کے خلاف بلکہ قدرت اور حاکمیت کی شرطِ اولیں ہے۔ اگر اللہ حکیم اور عادل نہ ہوتا تو کائنات کا نظم برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس کی قدرت اُس کے عدل کی تابع ہے جو اُس کی اصل فطرت ہے۔ اسی عدل کا اظہار قانونِ قدرت میں علم و حکمت کی شکل میں ہوتا ہے اور اسی کے سوتے سے ذہنِ انسانی میں عدل کا تصور پیدا ہوتا ہے اور آگے بڑھ کر انسانی معاشرہ میں عدل، انصاف، اُخوت و مساوات اور بقائے باہم اور امن کے اُصول متعین کرتا ہے۔

حضرت علیؑ نے جب فرمایا کہ توحید یہ ہے کہ اُس کو ناقابلِ فہم سمجھا جائے اور عدل یہ ہے کہ اُس پر بہتان نہ رکھا جائے تو اُنھوں نے پورے اسلامی الٰہیات کو بیان کر دیا۔ اُصولِ دین میں صرف توحید اور عدل ہیں اور وہ اللہ کے تمام صفات پر محیط ہیں۔ اللہ کی کنہِ ذات ناقابلِ فہم ہے اور وہ تمام اخلاقی بُرائیوں سے پاک ہے۔ خالص الٰہیات میں جس کا تعلق کنہِ ذات سے ہے دخل دینے سے انسان کو منع کیا گیا ہے اور راسخون فی العلم اُنھیں کو قرار دیا گیا جو اپنی بساط سے آگے قدم نہیں رکھتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس دائرہ میں قدم رکھا اُن کے کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ تمام مذاہبِ عالم اور تمام فلسفوں کا جائزہ لیجیے سوا تاریکی، قیاس آرائی اور خلا میں ذہنی قلابازیاں کھانے کے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہے۔

اُصولِ عدل ایک اخلاقی اُصول ہے جو پورے تصور کو انسانی، اخلاقی اور علمی حیثیت دے دیتا ہے اور جب اُس کا تعلق نفسِ انسانی اور سماج سے قائم کیا جاتا ہے تو تفسیرِ کائنات، خود شناسی اور سماجی عدل و انصاف کے لئے میدان ہموار ہو جاتا ہے۔ بے شک اسلام دینِ فطرت ہے یعنی اُصولِ عدل خود انسانی سرشت میں داخل ہے اور یہی مذہبی احساس (Religious Sense) ہے جو تمام انسانوں میں پایا جاتا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، مذہبی ہو یا لامذہبی، کمیونسٹ ہو یا لاادری۔ اس سے کوئی دامن نہیں چھڑا سکتا اس لئے کہ اُس کی جڑیں فطرتِ انسانی میں پیوست ہیں اور بغیر اس کے نہ کوئی نظامِ فکر مرتب ہو سکتا ہے نہ کوئی فلسفۂ اخلاق۔ یہی وجہ ہے کہ جب مذہب اور معاد کو نظرانداز کر کے [illegible] فلسفۂ اخلاق مدون کرنا چاہا تو اُس میں ناکامی [illegible] ہوئی اور برٹرینڈ رسل کو اپنے لاادریت [illegible] کے باوجود اس کا اعتراف کرنا پڑا۔

"Bentham, who was a free-thinker, substituted the human lawgiver in place of God. It was the business of laws and social institutions to make a harmony between public and private interests, so that each man, pursuing his own happiness, should be compelled to minister to the general happiness. But this is less satisfactory than the reconciliation of public and private interests effected by means of heaven and hell, both because lawgivers are not always wise or virtuous, and because human governments are not always wise".
(History of Western Philosophy P. 630)

بینتھم ایک آزاد خیال مفکر تھا اس نے انسانی قانون ساز کو خدا کی جگہ دے دی اس کے بعد قانون اور سماجی اداروں کا کام ہے کہ وہ انفرادی اور عوامی مفادات میں ہم آہنگی پیدا کریں تاکہ ہر فرد اپنی مسرت کی جستجو کرتے ہوئے پورے معاشرہ کی مسرت میں اضافہ کرنے پر مجبور ہو جائے لیکن یہ صورت اتنی موثر نہیں جتنی انفرادی اور اجتماعی مفادات کی وہ ہم آہنگی جو جنت اور دوزخ کے تصور سے پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ قانون ساز ہمیشہ عقلمند اور نیک ہوتے نہیں اور انسانی حکومتیں ہمیشہ عقلمند ہوتی ہیں"

سیاسی احساس جو زندگی کا مثبت، تعمیری اور صالح پہلو کا ترجمان ہے "انسانی اقدار" کا سرچشمہ ہے جو حقانیت کا معیار معین کرتا ہے اور زندگی کا ایک نظام تشکیل دیتا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا اللہ کی صفات اس کے عین ذات ہیں۔ صفات عین ذات ہیں تو ان کا الگ الگ وجود نہیں ہے جب وہ ایک ہی حقیقت کے الگ الگ پہلو ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہو سکتے ہیں نہ ایک دوسرے سے متصادم ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ جب وہ ایک ہی حقیقت کے الگ الگ پہلو ہیں تو ان میں کوئی ایک صفت پوری ذات الٰہی کا تصور نہیں پیدا کر سکتی۔ ذات الٰہی کی بنیادی صفت عدل ہے تو اس کی کنہ ذات کی اصل خصوصیت توحید ہی کا قابل فہم رخ ہے۔ اگر اللہ کے عدل کو تصور کرنا ہو تو ضروری ہوگا کہ اس کے تمام صفات کو عدل کا اس طرح جزو بنا دیا جائے کہ وہ عدل میں ضم ہو کر الگ اپنی انفرادیت کو کھو دیں۔ اللہ مرید یعنی صاحب ارادہ ہے اس لئے کہ بغیر ارادہ کے عدل ممکن نہیں اللہ صاحب قدرت ہے اس لئے کہ بغیر قدرت کے نظام عدل کا جاری کرنا ممکن نہیں اللہ مالک اور ملک ہے یعنی حاکم حقیقی

ہے اس لئے کہ عدل حاکم ہی سے مخصوص ہے اور حکومت
کا حق صرف اللہ ہی کو ہے۔ اسلام نے لا امر الا اللہ
کہہ کر حکومت جبر کی بنیادیں اُکھاڑ دیں اور خود ساختہ
"اولی الامر" اور نام نہاد "ظلِ الٰہی" اور Divine
rights of rule کے دعویداروں کے دعوؤں کو
باطل قرار دے دیا۔ قانون سازی اور حکومت کا حق نہ
ایک انسان کو ہے نہ کچھ لوگوں کو نہ تمام لوگوں کو ہے۔
اُس کا حق صرف اللہ کو ہے جو عادل ہے۔ حکومت کا تقاضا
عدل ہی پر مبنی ہونا چاہئیے اور حاکم بھی عادل ہو سکتا ہے
جو اللہ کا سب سے اطاعت گزار بندہ ہو اور حکومت کرنے
میں اپنے نفس کو دخل نہ دے اور بندگانِ خدا کے حقوق
کا اُسی طرح محافظ بن جائے جس طرح اللہ کی رحمت اُن کی
نگران ہے۔ موجودہ دور میں سب سے زیادہ ترقی پسند افکار
میں جو حکومت کے نظام کو درست سمجھتے ہیں وہ ریاست کے وجود
ہی کو ختم کر دینا چاہتے ہیں لیکن نہ نہیں جانتے کہ اس مقصد
کو کس طرح حاصل کیا جائے۔ اسلام نے نوعِ انسانی کو جس
نظامِ حیات کی تعلیم دی اُسے بروئے کار لایا جائے تو
انسان حکومت اور قانون سازی کی محکومی اور غلامی سے
ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات پا سکتا ہے۔ اللہ عالم علام الغیوب
اور مالک ہے اس لئے کہ بغیر علم اور ادراک کے عدل ممکن
نہیں ہے۔ اللہ تواب (توبہ قبول کرنے والا) ہے، اس
لئے کہ اللہ کی عظمت کے لحاظ سے رحم خصوصی عدل ہی ہے
اللہ حکیم ہے اس لئے کہ عدل بغیر حکمت کے ممکن نہیں ہے
عدل کے اصول ہمیشہ عقلی ہوں گے اور یہ اُن کی مطابقت
قانونِ فطرت کے ساتھ ہو گی۔ جب تمام صفاتِ الٰہی
ذاتِ الٰہی میں جذب ہو جائیں گے تب توحید پیدا ہو گی
اور اس توحید کی سب سے اہم خصوصیت عدل ہو گی۔ جس
سے خدا کی لاقابلِ فہم ہستی تک جو انسانی کے پہنچنے کی راہ
پیدا ہو گی۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی کامل معرفت نہ ہو گی لیکن

یہ معرفت بجائے خود کامل ہو گی اس لئے کہ ہمیں عدل کی کامل
معرفت حاصل ہو جائے گی حقیقی معرفت کی ہمیں ضرورت
ہے اور ہمیں خدا کی صرف اُتنی ہی معرفت کی ضرورت ہے
جو خود شناسی، کائنات فہمی اور مسائلِ حیات کو حل
کرنے کے لئے کافی ہو۔

کمیونسٹ مفکرین اسلام کی حقیقی تعلیمات سے نابلد تھے
اس لئے مذہب کے خلاف اُن کی بغاوت کا اثر اسلام پر
بالکل نہیں پڑا۔ انہوں نے مافوق الفطرت طاقتوں کی
پرستش اور دور از کار مابعد الطبیعیاتی اور عینی فلسفوں
کے خلاف بغاوت کا جو علم بلند کیا اور اُن کو "افیون" سے
تعبیر کیا اس کا تعلق باطل مذاہب سے ہے اور ان باطل
فلسفوں اور مذاہب کی حقیقی پرطاقت رد حضرت علیؑ کے
یہاں موجود ہے۔ آج سارے کمیونزم کے لٹریچر اور پوری دنیا
کے سارے فلسفوں میں بھی نہ ملے گی۔ حضرت علیؑ حقیقی معنوں
میں بُت شکن تھے۔ اُنھوں نے ذہنِ انسانی کے اُس بُت کدہ کو
مسمار کر دیا جس میں بُتوں کی پرستش کی آڑ میں انسان اپنے
نفس کی پرستش کرتا تھا اور انسانی زندگی کو ایک خیالی محور کے
گرد اور بامعنی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی۔ کمیونسٹ مفکرین
نے باطل روحانیت کے جال سے گھبرا کر خالص مادیت کے
دامن میں پناہ لی۔ بغاوت کے جذبہ کی شدت میں انتہا پسند
تعصب انگیز نہیں ہے لیکن اس سے سب سے بڑا نقصان
جو کمیونسٹ تحریک کو پہنچا اور وہ نقصان یہ تھا کہ مذہب
کی غیر مشروط اور مطلق مخالفت نے مارکسی فلسفہ کا تعلق
انہی کے روایات سے بالکل منقطع کر دیا۔ بغاوت بار آور
اُسی وقت ہوتی ہے جب اُس کی جڑیں روایت ہی میں
پیوست ہوں، سائنٹیفک اندازِ فکر باطل تصورات کو
یکقلم مسترد نہیں کرتا بلکہ اُن کا تجزیہ کر کے اُس میں سے
اُس جزو کو نکال لیتا ہے جس کی حیثیت ہمہ گیر ہوتی ہے
اُن کو نقد میں عملی اُسے سبق سیکھنا چاہئیے جو ہمیں

[illegible] باطل کا سینہ چاک کرکے اُس کے اندر سے [illegible] باطل مذاہب اور عیسیٰ فلسفوں کا سینہ [illegible] چاک کردیا جائے تو شرک، وحدت الوجود، [illegible] اور انسان کی نفسانیت کے تراشے ہوئے سارے بت جو اُس کے حواسِ خمسہ، قوتِ واہمہ، جذبات اور عقل نے تیار کئے ہیں سب مسمار ہو جائیں گے بس ایک ذاتِ واحد بچ جائے گی اور اُس کی توحید اور اُس کے عملی کا تصور رہ جائے گا۔ وہ خدا کو ڈھونڈے گا اور خود اپنے آپ کو پائے گا اور خود اپنے آپ کو تلاش کرے گا تو خدا کو پالے گا۔ یہ خداشناسی جو خود شناسی کا پرستی ہوتی ہے اور جس کی علیؑ نے تعلیم دی ہے کوئی بُت نہیں ہے جسے مارکس کے فلسفہ سے خطرہ ہو۔ یہ تو وہی انسانی اقدار، انسانیت اور نظامِ عدل واخوت ومساوات کی اساس ہے جن کو کمیونسٹ اپنا مذہب بتاتے ہیں۔

علیؑ نے ہمیں خدا کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ بتادیا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ تصوف کا مذاق رکھنے والوں نے نفس کو رُوح سے تعبیر کیا اور رُوح کو پہچاننے پر خدا کی معرفت کو منحصر قرار دیا۔ لیکن روح کی معرفت آج تک کسی کو حاصل نہ ہو سکی اور جب رسولؐ سے پوچھا گیا کہ رُوح کیا شے ہے تو آپ نے فرمایا "امرِ ربی" ہے یعنی اللہ کا حکم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس کو پہچاننے کے وہی معنی ہیں جو موجودہ علوم میں Self consciousness یا "خود شعوری" کے ہیں۔ انسان کا نفس محض روح نہیں ہے بلکہ جسم بھی ہے اور جسم ہی حصولِ علم کا ذریعہ ہے معرفتِ نفس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت کو سمجھے اور اُس سے واقفیت حاصل کرے۔ اس طرح نفس شناسی اپنے تمام ذہنی وجسمانی قوٰی اور اُن کے وظائف اور حدودِ عمل کے علم سے عبارت ہے [illegible] ہے اور جس کے علم کے بغیر وہ اپنے نفس کی طاقتوں سے واقف ہوسکتا ہے اور نہ اُن سے کام لے سکتا ہے۔ انسان ایک باشعور خودکار مشین کی طرح ہے۔ جب تک اُسے خود اپنے نفس کا علم حاصل نہ ہوگا وہ اُس کا غلام رہے گا۔ نظریۂ علم (Theory of knowledge) تمام علوم کا جوہر ہے اور وہ انسان کے ذہن ہی کا علم ہے بغیر اس کے نہ وہ شعور وارادہ سے بامعنی اور بامقصد ذہنی عمل کے قوانین معین کرسکے گا اور نہ اپنے قوائے جسمانی سے صالح اعمالِ حیات بجالاسکے گا۔ اس کی حالت ایک ایسے ڈرائیور کی ایسی ہوگی جو نہ موٹر کے انجن سے واقف ہو نہ اُسے چلانا جانتا ہو، نہ روکنا۔ جہاں چلانا چاہیئے وہاں وہ روک دے گا، جہاں بریک لگانا چاہیئے وہاں وہ اُس کی رفتار کو تیز کرے گا۔ نتیجہ ظاہر ہے کار کی بھی تباہی اور ڈرائیور کی بھی ہلاکت۔ جو انسان اپنے جذبات کا غلام ہے اور اُن کو کنٹرول نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بھی اخلاقی پستیوں کے گڑھے میں گرجائے گا اور ہلاک ہوجائے گا۔

اللہ نے انسان کو وجدان (Intuition) دیا عقل (Reason) دی، قوتِ متخیلہ (Imagination) عطا کی، حواس (Senses) دیئے اور جذبات (Emotions) دیئے۔ ان میں سے ہر طاقت کا ایک مقام ہے اور ہر ایک کا ایک وظیفہ اور مفید مقصد ہے۔ حواس علم کا دروازہ ہیں، قوتِ متخیلہ تخلیقی طاقت ہے۔ عقل (Analysis) تجزیہ اور ترکیب (Synthesis) کے ذریعہ علم حاصل کرتی ہے اور وجدان اُن حقائق تک فہمِ انسانی کو پہنچاتا ہے جہاں عقل اُس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور جذبات زندگی کی توانائی کا کام کرتے ہیں اور تحفظِ نفس کے لئے انسان کو متحرک رکھتے ہیں

یہی نفسِ انسانی خیر و شر، علم وجہل اور حق و باطل وغیرہ کا سرچشمہ ہے۔ سارے فلسفے اور سارے مذاہب اسی نفس اور

کائنات کے ربط سے پیدا ہوتے ہیں۔ باطل فلسفوں کا تجزیہ کیا جائے تو اُس میں انسان کی نفسانیت، اُس کے جہل، اُس کے ذہنی تعصبات اور اُس کی تنگ نظری کا سُراغ مل جائے گا۔ حق مذہب کو دیکھا جائے تو اُس میں بھی انسان کی عقل، اُس کے تقوی، اُس کی محبت، اُس کے رحم، اُس کے ایثار، اُس کے علم اور حلم اور اُس کی رعایت اور حوصلہ مندی کے جواہر مل جائیں گے۔ اسلامی تعلیمات کا جب اس طرح تجزیہ کیا جاتا ہے تو بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ اس کی آفاقی اور نفسیاتی تشریح گویا یہ ظاہر کرتی ہے کہ اسلام الہامی مذہب نہیں ہے بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہے۔ یہ عجیب و غریب طرزِ فکر ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ الہامی مذہب وہی ہو سکتا ہے جس کا نہ انسانی فطرت سے کوئی تعلق ہو اور نہ وہ انسان کے لئے قابلِ فہم ہو۔ انسان کا بنایا ہوا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ انسان خود اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ پھر انسان کے بنانے سے الہام کا پہلو معدوم نہیں ہو جاتا اس لئے کہ وجدان کے ذریعہ اُس کا رشتہ اللہ سے قائم رہتا ہے۔ کائنات کی حکمت پر غور کر کے بھی اگر انسان علم و معرفت حاصل کرے اور دین کی تدوین کرے اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ چونکہ وہ انسان کا بنایا ہوا ہے اس لئے حق مذہب نہیں ہے اس لئے کہ قانونِ فطرت انسان وضع نہیں کرتا، دریافت کرتا ہے۔ پھر وہ قواعد جن سے علم کے اُصول مدون کرتے ہیں وہ بھی قوانین کے تابع ہیں۔ اگر وہ [illegible] انہی قوانین سے صحیح کام لیتا ہے تو صحیح نتائج اخذ کرے گا۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قیاس پر انسان کو مکمل اعتماد نہیں ہوتا اسی لئے نبوت اور امامت پر ایمان کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ اگر اپنی کم فہمی کی بنا پر اُن کے جانے ہوئے تعلیمات کے تمام مقدمات پوری طور پر سمجھ میں نہ بھی آئیں تو یقین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

سارے باطل فلسفے اور باطل مذاہب محدود و ناقص اور باطل اس لئے ہیں کہ ان میں انسان نے محض ایک ذہنی طاقت کو کافی قرار دے دیا اور دوسری طاقتوں کو گمراہ کن قرار دے دیا۔ وجدان کا تعلق اُن ماورائی اسرار سے ہے جہاں تک طبیعیات Physical Sciences اور فکر (Reason) کی رسائی نہیں ہے۔ یہ عقائد کی منزل ہے۔ توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت عقائد ہیں۔ یہ نہ حواسِ خمسہ کی گرفت میں آتے ہیں نہ قوتِ متخیلہ کی۔ انسان کا وجدان الہامی لمحات میں صرف اُن کی ایک جھلک دیکھ سکتا ہے اُس کا وجود ایک لمحے کے لئے اُسی طرح روشن ہو جاتا ہے جیسے کوندے کی لپک آسمان کو روشن کر دیتی ہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ نے عقائد کا علم حاصل کرنے کے بجائے "یقین" کرنے پر زور دیا۔ توحید اور عدل کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبوت پر ایمان اس لئے ضروری ہے کہ نبی احکامِ خداوندی کے پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ نبوت اللہ کی حاکمیت میں حائل نہیں ہے بلکہ اُس کا وسیلہ ہے۔ امامت پر ایمان اس لئے ضروری ہے کہ احکامِ الٰہی اپنی اصل شکل میں باقی برقرار رہیں اور رسول کی تعلیمات مسخ نہ ہونے پائیں اس طرح امامت اور نبوت بھی عقیدۂ توحید ہی کا ایک لازمی جزو بن جاتے ہیں۔ عقیدۂ معاد اللہ کے عدل کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس طرح اصولِ دین عدل ہی کے محور پر گھومتے ہیں۔

عقائد عدل کو لافانی قدر اور ظلم کو دنیا اور آخرت دونوں میں قابلِ سزا قرار دیتے ہیں۔ وہ انسان کی مادی زندگی اور روحانی زندگی کا فرق مٹا دیتے ہیں جملہ حکمت اور عدل انسانی روح کے مظاہر ہیں جو اُسے موجوداتِ عالم سے ممتاز بناتے ہیں۔ روحانیت کو ذہنی تعمیرات کی [illegible] کہر آلود فضا اور عقل کے تقاضوں [illegible]

[illegible] ہیں جو نہ ذہن کی گرفت میں آسکے [illegible] زندگی سے کوئی تعلق ہو۔ یہ خاصیت اس [illegible] میں گوشت و پوست کے بنے ہوئے مادی [illegible] مادی اعمال اور مادی دنیا ہی کا ایک لطیف [illegible] جو کہ نیت، خلوص، ایمان، یقین، علم، تدبر، ضبط نفس اور اصول عدل اور ایثار پر عمل پیرا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ آخرت [illegible] کی کھیتی ہے۔ عقیدہ معاد [illegible] انسانی اقدار کی ایک سمت ہے جو نفس انسانی، سماجی زندگی اور اخلاق کو مربوط کر کے دنیا و آخرت [illegible] دنیوی زندگی کو مشیت ایزدی سے منسلک کر دیتا ہے۔ اگر عقائد کو ہٹا دیا جائے تو اسلام انسانی اقدار کا ایک [illegible] مجموعہ رہ جائے گا جس کی افادیت، قدر و قیمت اور اہمیت کی پوری دنیا قائل ہے۔ اسلام حصول آخرت کے لیے انسان پر الگ کوئی نظام عمل مسلط نہیں کرتا [illegible] فساد، تفریق، جنگ، ظلم، مفلسی، بیماری، جہالت اور تعصب ختم کر دینے اور ایک باشعور اور [illegible] بسر کرنے ہی پر نجات اُخروی کا انحصار ہے۔

مسلمانوں کے گمراہ فرقوں [illegible] ہی کو اہمیت دے دی اور عقل کے [illegible] باطل اور گمراہ کن تصورات اور باطنی مذاہب [illegible] آگئے۔ لیکن اسلام نے عقائد پر یقین رکھنے کی [illegible] ساتھ انسان کو عقل و شعور کے دروازے کھلے رکھنے کی ہدایت کی۔ اُسے کائنات پر غور و فکر کی ترغیب دی اور حکمت کائنات پر غور کرنے کو عبادت سے افضل [illegible] یہاں تک کہ وجود الٰہی [illegible] اقرار کے لیے بھی [illegible] نہیں ٹھہرایا بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ عقلی دلائل سے [illegible] کی معرفت پیدا کرو۔ اسی کے ساتھ یہ تعلیم [illegible] اشیاء عقلی ہے انسانی شعور کے ارتقاء [illegible] گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عقائد انسانی فہم کی دسترس سے باہر ہیں لیکن ان عقائد کا انسانی ذہن، انسانی اخلاق اور انفرادی و معاشرتی [illegible] پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ یقیناً قابل فہم ہے۔ اگر ان عقائد کا انسان پر صالح اثر مرتب ہوتا ہے، اگر ان سے انسانی اقدار کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور اگر ان سے انسانی مسائل کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے تو اس سے ان عقائد کی حقانیت ثابت [illegible] ہوتی ہے۔

اسلام کی تعلیم [illegible] ہے کہ وجدان اور عقل ہی [illegible] انسانی [illegible] کا اہم [illegible] مقام ہے جذبات [illegible] اسلام کی تعلیم [illegible] اسلام [illegible] تزکیہ نفس [illegible] کا حکم دیتا ہے [illegible] اور جذبات [illegible] کا حکم نہیں دیتا [illegible] کی تعلیم دیتا ہے [illegible] کا اعلان [illegible] حکیمانہ [illegible] انسان کے لیے ایک حیات [illegible] [illegible] قدرتی [illegible] علم میں [illegible] نظام جسمانی پر محیط ہیں۔ پھر ذہن سے کام لیا [illegible] کلیات کا علم تجربہ [illegible] تحلیل اور [illegible] ذہن انسانی [illegible] کائنات کو ایک [illegible] میں [illegible] ہم آہنگی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی سے ایمان، ایقان اور اطمینان نفس حاصل ہوتے ہیں اور اسی سے صبر، قوت برداشت، عزم، استقلال اور استقامت کے جوہر پیدا ہوتے ہیں۔ اسی

سے جذبات کی توانائی تعمیری جد و جہد کی طرف منتقل ہوتی ہے اور نظامِ ظلم کو مٹانے اور نظامِ عدل کے قیام کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح معرفتِ نفس معرفتِ الٰہی میں بدل جاتی ہے۔

۴۔ جمالِ الٰہی میں جمالِ بوترابی کی جھلک

علیؑ کی الٰہیات کا اگر غائر نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو اُس میں جمالِ الٰہی کے ساتھ جمالِ بوترابی کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔ علیؑ کے نفس کے شفاف آئینے میں جیسی عدلِ الٰہی کی صاف جھلک نظر آتی ہے ویسی کہیں نظر نہیں آتی اس لئے کہ اُنھوں نے خود شناسی کو خداشناسی کا ذریعہ بنایا ہے۔ علیؑ کی امتیازی صفت عدل ہے جو اُن کے علم، اُن کی شجاعت، اُن کے حلم، اُن کے عفو، اُن کے زہد اور اُن کے جود و کرم میں جھلکتا ہے۔ انسانی اُمور میں صفات کا جیسا امتزاج علیؑ کے یہاں نظر آتا ہے، اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ مغربی مفکرین کو حیرت ہے کہ علیؑ کا ایسا عالم، زاہد اور عبادت گزار، فنونِ حرب، شجاعت اور جرأت و ہمت میں بھی یکتائے روزگار تھا۔ ان دونوں بظاہر متضاد صفات کے ایک شخص میں جمع ہونے کی مثال پوری تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی۔ تعجب کی کوئی بات نہیں جیسی اللہ کی معرفت علیؑ کو حاصل تھی اس کی مثال پیش کرنے سے بھی تو دنیا قاصر ہے۔ اخلاقِ انسانی کا سرچشمہ عدلِ الٰہی سے ہی پھوٹتا ہے۔ بندہ ہو تو علیؑ کا ایسا کہ اللہ کے صفاتِ جمالی کے ساتھ اُس کے صفاتِ جلالی کو اور اُس کے علم و حلم اور عفو و کرم کے ساتھ اُس کی ہیبت و جبروت کو بھی اس طرح جذب کرے کہ نہ زہد کے میدان میں کوئی اُس کا ہمسر رہے نہ شجاعت کے میدان میں کوئی اُس کا مدِ مقابل رہے، علم ایسا کہ باب مدینۃ العلم قرار دیا جائے، زہد ایسا کہ ابوتراب کا لقب مل جائے، [illegible] بن جائے اور کُلِّ ایمان کہہ کر پکارا جائے اور شجاعت کہ اسد اللہ لقب ہو جائے اور لافتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار کہہ کر اس کی اور اُس کی تلوار کی مدح کی جائے۔

یہ علیؑ ہیں جنھوں نے اپنے نفس کو معرفتِ الٰہی کا وسیلہ قرار دیا اور عدلِ الٰہی کے سانچے میں اس طرح ڈھل گئے کہ روئے زمین پر خلیفۃ اللہ، ولی اللہ اور نفس اللہ بن گئے۔

اور اُن کا ذکر عبادت ٹھہرا

اور اُن کے چہرہ پر نظر ڈالنا عبادت قرار پائی۔ اس میں نہ کوئی غلو ہے۔ نہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے نہ اُن کا تعلق تخیل سے ہے یہ وہ انسانی حقیقت ہے جو تاریخ میں محفوظ ہے جو علیؑ کی ریاضت، علیؑ کی محنت، علیؑ کی سادگی، علیؑ کی شجاعت، علیؑ کے حلم غرض کہ علیؑ کے پورے کردار اور اُن کی پوری شخصیت سے اُبھر کر سامنے آجاتی ہے اور جس کا انکار نہ مؤرخ کر سکتا ہے نہ منافق کر سکتا ہے نہ لامذہب کر سکتا ہے، نہ کسی دوسرے مذہب کا پیرو کر سکتا ہے اور نہ کمیونسٹ کر سکتا ہے۔ اپنی آنکھیں پھوڑی جا سکتی ہیں لیکن سورج کے جمال و جلال پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ اُسے چھپایا جا سکتا ہے۔

اللہ کا یہ تصور جس کی علیؑ نے تعلیم دی انسان کی نفسیاتی زندگی میں ایک زندہ حقیقت بن کر ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ اللہ پر یقین خود اپنی بہتر فطرت خود انسانی عدل کے یقین میں بدل جاتا ہے، اللہ پر بھروسہ خود اعتمادی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ زمان و مکان کی چہار دیواری میں اسیر اور زندگی کی محدودیت میں جکڑا ہوا انسان ایک مافوق الفطرت طاقت کی پشت پناہی کے احساس سے خود مافوق الفطرت طاقتوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ علیؑ

[illegible] در کو اکھاڑ کر اُسے ڈھال کی [illegible] اُن کا محض ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ سُورج [illegible] بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے علیؑ کا سب سے بڑا معجزہ خود اُن کا کردار ہے۔ ساری دنیا کی طاغوتی طاقتوں کے ساتھ صف آرائی اور بغیر اُن کے ساتھ مفاہمت کئے ہوئے زندگی کے ہر ہر موڑ پر اُن کا مقابلہ اور اصولِ عدل سے ذرّہ برابر تجاوز نہ کرنا انسانی کردار کا ایک اتنا بڑا معجزہ ہے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو علیؑ کا ایسا کردار اسی طرح ناقابلِ تصور اور ناقابلِ فہم ہوتا جس طرح خود ذاتِ احدیت ہے۔ یہ کردار ایسا ہے جو عدلِ الٰہی کا معیار بن گیا۔ خودیت مشیتِ الٰہی کی اس طرح تابع ہو گئی کہ وہ خود مشیتِ الٰہی میں بدل گئی اور عبد معبود کے عدل کا پرتو اور اس کی معرفت کا ذریعہ بن گیا۔ علی کا مرتبہ اتنا بلند ہوا کہ وہ حقیقی معنوں میں علی ہو گئے ـــ اسم با مسمّٰی! اگر یہ علو ہوتا تو یا حضرت رسالت مآبؐ اُن کا نام علی نہ رکھتے یا قرآن میں اللہ کا ایک نام "علی" نہ ہوتا۔

(۵) "دینِ فطرت" اور "دینِ ملوکیت"

یہ علیؑ ہیں، شریعتِ اسلام کے محافظ، اسلام کے امین، اولی الامر، امیر المومنینؑ! جن کی وصایت کا اعلان کرتے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا: من کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ "جس کا میں مولا ہوں اُس کے یہ علیؑ مولا ہیں۔ اور انھیں کے متعلق یہ بحث کی جاتی ہے کہ وہ افضل تھے یا زید، عمر اور بکر افضل تھے۔ افضلیت کا سوال تو اُن چیزوں میں ہوتا ہے جو اپنی فطرت کے لحاظ سے ایک جنس کی ہوں۔ دو پیڑوں میں تو یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں قیمتی کون سا ہے لیکن یہ سوال کوئی معنی نہیں رکھتا کہ پتھر افضل ہے یا ہیرا، سونا افضل ہے یا پیتل، تریاق افضل ہے یا زہر، خیر افضل ہے یا شر، مومن افضل ہے یا منافق، مُسلم افضل ہے یا کافر، انسان افضل ہے یا حیوان۔ پہلے تفضیلت کا معیار مقرر ہونا چاہیے تب افضلیت کا معیار مقرر ہوگا۔ انسان کو ناپنے کا پیمانہ نہ عمر ہے نہ قد، نہ داڑھی کی لمبائی ہے بلکہ اُس کا ایمان، اُس کے اصول، زندگی اور اُس کا کردار ہے۔

سوال افضلیت اور مفضولیت کا نہیں ہے اس لئے کہ یہ بحث ختم ہو چکی۔ افضلیت کا سوال حصولِ خلافت کے موقع پر بامعنی ہو سکتا ہے۔ اگر قہر و غلبہ کو معیارِ حقانیت مان لیا جائے تو ظاہر ہے کہ جو سب سے پہلے اقتدار سنبھال لے وہ سب سے افضل ہے اور جو بعد میں سنبھالے وہ اُس سے کم افضل اور امام ابوحنیفہ نے اس کی تصدیق بھی کر دی یہ کہہ کر کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں علیؑ سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں لیکن چونکہ خلافت کی ترتیب میں وہ چوتھے نمبر پر آتے ہیں اس لئے افضلیت کے درجے بھی اُسی ترتیب سے قائم کر دیئے جانے چاہئیں اور جب امام ابوحنیفہ نے حضرت علیؑ کی افضلیت کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد بھی خلفائے ثلاثہ کی افضلیت اور علیؑ کی مفضولیت کا فیصلہ کر دیا تو یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ افضلیت کی بنا پر خلفاء کا انتخاب عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے افضلیت کے مراتب بعد میں قائم کئے گئے۔ میرے خیال میں امام ابوحنیفہ کے اس فیصلے سے دونوں فریقوں کو مطمئن ہو جانا چاہیے۔ پھر جمہور مسلمین کو حضرت علیؑ کی افضلیت پر معترض ہونے کا اُصولی طور پر اس لئے بھی حق نہیں ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دو فریقوں میں کسی امر پر نزاع ہو تو دونوں حق پر ہو سکتے ہیں۔

سوال اصل میں اسلام اور اُصولِ اسلام کا ہے۔ اب نہ خلافت ہے نہ علیؑ ہیں اور نہ خلفائے ثلاثہ ہیں اس

لئے افضلیت کے مسئلہ پر بحث کرنا عبث ہے۔ افضلیت کا سوال برمحل اُس وقت ہوتا جب علیؑ اور خلفائے ثلاثہ کے کردار اور نظریات میں کوئی فرق نہ ہوتا اور نہ حضرات اہلسنت اور شیعوں کے نظریات میں اختلاف ہوتا۔ اگر عقائد و نظریات یکساں ہوتے تو افضلیت کے مسئلہ کی کوئی اہمیت نہ ہوتی اس لئے کہ اختلاف کی بناء پر کسی فریق کی گمراہی کا احتمال نہ ہوتا۔ اختلافِ عقائد و اختلافِ نظریات نے افضلیت کے سوال ہی کو بے معنی بنا دیا ہے۔ اب تو سوال یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی تعلیمات کیا تھے؟ اُن کی تعلیم کس نے دی؟ اُن کا تحفظ کس نے کیا؟ اور اُن کے تحفظ کے لئے قربانیاں کس نے دیں؟ رسولؐ کے بعد واجب الاطاعت کون ہے اور کس کی پیروی ہمیں صراطِ مستقیم پر برقرار رکھ سکتی ہے؟

صحابہ میں کوئی اختلاف نہ تھا اور نہ وہ آپس میں شیر و شکر تھے، ہمیں اس دعوے کو تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہوتا اس لئے کہ اختلاف مذموم شے ہے اور اتحاد بین المسلمین کو ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ نوعِ انسانی کے اتحاد کے لئے سنگِ اساس کا کام دیتا ہے لیکن یہ بتا دیا جائے کہ پھر اختلاف آیا کہاں سے اور کس نے اُس کو پیدا کیا ہے؟ اور اختلاف بھی کیسا کہ عقائد میں اختلاف، عبادات میں اختلاف، فقہ میں اختلاف، تاریخ میں اختلاف، حدیث میں اختلاف، تفسیر قرآن میں اختلاف، تصورِ الٰہ میں اختلاف، تصورِ کائنات میں اختلاف، تصورِ انسان میں اختلاف اور نظریۂ حکومت میں اختلاف!

وہ علیؑ جن کو مفضول قرار دیا جاتا ہے مفضول ہی سہی لیکن ان پر یہ الزام تو نہیں عائد کیا جا سکتا کہ انہوں نے دین میں اختلاف پیدا کیا۔ اگر جمہور مسلمین علیؑ کو موردِ الزام قرار دیں تو خود اُن کی خلافتِ راشدہ کا ایک ستون گرا جاتا ہے اور اگر ایک خلیفۂ راشد موردِ الزام قرار دیا جا سکتا ہے تو دوسرے کب الزام سے بری قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ علیؑ افضل ہوں یا مفضول لیکن پاجماعِ اُمت مسلمانوں میں تفریق اور اسلامی تعلیمات میں ردّ و بدل کے الزام سے بری الذمہ ہیں۔ اب رہ گئے حضرات خلفائے ثلاثہ، اُن کی علیؑ پر افضلیت کا سوال اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب اُن پر سے تعلیماتِ قرآن اور اصولِ اسلامی کی تبدیلی کے الزام کو دُور کر دیا جائے اور یہ بتا دیا جائے کہ اگر اسلام کے اُصول کی تبدیلی کے ذمہ دار وہ بھی نہیں ہیں اور علیؑ بھی نہیں ہیں تو پھر اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور اگر کوئی ذمہ دار نہیں ہے تو پھر اسلام سیکڑوں فرقوں میں کیسے بٹ گیا۔ اگر اس کے ذمہ دار شیعہ ہیں جو بقول حضراتِ اہلسنّت ابن سبا یہودی کے گمراہ کرنے پر بہک گئے تو پھر سنیوں میں اختلاف کیوں ہے اور خود حضراتِ اہلسنت سیکڑوں فرقوں میں کیوں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسلام کے حقیقی تعلیمات صرف شیعوں ہی کی ملکیت نہیں ہیں۔ اُن پر تمام مسلمانوں کا حق ہے اس لئے کہ انھیں پیغمبرِ اسلامؐ نے تمام مسلمانوں کی ہدایت کے لئے تعلیم دیا تھا۔ پھر وہ اُصول صرف مسلمانوں کی بھی ملکیت نہیں ہیں بلکہ اُن پر تمام عالمِ انسانیت کا حق ہے۔ اُن کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں سے ہے۔ وہ ایک ایسا اثاثہ ہیں جن پر تمام دنیا کا حق ہے اُسی طرح جس طرح تمام علوم و فنون تمام قوموں کی ملکیت ہیں۔ تعجب ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کی ذرا بھی فکر نہیں کہ وہ پتہ لگائیں کہ وہ کون سے تعلیمات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے اخلاقی، روحانی اور سماجی مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔

جمہور مسلمین کو مسئلۂ خلافت کو اہمیت دینے کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ خلافت اُن کے اصولِ مذہب میں داخل ہی نہیں ہے۔ وہ صرف توحید، نبوت اور معاد کے

[illegible] رسول دین میں شامل ہی نہیں ہے اور جب خلافت اصول دین میں شامل نہیں ہے تو خلفائے ثلاثہ کی خلافت بھی جز و ایمان نہیں بن سکتی۔ پھر اُن کے نقطۂ نظر سے خلافت کا توحید اور نبوت سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کہ حضرات ثلاثہ کو اللہ نے رسول کا جانشین بنایا نہ رسول نے اُن کو اپنا وصی مقرر کیا نیز مسلمانوں کی ہدایت کے لیئے بقول حضرت عمر رسول کی بھی ہدایت کی ضرورت نہیں محض قرآن ہی کافی ہے۔ جب مسلمانوں کو رسول کی وصیت کی بھی ضرورت نہیں ہے محض قرآن کافی ہے تو ظاہر ہے کہ رسول کے اصحاب یا اُن کے خلفاء کی ہدایت اُمت کے لئے کیونکر ضروری ہو سکتی ہے۔

سوال علیؑ یا خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا نہیں ہے۔ یہ بھی مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے کہ جمہور ہمیں ہمارے مسلک کو قبول کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم حق سے ہٹے ہوئے ہیں تو بڑے بھائی کی حیثیت سے وہ ہماری رہنمائی کریں ہمیں اس کا لحاظ رکھیں کہ دنیا میں صرف شیعہ اور سُنّی ہی نہیں ہیں، دوسری قومیں بھی ہیں۔ صرف اسلام ہی ایک مذہب نہیں ہے، دوسرے مذاہب بھی ہیں۔ صرف دینیات ہی کی کتابیں نہیں ہیں، فلسفہ، منطق اور سائنس کی کتب بھی ہیں اگر وہ سچّے مذہب کے پیرو ہیں تو اُن کو اپنی بات ایسے انداز سے کہنا ہو گی کہ اُسے ہر انسان عام طور پر قبول کر سکے۔

وہ ہمیں بتائیں کہ حاکم حقیقی کون ہے، اللہ اور رسول میں کیا رشتہ ہے، رسول اور خلفائے ثلاثہ اور خلفائے ثلاثہ اور علیؑ میں کیا نسبت ہے۔ قرآن کا درجہ کیا ہے، رسول کا مرتبہ کیا ہے۔ خلفائے راشدین کا مقام کیا ہے۔ اگر قرآن کافی اور لا امر الا اللہ صحیح ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کو اپنی طرف سے حکم دینے کا حق حاصل ہے؟ اگر رسول کو یہ حق حاصل نہیں ہے تو پھر اُس کے خلیفہ کو احکام الٰہی میں تبدیلی کا کیا حق ہے اور اگر حق ہے تو پھر خلیفہ، رسول، رسول اور اللہ کے حکم کی تعمیل بیک وقت کیونکر ممکن ہو گی۔ جب احکام میں تصادم اور اختلاف ہو جائے تو عقیدۂ توحید کو ماننے سے کیا فائدہ ہو گا۔ اللہ کہتا ہے متعہ جائز ہے رسول نے اُس کو جائز قرار دیا، حضرت ابو بکر نے اسے جائز رکھا، حضرت عمر نے فرمایا کہ وہ حرام ہے علیؑ الگ رہے سوال یہ پیدا ہو گیا کہ حضرت ابو بکر افضل تھے یا حضرت عمر اگر حضرت عمر افضل نہیں تھے اور حضرت ابو بکر افضل تھے تو حضرات اہلسنت حضرت ابو بکر کی پیروی نہیں کرتے اگر وہ حضرت عمر کی تقلید اس لئے کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابو بکر سے افضل تھے تو ترتیب خلافت [illegible] افضلیت کے مراتب میں [illegible] پیدا ہو جاتا ہے پھر سوال پیدا ہو گا کہ حضرت رسالتمآب افضل تھے یا حضرت عمر اگر حضرت رسالتمآب افضل تھے اور اُنھوں نے متعہ کو جائز قرار دیا تو [illegible] رسول کی پیروی کرتے۔ اے حضرات اہلسنت رسول کو چھوڑ کر سنت عمر کی پیروی کیوں کرتے ہیں اور اگر حضرت عمر افضل تھے تو پھر اللہ نے اُنھیں کو رسالت کے مرتبہ پر کیوں نہ فائز کیا یا وہ خود ہی رسالت کے اُسی طرح دعویدار کیوں نہ ہوئے جس طرح خلافت کے دعویدار ہو گئے تھے مسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا سوال یہ پیدا ہو گا کہ قرآن کافی ہے یا حضرت عمر کافی ہیں اگر قرآن کافی ہے تو سلم حصہ اُس میں [illegible] اور وہ نافذ ہو گا اور اگر حضرت عمر کافی ہیں تو پھر قرآن اور اللہ کی بھی ضرورت نہ باقی رہے گی۔

حضرات اہلسنت شیعوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مذہب کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں۔ وہ دیکھیں گے کہ اُن کا مذہب کس طرح احکام الٰہی کو احکام رسول کے ساتھ، حدیث کو قرآن سے، قرآن کو اہلبیت سے اور صحابی کو صحابی سے ٹکراتا ہے کس طرح اُصول دین ایک دوسرے سے متصادم

ہوتے ہیں اور کس طرح اسلام کے اجزا منتشر، نامربوط اور بے معنی بن کر مجموعۂ اضداد بن جاتے ہیں۔ اگر وہ غور کریں گے تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سارے اختلافات صرف مسئلۂ خلافت سے شروع ہوئے اور رسول نے جس اندیشہ کا اظہار کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا اور وصیت رسول کے نہ ماننے کا نتیجہ افتراق ہی کی شکل میں رونما ہو کر رہا۔ دیکھا چیز تھی جسے وہ آخری وقت میں لکھنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں میں افتراق نہ پیدا ہو اور وہ گمراہ نہ ہوں۔ وہ وہی چیز تھی جس نے اختلاف پیدا کیا اور مسلمانوں کو گمراہ کیا یعنی خلافت جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں رسول نے کوئی فیصلہ یا اعلان نہیں کیا۔

پہلے اللہ اور رسول میں فصل پیدا کیا گیا۔ پھر رسول اور اولی الامر میں فصل پیدا کیا گیا۔ جب رسول نے ہدایت کرنا چاہی تو کہا گیا کہ قرآن کافی ہے۔ وفات رسول کے بعد اگر قرآن کو کافی بنایا جاتا تو اُسے خلوص پر مبنی سمجھا جا سکتا تھا لیکن وہ رسول جس پر قرآن نازل ہوا اور جس نے قرآن کو مسلمانوں کی ہدایت کے لئے اُن کے حوالے کیا اُسی سے یہ کہنا کہ قرآن کافی ہے کوئی معنی نہیں رکھتا سوا اس کے کہ قرآن اور اللہ کا سہارا لے کر رسول کی حکم عدولی کا جواز پیدا کیا گیا۔ یہ قرآن اور رسول اور اللہ اور رسول میں فصل پیدا کرنے کی پہلی کارش تھی جس سے ذہن میں شگاف پیدا ہو گیا اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول کے قرآنی احکام متصادم ہو گئے اور اُصولِ دین اور تعلیماتِ اسلامی کی دھجیاں بکھر گئیں۔

اس کے بعد پھر اللہ اور رسول میں فصل پیدا کیا گیا اس وقت جب رسول اور سچے اولی الامر علیؑ میں فصل پیدا کر کے حضرت صدیق اکبرؓ ابوبکر مسند آرائے خلافت ہوئے اور انھوں نے خود اپنے رسول کی اکلوتی بیٹی کو اُس کے باپ کے ورثہ سے محروم کر دیا اور صدیقۂ طاہرہ حضرت فاطمہؑ اور صدیق اکبر حضرت علیؑ اور حسنینؑ حضرت ابوبکر کے دربار میں مدعی بن کر گئے اور انھوں نے فدک کا دعویٰ کیا۔ سیدہ طاہرہ نے قرآن کو اپنے حق کے ثبوت میں پیش کیا۔ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے ایک حدیث رسول پیش کی کہ انبیاء اپنا ورثہ نہیں چھوڑتے اور مقدمہ خارج کر دیا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ حیات رسول میں خود حکم رسول سے انحراف کے لئے قرآن کو کافی بتایا گیا تھا اور بعد رسول جب قرآن کو کافی سمجھا جانا چاہیئے تھا تو رسول کے حکم کو قرآن سے ٹکرایا گیا اور قرآن پر حدیث اور اللہ پر رسول کو ترجیح دے دی گئی اور اس حدیث رسول کو بھی نظرانداز کر دیا گیا کہ اگر کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو مشکوک ہو تو اُسے قرآن سے ملا کر پرکھ لینا چاہیئے۔ اگر اُس کی قرآن سے مطابقت ہو تو اُسے قبول کر لینا چاہیئے ورنہ دیوار پر مار دینا چاہیئے۔ لیکن نہ قرآن کی متابعت کی گئی نہ حدیث کی اور ایک وضعی حدیث کی بنا پر قرآن کو رد کر دیا گیا اور اہلبیت کی تکذیب کے ساتھ قرآن کی تکذیب کا بھی دروازہ کھل گیا۔ اور اہلبیتؑ کے ساتھ جب تمسک نہ رہا تو قرآن کے ساتھ تمسک بھی باقی نہ رہا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ایک مقدمہ میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہوں تو یہ امر یقینی ہے کہ ان میں ایک فریق جھوٹا ہوگا اور دوسرا سچا۔ دونوں سچے کبھی نہیں ہو سکتے۔ حضرات اہلسنت فیصلہ کریں کہ قضیہ فدک میں کون سچا تھا اور کون جھوٹا؟ افضلیت کا سوال بعد میں آئے گا۔ صدیق اکبر کون ہے؟ یہ سوال تو اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں فریق سچے ثابت ہوں۔ جو سچا ہوگا وہی صدیق اکبر بھی ہوگا۔ جو جھوٹا ہوگا وہ صدیق اکبر تو درکنار صدیق بھی نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر خلفائے راشدین میں سب سے افضل تھے اس لئے اُن کو جھوٹا کہا نہیں جا سکتا۔ اب

[illegible] تو مسلمانوں کے چوتھے خلیفۂ راشد حضرت [illegible] سیدۂ طاہرہ ہیں اور سردار [illegible] اہل الجنۃ [illegible] فرزندان رسول ہیں۔ یہ وہ صادقین کی جماعت تھی [illegible] امین صادق" اپنے ساتھ مباہلہ کے میدان میں لے کر گیا تھا۔ یہ مجسم صداقت و حقانیت کا پیکر تھے اُن کے چہروں کی حمایت اور اُن کے اطمینان نفس نے نصرانیوں کے قدموں میں لرزہ پیدا کر دیا۔ اُن کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہم اپنے سامنے ایسے چہروں کو دیکھ رہے ہیں کہ اگر وہ کہہ دیں تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے ہم ان سے مباہلہ نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر کے دربار میں صرف رسول نہیں تھے۔ علیؑ بھی تھے، فاطمہؑ بھی تھیں اور حسنؑ و حسینؑ بھی تھے۔ لیکن اُن کی تکذیب کی گئی۔ یہ صرف اُن کی تکذیب نہ تھی بلکہ اس کی براہِ راست ضرب ذاتِ رسالتمآبؐ پر پڑتی تھی اس لئے کہ وہ اُن کو اپنے ساتھ مباہلہ میں لے گئے تھے۔ لیکن مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کے فیصلے کی توثیق کی اور انھیں صرف صدیق ہی نہیں مانا بلکہ صدیق اکبر تسلیم کر لیا۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ بعد میں حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ کے حق میں ایک حکمنامہ تحریر کر دیا جسے حضرت عمر نے لے کر پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر نے سکوت اختیار کر لیا۔ اگر حضرت ابوبکر کا فیصلہ درست تھا تو ان میں اُسے بدل دینے کا کوئی جواز نہیں تھا اور اگر دوسرا فیصلہ درست تھا تو حضرت عمر کو کیا حق تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کی اطاعت کے بجائے اُس کے حکمنامے کو چاک کر دیں۔ اگر حضرت عمر کا فیصلہ درست تھا تو وہ حضرت ابوبکر سے اُن کی زندگی ہی میں افضل قرار پائے اور اگر غلط تھا تو حضرت ابوبکر کا سکوت غلط تھا، اُن کو دوسرا حکم جاری کرنا چاہیئے تھا اور حضرت عمر سے اُن کے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل کے بارے میں باز پرس کرنا چاہیئے تھی۔

خلافت کے مسئلے میں بھی کسی اصول کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ حالات کے دھارے سے فائدہ اُٹھایا گیا اور حصولِ اقتدار کے لئے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے وہ سب اختیار کئے گئے یہاں تک کہ جب بعد میں غور کیا گیا تو خلیفہ کے تقرر کا کا کوئی معیار نہ بن سکا۔ پہلے چند لوگ اکٹھا ہوئے۔ ان میں رائے ہوئی پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے گا اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین بنا دیا اور پھر حضرت عمر نے چھ ایسے آدمیوں کی کمیٹی بنائی اور اس کا طریقۂ کار ایسا متعین کیا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہو جائیں۔ اگر خود حضرت عمر ہی کی رائے کو معیار حمایت مان لیا جائے اور اللہ، قرآن، رسولؐ اور اہلبیتؑ سب کو چھوڑ دیا جائے تب بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت جائز نہیں ثابت ہوتی اس لئے کہ تاریخ میں خود حضرت عمر کا یہ قول موجود ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا اس طرح کسی کو خلیفہ نہ بنایا جائے ورنہ بیعت لینے والا اور بیعت کرنے والا دونوں واجب القتل قرار پائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اصول شخصیتوں کے بدلنے سے نہیں بدلتا اور خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حضرت عمر کے فتوے کی رو سے واجب القتل قرار پاتے ہیں

دراصل خلافت کا مسئلہ محض افراد یا خاندانوں کا مسئلہ نہیں ہے، نہ محض حکومت کا مسئلہ ہے بلکہ پورے فلسفۂ اسلام کا مسئلہ ہے۔ خلافت کو جب قہر و غلبہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا تو فاشزم، جارحیت اور طاقت پرستی کے اصول پورے فلسفۂ اسلام میں سرایت کر گئے۔ یہاں تک کہ الٰہیات کا شعبہ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہا۔ اللہ کے قادرِ مطلق ہونے پر زور دیا گیا۔ اُس کے عدل کا انکار کر دیا گیا اور مسلمانوں میں عقیدۂ جبر رائج کر دیا گیا۔ یہ امر بھی لائق غور ہے کہ اسلام میں سب سے

پہلے شخص حضرت عمر تھے جنھوں نے مسلمانوں کو عقیدۂ جبر کی تعلیم دی۔ ایک طرف اجماع کا اصول وضع کر کے چند افراد کی کارروائی کی ذمہ داری تمام مسلمانوں کے سر تھوپ دی گئی دوسری طرف جبر کی تعلیم دے کر ان پر حکومت کے سیاسی اقتدار کو مسلط کر دیا گیا تیسری طرف اللہ کے عدل کا انکار کر کے ایک طرف انسانی عقل کو معطل کر دیا گیا اور حکومت جور کی بنیاد رکھ دی گئی یہاں تک کہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ میں سارا اقتدار سمٹ کر آ گیا اور وہ قرآن و سنت، عدل و انصاف، رائے عامہ اور عقل سب کی پابندیوں سے نہ صرف آزاد ہو گیا بلکہ یہ تمام چیزیں جو اس کی سیاست اور اس کے نفس اور نفسانیت کی تابع ہو گئیں۔ عقیدہ جبر کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ کو خیر و شر دونوں کا خالق مان لیا گیا حسن و قبح اشیاء کے عقلی ہونے کا انکار کیا گیا اور یہ اصول وضع کیا گیا کہ بجائے خود نہ کوئی چیز اچھی ہے نہ بری۔ جس چیز کو اللہ برا کہہ دے وہ بری ہے اور جسے اچھا کہہ دے وہ اچھی ہے۔ عدل الٰہی کا انکار کر کے اللہ کو ایک مطلق العنان فرمانروا سے تشبیہ دی گئی جو نہ کسی ضابطۂ اخلاق کا پابند ہے نہ کسی نظام عدل کا۔ اس کی قدرت کو اس کے عدل سے ٹکرا کر عدل کا انکار کر دیا گیا گویا کہ عدل منافی قدرت ہے اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ وہ حاکم ہے اس کو اپنی مخلوق پر پورا اختیار ہے اس لئے چاہے تو نمازی کو دوزخ میں ڈال دے اور چاہے تو زانی اور بدکار کو جنت میں بھیج دے۔ اس طرح خلافت کے راستہ سے داخل ہونے والے ردعمل (Reaction) نے اسلام کے نظام عدل کو نہ صرف ملوکیت میں بدل دیا اور بجائے اس کے خلیفۃ اللہ حکومت الٰہیہ قائم کر کے دنیا کو فساد اور ظلم سے پاک کرتا خود "ظل اللہ" اللہ کا سایہ بن گیا۔

جب اسلام دین ملوکیت میں بدل گیا تو حقانیت کے معیار مسخ ہو گئے۔ خود اختیاری بیعت اور اطاعت کے بجائے بجبر بیعت کا پھندا گلے میں ڈال دیا گیا۔ جمہور مسلمین کا مذہب حاکم وقت کی غیر مشروط اطاعت قرار پا گیا اور ان کا فرض ہو گیا کہ حاکم جو بھی کرے اس کو وہ قابل مدح سمجھیں اور انھیں کے عمل اور تصورات کو معیار بنا کر قرآن کی تفسیر کریں انھیں کی مدح میں احادیث وضع کریں اور جن احادیث کا انکار ممکن نہ ہو ان کی اس طرح تاویل کریں کہ نہ ان کی مذہبی حیثیت مشکوک ہونے پائے اور نہ ان کے اقتدار میں کمی آنے پائے۔

اس صورت حال نے جمہور مسلمین کو عجب عجب نظریاتی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف تعلیمات پیغمبرؐ اور اسلام کے اخلاقی نظام کی بنا پر خلیفۂ وقت کی افضلیت کے اصول کا انکار ممکن نہ ہو سکا دوسری طرف خلافت کے بارے میں نص قرآن و رسول کا انکار کرنے کے بعد افضلیت کا کوئی معیار مقرر کرنا ناممکن نظر آیا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ افضلیت کا فیصلہ کون کرے۔ افضلیت کا فیصلہ تمام اخلاقی صفات کا موازنہ کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ دشواری یہ ہے کہ کسی ایک صفت کے لحاظ سے بھی یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ پوری امت میں سب سے افضل کون ہے یہ فیصلہ کہ سب سے بڑا عالم کون ہے عالم ہی کر سکتا ہے جاہل عوام جو ہمیشہ سے اکثریت میں رہے ہیں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اعلمیت کی سند دینے والا جس کو علم کی سند دے اس سے افضل سمجھا جائے گا اسی طرح جیسے فرسٹ کلاس فرسٹ کی سند دینے والا استاد فرسٹ کلاس فرسٹ کی سند پانے والے سے علم میں برتر سمجھا جاتا ہے اسی طرح خلیفۂ رسول کی افضلیت کا فیصلہ پھر گھوم پھر کر رسول اور اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ خلیفۂ رسول کو خود ہی [illegible]

[illegible] افضل ہوتا ہے اُس کی افضلیت کا فیصلہ [illegible] نہیں کر سکتے ہیں نتیجہ پھر یہی نکلا کہ اگر افضلیت کا فیصلہ کوئی کر سکتا ہے تو رسول ہی کر سکتا ہے جو اپنے خلیفہ سے افضل ہوتا ہے یا پھر اللہ کر سکتا ہے جو اپنی تمام مخلوق سے بالاتر ہے لیکن نصِ رسول کا انکار کیا گیا اور وہ کتابِ الٰہی جو کافی تھی وہ خلافت کے ایسے اہم مسئلہ پر ناکافی ثابت ہوئی آخر سقیفہ بنی ساعدہ میں اُس اصول پر عمل کیا گیا جسے شاعر نے اس شعر میں نظم کیا ہے

یہ مصلحت ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو [illegible] اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

یہ قہر و غلبہ کا اصول تھا جسے اجماع، استخلاف اور شوریٰ میں چھپایا گیا اور جب وہ کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا تو مجبوراً کھلم کھلا اُسے اپنا لیا گیا اور افضلیت کا اخلاقی اصول ختم ہو گیا۔ تاریخ کی ستم ظریفی کہ امامت کا اُصول جس کی بنیاد پر جمہوریت کی گنجائش پیدا کر کے موجودہ جمہوری عہد میں اپنے مذہب کی معقولیت کا دعویٰ کیا جا سکتا تھا وہ بھی عملی طور پر ہمیشہ معطل ہی رہا اور خلافتِ علیؑ کے علاوہ کسی امیر پر اُمت کا اجماع نہ ہو سکا

"قہر و غلبہ" اور "طاقت حق ہے" کے نظریہ کو ماننے والوں کا سب سے اچھا ترجمان خود آج کل کے حالات نے دے دیا ہے۔ انسان نے سائنس کے میدان میں ترقی کر کے اور کائنات کی توانائیوں کا سُراغ لگا کر لامحدود طاقت حاصل کر لی ہے لیکن انسانیت، اخلاق اور عدل کے لحاظ سے وہ اب بھی عہدِ جاہلیت کے وحشیوں کی سطح پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس کی طاقت بجائے انسانی فلاح و بہبود کے اُسے تباہی و بربادی کے جہنم کی طرف ڈھکیل رہی ہے اور اب باشعور حلقوں میں اس بات کا شدت کے ساتھ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ اگر انسان نے سائنس سے حاصل ہونے والی طاقت کو تعمیر کی طرف نہ موڑا اور خود اپنے اوپر قابو حاصل کرنے کا سبق نہ سیکھا تو پوری نسلِ انسانی بدترین مصائب کا شکار ہو کر رہ جائے گی اور ہلاکت کے گھاٹ اتر جائے گی

یہ تھا اسلام میں افتراق کے اسباب و نتائج کا ایک جائزہ جس کی تاریخی حقائق، عقل، حدیث، قرآن اور خطباتِ امیرالمومنین سب سے تصدیق ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہورِ مسلمین سے امامت کی بحث کا سلسلہ چھیڑنا محض تضیعِ اوقات ہے۔ اُن کا مذہب ایسا ہے کہ اُس کی رد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُس کے اُصول خود ہی ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور ایک دوسرے کی رد کرتے ہیں۔ ضرورت اہم اور مفید یہ ہے کہ اسلام کے ایک مکمل انسانی نظامِ حیات کی حیثیت سے صحیح خدوخال دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہ محض اسلام کے کلام [illegible] قرآن اور [illegible] ہدایت کے لئے ضروری [illegible] ہے [illegible] کہ ہم خود [illegible] اور [illegible] ہیں اور [illegible] کے بتائے ہوئے تعلیمات پر چل سکیں

شیعوں کا اخلاقی انحطاط اور ذہنی جمود اور اُسوۂ اہلبیت کے احیاء کی ضرورت

شیعوں نے تعلیماتِ ائمہ کو فراموش کر دیا اور اُس کی روح سے اجنبی ہو گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باطل تصورات نے اُن کے دل و دماغ میں بھی اسی طرح جگہ پا لی ہے جس طرح وہ دوسری قوموں کے دلوں میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ اللہ کو نفسِ ائمہ کے آئینے میں دیکھنے کے بجائے یا تو ہم خود اپنے نفس کے آئینہ میں دیکھتے ہیں اور اُسے اپنا جیسا بنا لیتے ہیں یا پھر اُس عالم کے نفس کے آئینہ میں دیکھتے ہیں جس کی تقلید کا پھندا ہم نے بغیر کسی شرعی جواز

کے اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے

انسانی اقدار سے بے پروائی اور روحِ مذہب سے ناواقفیت نے شیعوں کو تمام عالمِ انسانیت سے الگ کر دیا ہے۔ عام انسانی مسائل سے ہمیں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ محض مذہبی رسوم کی پابندی، سینوں کے ساتھ مورچہ بندی اور آپس میں لاطائل بحث و مباحثہ، استخارہ اور طہارت میں مذہب محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ائمہ معصومین کی پیروی کی جگہ مولویوں کی مریدی ہمارا مسلک بن گیا ہے اور قرآن اور نہج البلاغہ کی جگہ تحفۃ العوام کو ہم نے کافی سمجھ لیا ہے۔ جاگیردارانہ نظام اور لیڈران کی عیاشانہ زندگی نے ہم کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ کام کرنے کو ہم عیب اور پیشہ کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ حضرت رسالتمآب تجارت کرتے تھے، علیؑ مزدوری کرتے تھے اور میثم تمار کھجوریں بیچتے تھے۔ پیغمبر اور ائمہ ہدیٰ نے محنت و مشقت کر کے اکلِ حلال حاصل کرنے کی تعلیم دی اور سادہ زندگی بسر کرنے کا سبق سکھایا لیکن ہم نے دولت کی نمائش کو عزت کا معیار بنا لیا اور کام، محنت اور سادگی کو معیوب قرار دے لیا۔ ہم علیؑ کے مافوق الفطرت خصوصیات کی مدح کرتے ہیں لیکن اُن کے اعلیٰ انسانی کردار کی انسانی حیثیت سے مدح کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اس لئے کہ ہمارے تحت الشعور میں یہ خوف چھپا ہوا ہے کہ کہیں لوگ ہم سے علیؑ کی پیروی کی توقع نہ کرنے لگیں۔ ہمارے ذہنی جمود اور بے عملی نے ہمارے پُرخلوص اور جوشیلے نوجوانوں کو مذہب ہی سے برگشتہ کر دیا ہے اور اُن میں لامذہبیت اور کمیونزم کی طرف رجحان پیدا ہو گیا ہے اور ہم خود ہی اُن کی گمراہی کے ذمہ دار ہیں

نوعِ انسانی کی وحدت اور سماجی عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا درس دینے والا مذہب کبھی سماج کے کسی طبقہ کو اجارہ داری، ذخیرہ اندوزی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے معاشیات کا صرف انسان کی مادّی فلاح سے تعلق نہیں ہے بلکہ اُس کا انسان کے ذہنی، روحانی اور اخلاقی ارتقاء سے گہرا ربط ہے اسی لئے امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اللہ نے حقوقِ انسانی کو اپنے حقوق میں شامل کر لیا ہے یعنی سماج کے مظلوم اور کچلے ہوئے طبقوں کو اُن کے انسانی حقوق دلوانا داخلِ عبادت ہے۔ اسلام نے انسان کو ایثار کا درس دیا ہے۔ اہلبیتؑ طاہرین کی طرح خود بھوک کی تکلیف برداشت کر کے دوسروں کو کھانا کھلا دینا معراج ہے لیکن وہ بھوک جو انسان کے بنیادی حقوق کو غصب کر کے اُس پر مسلط کر دی جائے اُس کو برداشت کرنا معراج نہیں یہ غربت حقیقتاً حکومت اور معاشرہ کے طاقتور طبقوں کا ظلم ہے اسی لئے فقر سے امیر المومنینؑ نے پناہ مانگی ہے اور لوگوں کو بتایا کہ بھوک میں انسان کا دل عبادت میں نہیں لگتا۔ اسی لئے امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر انسان بھوکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا رزق کسی نے کھا لیا ہے اور ابوذرؓ صحابی امیر المومنینؑ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ جو شخص فاقہ کشی کا شکار ہے مجھے تعجب ہے کہ وہ تلوار لے کر لوگوں پر پل کیوں نہیں پڑتا۔

اسلام دینِ حق ہے وہ محض اُصول کی سچائی نہیں بلکہ نیت کے خلوص اور عمل کا نام ہے۔ انسانیت، سوشلزم اور کمیونزم کی تبلیغ کرنے والے بڑے بڑے سیاسی رہنما گزرے لیکن اُن میں سے کون ہے جو علیؑ کے خلوص اور کردار کا مقابلہ کر سکے۔

"اگر میں چاہتا تو آسانی سے اس شہد مصفیٰ سے گیہوں کے بہترین آٹے سے اس نرم ریشم سے تن آسانیاں مہیا کر سکتا تھا۔ مگر یہ کہاں ممکن؟ خواہش مجھے مغلوب نہیں کر سکتی۔ حرص اچھے کھانوں پر رجھا نہیں سکتی جب کہ حجاز میں

[illegible] کوئی ایسا ہو جسے ایک روٹی
[illegible] نہیں، جس نے شکم سیری جانی
[illegible] کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں شکم سیر ہوں
اور میرے گرد بھوکے پیٹ اور پیاسے جگر
بلبلا رہے ہوں ؟ کیا میں ویسا ہو جاؤں جیسا
شاعر نے کہا ہے :-

(ترجمہ) "یہ بیماری کیا کم ہے کہ تمہارا
پیٹ کھانوں سے بوجھل ہو اور لوگ
چھیچھڑوں تک کو ترس رہے ہوں۔"
(نہج البلاغہ صفحہ ۸۰۵-۸۰۶)

اس میں شک نہیں کہ ماضی میں ہمارے علماء نے تقیے سنگین اور شدید حالات میں مذہب حقہ کا تحفظ کیا۔ اس سے اُن کے احسان سے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور صرف ہم ہی نہیں پورا عالم انسانیت ان کا ممنون منت رہے گا لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ حالات کے سازگار ہونے کے بعد علماء نے تعلیمات ائمہ کی تفسیر و تبلیغ میں اُس انہماک کا مظاہرہ نہیں کیا جو اُن کا فریضۂ منصبی تھا۔ اس کے برعکس اُن میں حصول اقتدار کی آرزو پیدا ہو گئی اور جتنی شیعوں کی تعداد بڑھتی گئی اُتنا ہی اُن میں کشمکش کا رجحان بڑھتا گیا علماء کی اس رسہ کشی کا سب سے بدتر نتیجہ قوم میں نظریاتی اختلاف کی شکل میں رونما ہوا۔

حضرت علیؑ علماء کی ان کمزوریوں سے واقف تھے اسی لئے نہج البلاغہ میں حضرت نے علماء سوء کی پُرزور مذمت کرکے شیعوں کو آگاہی دے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں علماء فقہا کی بجائے خود کوئی حیثیت نہیں ہے ان کا کام یہ ہے کہ وہ قرآن، حدیث اور تعلیمات ائمہ کو ہم تک پہنچائیں۔ اصولِ دین میں تقلید جائز نہیں ہے اس کا تعلق صرف فقہی مسائل سے ہے اور وہ بھی عالم کے "عدل" کی شرط سے مشروط ہے جو پورے نظام اسلامی کی امتیازی خصوصیت ہے

ہندوستان کے مقتدر شیعوں نے برہمنوں کی تقلید میں ذات پات کے تصورات کو اپنا لیا حالانکہ قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ "اے بنی آدم ہم نے تم کو ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا کیا ہے"۔ اسلام نے وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا ہے کہ نہ قریش کو غیر قریش پر فضیلت ہے نہ قوم اور قبیلہ کی کوئی اہمیت ہے وہ صرف پہچان کے لئے ہیں ———

محض تقویٰ کو عزت و شرف کا معیار قرار دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کا نکاح زید سے کیا تھا جو غلام تھے اور خود حضرت علیؑ نے جو حسب نسب میں تمام عرب سے بہتر تھے بنی اُمیہ کے ساتھ شادی بیاہ کر کے ایک مثال قائم کر دی اس لئے کہ وہ عرب میں حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے بدتر تھے اور جن کے ظلم و فسق و فجور کی بنا پر قرآن نے بنی اُمیہ کو "شجرۂ ملعونہ" سے تعبیر کیا ہے حضرت علیؑ امیر معاویہ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"تم نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ہماری عزت
کتنی پرانی ہے۔ اور تمہارے خاندان پر
ہماری برتری کتنی مشہور ہے اس پر بھی ہم
نے تمہیں یہ موقع دیا کہ ہم سے گھل مل جاؤ۔
تم سے شادی بیاہ کا رشتہ بھی جوڑ لیا بالکل
برابر والوں کا برتاؤ" (نہج البلاغہ صفحہ ۷۴۲)

اسلامی اخوت و مساوات کی یہ تعلیم پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ اہلبیت کے اسوہ حسنہ کا ایک نمایاں جزو رہی حضرت امام حسینؑ نے ایک مرتبہ ایک کنیز کو آزاد کر کے اُس سے عقد کر لیا تھا اس پر معاویہ نے اعتراض کرتے ہوئے آپ کو ایک خط لکھا تھا جس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا۔

" تمہارا اخط ملا جس میں تم نے مجھ پر اعتراض کیا ہے کہ میں نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کر لیا اور قریش میں سے کسی برابر کی لڑکی سے شادی نہ کی تو ظاہر ہے کہ رسول کی قرابت سے بڑھ کر (جو کہ مجھے حاصل ہے) دوکوئی شرف ہے اور نہ اس کے برابر نسب کی کوئی مثل ہے۔ وہ پہلے میری کنیز تھی جسے میں نے ثواب خدا حاصل کرنے کیلئے آزاد کر کے اپنی ملکیت سے نکال دیا۔ پھر میں نے پیغمبرؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے (عقد کر کے) اُسے اپنے پاس پلٹا لیا۔ خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ ہر پستی کو بلندی بخش دی ہے اور اسی اسلام کے ذریعہ ہم (مسلمانوں) سے ہر کمی کو دور کر دیا ہے لہٰذا مرد مسلمان اُسی وقت مستحق ملامت ہے جب کہ اُس سے گناہ کا ارتکاب ہو ذلیل گھٹیا اور بڑی کمینگی تو یہ ہے کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کی ذہنیت پر برقرار رہے "

(بلاغۃ الحسینؑ صـ۱۹۱ـ۱۹۳)

معصومؑ کا سخت لب و لہجہ اور درشت اور غضبناک انداز شیعیان علیؑ کی تنبیہ کے لئے کافی ہے۔ اُن کو یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی اخوت پر ضرب لگانے والے پہلے شخص حضرت عمر تھے جنہوں نے عجم کو عرب کے مقابلہ میں پست قرار دیا اور پھر معاویہ نے اُسی جاہلی رجحان کی تجدید کی۔ ہندوؤں میں ذات پات کا رواج ساری دنیا کی تنقید کا نشانہ بنا لیکن اب یہاں کی انسان دوست سوشلسٹ حکومت نے ہریجنوں کو مساوی حقوق دلانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ دوسری قومیں محض اپنے شعور سے کام لے کر اپنی قوم کو ذات پات کی لعنت سے نجات دلائیں اور شیعیان علیؑ قرآن، سُنت اور اُسوۂ اہلبیتؑ کی واضح ہدایات کے باوجود اس جاہلی اور منافقانہ رواج کو اپنا لیں۔

اسلام نے اخلاق حسنہ کو معیار شرف قرار دیا۔ جب انسان اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ نسلی امتیاز کا سہارا لے کر اپنے احساس کمتری کو دور کرتا ہے اس لئے کہ احساس برتری احساس کمتری ہی کی ایک شکل ہے۔ سماجی حیثیت سے یہ ایک نفسیاتی ہتھکنڈا ہے جس کے ذریعے قوم کے جبلّی تعصبات کو بیدار کر کے دوسروں پر اپنا تفوق قائم کیا جاتا ہے اور اُس سے سیاسی فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین "ہندوستانی قومیت اور ہندوستانی تہذیب" صـ۲۰ـ۲۳ میں لکھتے ہیں :۔

" انسانی معاشرت کے ارتقاء کی ابتدائی منزلوں میں نسل کو بہت بڑی اہمیت حاصل تھی نسل ہی کا تعلق انسانوں کو ایک رشتہ میں مربوط کرتا تھا اور اسی پر تہذیبی وحدت کی بنیاد تھی لیکن ایک طرف تو تاریخی قوتوں نے نسلوں کو اس قدر خلط ملط کر دیا کہ اُن میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ دوسری طرف ذہن انسانی بہیمیت کے مدارج سے گزر کر اخلاقی قدروں کے اشتراک کو گوشت اور خون کے رشتے سے زیادہ اہم سمجھنے لگا۔ پھر بھی تہذیبی پستی کے زمانہ میں جب انسانوں کے دل سے ان قدروں کا احساس کم ہو جاتا ہے تو وہ دوبارہ نسل کے بُت کو پوجنے لگتے ہیں اور نسلوں کی

قبیلے اپنے الگ الگ جتھے بنا لیتے ہیں۔ جبکہ تاریخی واقعات اُن کو یاد دلاتے ہیں کہ خالص نسلوں کا کہیں وجود نہیں ہے تو وہ اپنی نسلوں کو خالص ثابت کرنے کے لئے افسانے گھڑ لیتے ہیں ہندوستان بھی کچھ مدت سے اسی حالت میں گرفتار ہے۔ ہندوؤں نے تاریخی حقیقت کے خلاف ذاتوں کو نسلوں کا مترادف قرار دیا۔ ہر ذات بے شمار ذیلی ذاتوں میں تقسیم ہو گئی ہے اور ہر ذیلی ذات اپنے آپ کو ایک علیحدہ نسل سمجھتی ہے خود مسلمانوں میں جن کا مذہب دراصل ذات اور نسل کے خلاف ایک جہاد تھا کس حد تک اس قسم کی قبائلی جتھے بندی پیدا ہو گئی ہے! مثال کے طور پر کونسلوں کے انتخابات پر نظر ڈالئے تو آپ یہ دیکھیں گے کہ کچھ دنوں پہلے تک جہاں چتر ویدی سرپلو استوا، آئر یا آئنگر۔ بوس یا گھوش قریشی یا انصاری کا سوال اٹھ کھڑا ہوا پھر قوم یا وطن، طبقے یا پارٹی یہاں تک کہ مذہب کو بھی کوئی نہیں پوچھتا تھا اور ہزاروں سال کی قبائلی روح بیدار ہو کر ذہنوں پر چھا جاتی۔ یہ من گھڑت نسلی اختلافات ہر قسم کے تہذیبی اور سیاسی اتحاد میں سنگ راہ ہیں اور اس طلسم کو توڑے بغیر ہمارے ملک میں پائیدار قومیت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

عصبیات کو اختیار کرنے کی وجہ سے شیعہ معاشرہ بھی ہندوؤں کی طرح بند معاشرہ بن گیا ہے اور شیعہ مذہب کی جو اصل اسلام ہے تبلیغی حیثیت ختم ہو گئی۔ ہماری منافقت نے ہمارے مذہب کے دروازے عملی طور پر دوسری قوموں کے لئے بند کر دیئے ہیں۔ ہم زبان اور قلم سے تو شیعیت کی تبلیغ کرتے ہیں لیکن ہمارا معاشرہ نہ غیر مسلم کو قبول کرنے پر تیار ہے نہ کسی دوسرے فرقہ کے مسلمان کو جذب کرنے پر آمادہ ہے۔

ذات پات کا تعلق محض سماجی اصلاح سے نہیں ہے زندگی کے تمام مسائل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں کسی ایک مسئلہ میں بھی اگر غلط نظریہ قائم کر لیا جاتا ہے تو اُس سے پورا نظام حیات متاثر ہو جاتا ہے اسلام کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ پوری نسل انسان حق کی بنیادوں پر متحد ہو جائے اسی لئے اسلام نے اُن تمام باطل تصورات کو مٹایا جو اس مقصد کے حصول میں حائل تھے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق پر مبنی ایک سماجی فلسفہ مدون کیا جائے جس کی حیثیت مذہبی کے ساتھ انسانی اور سیکولر بھی ہو تاکہ اُس کی روشنی میں شیعہ قوم عام انسانی زندگی میں بھرپور حصہ لے سکے اپنے فریضۂ انسانی کو پورا کر سکے اور معاشرہ سے ظلم و فساد کو مٹا کر نوع انسانی کو عدل، بقائے باہم اور امن کی راہ بھی دکھا سکے اور اُس عظیم مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے جس کے لئے معصومین نے بے مثال قربانیاں دیں اور بے پناہ مصائب برداشت کئے۔

جشن ولادت امیرالمومنین علیہ السلام اور ہم

(از فاطمہ سبطین رضوی، کراچی، ادیب ماہر)

دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت کا عظیم المرتبت رہبر، ہادی، مفکر، فلسفی اور شہنشاہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب کو خانہ کعبہ میں ہوئی۔ علیؑ کی ولادت سے اللہ کو نفس اللہ، یداللہ اور شیر خدا ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھائی، وصی، جانشین، قوت بازو اور نفس رسولؐ ملا۔ دنیا کو ایک رہبر، رہنما ملا۔ بیواؤں، یتیموں اور غلاموں کو ان کا والی و وارث ملا۔ مشکل میں گھرے انسانوں کو مشکل کشا ملا۔ اور ہم کو ہمارا مولا، ساقی کوثر، شافع روز محشر ملا۔ اور جب ہر ایک کو اپنے درد کا مداوا مل گیا تو اس کی ولادت کے موقع پر جتنی بھی خوشی منائی جائے جتنا بھی جشن، وہ کم ہے۔

میرے مولا کی شخصیت و عظمت کا معترف ایک زمانہ ہے۔ دوست تو دوست دشمن جانی بھی اعتراف علم و حلم و بلندی مرتبت پر مجبور تھے۔ آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور عظمت کا بیان ہر دور کا مورخ، ادیب، سوانح نگار کرنے سے عاجز رہا۔ سوائے مرسل اعظمؐ از آدم تا ایں دم کوئی بھی رہبر، ہادی، مصلح، سپاہی، سپہ سالار، عابد، متقی، زاہد، دانا، مفکر، مفسر، دانشور، شہنشاہ، حاکم، حلیم، کریم، ہمدرد، بلند اخلاق، معلم اخلاق، صاحب کردار و کردار ساز آپ جیسا نہیں پیدا ہوا۔ جس کسی نے آپ کی توصیف و فضائل لکھنے کے لیے قلم اٹھایا اسے اعتراف عجز کرنا پڑا۔

ایسا مولا ہم کو ملا جو دنیا میں کسی کو بھی میسر نہ ہوا۔ جو رہنما ساری دنیا کا ہے۔ بلا قید مذہب و ملت ہر ایک کا مشکل کشا ہے۔ اس ذات گرامی کو ہم نے عملاً صرف اپنا ہی بنا کر محدود کر رکھا ہے۔ ہم نے ایسا کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا کہ ہر شخص علی علیہ السلام کو کچھ تو پہچان سکے۔ ہم سے بہتر تو مصر، بیروت اور یورپ کے غیر مسلم مستشرقین ہی ہیں جنھوں نے امیرالمومنین علیہ السلام کی زندگی کو بحیثیت ایک انسان پیش کیا اور محسن انسانیت قرار دیا۔

اگلے ماہ رجب میں اس عظیم ہستی کی ولادت ہے۔ محبان حیدر کرار جشن ولادت کی محفلیں منعقد کریں گے۔ بزم مقاصد آراستہ ہوں گی۔ ذاکرین جوش بیان فضائل و مناقب کے دریا بہائیں گے۔ غرض کہ ایک عالم رنگ و بو ہوگا جس کی وسعت زمین و آسمان دونوں کو اپنے دامن میں سمو لے گی۔ سب کچھ ہوگا مگر ہمیں اتنا موقع نہ میسر ہوگا کہ ہم اس حکیم امتؑ کی سیرت مبارکہ کے چند پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنی سیرت و کردار کا مطالعہ و محاسبہ کر سکیں۔ [illegible] اس طرح کا تصور ہی نہایت بھیانک اور خوفناک ہے اور ہمیں ذہنی اذیتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ لہذا بس اتنا کافی ہے کہ ہم ظاہرداری تو برتیں مگر سیرت علویہ پر عمل کرنا ضروری نہ سمجھیں۔ اور اپنے مولا کو جو بھی خراج عقیدت پیش کریں اس کا تعلق صرف زبان سے ہو دل کا ہم آہنگ ہونا قطعی ضروری نہیں۔

غلامان امیرالمومنینؑ اور کنیزان امام المتقین کا اس متبرک موقع پر کیا فریضہ ہے اس پر غور کرنا بہرحال بہت اہم ہے۔ محض خالی خولی جشن منانے سے ہی ہم نہ تو صحیح معنوں میں خراج محبت و عقیدت پیش کرتے ہیں اور نہ اپنے دلوں میں شمع محبت و معرفت ہی روشن کرتے ہیں۔ جب ہم جشن ولادت کا اہتمام کریں تو کم از کم چند لمحوں کے لیے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنے نفس سے چند سوال کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اس کا کیا جواب ملتا ہے۔ اگر جواب میں مثبت عنصر غالب ہے تو ہمیں حق ہے کہ جشن [illegible] مولا دل و جان سے منائیں۔ اگر منفی عنصر کا غلبہ ہے تو [illegible]

[illegible] علیہ السلام منانے کی ہم میں اخلاقی جرأت [illegible] ہم کو اپنے ضمیر سے محاسبہ کرنا چاہیئے کہ۔

۱۔ کیا ہم اپنے مولا سے دل و جان سے محبت کرتے ہیں!

۲۔ کیا ہم محبت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں؟

۳۔ کیا امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے شیعوں کی جو نشانیاں بتائی ہیں وہ ہم میں پائی جاتی ہیں؟

۴۔ کیا ہم نے حدود شریعت کو قائم رکھا ہے۔ یعنی لہو ولعب، ناچ و رنگ، جھوٹ، دھوکا، فریب، حرام، مکس، سے دور رہے ہیں؟

۵۔ کیا ہم نے اپنے مزاج کو تعلیم اہلبیتؑ کے مطابق بنایا ہے یا زمانہ کے تقاضوں کو زیادہ اہمیت دی ہے!

۶۔ کیا ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو عملاً اپنایا ہے یا اسے صرف علماء کی ذمہ داری قرار دیکر مطمئن ہو گئے!

۷۔ کہیں ہم نے کسی کی ایک انچ زمین یا ایک پیسہ، دنیاوی عدالتوں کے غیر شرعی فیصلوں کی بنیاد پر، اپنے قبضہ میں تو نہیں کر لیا!

۸۔ کیا ہم نے برتاؤ میں مساوات، حق گوئی میں جرأت، امیر و غریب میں عدم امتیاز اور حق و انصاف پر عمل کیا؟

۹۔ کہیں ہم میں غیبت کی عادت اور ظالم کی حمایت کا عنصر تو نہیں ہے!

۱۰۔ کہیں ہم نے ظاہری لباس ظاہری ثروت اور دنیاوی وجاہت و امارت کی بنیاد پر دو آدمیوں کے درمیان امتیاز تو نہیں برتا!

۱۱۔ کہیں ہم نے ایک جاہل مالدار، ایک رئیس بدکردار، ایک بد سیرت سرمایہ دار کو لائق ادب و تعظیم اور ایک عالم [illegible] کردار کو حقیر و ذلیل تو نہیں سمجھا! [illegible] تعلیم و تہذیب اور ترقی پسندی کے نام پر اپنی عورتوں اور بیٹیوں کو پردہ سے بے نیاز تو نہیں کر دیا!

۱۳۔ کہیں ہم نے اپنے لباس اپنی طرز معاشرت اور طریقہ زندگی کو ایسے سانچے میں تو نہیں ڈھال لیا جو احکام قرآنی، فرمان پیغمبرؐ، سیرت معصومینؑ اور حیات امیرالمومنینؑ کے مطابق نہ ہو!

۱۴۔ کہیں ہم میں رنگ و نسل، ذات پات اور شعوب و قبائل کی بنیاد پر تفریق تو نہیں ہے؟

۱۵۔ کہیں ہم میں لسانی، وطنی، ملکی اور معاشرتی اختلاف کی وجہ سے افتراق تو نہیں ہے؟

۱۶۔ کیا ہمارے عمل کا انداز وہی ہے جس کی تعلیم ہمیں امیرالمومنین علیہ السلام نے دی اور جس کا ذکر ہم اپنی تصنیف و تالیف اور محفل و مجلس میں منبروں سے کرتے ہیں اور جوش عقیدت میں بے خود ہو جاتے ہیں؟

چند مذکورہ باتوں کے علاوہ اور بھی امور کو سامنے رکھ کر اپنے ضمیر، اپنے عمل اور کردار سے سوال کرنا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اگر جوابات مثبت میں ہیں تو ہمیں پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنے مولا اور اپنے امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا جشن ولادت جوش و خروش سے منائیں اور ان کی تعلیم کو عام کریں اور اگر جواب نفی میں ہے تو انصاف سے بتائیں کہ کیا ہم کو جشن ولادت منانے کا واقعی حق ہے!

یہ مسلم شدہ امر ہے کہ کسی بھی مذہبی یا دنیاوی رہنما کی عظمت و بزرگی اور اس کی تعلیمات کا اندازہ اس کے ماننے والوں کے عمل و کردار سے کیا جاتا ہے۔ اور یہی اصول پیروان علیؑ پر بھی لاگو ہوگا۔ ہمارے عمل و کردار کا اثر امیرالمومنینؑ کی تعلیمات پر ہوتا ہے ایسی صورت میں علیؑ کے فدائیوں اور جاں نثاروں کا کیا فرض ہے اسے بتانے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ آئیے ہم عہد کریں کہ اپنے کردار اور عمل سے دامن مولا پر کوئی آنچ نہ آنے دیں گے بلکہ دنیا والوں کو یہ کہنے پر مجبور کر دیں گے کہ جس ہادی و رہنما کے ماننے والے ایسے کردار رکھتے [illegible]

[illegible]

مدحِ مولودِ کعبہ

(جنابِ باقرؔ رضوی امانت خانی)

جو ہے پیرِ سلیماں ہے کیا سب کو بتا سکتا ہوں میں
چیر کر دل الفتِ حیدرؑ دکھا سکتا ہوں میں

بائے بسم اللہ کا دیتا ہوں نقطہ کلک سے
اس طرح تصویرِ حیدرؑ کی بنا سکتا ہوں میں

شرط یہ ہے کربلا میں کوئی پہنچا دے مجھے
گلشنِ جنت کا چربہ بھی اُڑا سکتا ہوں میں

ہے ابھی آنکھوں میں دم مہلت مجھے دے اے اجل
اپنی آنکھیں راہِ مولاؑ میں بچھا سکتا ہوں میں

قوتِ حیدرؑ مدد کہہ کر قلم کی نوک سے
نقشۂ دروازۂ خیبر بنا سکتا ہوں میں

کھینچ کر بزمِ ولا میں بولتی تصویرِ خُم
وہ صدا مَن کُنت مولا کی سنا سکتا ہوں میں

یہ فقط دعویٰ نہیں مُہرِ نبوت کی قسم
نقشِ پائے مرتضیٰؑ دل پر بنا سکتا ہوں میں

قبر میں آتے ہی دیکھا میں نے روئے مرتضیٰؑ
اے فرشتو، تم سے اب آنکھیں ملا سکتا ہوں میں

مل گیا رنگِ شفا مجھ کو بڑی کوشش کے بعد
شکلِ عباسِؑ جری کی اب بنا سکتا ہوں میں

آمدِ بنتِ اسدؑ کا ایک منظر کھینچ کر
صورتِ دیوارِ کعبہ کو ہنسا سکتا ہوں میں

لوٹتے تھے بزم میں باقرؔ جنھیں اہلِ نظر
شاعری کے وہ گہر اب بھی لٹا سکتا ہوں میں

علیؑ مرتضیٰ اک نام ہی گویا مشیت کا

جناب اعزاز حسین صاحب عباسی اعظمی ہیڈ اسسٹنٹ
(دفتر مرکزی وقف بورڈ لکھنؤ)

کرے تخلیق عالم جب ہوا منشا یہ قدرت کا
چلے رحمت کے جھونکے گل کھلا باغ نبوت کا

ہوا جب شکر کے سجدے میں خم وہ گل تو یہ دیکھا
کہ ہے پہلو میں اس کے سلسلہ گلہائے عصمت کا

انھیں انوار کے صدقے میں ہر سلف دو عالم کی
یہی ہیں منتہیٰ سمجھو ہر دو عالم کی حقیقت کا

جہاں جس شئے کو ہونا تھا یکایک ہو گئی ظاہر
ہوئی پیدائش دنیا کھلا یوں باب خلقت کا

زمین و آسماں کو مہر و مہ نے وہ ضیا بخشی
کہ روشن ہو گیا آئینہ ادراک حقیقت کا

برائے بد کیا اللہ نے تخلیق دوزخ کو
برائے نیک پیدا کر دیا گلزار جنت کا

کھلے گلہائے رنگا رنگ یوں اس باغ عالم میں
کہ جن کو دیکھ کے منظر پھرے آنکھوں میں جنت کا

وہی جنت بشارت دی گئی ہے جس کی مومن کو
وہی جنت صلہ ہے مجتبیٰؑ کی جو محبت کا

وہی مومن رسولؐ اللہ نے جس پر بحکم حق
کیا ہے فرض اپنا اتباع اور اپنی عترت کا

وہی عترت محمدؐ کا ہے جس کی حکم قرآں میں
مودت جس کی ٹھہری اجر تبلیغ رسالت کا

وہی نور رسل حق نے کیا جس کو حبیب اپنا
شرف بخشا ہے جس کو اس نے ختم نبوت کا

نبوت وہ جو آئی رحمت للعالمین بن کر
نبی وہ ہے جو پیکر ہے امانت کا صداقت کا

امامت وہ جو مرتضیٰ الطاف ہوئی قائم
یہی ہے سلسلہ در سلسلہ خالق کی حجت کا

امام ایسا بنا ہے جس کا مولد ہے یہ کعبہ
وہی کعبہ مرکز جو عکس حق کی محبت کا

وہی کعبہ ہوا ادراک بیا دیوار در جس کی
دریچے میں سے آیا وقت حیدرؑ کی ولادت کا

وہی حیدر پڑھا قرآں جس نے پاس احمدؐ پر
پڑھا کتب کے لے لایا وہ رسالت سے امامت کا

علیؑ کا مرتبہ کوئی بشر کیا خاک سمجھے گا
علیؑ مرتضیٰ اک نام ہے گویا مشیت کا

علیؑ وہ جس کے لہجے میں نبیؐ سے حق نے باتیں کیں
نبیؐ وہ جو شب اسرا ہوا مہمان وحدت کا

شب ہجرت نبیؐ کے فرش پر جی بھر کے نیند آئی
شب ہجرت ملا موقع علیؑ کو استراحت کا

علیؑ وہ جس کے در پہ کی ستارے نے جبیں سائی
تو کی خورشید نے رجعت اشارہ پا کے رجعت کا

علیؑ وہ یوم خندق جس کی ضربت کی گرانی سے
سبک ہو کے رہا پلہ دو عالم کی عبادت کا

علیؑ وہ جس نے مرحب پر لگائی ضرب اک ایسی
کہ اک ہی وار میں قصہ ہوا طے اس کی قسمت کا

کٹے یوں راکب و مرکب کے دو ٹکڑے برابر کے
نمونہ تھا سر میداں جو مولا کی عدالت کا

رکوع ایسا انگوٹھی سے نوازا جس نے سائل کو
ہے چرچا عرش اعظم تک عبادت میں سخاوت کا

اترنا آیۂ تطہیر کا گھر میں ترے مولا
بتاتا ہے شرف کیا ہے ترے گھر کی طہارت کا

بہت ہے خستہ دل اعزاز لیکن جوش مدحت میں
بدل جاتا ہے وقت مدح رنگ اس کی طبیعت کا

سرفراز لکھنؤ
ہفتہ وار
جلد ۵۳ ۲۵ جنوری شنبہ نمبر ۲۴ و ۲۵

حضرت عثمان و حضرت علی کے متعلق عمرو عاص کی روش متضاد کیوں؟

دو یکساں معاملات میں الگ الگ موقف کے کیا معنی؟

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا رویہ جانبداری پر مبنی تھا

(مصطفیٰ حسن رضوی ایڈیٹر سرفراز لکھنؤ)

تاریخ میں عمرو عاص کے جو حالات درج ہیں ان سے ان کے کردار اور ان کی طبع پر خوب روشنی پڑتی ہے جو مسلمان ان کو جلیل القدر صحابیوں میں شمار کرتے ہیں وہ بھی انہیں زمانہ حاضرہ کے ڈپلومیٹوں کی طرح ایک ہوشیار ڈپلومیٹ خیال کرتے ہیں جن کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان کے مقاصد صحیح و جائز ہوں اور ان مقاصد کے حصول کے سلسلے میں جو ذرائع استعمال کئے جائیں وہ بھی جائز ہوں

عمرو عاص کے زمانہ میں دو ایسے واقعات پیش آئے جو ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہیں اور ان کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں لیکن حیرت ہے کہ عمرو عاص نے ان دو یکساں نوعیت کے معاملات میں متضاد موقف اختیار کیا

اور یہ نہ سمجھا کہ دنیا اس تضاد کو دیکھ کر میرے متعلق کیا رائے قائم کرے گی۔

پہلا واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ مغیرہ کے غلام ابولولو نے خلیفہ ثانی حضرت عمر کو خنجر سے قتل کیا تھا اس سلسلے میں تاریخ کا بیان ہے کہ اس حادثہ کے بعد عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے بر سبیل تذکرہ عبیداللہ بن عمر کو بتایا کہ میں ہرمزان کے گھر کی طرف سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس کے دروازہ پر ابولولو، سعد بن ابی وقاص کے غلام جفینہ اور ہرمزان کو آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے دیکھا میں خاموشی سے ان کے پاس پہونچا اور وہ گھبرا کر میری تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابولولو کے کپڑوں میں سے ایک خنجر زمین پر گر پڑا جس کے دو سرے تھے اور بیچ میں دستہ تھا اس کے بعد وہ خنجر لایا گیا جس سے حضرت عمر پر مہلک وار کیا گیا تھا تو وہ بالکل اسی طرح کا نکلا جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے بتایا تھا۔

ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ عبیداللہ بن عمر نے گمان کیا کہ میرے والد حضرت عمر کا قتل تنہا ابولولو کا فعل نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں ہرمزان اور جفینہ بھی شریک ہوں گے اور تینوں کی سازش سے اتنا بڑا اقدام کیا گیا ہوگا۔

اس بدگمانی کے پیدا ہونے پر عبیداللہ بن عمر ایسے طیش میں آئے کہ وہ اپنے فعل کے حسن و قبح پر غور کئے بغیر تلوار لے کر سیدھے ہرمزان کے یہاں جا پہنچے اور جوش انتقام میں بغیر کوئی تحقیق کئے اور بغیر کچھ پوچھے گچھے ہرمزان ہی کو نہیں بلکہ جفینہ اور ابولولو کی لڑکی کو بھی قتل کر دیا۔

ہرمزان ایران کا ایک معزز اور معتبر شخص تھا جو پہلے اہواز میں حکمرانی کرتا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی جفینہ کو بھی بغیر کسی یقین اور ثبوت کے بے گناہ قتل کر ڈالا گیا اور ابولولو کی لڑکی تو بالکل بے قصور تھی اس کے متعلق تو یہ وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ حضرت عمر کے قتل کی سازش میں شریک ہوگی۔

عبیداللہ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر تین بے گناہ

مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ اگر عبیداللہ کے ذہن ناقص میں یہ تینوں اشخاص قتل حضرت عمر سے کوئی تعلق رکھتے بھی تھے تو انہیں تین دن انتظار کر لینا چاہیئے تھا جب نیا خلیفہ مسند خلافت پر متمکن ہو جاتا تو یہ کیس اس کے سامنے پیش کر دیتے اور وہ عادل اشخاص کی گواہیاں لے کر اگر جرم ثابت ہوتا تو انہیں سزا دیتا اور اگر ثبوت بہم نہ ہو سکتا تو الزام سے بری کر دیتا۔ آئینی طریقہ یہی تھا مگر عبیداللہ نے جنگل کے قانون پر عمل کیا وہ اس کے مجاز نہ تھے کہ صرف بدگمانی کی بنیاد پر تین اشخاص کو خواہ مخواہ موت کے گھاٹ اتار دیں اس کیس کا فیصلہ نیا خلیفہ احکام خدا و رسول کی روشنی میں کرنے کا مجاز تھا عبیداللہ کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ جسے چاہیں تلوار لے کر قتل کر ڈالیں۔ ہر شخص ایسا ہی کرنے لگے تو حکومت کی کیا ضرورت ہے۔ بس طاقتور جسے چاہے زندہ رہنے دے اور جسے چاہے قتل کر ڈالے یہ تو ملک میں امن امان کی بجائے نراج پھیلانے کی کوشش ہوئی۔

چونکہ عبیداللہ بن عمر خلیفہ زادے تھے نامور با اقتدار تھے ان کی حمایت میں ایک طاقتور قوم و قبیلہ تھا اس لئے بہت کم صحابہ کو ان کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ہو سکتی تھی بس ایک امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تھے جو حق بات کہے بغیر خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے کھل کر کہہ دیا کہ عبیداللہ فاسق ہے اس نے تین مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا ہے اس لئے اس پر حد جاری ہونا چاہیئے۔

تین دن کے بعد مجلس شوریٰ نے احکام خدا و رسول اور سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط پر حضرت عثمان کو خلیفہ نامزد کر دیا حالانکہ سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط کو حضرت علیؑ نامنظور کر کے خلافت کو ٹھکرا چکے تھے۔

جناب خلافت مآب کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ عبیداللہ بن عمر ہی کا پیش ہوا جسے انہیں ان شرطوں کی بنیاد پر فیصل کرنا تھا جو انہوں نے منصب خلافت کے قبول کرتے وقت تسلیم کی تھیں یعنی احکام خدا و رسول پر عمل اور سیرت شیخین کی تاسی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس مقدمہ کے سلسلے میں احکام خدا و رسول کو کس حد تک ملحوظ رکھا گیا قرآن کا تو صریحی حکم ہے کہ جو شخص کسی کو بے سبب اور ناحق قتل کرے اسے اس کی پاداش میں قتل کیا جائے یہی رسول کی بھی تعلیم تھی لیکن اس مقدمہ میں اکثر صاحب الرائے صحابہ کی رائے کے خلاف عبیداللہ کو معاف کر دیا گیا اور تینوں مقتولین کے ولی کی حیثیت سے انہوں نے بیت المال سے ان کا خون بہا ادا کر دیا گویا عبیداللہ سزائے موت سزائے قید یا سزائے جرمانہ ہر طرح کی سزا سے صاف بچ گئے۔ خلیفہ نے عبیداللہ کے معاملہ میں اتنی رعایت سے کام لیا کہ قصاص کے متعلق قرآن کے صریحی حکم پر بھی عمل کرنے کو ضروری نہ سمجھا۔ حضرت عثمان اسی رائے کا اظہار اسی وقت کر چکے تھے جب حضرت علی نے یہ کہا تھا کہ عبیداللہ مسلمانوں کی جان لینے کا مرتکب ہوا ہے اس لئے اس پر حد جاری کی جائے۔ حضرت عثمان نے فرمایا تھا کہ کل جس کا باپ قتل ہوا ہے مجھ سے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آج اس کے بیٹے کو قتل کر دوں میں یہ ہرگز نہ کروں گا بلکہ عبیداللہ کو معاف کر کے اس کی طرف سے بیت المال سے دیت ادا کر دوں گا قرآن کے صریحی احکام کی خلاف ورزی کو اجتہاد کا نام دینا قرآنی احکام کا مذاق اڑانا ہے

ہمارے خیال میں کسی حکمران کو یہ حق نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کی طرف سے مقرر کئے ہوئے حدود کو منسوخ کر دے۔ اس صریحی خلاف ورزی کا حق تو خود رسول کو بھی نہیں پہنچتا رسول تو مبعوث ہی اس لئے ہوئے تھے کہ خدا کے احکام کو نافذ کریں اور ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں نہ ہونے دیں

اس موضوع پر گروہ صحابہ میں سب سے زیادہ چالاک اور ہر بات کو مستقبل سامنے میں ید طولیٰ رکھنے والے صحابی عمرو عاص نے

اپنی حلف وفصل کے مواقق اپنی رائے دی تھی جسے معاملہ مسلم کسی طرح قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتی۔ آپ نے حضرت عثمان سے کہا۔

"امیرالمومنین! آپ اس مقدمہ میں اپنے پریشان اور فکر مند کیوں ہیں بات بالکل کھلی ہوئی اور سامنے کی ہے کہ یہ واقعہ آپ کے دور خلافت میں پیش ہی نہیں آیا۔ یہ تو اس وقت وقوع میں آیا تھا جب کہ آپ کی خلافت قائم نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے فیصلے کی ذمہ داری بھی آپ پر عائد نہیں ہوتی آپ عبید اللہ بن عمر سے کوئی باز پرس نہ کریں بلکہ اسے معاف کر دیں عبید اللہ نے تو ارتکاب قتل اس وقت کیا تھا جبکہ نہ آپ خلیفہ ہوئے تھے اور نہ کوئی دوسرا اس منصب پر قائم تھا جو احکام و تعزیرات کا نفاذ کرتا جب آپ کے زمانے کا یہ واقعہ ہی نہیں ہے تو اس کے فیصل کرنے کی ذمہ داری بھی آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

بظاہر تو حضرت عثمان نے عمرو عاص کی اس رائے کو قبول نہیں کیا لیکن ان کا عمل صاف بتا رہا ہے کہ عمرو عاص کی رائے حضرت عثمان کے دل میں گھر کر گئی تھی اور انھوں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ مجھے عبید اللہ بن عمر کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا ہے اور میں اسے کسی نہ کسی حیلہ اور بہانے سے معاف کر کے رہوں گا۔ چنانچہ نتیجتاً حضرت عثمان نے وہی کیا جو عمرو عاص نے

انھیں رائے دی تھی کہ آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں۔

اس سے ایک بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جمہور اسلام کے عقیدہ کے مطابق انسانوں کے چنے ہوئے خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ خدا کے قرار دیئے ہوئے کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دے اور اس کی جو چاہے اپنی مرضی کے مطابق تاویل کر دے۔ عبید اللہ بن عمر کے معاف کرنے کے جواز کے سلسلہ میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی گئی جو دل کو لگتی ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ خلیفہ حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال وقتی مصالح کی بنا پر قرار دے سکتا ہے۔

عبید اللہ کی معافی کے سلسلے میں بھی بس زیادہ سے زیادہ یہ توجیہہ پیش کی گئی کہ اگر خلیفہ نے عبید اللہ بن عمر کو معاف نہ کیا ہوتا تو سوسائٹی میں اضطراب و بے چینی پیدا ہو جانے کا ڈر تھا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر حکم خدا کے مطابق عبید اللہ سے قصاص لیا جاتا تو اسلامی سوسائٹی میں کونسا زلزلہ آ جاتا اور اس دامان کو کونسا نقصان پہنچ جاتا۔

البتہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان نے سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط کو ضرور پورا کر دیا۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر کے زمانہ میں خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ اور ان کے قبیلہ کے خلاف تیغ کشی کر کے ان کو قتل کر ڈالا اور مالک بن نویرہ کی حسین و جمیل بیوی پر عدہ کی مدت گزرنے سے پہلے اسی رات کو تصرف کر لیا۔ خالد بن ولید نہ صرف مسلمانوں کے قتل کے مرتکب ہوئے تھے بلکہ ان سے زنائے محصنہ کا ارتکاب بھی ہوا تھا لیکن خلیفہ وقت نے ان کے ہمالیہ پہاڑ جیسے بھیانک جرم سے چشم پوشی کی اور حضرت عمر کے اعتراض کو بھی قبول نہیں کیا کہ خلیفہ کو خالد پر حد جاری کرنا چاہیئے اور ان کو مسلمانوں کے قتل عمد اور مالک بن نویرہ کی بیوی پر خلاف شریعت تصرف کرنے کی پاداش میں سزا دی جائے۔ بس خلیفہ اول نے ہر ایک کے استدلال و اعتراض کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جس تلوار کو خدا نے بے نیام کیا ہے

میں ... نہیں رکھ سکتا پھر بھی حضرت عمر برابر
یہ کہتے رہے کہ جب مجھے موقع حاصل ہو جائے تو میں ان جرائم
کی پاداش میں خالد بن ولید کو ضرور قتل کر دوں گا۔ لیکن
حضرت ابوبکر کے بعد جب حضرت عمر کی خلافت کا دور
آیا تو آپ نے بھی خالد بن ولید سے کسی قسم کی بازپرس
کرنے کو ضروری خیال نہیں کیا

تاریخ کا دوسرا واقعہ خود حضرت عثمان کے آخری
دور خلافت کا ہے جب کہ مصر کے ناراض اور مظلوم
مسلمانوں کا ایک طاقتور وفد حضرت عثمان کے عاملوں
کے ظلم وستم اور ان کی سخت گیریوں کی شکایت لے کر
مدینہ آیا تھا اور جب اس کا مطالبہ پورا نہ ہوا تو
مجبوراً وفد والوں نے حضرت عثمان کے گھر پر ہجوم
کرکے انھیں قتل کر ڈالا باغیوں نے ان کی لاش کو
مزبلہ پر پھینک دیا اور کئی دن تک کسی مسلمان کو اس کے
دفن کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی

کئی دن کے بعد اس بدامنی کی حالت کو دور کرنے
کے لئے اہل حل وعقد نے نظم ونسق قائم رکھنے کے لیے
کسی خلیفہ کا مقرر کرنا ضروری سمجھا تو مدینہ کے اکابر اور
سربرآوردہ نیز مصری وفد کے ارکان وفد کی صورت میں
حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے
منصب خلافت قبول کرنے کی استدعا کی حضرت علیؓ
نے عذر کیا کہ مجھے اس خدمت سے معذور رکھو میرے
علاوہ تم جسے چاہو خلیفہ چن لو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا
مگر وفد کے ارکان نے جواب میں کہا کہ آپ سے زیادہ اس
مرتبہ کا اہل کوئی دوسرا نہیں ہے اس لیے آپ ہی ہماری
قیادت قبول فرمائیں۔ جب ان لوگوں کا اصرار حد سے
بڑھا تو حضرت امیر المومنینؓ کو ان کی استدعا قبول کرنا پڑی

حضرت علیؓ کا خلیفہ ہونا تھا کہ ام المومنین حضرت
عائشہ اور امیر معاویہ جو اب تک حضرت عثمان کی مخالفت
کرتے رہے تھے اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے رہے
تھے حتی کہ باغیوں کے دستبرد کے دنوں میں خلیفہ نے معاویہ
کو مدد کے لیے ... بلایا لیکن انھوں نے سنی ان سنی
ایک کر دی ان کی فوجیں ... راستہ میں ... رہیں
لیکن امیر معاویہ کی ہدایت تھی کہ ... مدینہ میں داخل
نہ ہوں بلکہ تماشائی کی طرح حالات کو دیکھتے رہنا۔

حضرت علیؓ کا خلیفہ ہونا تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ
اور امیر معاویہ دونوں کے دل میں حضرت عثمان کی محبت پیدا
ہو گئی اور انھوں نے حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ کرنا شروع
کر دیا کہ قاتلان عثمان کو گرفتار کر کے ان سے فوراً انتقام لیا جائے
ان حضرات نے جناب امیر المومنینؓ کو اتنی مہلت بھی نہ لینے دی
کہ وہ یہ تحقیق و تفتیش کر سکیں کہ فلاں فلاں قاتلوں میں کون کون
لوگ شریک تھے اس لئے کہ حضرت عثمان کو باغیوں کے ایک جم غفیر
نے ہجوم کر کے قتل کیا تھا اور بلوہ کی سی کیفیت کے زمانہ
میں جو قتل ہوتے ہیں ان میں قاتلوں کا پتہ لگانا بڑا دشوار
ہوتا ہے حضرت علیؓ کے لئے اصل قاتلوں کو تلاش کرنا
ضروری تھا ... حضرت عثمان کے قتل
کے الزام میں ... جا سکتی تھی مخلص میں کام
کرنے سے اس بات کا ... کہ مبادا کوئی بے گناہ
خواہ مخواہ ... میں ... جس طرح عبید اللہ
بن عمر نے حضرت عمرؓ ... ہرمزان جفینہ اور
ابولولو کی لڑکی کو قتل کر ڈالا تھا حضرت علیؓ خواہ مخواہ کسی بے گناہ
کو کوئی تعزیر نہیں دے سکتے تھے لیکن اس کا انتظار کئے بغیر
کہ حضرت علیؓ قتل عثمان کے سلسلہ میں کیا قدم اٹھاتے۔
حضرت عائشہ نے ... میں طلحہ ... کے خلاف ...
جمال ... حضرت علیؓ کو اس مہم سے فراغت ملی کہ
امیر معاویہ نے صفین میں ... اور
حضرت عثمان کے ... ان کے خون کا عوض لینے کا مطالبہ کرنے
لگے۔

امیر معاویہ نے مصر کی گورنری کا لالچ دے کر عمرو بن عاص کو بھی اپنا ہمدرد بنا لیا جو اس زمانے میں عرب کے بہترین سیاست دانوں میں سے تھے اور دونوں اپنے مزاج اور مفادات کی یکسانی کی وجہ سے آپس میں متحد ہو کر امیر المومنین کے مقابلہ پر آ گئے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ عمرو بن عاص امیر معاویہ کو بھی وہی مشورہ دیتے جو انہوں نے عبید اللہ بن عمر کے معاملہ میں حضرت عثمان کو دیا تھا کہ عبید اللہ نے ہرمزان وغیرہ کو جب قتل کیا تھا تو اس وقت آپ کی خلافت قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے عبید اللہ کے خلاف حد جاری کرنے کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ اس طرح حضرت علیؓ کے متعلق امیر معاویہ کے سامنے بھی یہ مشورہ پیش کرنا چاہئے تھا کہ قاتلان عثمان کا عوض لینے کے لیے حضرت علیؓ پر جو دباؤ ڈالا جا رہا ہے وہ اصولاً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عثمانؓ کا قتل تو کچھ مصریوں نے اس وقت کیا تھا جب کہ حضرت علیؓ کی خلافت قائم بھی نہیں ہوئی تھی پھر وہ ان کے خلاف حد جاری کرنے کے لیے کیسے ذمہ دار قرار دئے جا سکتے ہیں حضرت علیؓ کو اس معاملہ کے عملی فیصلہ کرنے کا حق اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ وہ ان کے دور خلافت کا واقعہ ہوتا۔ اپنے دور سے پہلے کے واقعہ کے متعلق نہ حضرت عثمان کو عبید اللہ بن عمر کے خلاف حد جاری کرنے کا حق تھا اور نہ حضرت علیؓ کو قاتلان حضرت عثمان سے کسی بازپرس کا کوئی حق ہے۔

ان دونوں یکساں نوعیت کے واقعات میں عمرو بن عاص کی متضاد روش ان کی دورنگی پالیسی کی صاف نشان دہی کر رہی ہے۔ بس اس تضاد کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عمرو بن عاص حضرت علیؓ سے علمی عداوت رکھتے تھے اور مزاج کی ہم رنگی کی وجہ سے وہ امیر معاویہ کے طرفدار اور ہمدرد تھے یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے بارے میں اصحابی کالنجوم کی حدیث وضع ہوئی ہو کہ ایسے متضاد کردار کے صحابیوں میں سے ہم جس کی بھی پیروی کریں گے نجات پاؤ گے۔

سرفراز کا رجب نمبر

جون کے دوسرے ہفتے میں اچانک ہم ایسے بیمار پڑے کہ جان بری کی امید باقی نہیں رہی تھی۔ ہمیں تو بیماری میں ہوش بھی نہ تھا مگر اس بیماری سے چھٹکارا پانے کے بعد تیمارداروں اور احباب کو یہ کہتے سنا کہ آپ ایسے علیل ہوئے تھے کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہ گئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چند لمحوں میں زندگی کی کتاب ختم ہو جائے گی۔

مگر شاید خدا کو ہم سے ابھی کچھ کام اور لینا باقی ہے جو اس نے صحت عطا کر دی اور مردہ جسم میں روح پھونک دی محرم نمبر کی کتابت تقریباً مکمل ہو چکی تھی اور اس کی اشاعت کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی تھی کہ ہمارے بیمار پڑ جانے سے وہ پھر معرض التوا میں پڑ گیا۔ ادھر رجب نمبر کی تاریخ بھی قریب ہی آ گئی تھی برادرم سید انصار حسین صاحب منیجر سرفراز نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا کہ رجب نمبر کے لیے جو مضامین پہلے سے آئے رکھے تھے ان کی کتابت شروع کرا دی اور نئے آئے ہوئے مضامین کو بھی شامل کر لیا اس کی وجہ سے یہ رجب نمبر ۵ جولائی کو شائع ہو رہا ہے

ہماری علالت کے دوران میں جناب شبیہ حسن نونہروی نے ہماری جو علمی امداد کی اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ بہرحال ۱۶ جولائی کے سرفراز کی تکمیل ہم نے اپنے بستر علالت ہی پر پڑے پڑے کر دی تھی

اگر ہم سید انصار حسین صاحب منیجر سرفراز کی توجہ و تعاون کا اس جگہ اعتراف نہ کریں تو یہ ہماری ناشکرگزاری ہو گی۔ انصار صاحب نے ہماری علالت کے دوران میں بڑی تندہی سے کام کیا اور عام طور پر یہ محسوس بھی نہ ہونے دیا کہ ایڈیٹر سرفراز علالت کی وجہ سے بستر پر پڑا ہے۔ ہر کام قاعدہ اور وقت سے ہوتا رہا جس کے لیے وہ

مشکور ہونے کے مستحق ہیں حقیقت یہ ہے کہ انھیں کام سے بڑی دلچسپی ہے خصوصاً جب کوئی اسپیشل نمبر نکل رہا ہوتا ہے اس وقت ان کا انہماک دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ڈسپیچ کے دنوں کا منظر لائق دید ہوتا ہے دفتر کے تمام کمروں میں نمبر پھیلا ہوا ہے کہیں پر پیکٹ بن رہے ہیں کہیں پر پتہ کی چٹیں چسپاں کی جا رہی ہیں کہیں پر وی پی اور رجسٹری کے فارم لکھے جا رہے ہیں اور کہیں پر پیکٹ گن گن کر ڈاک خانہ بھیجے جا رہے ہیں اور ان تمام کاموں کی نگرانی انصار صاحب اس طرح کرتے نظر آتے ہیں کہ سر پر ٹوپی ندارد ننگے پاؤں ادھر سے ادھر کام کی نگرانی کرتے دیکھے جاتے ہیں کبھی اس کمرہ میں کبھی اس کمرہ میں کبھی دفتری خانے میں اور کبھی ڈاک خانہ میں۔ تین چار دن تک بحرانی کیفیت طاری رہتی ہے موصوف کا ہی انہماک ہے کہ ہمیشہ اسپیشل نمبر وقت سے نکلتے ہیں اور معیاری نکلتے ہیں جو معنوی اعتبار سے نہیں صوری حیثیت سے بھی دیدنی ہوتے ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے کاتب صاحب اس وقت بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے کئی مضامین جو ان کو لکھنے کو دیے گئے تھے رہ گئے جس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں آئندہ اشاعت میں انکو نکال دیا جائے گا۔

قطعات

(سید اولاد اصغر رضوی ماہلی)

شجاعت استقامت عدل سچائی وفاداری
نجابت علم عصمت حسن تقوی الفت یاری
علیؑ کا نام سنتے ہی معاً محسوس ہوتا ہے
مجسم ہو گئیں انسانیت کی خوبیاں ساری

ہمیں مخلوق اول کہ حیدرؑ
ز نورِ رسالت مآب آفریدہ
ہیں اول علیؑ یا کہ آدم بتاؤ
ہر اک بوتراب اک تراب آفریدہ

تعاونوا علی البر والتقوی

ادارۂ تبلیغ ۱۹۵۷ء میں قائم ہوا ادارہ سے ۳۲ موضوعات پر رسالے شائع کیے۔ ادارہ کے مبلغین نے ہندستان کی ۱۶۷ آبادیوں کے دورے کیے اور دو ہزار سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عہد لیا ادارہ آپ کی مدد کا خواہاں ہے۔ ادارہ کو آیات عظمی مراجع نے خمس کے سہم امامؑ کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ ادارہ کی مدد وجوہات شرعیہ اور دیگر رقومات خیر سے بھی کی جا سکتی ہے آپ ادارہ کی مدد فرما کر اجر بے حساب حاصل فرمائیں۔

مرزا محمد عالم سکریٹری ادارۂ تبلیغ و اشاعت ۲۹/۲۰۱ درگاہ حضرت عباس رستم نگر لکھنؤ پن ۲۲۶۰۰۳

ایک خوشخبری

ایک اہم اعلان!

ادارۂ احباب پبلشرز یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہے کہ جناب سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ نے مقدمۂ تفسیر قرآن و تفسیر قرآن و ترجمہ معہ قرآن کی اجازت احباب پبلشرز کو دے دی ہے چنانچہ مقدمۂ تفسیر قرآن کی کتابت بھی ختم ہو چکی ہے اور طباعت کے مرحلے میں ہے لیکن یہ اتنا بڑا کام ہے جس میں کافی سرمایے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے اس میں برسوں کی مدت صرف ہو جائے گی لیکن اگر کچھ افراد قوم مجھے ایسے مل جائیں جو پورے سیٹ کی قیمت یکمشت ہم کو روانہ فرما دیں تو ہم کو ہر ماہ ایک جلد شایع کرنے میں آسانی ہوگی۔ کل جلدوں کی قیمت /300 ہوگی، بائیس جلدوں پر مشتمل ہوگی لیکن جو حضرات ہم کو یکمشت /250 روپے بھیج دیں گے ہم ان کو جیسے جیسے جلد چھپتی جائے گی ذریعۂ رجسٹری روانہ کرتے رہیں گے۔ روپیہ آنے پر فوری رسید روانہ کر دی جائے گی میرے لئے یہ آسانی ہوگی کہ میں جلد سے جلد جلدیں شایع کرتا رہوں گا خریدار کے لئے یہ آسانی ہوگی کہ ان کے /50 کی بچت ہو جائے گی اور رجسٹری کے اخراجات ادارہ ادا کرتا رہے گا۔ امید ہے کہ آپ حضرات اس اہم کام میں میرا ہاتھ بٹائیں گے۔

نوٹ:۔ مقدمہ تفسیر قرآن چھپ رہا ہے۔ قیمت /10

سید محمد جعفر رضوی

پرسنل لا ناقابل تبدیل

مجالس عشرہ محرم ۱۳۹۳ھ

از سرکار سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر۔ مولانا موصوف کی ۹ مجلسیں جو کہ موصوف نے حسینیہ جنت مآب طاب ثراہ میں پڑھیں

مجلد مع گرد پوش

قیمت آٹھ روپے

شہید انسانیت

واقعۂ کربلا پر لکھی گئی دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے بڑی کتاب

مؤلفہ الحاج سید علی نقی نقوی سابق ڈین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۸۰۰ صفحات پختہ جلد رنگین گرد پوش

قیمت

تین روپے

قرآن مجید

مترجمہ مولانا مقبول احمد صاحب جو تقریباً تیس سال سے نایاب تھا۔ پاکیزہ کتابت صحت کے ساتھ اور عمدہ طباعت اعلیٰ آفسٹ کاغذ۔

ہدیہ: ۳۵

پینتیس روپے

پیش کردہ:

احباب پبلشرز اقبال منزل مقبرۂ عالیہ گولہ گنج۔ لکھنؤ ۱

رسالۂ علمیہ توضیح المسائل

جس کو مولانا سید محبوب الحسن صاحب نے ترجمہ کر کے لکھا تھا مصدقہ مدار العلماء الحاج مولانا سید حسن صاحب قبلہ مجتہد دام ظلہ العالی جس میں سب ذیل علمائے کرام کے فتاوے الگ الگ شامل ہیں (۱) امام اکبر آیۃ اللہ حاج سید ابوالقاسم الموسوی الخوئی (۲) آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید محمود حسینی شاہرودی (۳) آقائے حاج سید محمد کاظم شریعتمداری (۴) آقائے حاج روح اللہ الموسوی الخمینی (۵) آقائے حاج سید محمد رضا گلپایگانی (۶) آقائے محسن طباطبائی حکیم رحمۃ اللہ علیہ جس کی پہلی جلد جس میں احکام تقلید احکام طہارت اور احکام نماز شامل ہیں اور جس میں ۲۳۰ صفحات ہیں طبع ہو چکی ہے اور جس کی قیمت -/5 ہے۔ ارادہ تھا کہ اس کے بعد دوسرا حصہ جس میں احکام غسل احکام میت ہیں شائع ہو لیکن معلوم ہوا کہ فوری ضرورت کے پیش نظر رمضان سے پہلے تیسرا حصہ جو احکام روزہ پر مشتمل ہے اور جس میں ۱۱۴ مسائل ہیں شائع کر دیا جائے اس کے بعد چوتھا حصہ جو احکام خمس اور زکوٰۃ سے متعلق ہے اور پھر پانچواں اور چھٹا حصہ شائع کیا جائے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ یہ جلد پسند کی جائے

مالک اشتر
سپہ سالار لشکر علوی، دست و بازوئے امیر المومنین۔ اُن کے خلوص ایمان جذبۂ فداکاری کا کیا کہنا جس کے لئے جناب امیر فرمائیں کہ وہ میرے لیے ویسے ہی تھے جیسے میں رسول اللہ کے لئے تھا تحقیقی سوانح حیات از مولانا محمد باقر صاحب مدیر اصلاح قیمت -/7

محمد بن حنفیہ
آپ کے کمالات پر مرتضوی رنگ اور کمال امیر المومنین محمد بن حنفیہ کی حیات اور مفصل تاریخ سیاست از مولانا محمد باقر صاحب قیمت 4/

ام المومنین حضرت ام سلمہ
مرتبہ مولانا شیخ مقبول احمد صاحب ... رسول خدا ... عزیز رکھیں قیمت -/2

ہماری عزاداری
سیرت سنت ائمہ اسلام کے آئینے میں تحریر مجاہد اکبر مورخ اعظم ماتقدم السید عبدالحسین احمد الامینی النجفی ترجمہ مولانا السید ذیشان حیدر صاحب جوادی قیمت 3/50

میثم تمار
امیر المومنین کے رموز و اسرار کے حامل خاص صحابی از شیخ مقبول احمد صاحب قیمت دو روپے

فخر مریم
سوانح فاطمہ بنت اسد جیسی رسول اکرم نے ماں کا درجہ دیا از شیخ مقبول احمد صاحب قیمت 5/50

سلمان محمدی
از مولانا شیخ مقبول احمد صاحب ... کتاب ... چھپی جو بصورت طباعت وطباعت قیمت 3/50

فلسفۂ انقلاب حسین
از مولانا سید ذیشان حیدر جوادی صاحب قبلہ اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب قیمت -/2

الحاج مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ کی چند نایاب کتابیں

کتاب "ام المومنین"

(ام المومنین حضرت عائشہ کی مکمل سوانح حیات)

الحاج مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ یہ دعویٰ کہ اب تک اردو زبان میں ام المومنین حضرت عائشہ کی ایسی مکمل اور جامع سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ فرزندانِ اسلام کیلئے یقیناً کتاب "ام المومنین" ایک نادر و نایاب تحفہ ہے۔ یہ کتاب عقل کے دریچوں کو وا اور فکر کو روشنی عطا کریگی۔ تقریباً اسّی کتب تاریخ و حدیث و تفسیر کا عطر مجموعہ ہے۔ کتاب "ام المومنین" دورِ حاضر کا شاہکار ہے آج ہی آرڈر دیکر خریداروں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا لیجئے تاکہ پھر دوسرے ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے

پلاسٹک کے کور پر عمدہ اسکرین کی چھپائی کے ساتھ قیمت =/15

اپنے موضوع پر بالکل اچھوتی نادر اور نایاب اور عظیم کتاب

ملیکۃ العرب

دوسرا ایڈیشن

ملک کے نامور خطیب رئیس الواعظین جناب الحاج مولانا سید کرار حسین صاحب قبلہ واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے حقیقت نگار و معجز نما قلم سے نادر اسلام شہزادی عرب جناب خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کی سوانح حیات لکھی ہے۔ مورخین نے آج تک شہزادی عرب کے حالات و واقعات کو چھپانے کی کوشش کی۔ انکی طرف سے بے اعتنائی برتی۔ پہلی مرتبہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کے سچے حالات کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ مولانا سید کرار حسین صاحب واعظ کے معرفت شناس قلم نے تاریخ کے بحر ذخار کی شناوری کی ہے۔ اسکا سینہ چاک کرکے حقائق و معارف کے موتی چن لئے ہیں۔ ہم بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ یہ شاہکار کتاب اب منظر عام پر آچکی ہے۔ شائقین حضرات سے گذارش ہے۔ ایک کتاب جلد از جلد صرور منگائیں کیونکہ دوسرا ایڈیشن قریب ختم ہے۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ پلاسٹک کور جو اسکرین سے چھپا ہوا ہے۔

قیمت صرف =/7

ہابیل قابیل

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی زہریلی کتاب "بھائی بھائی" جو بظاہر شیعہ و سنی اتحاد کے نام پر لکھی گئی ہے۔ مگر حقیقتاً اسمیں ملت جعفریہ پر بے محل اور رکیک اعتراضات کئے گئے تھے مولانا الحاج سید کرار حسین صاحب واعظ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے اس کتاب پر جامع تبصرہ فرمایا ہے اور برق صاحب کے تمام اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے ہیں۔

مجلد گرد پوش قیمت 6/0

نور و نار

مولفہ مولانا الحاج سید کرار حسین صاحب واعظ اور مولوی محمد جواد صاحب مونگیری کے علمی خطوط کا مجموعہ شیعہ سنی مذہب برحق و باطل کا فیصلہ کن تحریری معرکہ جناب حریف سپر انداز ہوگیا قیمت 3/-

سازش

مصنفہ مولانا کرار حسین واعظ لرزہ خیز حیرت انگیز اور معرکۃ الآرا کتاب ہے یہ کتاب بتلائے گی۔
(۱) آنحضرت کو قلم دوات کیوں نہیں دیا گیا۔
(۲) مسلمانوں کی تاریخ خلافت پر کیوں داستان کیوں جمع ہوئی
(۳) تہتر فرقوں میں کیوں تقسیم کیا گیا؟
(۴) آئمہ معصومین کے قاتل وقت کے مسلمان خلیفۃ المسلمین ہی کیوں ہوتے رہے؟
(۵) اسلام میں جاہلانہ رسومات کیوں پلٹ آئے؟
(۶) یہ کن لوگوں کی سازش تھی؟
(۷) یہ سازش کب ہوئی؟

$\frac{20 \times 30}{16}$ قیمت =/3

تاریخ الشیعہ

(تیسرا ایڈیشن)

از مولانا سید کرار حسین صاحب کی تحقیقی کتاب جس کو دوبارہ چھاپنا پڑا۔ قیمت 1/50

باغی

(دوسرا ایڈیشن)

مصنفہ مولانا سید کرار حسین صاحب واعظ مولوی محمد احمد مدیر رضوان لاہور کے رسالہ مقدمہ فدک کا مسکت جواب ہے۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16}$

قیمت 2/50

زائچہ تقدیر

(فالنامہ حضرت دانیال) ترجمہ: مولوی حاجی حکیم سید مقبول احمد صاحب قبلہ طاب ثراہ

جو کہ عرصہ سے نایاب تھا عمدہ کتابت، طباعت اور کور کے ساتھ جس کو احباب پبلشرز نے شائع کیا۔ سائز $\frac{20 \times 26}{8}$ قیمت 8/-

ملنے کا پتہ:۔ احباب پبلشرز۔ مقبرہ عالیہ۔ گولہ گنج لکھنؤ۔ ۱

مندرجہ ذیل کتب ہم سے طلب کریں

۱- دعائے نور مجموعہ 1/-
۲- دعائے نور مترجم -/40
۳- دعائے نور تعویذی -/10
۴- دعائے مقبول مترجم -/40
۵- حدیث کساء " -/40
۶- دعائے کمیل " -/40
۷- دعائے سمات " -/60
۸- دعائے سباسب " -/60
۹- اوراد مقبول " -/40
۱۰- اعمال عاشورہ واربعین " -/50
۱۱- ضروری دعائیں " 1/-
۱۲- ہفت سورہ " 1/50
۱۳- احسان دہ سورہ " 2/50
۱۴- وظائف الابرار " 8/-
۱۵- استخارہ سجادیہ " 1/50
۱۶- صحیفہ کاملہ " 9/-
۱۷- شیعہ بچوں کی نماز اردو -/45
۱۸- شیعہ بچوں کی نماز ہندی -/45
۱۹- تنویر المناقب 1/-
۲۰- وجیزہ مناقب 2/-
۲۱- تحفۃ العوام احباب مطابق فتویٰ اعلم زمانہ 10/-
۲۲- آیۃ الکرسی -/15
۲۳- احباب عریضہ -/05 فی سیکڑہ 3/-

۲۴- دعائے [illegible] منتخب مکمل
حرز جواد [illegible] وحادیہ
دعائے نور [illegible] -/10
۲۵- تفسیر آیۃ [illegible] اول 3/-
۲۶- " " دوم 2/-
۲۷- " " سوم 2/-
۲۸- اکمال [illegible] 3/-
۲۹- سوانح جناب سیدہ 5/-
۳۰- کربلا کی شیر دل خاتون 4/-
۳۱- مسلم بن قیس الہلالی 2/-
۳۲- مظلوم باپ کی مظلوم بیٹی 2/-
۳۳- مختار اہلبیت 1/50
۳۴- رسول خدا سوانح عمری 2/50
۳۵- حضرت علی 2/50
۳۶- سیدہ طاہرہ " 2/-
۳۷- امام حسن " 2/-
۳۸- امام حسین اول " 2/50
۳۹- امام حسین دوم " 2/-
۴۰- امام زین العابدین " 2/50
۴۱- " محمد باقر " 2/-
۴۲- " جعفر صادق " 2/50
۴۳- " موسیٰ کاظم " 2/25
۴۴- " علی رضا " 2/50
۴۵- " محمد تقی " 1/50
۴۶- " علی نقی " 2/25

۴۷- امام حسن عسکری سوانح عمری 1/50
۴۸- " مہدی آخر الزماں " 2/50
۴۹- حضرت علی اکبر " 1/50
۵۰- شیر خوار مجاہد " 1/50
۵۱- حضرت عباس " 2/50
۵۲- حضرت مسلم " 2/50
۵۳- علی ابن ابی طالب اور خلفائے ثلاثہ 1/50
۵۴- جناب مختار 1/-
۵۵- چودہ معصوم 3/-
۵۶- شیخ جیلانی 1/-
۵۷- نصائح علی 2/-
۵۸- عقل عرب 2/-
۵۹- ابوذر غفاری 5/-
۶۰- ایمان ابو طالب 6/-
۶۱- امام حسین 3/50
۶۲- ستارہ زہرا 4/-
۶۳- نور ایماں 10/-
۶۴- آخری پیغام 4/50
۶۵- آیات محکمات اول 5/-
۶۶- آیات محکمات دوم 6/-
۶۷- شہید ظلم 6/-
۶۸- عبداللہ ابن صبا 1/-
۶۹- مناظرہ مامون رشید -/75
۷۰- صلاح و فساد 1/50
۷۱- ہشام بن الحکم 2/50

٧٢- حالات مختار 2/-
٧٣- پیاسا سیر خوار 7/-
٧٤- ترجمہ احقاق الحق اول 7/-
٧٥- مصائب الشیعہ اول 3/50
٧٦- " " دوم 3/50
٧٧- " " سوم 3/50
٧٨- " " چہارم 3/50
٧٩- " " پنجم 3/50
٨٠- " " ششم 3/50
٨١- " " ہفتم 3/50
٨٢- الواستہرا 4/-
٨٣- راہ مودت 2/-
٨٤- میں کیوں شیعہ ہوا ؟ 2/50
٨٥- تلاش منزل 3/-
٨٦- اصل اصول شیعہ 2/50
٨٧- " " نصر 1/50
٨٨- قاتلان حسین کی گرفتاری 2/50
٨٩- مناظرہ حسینیہ 3/50
٩٠- شاخسانہ تحریف 1/-
٩١- مظلوم کربلا 1/25
٩٢- خطبہ معجزہ -/60
٩٣- کربلا سے مدینہ تک 3/-
٩٤- [illegible] 5/-
٩٥- [illegible] کریں 2/-

مجالس کی کتابیں

٩٦- چودہ مجالس 7/-
٩٧- عروج مختار 3/50
٩٨- ذاکری کی دوسری کتاب اول 2/50
٩٩- ذاکری کی دوسری کتاب دوم 2/50
١٠٠- انتخاب المجالس 3/-
١٠١- مناظر الشیعہ 2/-
١٠٢- مجالس خواتین 2/50
١٠٣- مجالس خاتون 3/-
١٠٤- قلزم ماتم 4/50
١٠٥- مجالس الشیعہ 3/50
١٠٦- عمدۃ المجالس 3/-
١٠٧- منتخب مجالس 3/-
١٠٨- گنجینۂ مصائب 3/-
١٠٩- درس مخلصین 7/-
١١٠- اشرف المجالس 4/50
١١١- عماد الواعظین 3/-
١١٢- ستب میلادی 2/-
١١٣- انیس الذاکرین 4/-
١١٤- رہنمائے ذاکری 3/-
١١٥- مفتاح البیان اول 4/-
١١٦- قلعہ عسرا 1/25
١١٧- روح انیس 9/-
١١٨- رزم نامہ انیس 5/-
١١٩- انیس کی شاعری 3/50
١٢٠- اردو مرثیہ اور مرزا دبیر 1/50
١٢١- وقعات کربلا 5/-
١٢٢- داستان کربلا 1/50
١٢٣- تجلیات بدر 4/-
١٢٤- موحد و مفکر 1/25
١٢٥- طلوع فکر 1/50
١٢٦- سرمایہ نجات 1/50
١٢٧- وادی ایمن 3/-
١٢٨- گلزار عقیدت 2/-
١٢٩- اسلام دین عظمت انساں ہے دوستو 1/50
١٣٠- نقش دوام 7/75
١٣١- خدمات عسکری 2/50
١٣٢- میکدہ ولا 2/-
١٣٣- سیرت حق 2/-
١٣٤- جواہرات انیس اول 12/-
١٣٥- " " دوم 15/-
١٣٦- گلہائے نایاب 1/-
١٣٧- منتخب مراثی و سوز 3/-
١٣٨- داستان وفا 1/-
١٣٩- حسین اور انقلاب 1/-
١٤٠- محسوسات شاعر 1/-
١٤١- اسرار و افکار 2/-
١٤٢- نہج البلاغہ (چوتھا ایڈیشن) 32/-
١٤٣- استناد نہج البلاغہ 5/-
١٤٤- خطبہ زہرا 1/-
١٤٥- موج تسلیم -/50
١٤٦- ہدیۃ الانام
ادعیہ تحفۃ العوام 7/-
١٤٧- معراج انسانیت 1/50
١٤٨- پاسبان شریعت 1/50
١٤٩- بدر العزا و نوحہ جات 9/-
١٥٠- شمس العزا " 7/50
١٥١- شاہکار مضطر " 2/-
١٥٢- اشک و آہ " 2/-
١٥٣- سفینۂ غم " 2/-
١٥٤- سچے موتی " [illegible]

عقیدت مندان حضرت عباس علیہ السلام سے گزارش

نواب سعادت علی خاں شاہ اودھ نے درگاہ حضرت عباسؑ سنہ ۱۸۱۲ء میں ایک معجزہ کے سامنے آنے کے سلسلے میں تعمیر کرائی تھی۔ ۱۷۵ سال سے اس درگاہ میں مومنین کی حاجت برابر ہو رہی ہے شاہان اودھ کی تاجپوشی بھی اُسی درگاہ میں ہوتی تھی ہر ماہ چاند کی پہلی جمعرات جسکو نوچندی کہا جاتا ہے شاہان اودھ درگاہ کی زیارت کو آیا کرتے تھے شہر کی انجمنہائے ماتمی نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی ہوئی اپنے اپنے علم یہاں لاتی ہیں۔ درگاہ کی مستقل آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے عمارت درگاہ رفتہ رفتہ شکستہ اور منہدم ہونے لگی درگاہ کمیٹی نے قوم سے چندہ کی اپیل کی جس سے عمارت درگاہ کی مرمت اور توسیع کا کام شروع کیا گیا بہت کچھ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا اور بہت کام ابھی باقی ہے ہر ہائی نس صاحبہ رامپور (راج ماتا صاحبہ) نے درگاہ سے ملحق تقریباً ۱۴ ہزار اسکوائر فیٹ کی ایک آراضی بحق درگاہ کمیٹی ہبہ فرمائی ہے تاکہ اُس پر مکانات اور دوکانات تعمیر کر کے درگاہ کو اُس کے مصارف میں خود کفیل بنایا جا سکے۔

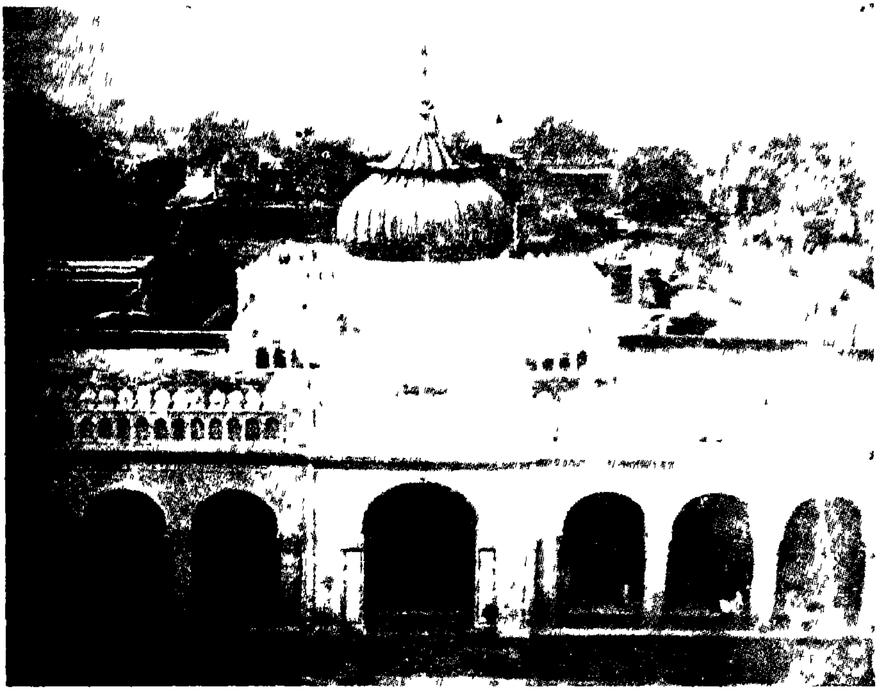
اس کام کے تکملہ کے لیے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے لہذا ہماری آپ سے پرخلوص درخواست ہے کہ درگاہ کی تعمیر جدید میں کمیٹی سے تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

حضرات بیرونجات مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرمائیں۔

نگران صاحب درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر لکھنؤ نمبر ۳

اپیل کنندگان: سید علی ظہیر صدر درگاہ کمیٹی (سابق وزیر قانون اتر پردیش)، سید ذوالفقار علی خاں (نواب زادہ) (ممبر پارلیمنٹ رامپور)، سید محمد عباس (نواب) (ٹی سی ایس سکریٹری درگاہ)، مرزا رضا علی خاں (متولی حسین آباد ٹرسٹ)، سید انور حسین ایڈوکیٹ، سید مظفر حسین طاہر جردی۔

شائع کردہ: حسن لکھنوی محاسب درگاہ



درگاہ حضرت ابوالفضل العباس لکھنو

Telephone No 82184
Regd. No LW/NP 25

25th July, 1975

Regd. of Newspapers
No [illegible]

The SARFARAZ WEEKLY, Lucknow

RAJAB NUMBER

ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ

رجب ۱۳۹۶ھ



ایڈیٹر مصطفیٰ حسن رضوی



عکس مبارک اعلم دوران
سرکار آیۃ اللہ السید ابوالقاسم الخوئی دام ظلہ العالی

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا آرگن

سرفراز لکھنؤ

ہفتہ وار

رجب نمبر

جلد ۵۴ | ۱۰ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۷۶ء | نمبر ۲۳و۲۴

(ایڈیٹر)

مصطفٰے حسن رضوی

چندہ سالانہ : سولہ روپیہ | قیمت رجب نمبر : چار روپیہ

علیؑ و نبیؐ میں فرق

فرق صرف اتنا ہی ہے اک نبیؐ ہے اک وصی — خلقتاً جو ایک ہو اس میں کہاں رنگِ دوئی

غور سے سُنئے سب حیرت نے کیا اچھا کہا — اوڑھ لیں چادر تو احمدؐ جب نہ اوڑھیں تو علیؑ

حیرت (سلطانپوری)

سید انصار حسین برٹرد
پبلسٹی برائے آل انڈیا
شیعہ کانفرنس سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر
دفتر سرفراز ناداں محل روڈ
لکھنؤ نمبر ۲ سے
شائع کیا

کلام الامام امام الکلام

"فتنہ و فساد کی ابتدا اُن نفسانی خواہشوں سے ہوتی ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے اور اُن نئے نئے احکام جو ایجاد کیے جاتے ہیں جن میں کتاب خدا اور حدیث رسولؐ کی مخالفت کی جاتی ہے اور اُن احکام کے پھیلانے میں کچھ لوگ دوسروں کو دین خدا کے خلاف اپنا دوست اور مددگار بنا لیتے ہیں۔ پس اگر باطل حق میں ملنے سے بچا رہے تو طالبانِ حق پر پوشیدہ نہ رہے اور یہ لوگ اُس سے ہمیشہ محفوظ رہیں اور اگر حق باطل سے علیحدہ رہے تو اس سے مخالفین و معاندین کی زبانیں بند رہیں۔ مگر حالت تو یہ ہے کہ ایک حصہ باطل سے اور ایک حصہ حق سے لے لیا جاتا ہے اور دونوں ملائے جاتے ہیں پس اسی موقع پر شیطان اپنے مریدوں پر غالب آ جاتا ہے اور اُس کے تسلط سے صرف وہی لوگ بچتے ہیں جن پر پہلے سے خدا کی عنایت رہتی ہے۔" (نہج البلاغہ ص۲۲۳)

"اے خدا کے بندو! میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی تمھیں صیت کرتا ہوں اور منافقوں سے بھی چوکنا کیے دیتا ہوں کیونکہ وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والے، بے راہ اور بے راہروی پر لگانے والے ہیں۔ وہ مختلف رنگ اور ہر بات میں جُدا گانہ بنیترا بدلتے ہیں اور تمھیں ہمخیال بنانے کے لیے ہر قسم کے مکر و فریب کے اڑانوں کا سہارا دیتے ہیں اور ہر گھات کی جگہ پر تمھاری تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ اُن کے دل نفاق کے روگ میں مبتلا اور چہرے بظاہر کدورتوں سے پاک صاف ہیں وہ اندر ہی اندر چالیں چلتے ہیں اور بہکانے کے لیے اس طرح رینگتے ہوئے بڑھتے ہیں جس طرح مرض چپکے سے سرایت کرتا ہے۔ اُن کے طور طریقے دوا، باتیں شفا اور کرتوت دردِ بے درماں ہیں۔ انھوں نے ہر حق کے مقابل میں باطل اور ہر راست کے مقابلہ میں کج، ہر زندہ کے لیے قاتل ہر در کے لیے کلید اور ہر رات کے لیے چراغ مہیا کر رکھا ہے وہ بے آسی میں آس پیدا کر لیتے ہیں کہ جس سے اپنے بازار جمائیں اور اپنے مال کو رواج دیں۔ وہ غلط بات کو صحیح کے انداز میں کہتے ہیں اور باطل کو حق کا رنگ دے کر پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے لیے تو راستے آسان اور دوسروں کے لیے پیچیدگیاں ڈال دی ہیں۔ وہ شیطان کا گروہ اور آگ کا شعلہ ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا شیطان کا گروہ ہے اور جانے رہو کہ شیطان کا گروہ ہی گھاٹا اٹھانے والا ہے۔"

فہرست مضامین

تلخیص

ارجح المطالب

تلخیص و ترتیب

مولانا مسرور حسن صاحب مبارکپوری

ایم۔ اے۔ صدر الافاضل

تالیف

علامہ عبیداللہ امرتسری

ایک وضاحت

جناب مولوی عبید اللہ امرتسری کی کتاب "ارجح المطالب" بڑے پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے جب سے وہ شائع ہوئی ہے۔ اس کے حوالے برابر رسائل میں پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ یہ کتاب مولوی عبید اللہ امرتسری نے اس وقت لکھی تھی جبکہ وہ احمدیہ مسلک قبول کرنے سے پہلے سنی مسلک کے پیرو تھے۔ بہرحال چونکہ کتاب خلوص سے لکھی گئی تھی اس لئے اسے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی اور وہ آج بھی صاحبان علم میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

بہرحال کتاب بڑی بلند پایہ ہے جس میں فضائل و مناقب حضرت علی علیہ السلام خالص سنی ماآخذوں سے جمع کئے گئے ہیں۔

عرصہ سے دو تمنائیں تھیں، پہلی یہ کہ کسی طرح جناب ریاض ساری طاب ثراہ کی مشہور کتاب "الکرار" نظر ثانی کے بعد چھپ جائے اور دوسرے یہ کہ جناب مولوی عبید اللہ امرتسری مرحوم کی کتاب ارجح المطالب بھی پھر عوام کے سامنے آجائے۔ ان دو آرزوؤں میں سے ایک آرزو جزوی طور پر اس سال کے رجب نمبر کے ذریعہ پوری ہو رہی ہے جس کی تلخیص جناب مولانا سرور حسین صاحب قبلہ ایم۔ اے صدر الافاضل نے فرمائی ہے۔ اگر حیات مستعار باقی رہی تو بقیہ حصہ سال آئندہ پیش کیا جائے گا۔ اب تک مولانائے موصوف نے جتنی تلخیص کی تھی وہ اس نمبر کے ذریعہ پیش کی جا رہی ہے۔

ارجح المطالب میں فاضل مؤلف نے جو دیباچہ لکھا ہے اسے من و عن بغیر کسی کمی و بیشی کے جوں کا توں دیدیا گیا ہے۔

(ایڈیٹر سرفراز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امّا بعد

احقر العباد عبید اللہ بن مظہر جمال المتخلص بہ بسمل امرتسری محبان اہل بیت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ جس زمانہ میں میں ریاست رام پور کے کتب خانہ کی خدمت رجسٹراری پر مامور تھا مجھ سے ایک میرے ہم خیال مہربان نے ارشاد کیا کہ متقدمین نے جناب امیرؑ کے مناقب کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جس سے عربی زبان کے جاننے والے ہی پورے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ یہ کتابیں عام طور پر دستیاب ہو سکتی ہیں اور نہ عوام ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ماسوا اس کے ان کتابوں میں ہر ایک حدیث کا سلسلہ سند جو اس حدیث کی صحت اور سقم کا معیار ہے اس قدر طول و طویل ہے کہ ناآشنائے فن کی طبیعت اس کو پڑھ کر اکتا اٹھتی ہے اگر اسناد کو حذف کر کے صرف متون احادیث کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے تو زمانہ حال کے عوام لوگ اس سے بہت کچھ اپنے الجھے ہوئے عقائد کو سلجھا سکتے ہیں۔

مجھے اُس وقت کتب خانہ کے آئے دن کی پیچیدگیوں سے دم بھر کی مہلت نہیں ملتی تھی تاہم میں نے اپنے ہم مشرب مہربان کے ارشاد سے سرتابی کی مجال نہ دیکھی گو چھوٹا منہ اور بڑی بات تھی۔ لیکن بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہہ کر میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی کشتی کو اس بحر مواج کی منجدھار میں چھوڑ دیا۔ اگرچہ کار سرکار کے سوا اور بہت سے موانع پیش آئے اور اس کار خیر میں مزاحمت کرنے والوں نے اپنی طینت کی خوبی کو ظاہر کیا۔ مگر میں لگاتار اپنے کام میں مصروف رہا۔ بجائے اس کے کہ کوئی صاحب [illegible] شریک ہو کر میرا ہاتھ بٹاتا اور داخل حسنات ہوتا۔ از دست اپنی مخالفت سے میرے دل دکھاتا تھا مگر مجھے اپنے کام سے کام تھا۔ نہ کسی کی مخالفت کی پروا تھی اور نہ اپنی کم استعدادی کا مطلق خیال تھا جس وقت کہ اپنے فرض منصبی کو انجام دے چکتا۔ اس گورکھ دھندے کو اپنے سامنے لے بیٹھتا۔ انہیں دنوں میں مجھے عظیم آباد پٹنہ کا سفر پیش آیا اور خدا بخش خان صاحب وکیل کے کتب خانہ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا پھر لکھنؤ۔ آگرہ، دہلی وغیرہ کے کتب خانوں کی سیر کرتا پھرا۔ غرضیکہ جس دسترخوان سے جو کچھ بھیک کا ٹکڑا ملا اسی سے اپنے کشکول گدائی کو بھر لیا نہ اس میں متکلمین کے پیچیدہ استدلالی ہیں اور نہ فلسفانہ بارک خیال ہیں نہ کسی مذہب پر کوئی اعتراض کیا ہے اور نہ کسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔ اگر فی الجملہ کچھ ہے تو خدائے بے نیاز کی مقدس کتاب کی چند آیتیں یا پیغمبر آخر الزمانؐ کی چند حدیثیں یا صحابہ کرام کے آثار یا ائمہ حدیث کے اقوال یا بعض تاریخی واقعات یا مظہر العجائب علیہ السلام کے حالات ہیں [illegible] کی سندوں کو بخوف اختصار حذف کیا گیا ہے تاکہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے اور پڑھنے والے کی طبیعت [illegible] بہلی رہے ہر ایک حدیث کی ابتدا میں صحابہ [illegible] سے اس حدیث کے راوی ہوں ان کے نام [illegible] حدیث میں اس کے تخریج کرنے [illegible] اختصار کیا گیا ہے اور [illegible] ترجمہ کر دیا ہے جہاں تک [illegible]

کرنے میں صحت کے خیال کو مدنظر رکھا ہے لیکن کرسکتا ہوں۔ نسخے تھیں جن کے حروف بہت جگہ سے مشکوک اور محکوک تھے اس وجہ سے اگر نقل کرنے میں غلطی واقع ہوگئی ہو تو میں خدا سے اس کی معافی کا خواستگار ہوں۔ اور ناظرین سے تصحیح کی استدعا کرتا ہوں۔

مؤلف کی غرض اس تالیف سے مصنفین کی قطار میں شمار ہونے کی نہیں صرف اہلبیت ؑ کی جناب میں اپنے عقیدت کا اظہار ہے نہ کسی سے صلہ کی توقع ہے نہ انعام کی آرزو ہے۔ رب العزت کی جناب سے عفو تقصیرات کا صلہ چاہتا ہوں اور اہلبیت ؑ کی درگاہ سے اپنے گناہوں کی شفاعت کا انعام مانگتا ہوں۔ ہاں اگر احباب میری لغزشوں سے قطع نظر کرکے دعا خیر سے یاد فرماویں تو ان کی قدردانی ہے۔ اعینونی اذا احسنت امرا فان اخطائت ایتلونی صلاحاً
خواہ مجھے کوئی شیعہ کہے یا سنی میرا مذہب تو یہ ہے ؎

پاس ادب بہر چہار راست
لیکن تعلق ہزار کار راست

میں اپنے مولا کی محبت میں مست ہوں شیعہ سنی کی ردو قدح کا موازنہ نہیں کرسکتا۔

میں نے سوانحعمری کے پیرایہ میں جناب امیر ؑ کے فضائل و مناقب کو جمع کیا ہے اور لوگوں کو اس مظہر العجائب کے روحانی و اخلاقی اوصاف کھینچ کر دکھایا ہے۔

اگر حسن عقیدت سے قطع نظر کرکے تھوڑی دیر کے لئے نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ناظرین کو رائے قائم کرنے کا بخوبی موقع مل سکتا ہے۔ جس جلیل الشان اسلامی ہیرو کا یہ فوٹو لیا گیا ہے وہ صرف مذہبی پیشوا ہی نہیں بلکہ سلطنت کے تاریخی ... کا خطاب ہے۔ دنیا میں جتنے مشاہیر گزرے ہیں اور جن کی سوانح عمریاں آب زر سے لکھی گئی ہیں ان میں سے جناب امیر علیہ السلام ایسے فرد الافراد ہیں کہ ہر طبقہ کے مشاہیر میں سرآمد نظر آتے ہیں۔

مجمع سلاطین میں آپ جلال الٰہی کا تاج سر پر رکھے ہوئے ایک عظیم الشان سلطان ہیں کہ جس کے دربار میں قیصر و کسریٰ کے سفیر دست بستہ نہایت ادب سے سر نیچے کئے ہوئے خاموش استادہ ہیں

معرکۂ کارزار میں آپ ایسے یکہ تاز شہسوار ہیں کہ آستین چڑھا کر عمرو و مرحب جیسے عرب کے رستم نژادوں کو پچھاڑ کر ان کے سینہ پر چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

منبر پر آپ ایک شیوہ زبان اسپیکر ہیں کہ فصحائے عراق و بلغائے عرب آپ کے خطبہ کی فصاحت سے جوش میں آکر کچھ پوچھنے کے لئے اٹھتے ہیں اور پھر مبہوت بن کر کھڑے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

علم و فضل کی درسگاہ میں آپ ایک طلیق اللسان پروفیسر ہیں کہ انبیائے بنی اسرائیل کی شریعت کے دستور کو یونانی فلسفہ کے ساتھ بنی اسرائیل کی زبان میں بیان فرما رہے ہیں۔

غرضیکہ مسند فقر پر آپ ایک منکسر المزاج فقیر ہیں اور چار بالش امارت پر آپ ایک ذی شوکت امیر ہیں اگر عدالت میں آپ نوشیرواں ہیں تو شجاعت میں رستم زماں ہیں۔ اگر سخاوت میں آپ حاتم نوال ہیں تو شہامت میں بے نظیر و مثال ہیں۔

ایسے صفات متضادہ کا بشر ابوالبشر کی اولاد میں پیدا نہیں ہوا۔ ایسے مرد صفات متقابلہ کا آدمی جناب آدم ؑ کی ذریت میں ہویدا نہیں ہوا۔

انہیں صفات متضادہ اور اوصاف متقابلہ کو دیکھ کر نصیریہ نے آپ کو خدا جانا اور صوفیہ نے خدا جانے کیا جانا مگر سچ تو یہ ہے ؎

ذاتِ حیدر کو کوئی کیا جانے
یا نبی جانے یا خدا جانے

میری بساط ہی کیا تھی کہ میں ایسے اہم مطالب کا بیڑا اٹھاتا مگر شوق نے دل کو ایسا گدگدایا کہ بیتاب کر دیا ہر چند کہ میں اس دریا میں تیرنے کے لائق نہیں تھا مگر امید نے سہارا دیا اور اس سہارے سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

میں اپنے امامیہ احباب سے نہایت شرمسار ہوں کہ میں اس تالیف میں انکی کتابوں سے اخذ مطالب کر رہا ہوں۔ اور حضرات اہلسنت و جماعت کی کتب حدیث پر ہی اس کتاب کی تدوین کا مدار رکھا ہے اس لئے اہل سنت و جماعت کے ائمہ حدیث رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے مبارک کی ایک فہرست مع ان کے سنہ وفات کے دیباچہ میں درج کر دی ہے۔

وفیات آئمہ محدثین

اسمار محدثین	سنہ وفات	اسمار محدثین	سنہ وفات
ابن شہاب الزہری امام کے استاد انہوں نے سب سے پہلے اس فن کو مدون کیا	سنہ ۱۲۵ھ	عبداللہ بن الوہب۔ آپ نے بھی کتاب موطا لکھی مگر مشہور نہیں ہوئی۔	سنہ ۱۹۷ھ
ابن اسحاق صاحب السیرۃ آپ نے آنحضرت ﷺ کی سیرت اور مغازی کو روایت کیا ہے۔	سنہ ۱۵۱ھ	سفیان بن عیینہ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی	سنہ ۱۹۸ھ
		امام شافعی	سنہ ۲۰۴ھ
الکلبی صاحب التفاسیر و علم النسب استاد سفیان ثوری	سنہ ۱۴۶ھ	ابوداؤد الطیالسی صاحب کتاب مسند	سنہ ۲۰۳ھ
امام مالک صاحب کتاب موطا	سنہ ۱۷۹ھ	الواقدی صاحب مغازی	سنہ ۲۰۷ھ
عبداللہ بن مبارک شاگرد امام مالک	سنہ ۱۸۱ھ	عبدالرزاق صاحب تفسیر استاد امام حنبل	سنہ ۲۱۱ھ
وکیع بن الجراح۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے	سنہ ۱۹۶ھ	الفریابی صاحب التفسیر	[illegible]
		الحمیدی صاحب المسند	[illegible]

اسماء محدثین	سنہ وفات
آدم بن ابی ایاس صاحب التفسیر	سنہ ۲۲۲ھ
ابو عبیدہ صاحب غریب الحدیث وشواہد	سنہ ۲۲۴ھ
سعید بن منصور صاحب التفسیر	سنہ ۲۲۷ھ
ابن سعد صاحب الطبقات	سنہ ۲۲۳ھ
ابن ابی شیبہ استاد امام بخاری صاحب کتاب و مصنف مسند وتفسیر	سنہ ۲۲۹ھ
اسحاق بن راہویہ صاحب مسند وتفسیر	سنہ ۲۳۸ھ
امام احمد بن حنبل صاحب مسند وزہد المناقب	سنہ ۲۴۱ھ
ابن ابی عمر العدنی صاحب مسند	سنہ ۲۴۳ھ
ابن منیع صاحب مسند	سنہ ۲۴۴ھ
الدارمی صاحب مسند	سنہ ۲۵۵ھ
امام المحدثین بخاری صاحب جامع الصحیح والتاریخ والادب	سنہ ۲۵۶ھ
زبیر بن البکار صاحب اخبار المدینہ	سنہ ۲۵۶ھ
امام مسلم صاحب جامع الصحیح	سنہ ۲۶۱ھ

اسماء محدثین	سنہ وفات
ابوداؤد صاحب السنن والناسخ والمنسوخ	سنہ ۲۷۵ھ
ابوعیسی الترمذی صاحب الجامع والشمائل	سنہ ۲۷۹ھ
ابن ماجہ صاحب السنن	سنہ ۲۷۵ھ
ابن ابی الدنیا صاحب کتاب مصنف	سنہ ۲۸۱ھ
الحارث ابن ابی اسامہ صاحب المسند	سنہ ۲۸۲ھ
القاضی اسماعیل صاحب کتاب فضل الصلوۃ علی النبیؐ	سنہ ۲۸۲ھ
ابن ابی عاصم صاحب مسند	سنہ ۲۸۷ھ
الحکیم الترمذی صاحب نوادر الاصول	سنہ ۲۸۹ھ
عبداللہ بن امام احمد بن حنبل صاحب زوائد فی المسند	سنہ ۲۹۵ھ
البزار شاگرد امام بخاری صاحب مسند	سنہ ۲۹۲ھ
النسائی صاحب السنن والخصائص	سنہ ۳۰۳ھ
ابو یعلی المسند والمعجم	سنہ ۳۰۷ھ
ابن جریر طبری صاحب تفسیر وتاریخ	سنہ ۳۱۰ھ
ابو بشر دولابی صاحب الکنی	سنہ ۳۱۰ھ
ابن خزیمہ صاحب الصحیح	سنہ ۳۱۱ھ
ابو القاسم البغوی صاحب المعجم الصحابہ	سنہ ۳۱۷ھ
ابن المنذر صاحب التفسیر والاوسط	سنہ ۳۱۷ھ
الطحاوی صاحب مشکل الآثار	سنہ ۳۲۱ھ

اسماء محدثین	سنہ وفات
العقیلی صاحب الضعفاء	سنہ ۳۲۲ھ
ابن قتیبہ الدینوری صاحب کتاب المعارف ابو بکر الانباری	سنہ ۳۲۲ھ
ابن ابی حاتم صاحب التفسیر	سنہ ۳۲۷ھ
المحاملی صاحب الامالی	سنہ ۳۳۵ھ
ابن قانع صاحب المعجم	سنہ ۳۳۷ھ
ابو بکر الشافعی صاحب غیلانیات	سنہ ۳۵۴ھ
ابن حبان صاحب الصحیح والثقات والضعفاء	سنہ ۳۵۴ھ
ابن السکن صاحب معرفۃ الصحابہ	سنہ ۳۵۳ھ
الطبرانی صاحب معاجم ثلاثہ	سنہ ۳۶۰ھ
الآجری صاحب الشریعۃ والاربعین	سنہ ۳۵۹ھ
ابن السنی شاگرد نسائی صاحب عمل الیوم	
ابن عدی صاحب الکامل	سنہ ۳۶۵ھ
ابو الشیخ صاحب التفسیر والعظمۃ والوصایا	سنہ ۳۶۹ھ
ابو بکر الاسماعیلی صاحب الصحیح والمعجم	سنہ ۳۷۱ھ
ابن شاہین صاحب السنن والترغیب	سنہ ۳۸۵ھ
الدارقطنی صاحب السنن وغیرہ	سنہ ۳۸۵ھ
الخطابی صاحب غریب الحدیث	سنہ ۳۸۸ھ
ابن مندہ صاحب معرفۃ الصحابہ	سنہ ۳۹۵ھ
الحاکم صاحب المستدرک والتاریخ	سنہ ۴۰۵ھ

اسماء محدثین	سنہ وفات
ابن مردویہ المشہور بطراز المحدثین صاحب التفسیر والمناقب والمستخرج علی البخاری	سنہ ۴۱۰ھ
تمام صاحب الفوائد	سنہ ۴۱۴ھ
اللالکائی صاحب السنۃ	سنہ ۴۱۸ھ
ابو نعیم استاذ خطیب بغدادی صاحب الحلیۃ و معرفۃ الصحابۃ وغیرہ	سنہ ۴۳۰ھ
الثعلبی صاحب التفسیر	سنہ
البیہقی صاحب السنن و شعب الایمان وغیرہ	سنہ ۴۵۸ھ
الخطیب البغدادی صاحب التاریخ والجامع	
ابن عبد البر صاحب کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	سنہ ۴۶۳ھ
الواحدی تلمیذ الثعلبی صاحب التفاسیر المشہور	سنہ ۴۶۸ھ
البغوی صاحب معالم التنزیل و شرح السنۃ	سنہ ۵۱۶ھ
الدیلمی صاحب فردوس الاخبار	سنہ ۵۰۹ھ
السلفی صاحب التاریخ	[illegible]
ابن عساکر صاحب التاریخ	[illegible]
ابن الاثیر الجزری صاحب کامل التاریخ	[illegible]
الخوارزمی	[illegible]

اس کتاب کی تالیف میں کتب مشہورہ حدیث مثل صحاح ستہ وغیرہ کے سوا جن کتابوں سے خصوصیت کے ساتھ اخذ مطالب کیا گیا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں :-

نام کتاب	نام مؤلف	نام کتاب	نام مولف
المناقب	امام احمد بن حنبل	شرف النبوة	علامہ ابوسعید
الخصائص	امام نسائی	اسعاف الراغبین فی سیرة المصطفیٰ وفضائل اہلبیت والطاہرین	علامہ محمد بن علی صبان
حقیقۃ المطہرین	حافظ ابونعیم		
المناقب المسمی بمسند فاطمہ	حافظ دارقطنی	تذکرہ خواص الامۃ فی احوال الائمہ	علامہ سبط ابن جوزی
المناقب	طراز المحدثین علامہ مردویہ	ما نزل من القرآن فی علی	حافظ ابونعیم
جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین ابوالحسن السمہودی	شرح تحفۃ العلویہ	علامہ اسماعیل صنعانی
کتاب الآل	علامہ ابن خالویہ	مناقب ائمہ اثنا عشر	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
معالم العترة	حافظ ابوالحسن جنابذی	اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابیطالب	علامہ شمس الدین جزری
ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ	علامہ محب الدین طبری		
فرائد السمطین فی فضائل		فضائل فاطمۃ الزہرا علیہا السلام	علامہ حافظ امام حاکم صاحب المستدرک
المرتضیٰ والبتول والسبطین	علامہ ابراہیم حموینی	نور العین فی مشہد الحسین	امام ابواسحاق اسفرائنی
مطالب السئول	علامہ کمال الدین شافعی	نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار	علامہ شبلنجی شافعی
فصول المہمہ فی معرفۃ الائمہ	علامہ ابن صباغ مالکی		
مودة القربیٰ	سید علی الہمدانی	مناقب سیدة النساء الفاطمہ	علامہ جلال الدین سیوطی
المناقب	فقیہ ابن المغازلی مالکی	سر الشہادتین	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
مفتاح النجا فی مناقب ذوالقربیٰ	علامہ میرزا محمد بدخشانی	کفایۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابیطالب	علامہ محمد ابن یوسف الکنجی الشافعی
ینابیع المودة	علامہ سلیمان حنفی بلخی		
فضائل اہلبیت	حافظ البزاز	نزل الابرار	علامہ بدخشی
المناقب	قاضی شہاب الدین دولت آبادی	معارج الوصول الی معرفۃ فضل آل رسول	علامہ محمد بن یوسف زرندی مدنی

نام کتاب	نام مؤلف	نام کتاب	نام مؤلف
صراط السوی فی مناقب آل النبی	علامہ محمود بن محمد بن علی شیخانی قادری	رسالہ فضائل اہلبیتؑ	سید عبدالرحمن لاہوری شافعی
معارج العلی فی مناقب المرتضی	محمد صدر عالم	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	جمال الدین احمد المعروف بابن عنبہ
توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل	شہاب الدین احمد	ریاض الفضائل	شیخ محمد واعظ ہروی
الخصائص العلویہ علی سائر البریہ	ابو الفتح محمد بن علی بن ابراہیم نطری	وسیلۃ المآل فی عد مناقب الآل	شیخ احمد بن فضل مکی شافعی
فتح المطالب فی مناقب علی بن ابی طالب	حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	کتاب الصفوۃ مناقب بیت آل نبوۃ	عبدالرؤف المغازی
مرآۃ المومنین فی مناقب اہل بیت سید المرسلین	مولوی ولی اللہ لکھنوی	الفتح المبین فی فضائل اہلبیت سید المرسلین	علامہ رشید الدین خان دہلوی
درر السمطین فی فضل المصطفے والمرتضے والسبطین	جمال الدین محمد یوسف زرندی	ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر الآل	شیخ احمد بن عبدالقادر عجیلی شافعی
		سعادت الکونین	لم اقف علی اسم مولفہ
عرف الوردی فی اخبار المہدی	علامہ سیوطی	تفسیر العقود السنیہ	رضی الدین محمد بن علی بن حیدر
مناقب حیدریہ	شیخ احمد بن علی بن ابراہیم انصاری شیخانی	القول الجلی فی فضائل علی	علامہ سیوطی
عقد اللآل فی فضائل الآل	شیخ عبداللہ عیدروس	دعاۃ الہداۃ الی اداء حق الموالات	عبید اللہ بن عبداللہ حسکانی
احیاء المیت بفضائل اہل بیت	علامہ جلال الدین سیوطی	اسنی المطالب فی فضائل	شیخ ابراہیم بن عبداللہ
المناقب	حافظ الدین محمد بن احمد عجمی	علی بن ابی طالب	وصابی شافعی

ناظرین کو کتاب کے مطالعہ سے آپ خود ظاہر ہو جائے گا کہ احقر نے کس قدر جانکاہی سے اسکے ابواب کو ترتیب دیا ہے۔

پہلے باب میں جناب امیرؑ کے اسماء اور القاب درج کر کے کفایۃ المہمہ [illegible] اسماء ابی الائمہ اس کا نام رکھا ہے۔

دوسرے باب میں آپ کے شان کے متعلق قرآن شریف کی آیتیں جمع کی ہیں اور اس کا نام النص الجلی مما نزل من کتاب اللہ فی علی قرار دیا۔

تیسرے باب میں جناب کے افضل الناس ہونے کا ثبوت ہے اور اس کا نام [illegible] الکواکب المضیئہ فی فضائل [illegible] پکارا ہے۔

چوتھے باب میں آپ کی خصوصیات کا تذکرہ ہے
موفق بن احمد اخطب خوارزم نے العروۃ الوثقیٰ فی خصائص
المرتضیٰ کا خطاب اس کو عطا کیا ہے اور بحیثیت مجموعی
اس تالیف کو ارجح المطالب فی عدمناقب اسداللہ
الغالب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب
کے لقب سے نامزد کیا ہے۔

کوئی صاحب یہ نہ خیال کریں کہ اس کتاب کو صرف
مناقب ہی سے تالیف کیا ہے نہیں بلکہ کتب صحاح میں
جامع بخاری اور مسلم اور ترمذی اور مستدرک حاکم اور
مسند اہلبیت جناب امام رضا علیہ السلام اور کنز العمال
اور سنن ابن شیبہ اور حلیۃ الاولیاء اور جامع عبدالرزاق
اور مسند بزار اور معاجم ثلاثہ طبرانی وغیرہ سے

اور کتب رجال میں الاستیعاب فی معرفۃ
الاصحاب اور اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
اور اصابہ فی تمیز الصحابہ اور ریاض
النضرۃ فی فضائل العشرہ وغیرہ

اور تفاسیر میں تفسیر معالم التنزیل اور الدر
المنثور فی تفسیر الماثور اور تفسیر کشاف اور بیضاوی
وغیرہ سے اور تواریخ میں تاریخ طبری اور کامل التواریخ
اور مروج الذہب لمسعودی مرآۃ الجنان یافعی اور
تاریخ ابن عساکر وغیرہ سے اور سیر میں سیرۃ ابن
اسحٰق واقدی اور مدارج النبوۃ سے بہت کچھ مدد
لی گئی ہے جس کتاب سے کوئی مطلب اخذ کیا ہے
اس کتاب کا نام اس کی عبارت کے ذیل میں
درج کر دیا ہے۔ اب میں اور ناظرین کتاب کے
لئے دعائے خیر مانگتا ہوں اور اصل کتاب کی طرف
رجوع کرتا ہوں۔

واللہ تعالےٰ یعصمنا عن الخطاء
والخطل وثبت اقدامنا فی مواضع الزلل
انہ المرجوع فی الاولیٰ والاخریٰ و
علیہ التوکل والاعتماد فی الدنیا
والعقبےٰ

باب اوّل۔ جناب امیرؑ کے اسماء مبارک میں

اسد ابن اعرابی کا قول ہے کہ جناب امیرؑ کی والدۂ
ماجدہ فاطمہ بنت اسد حمل سے تھیں۔ اور
ان کے وضع حمل کے وقت جناب ابوطالب کہیں گئے
ہوئے تھے اور جناب امیرؑ تولد ہوئے جناب فاطمہ
بنت اسدؑ نے اپنے والد کے نام پر ان کا نام اسد
رکھا تاکہ ان کے والد کا نام ان کے ذریعہ سے زندہ
رہے جب ابوطالبؑ تشریف لائے تو ان کا نام علیؑ
رکھا۔

(یواقیت ابومحمد زاہدی)

حیدرہ عطا کہتے ہیں کہ جناب امیر کی والدۂ ماجدہ
نے آپ کا نام حیدر رکھا تھا اس کی دلیل
یہ ہے کہ خیبر کے روز آپ نے اپنے رجز میں فرمایا ہے:

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر یعنی شیر رکھا ہے"۔

(تذکرہ خواص الائمہ)

علامہ حلبی سیرۃ حلبیہ میں لکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ کا
اپنا رجز میں اپنے کو حیدر کہنا یہ ایک کشفی امر تھا کہ اسی رات
مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ
ڈالا ہے پس جناب امیرؑ نے اس کو خوف دلانے کے لئے اس

کاذکر کیا ہے وہ شیر ہوں جسے تونے خواب میں دیکھا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ پیدا ہوئے اسوقت ابوطالب گھر میں نہیں تھے۔ آپ کی والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا۔ ایک حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب امیرؑ ابھی دودھ پیتے ہی بچہ تھے اور گھر میں تنہا تھے آپ کی والدہ گھر سے باہر کسی کام کو گئی ہوئی تھیں اور ان کا گھر کچا تھا ایک پہاڑ کے بیچ میں تھا ایک سانپ پہاڑ پر سے اترا اس نے جناب امیرؑ کو قتل کرنا چاہا۔ جناب امیرؑ نے ہاتھ بڑھا کر مضبوط پکڑ لیا۔ وہ جناب کے ہاتھ ہی میں مر گیا۔ اتنے میں آپ کی والدہؑ باہر سے تشریف لائیں اور سانپ کو ان کے ہاتھ میں مرا ہوا دیکھ کر کہنے لگیں اے میرے شیر، خدا تجھے زندہ رکھے اس سے آپ کا نام حیدر مشہور ہو گیا۔

(مناقب الاصحاب ابوبکر مرہوی)

علیؑ جناب امیرؑ کے علیؑ ہونے کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہؑ ماجدہ نے ان کی ولادت کے وقت ہی ان کا نام علیؑ رکھا تھا (تذکرۂ خواص)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے دوش اقدس پر کعبہ کے بت توڑنے کے لئے چڑھے اس وقت شرف اور علو اور رفعت کی وجہ سے آپ کا نام علیؑ پکارا گیا۔

(تذکرۂ خواص)

بعض کے نزدیک خود ابوطالبؑ نے جناب امیرؑ کا نام علیؑ رکھا تھا چنانچہ علامہ یوسف گنجی بھی اس بات کے قائل ہیں اور کفایت الطالب میں جناب ابوطالب کا ایک شعر پیش کرتے ہیں۔

سمیتہ لعلی کی یدوم لہ
عز العلو و فخر العز ادومہ

"یعنی میں نے ان کا نام علی اس لئے رکھا ہے تاکہ سربلندی کی عزت ان کے لئے ہمیشہ رہے اور عزت کا فخر ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ لئے رہے"۔

جناب سرور عالمؐ کے گلہ بان ابو سلمیٰ ان روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شب معراج میں پروردگار نے مجھ سے ارشاد کیا یا محمدؐ تم اپنی امت میں اپنی جگہ پر کس کو چھوڑ آئے ہو میں نے عرض کیا ان کے بہتر اور برتر کو فرمایا کیا علیؑ ابن ابیطالب کو۔ میں نے عرض کیا ہاں اس کو۔ پروردگار عالم نے فرمایا یا محمدؐ میں نے زمین والوں کو اچھی طرح سے دیکھ کر تم کو برگزیدہ کیا اور اپنے ناموں میں سے ایک نام تمہارے لئے مشتق کیا پس میں محمود ہوں اور تم محمد ہو۔ پھر میں نے دوبارہ زمین کے لوگوں کو دیکھا اور علی کو انتخاب کیا اور اس کے لئے بھی ایک نام اپنے ناموں سے مشتق کیا پس میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہے ـــــ یا محمدؐ میں نے تم کو اور علی کو اپنے اصلی نور سے مخلوق کیا ہے اور تم دونوں کی ولایت کو آسمان اور زمین والوں کے سامنے پیش کیا۔ جس نے ان کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومن ٹھہرا اور جس نے ان سے انکار کیا کفار کے گروہ میں سے ہو گیا۔

روضۃ الشہدا میں ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ جب جناب امیرؑ تولد ہوئے ابوطالب بچہ کے پاس دیکھنے کو تشریف لائے۔ جناب امیرؑ نے ہاتھ بڑھا کر ان کے چہرہ کو خراشیدہ کیا انھوں نے اپنی زوجہ سے پوچھا تم نے ان کا کیا نام رکھا ہے انھوں نے جواب دیا میں نے ان کا نام اپنے والد کے نام پر اسد رکھا ہے ابوطالب نے کہا ان کا نام ہمارے جد اعلیٰ جامع قبائل عرب قصی کے نام پر زید رکھنا چاہیے۔ اس اثناء میں آنحضرتؐ تشریف لائے اور پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا ہے عرض کیا گیا کہ والدہ نے اسد اور والد نے زید رکھا ہے آنحضرتؐ نے ارشاد کیا کہ علی نام رکھنا چاہیے جناب

والدہ ماجدہ نے عرض کیا کہ بخدا ایک روز میں نے ہاتف سے یہی نام سنا تھا ۔۔۔ دوسری روایت میں ہے کہ جناب امیرؑ کے نام رکھنے کی بابت ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد میں باہم تکرار ہونے لگی۔ آخر کار دونوں فیصلہ کے لئے کعبہ میں گئے۔ جناب فاطمہ بنت اسد نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ شعر کہا جس کا ترجمہ یہ ہے

"اے پروردگار! اس لڑکے کی نام کی بابت جو کچھ تیری رضا ہو مجھے اس سے آگاہ کر، تیرے بن عیب سے ملا آگئی - اس کا نام "علی" ہے - علی مشتق ہے العلی سے جو خدائے پاک کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

روایت ہے کہ جب جناب امیر پیدا ہوئے تو ابوطالب نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر یہ شعر پڑھا -

" میں تجھے پکارتا ہوں اے اندھیری رات اور صبح روشن کے مالک ہم سے اپنی رضا کا حکم کر جو نام کہ تو اس لڑکے کا مناسب سمجھے، ہاتف نے پکارا تو نے ہم سے اس پاک مہذب اور ستودہ لڑکے کی بابت پوچھا ہے۔ اس کا نام آسمان کی بلندیوں میں علی ہے اور مشتق ہے اعلیٰ سے جو خدائے پاک کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

(مناقب الصحابہ علامہ مرہبی)

کنیت

ابوالحسنؑ ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے اگر تمام دریا سیاہی، تمام درخت قلم تمام انسان کاتب اور تمام جن محاسب ہو جائیں تاہم اے ابوالحسن تیرے فضائل شمار نہ کر سکیں گے۔

(اخرجہ الدیلمی)

ابوالحسینؑ جناب امیرؑ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی حیات بابرکات میں حسینؑ مجھ کو ابا حسین اور حسنؑ ابا الحسن کہا کرتے تھے۔ اور مجھ کو اپنا باپ نہیں سمجھتے تھے بلکہ جناب رسول خداؐ کو اپنا باپ جانتے تھے جب حضرت رحلت فرما گئے تو مجھے ان دونوں نے ابا الحسن اور ابا الحسین کہنا چھوڑ دیا۔ (مناقب خوارزمی)

ابو محمد خوارزمی کہتا ہے کہ جناب امیر اس کنیت سے بھی پکارے جاتے تھے کیونکہ ابن حنفیہ کا نام محمد تھا جن کے ہونے کی بشارت آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو دی تھی۔

ابوالریحانتین جابر سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو وفات سے تین روز پہلے حضرت امیرؑ سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اے ابوالریحانتین تجھ پر سلام ہو میں تجھے اپنے دونوں پھول کے بارے میں دنیا میں وصیت کرتا ہوں عنقریب تیرے دو رکن جاتے رہیں گے اور پروردگار میرا خلیفہ اور نگہبان ہے۔ پھر جب آنحضرت سرور عالم کا انتقال ہو گیا تو جناب امیر فرمانے لگے ان دونوں رکنوں میں سے یہ پہلا رکن تھا جن کی بابت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ جب فاطمہؑ رحلت فرما گئیں تو جناب امیرؑ نے فرمایا یہ دوسرا رکن تھا جو مجھ سے جدا ہو گیا۔

ابوتراب سہل بن سعد کہتے ہیں ایک دفعہ آل مروان کا ایک آدمی مدینہ میں عامل ہو کر آیا اور سہل بن سعد کو بلا کر کہنے لگا تو "علی" کو گالیاں دے سہل نے انکار کیا عامل نے کہا اگر تو اس سے انکار کرتا ہے تو صرف اتنا ہی کہہ دے کہ (نعوذ باللہ) ابوتراب پر لعنت ہو۔ سہل نے کہا جناب امیرؑ کے نزدیک اس نام سے زیادہ پیارا کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ جب اس نام سے پکارے جاتے تو نہایت خوش ہوتے۔ عامل نے کہا ہمیں یہ بتا کہ علیؑ کو ابوتراب کیوں کہا گیا۔ سہل نے کہا ایک روز جناب رسول خداؐ سیدہؑ کے گھر میں تشریف لے گئے۔ علیؑ کو

وہاں موجود نہ پاکر جناب سیدہؑ سے پوچھا تیرا ابن عم کہاں ہے جناب سیدہؑ نے عرض کیا ہم دونوں میں باہم شکر رنجی ہوگئی تھی وہ غصہ ہو کر چلے گئے ہیں اور آج گھر میں قیلولہ نہیں کیا[1]۔ آنحضرتؐ نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ وہ اس وقت کہاں پر تشریف رکھتے ہیں اس شخص نے عرض کیا کہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ سرور کائناتؐ مسجد میں تشریف لے گئے اور ان کو سوتا ہوا پایا اور دیکھا کہ کندھے سے ردا اُتری ہوئی ہے۔ پہلو مٹی آلودہ ہو رہا ہے جناب سرورِ عالمؐ آپ کے بدن سے مٹی پونچھنے لگے اور فرمانے لگے۔ اے ابو تراب اٹھ، اے ابو تراب اٹھ اے ابو تراب اٹھ۔ (بخاری و مسلم)

(۲) ابن عباس کہتے ہیں جب رجناب رسول خداؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا اور سہ ای یہ صورت قرار دی کہ جناب ابوبکر کو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان کو عبدالرحمن بن عوف کا اور طلحہ کو زبیر کا اور ابوذر غفاری کو مقداد کا بھائی بنایا اور علی ابن ابیطالبؑ باقی رہ گئے ان سے کسی کا رشتہ اخوت قائم نہ فرمایا۔ جناب امیرؑ رنجیدہ ہو کر کہیں جاکر زمین پر لیٹ گئے اور اپنے بازو کا تکیہ بنا کر زمین پر سو گئے اور ہوا نے مٹی اڑا کر ان کے بدن مبارک کو گرد آلود کر دیا آنحضرتؐ ان کو ڈھونڈنے لگے اور ان کو اس حالت میں پایا (اور اپنے پاؤں[2] سے ٹھکرا کر) فرمایا۔ تو نے ابو تراب سے میں کیا اچھی مصلحت دیکھی ہے۔ جب میں نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی بندی کا رشتہ جوڑا۔ اور تجھے کسی کا بھائی نہ بنایا تو تو رنجیدہ ہوگیا۔ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ تیری وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جو کوئی تجھ سے محبت کرے گا وہ امن و امان میں چھپا رہے گا اور جو شخص تجھ سے بغض رکھے خدا اُسے کافری کی موت دے گا۔ (مناقب خوارزمی)

(۳) عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ میں اور جناب امیرؑ غزوہ ذی العشیرہ میں باہم رفیق تھے۔ جب آنحضرتؐ وہاں پر فروکش ہوئے تو ہم نے بنی مدلج کے چند آدمیوں کو نخلستان میں ایک چشمہ پر کام کرتے ہوئے دیکھا۔ جناب امیرؑ نے مجھ سے کہا یا ابا الیقظان اگر تم رضامند ہو تو ہم چل کر دیکھیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ہم دونوں ان کے قریب گئے اور ایک گھنٹہ تک انکے کام کو دیکھتے رہے۔ پھر ہم پر نیند نے غلبہ کیا اور ہم نخلستان میں جاکر زمین پر سو گئے۔ واللہ کسی نے ہم کو جناب رسول خداؐ کے سوا بیدار نہیں کیا حضرت نے ہم کو پاؤں سے ٹھکرا کر جگایا۔ ہم بالکل گرد میں اٹے ہوئے تھے بس اسی روز جناب رسول خداؐ نے جناب امیر کو دیکھ کر ابا تراب کا خطاب دیا اور ارشاد کیا کہ میں تم کو دو سخت بدبختوں کی خبر دوں ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ ارشاد ہو، فرمایا ایک تو قوم ثمود کا احمیر نامی جس نے ناقۂ صالح کے پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور ایک وہ شخص ہے جو اے علیؑ تیرے اس مقام یعنی سر پر ضرب لگائے گا اور اس کے خون سے تیری ڈاڑھی تر کرے گا۔

(مناقب خوارزمی۔ خصائص نسائی۔ مستدرک حاکم)

ابو سبطین
اسد اللہ

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول خداؐ نے منبر پر خطبہ ارشاد کیا اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد وعظ بیان فرمایا اور لوگوں کو آخرت کا خوف دلایا پھر آنحضرت رونے لگے اور فرمایا علی [illegible] کہاں ہیں۔ جناب امیرؑ فوراً کھڑے ہوگئے اور [illegible] لگے۔ یا رسول اللہ میں حاضر ہوں [illegible] نزدیک بلایا جب وہ نزدیک گئے تو [illegible]

---

[1] خلاف عقائد شیعہ ہے۔ [2] عقائد شیعہ کے خلاف ہے۔

مبارک سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور رونے لگے یہاں تک کہ رخسار مبارک پر اشک جاری ہو گئے پھر بآواز بلند ارشاد کیا اے گروہ اہل اسلام یہ علی بن ابی طالب شیخ المہاجرین والانصار ہے۔ یہ میرا بھائی۔ ابن عم، داماد اور میرا گوشت و خون ہے۔ یہ ابو سبطین یعنی حسن و حسین کا باپ ہے جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں یہ مجھ سے تکلیف کو دور کرنے والا ہے۔ یہ خدا کی زمین پر خدا کا شیر ہے اور خدا کے دشمنوں کے لئے اس کی شمشیر ہے۔ اس کے دشمنوں پر خدا اور خدا کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اللہ ان سے بیزار ہے۔ میں ان سے بیزار ہوں پس اگر کوئی خدا کی اور میری بیزاری چاہتا ہے وہ اس سے بیزاری اختیار کرے۔ تم حاضرین سے ہر ایک کو چاہیئے کہ غائب لوگوں کو اس سے آگاہ کرے۔ (ترف السوۃ حرگوشی)

القاب

امیر المومنین ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک روز جناب رسولخدا دحیہ کلبی کی آغوش میں سر رکھے ہوئے اپنے دولتخانہ کے صحن میں استراحت فرما رہے تھے کہ جناب امیر تشریف لائے اور سلام علیک کہہ کر سرور عالم کا حال پوچھا دحیہ نے جواب دیا خیریت ہے اور کہا کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ کے چند مناقب مجھے معلوم ہیں جن کو میں آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تمام مومنوں کے امیر اور تمام سپید روشن ہاتھ پاؤں اور منہ والوں کے پیشوا ہیں آپ سوا انبیا و مرسلین کے تمام بنی آدم کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن لوا رحمد آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور آپ کا گروہ آنحضرت کے ساتھ ... کے ساتھ جنت میں سیر کرتا ہوگا۔ تحقیق ... جس نے آپ سے تولا رکھا اور نقصان

اٹھایا اس نے جو آپ سے علیحدہ ہو گیا محمد کے محب آپ کے محب ہیں اور ان کے دشمن آپ کے دشمن ہیں۔ وہ جناب رسول اللہ کی شفاعت سے ہرگز بہرہ یاب نہ ہوں گے۔ اے برگزیدہ خدا میرے پاس تشریف لاؤ۔ جب جناب امیر اس کے قریب گئے تو اس نے سرور عالم کا سر اقدس اپنے آغوش سے لے کر ان کی آغوش میں رکھ دیا۔ اتنے میں سرکار نے خواب سے بیدار ہو کر پوچھا یہ کیسا شور تھا۔ جناب امیر نے دحیہ کا تمام ماجرا بیان کیا حضور نے فرمایا دحیہ نہیں تھے بلکہ جبرئیل تشریف لائے تھے تاکہ جن القاب سے پروردگار نے تمہیں ممتاز کیا ہے ان سے تمہیں آگاہ کریں خدائے تعالیٰ نے تمہاری محبت کو مومنین کے سینہ میں القا کیا ہے اور تمہارے خوف کو کافرین کے دل میں ڈال دیا ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

(۲) انس سے روایت ہے کہ جناب سرور کائنات نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اے انس پانی لا کر ہمیں وضو کرا میں پانی لایا حضرت نے وضو کیا اور نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر مجھے ارشاد کیا اے انس جو شخص آج سب سے پہلے میرے پاس آئے گا وہ مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا سردار، وصیوں کا خاتم۔ اور روشن ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہوگا ناگاہ جناب امیر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا حضرت نے پوچھا اے انس یہ کون ہے۔ میں نے عرض کیا علی ہیں آپ کے حکم سے میں نے دروازہ کھول دیا اور جناب امیر حضرت کے پاس تشریف لائے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

(۳) بریدہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا نے ہم کو حکم دیا تھا کہ ہم علی کو السلام علیک یا امیر المومنین کہہ کر سلام کیا کریں۔

(۴) جناب امیر کا غلام سالم بیان کرتا ہے کہ میں جناب امیر کے ساتھ ان کی زمین پر تھا اور وہ اس کی کاشتکاری کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر و عمر ان کے ملنے کو آئے اور السلام علیک

یا امیرالمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر سنت اسلام ادا کی کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ جناب رسول خدا کی زندگی میں بھی اسی طرح سے کہا کرتے تھے حضرت عمر نے جواب دیا کہ حضرت ہی نے ہم کو یہ حکم دیا تھا۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

(۵) محمد بن یمان سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے تھے۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوتا کہ کب سے علی کا نام امیرالمومنین رکھا گیا ہے تو ہرگز اس کے فضائل سے انکار نہ کرتے۔ علی کا نام اُس وقت سے امیرالمومنین ہوا ہے کہ ابھی آدم روح اور جسد کے درمیان تھے۔ اسوقت پروردگار نے ارواح کو خطاب کیا کہ میں تمھارا خدا ہوں محمدؐ تمھارا نبی ہے اور علی تمھارا امیر ہے۔ (فردوس الاخبار دیلمی)

(۶) انس عباس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ حضرت عائشہ کے پاس تشریف رکھتے تھے اتنے میں جناب امیرؑ تشریف لائے اور آنحضرتؐ اور عائشہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ بی بی عائشہ جھنجھلا کر بولیں کیا میری ران پر بیٹھنے کے سوا آپ کے لئے کوئی دوسری جگہ نہیں تھی۔ سرورِ عالمؐ نے حضرت عائشہ کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا کہ چھوڑ میرے بھائی کے بارے میں مجھے ایذا نہ دے یہ مومنوں کا امیر مسلمانوں کا سردار اور روشن ہاتھ اور منہ والوں کا پیشوا ہے۔ قیامت کے روز پل صراط پر بیٹھے گا۔ اور اپنے دوستوں کو جنت میں اور دشمنوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

(۷) انس کہتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول خداؐ ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے گھر میں رونق افروز تھے۔ ام حبیبہ سے ارشاد فرمایا کہ اے ام حبیبہ تم ہم سے تھوڑی دیر کے لئے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ہمیں ایک ضروری امر درپیش ہے۔ پھر آپ نے خوب اچھی طرح سے وضو کیا اور فرمایا جو شخص کہ سب سے اول اس دروازے سے داخل ہوگا وہ مومنوں کا امیر، عرب کا سردار، تمام سے بہتر اور سب لوگوں سے برتر ہوگا۔

انس کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ وہ شخص جس کے لئے حضرت نے یہ فرمایا وہ انصار میں سے ہو ناگہاں جناب امیرؑ دروازہ سے داخل ہوگئے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

(۸) انس کہتے ہیں کہ میں ایک روز جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت نے فرمایا ابھی اُس وقت مسلمانوں کا سردار۔ مومنوں کا امیر اور اوصیا کا بہتر یہاں آئے گا۔ ناگہاں جناب امیرؑ تشریف لائے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے پروردگار تیرے قربان! اتنی میں کہ جناب امیرؑ حضرت کے سامنے بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ اپنے چہرۂ مبارک اور جبین مبین کا عرق ان کے چہرے پر اور ان کے چہرے کا عرق اپنے چہرے پر ملنے لگے۔ جناب امیرؑ نے عرض کیا یا رسول اللہ آیا میرے حق میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے آپ نے ارشاد کیا کیا تو راضی نہیں کہ تیری منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے کہ ہارون کی موسیٰ سے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تو میرا بھائی اور وزیر ہے جن کو کہ اپنے بعد میں چھوڑ جاؤں گا ان سب سے تو افضل ہے میرے قرض کو ادا کرنے والا۔ میرے وعدے کو پورا کرنے والا۔ اور جن امور میں کہ لوگ میرے بعد اختلاف کریں گے تو اس کو رفع کرنے والا ہے تو ان سے قرآن کے معنی بیان کرے گا اور لوگوں کے ساتھ قرآن کی تاویل پر جہاد کرے گا جیسے کہ میں نے قرآن کی تنزیل پر جہاد کیا ہے۔

(اخرجہ الدیلمی وابن مردویہ)

(۹) حضرت عائشہ کا غلام [illegible] کہ میں ام المومنین کے پاس رہا کرتا [illegible] کیا کرتا تھا جس وقت رسالتمآب ان کے [illegible] ہوتے تو میں قریب تر رہتا [illegible]

[illegible] تھا۔ ایک روز جناب رسالتمآبؐ ام المومنین [illegible] کے گھر میں تشریف رکھتے تھے کہ ناگاہ ایک آنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا میں باہر نکلا تو ایک لونڈی کو دیکھا کہ [illegible] خوان لئے ہوئے ہے میں نے لوٹ کر ام المومنین سے بیان کیا انھوں نے اس کو گھر میں بلا لیا۔ اس لونڈی نے خوان ان کے سامنے رکھدیا۔ میں نے اٹھا کر سرور کائناتؐ کے سامنے رکھدیا۔ آپ اسمیں سے تناول فرمانے لگے اور وہ لونڈی چلی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ کاش اسوقت امیر المومنین سید المسلمین۔ امام المتقین بھی یہاں ہوتے تو ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کرتے۔ اتنے میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دیکھنے کو نکلا اور جناب امیرؑ کو دروازہ پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ لوٹ کر عرض کیا کہ جناب امیرؑ دروازہ پر تشریف رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے ان کو گھر میں بلا لیا۔ جب جناب امیرؑ حاضر خدمت ہوئے تو سرکارؐ نے مرحبا اور اہلاً کے الفاظ سے ممتاز فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہم نے دو دفعہ تمھارے آنے کی آرزو کی تھی اگر تم دیر کرتے تو میں تمھارے لئے پھر خدا سے دعا کرنے والا تھا۔ آؤ بیٹھو اور ہمارے ساتھ کھانا نوش کرو۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

(۱) معاویہ بن ثعلبہ لیثی بیان کرتا ہے جب ابوذر غفاریؓ سخت بیمار ہو کر انتقال کے قریب ہو گئے تو جناب امیرؑ سے اپنی وصیت بیان کی لوگوں نے کہا کہ اگر تم اپنی وصیت امیر المومنین، حضرت عمر سے بیان کرتے تو تمھارے لئے [illegible] بہتر ہوتا۔ ابوذر کہنے لگے میں نے اپنی وصیت کو "سچے امیر المومنین" سے بیان کیا ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

امام المتقین جابر ابن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ سرور عالمؐ نے فرمایا کہ پروردگار نے [illegible] کو علیؑ کی نسبت وحی بھیجی ہے کہ وہ تمام متقیوں [illegible]

(فردوس الاخبار)

(۲) انس بن مالک اور نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا۔ شاباش اے مسلمانوں کے سردار اور متقیوں کے امام

(اخرجہ الدیلمی وابن مردویہ)

(۳) جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ فرماتے تھے۔ اے علیؑ تم مسلمانوں کے سردار، مومنوں کے بادشاہ اور روشن ہاتھ اور منھ والوں کے پیشوا ہو۔

(اخرجہ الدیلمی)

(۴) عبد اللہ ابن سعد بن زرارہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ شب معراج جب ہم پروردگار کے پاس پہونچے تو پروردگار نے مجھے علی کے تین القاب القا فرمائے۔ سید المسلمین۔ امام المتقین۔ قائد الغر المحجلین

(اخرجہ حاکم وابو نعیم وابن مردویہ وابن قانع)

ولی المتقین جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا تو مسلمانوں کا سردار متقیوں کا دوست اور روشن ہاتھ و منھ والوں کا پیشوا ہے۔ (مسند امام رضاؑ)

سید الصادقین ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا علی سچوں کا سردار ہے۔ (تذکرہ خواص الامہ)

سید المسلمین نواس بن سمعان کہتے ہیں جب جناب امیرؑ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ ان کو "مرحبا اے مسلمانوں کے سردار" کہہ کر پکارتے (اخرجہ الدیلمی)

(۲) انس کہتے ہیں کہ ایک روز میں جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرتؐ نے فرمایا ابھی ابھی سید المسلمین یہاں آئے گا اتنے میں جناب امیرؑ حاضر خدمت ہو گئے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

سید المومنین جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ

نے فرمایا شب معراج خدا نے مجھ کو علیؑ کے تین القاب القا فرمائے۔ سید المومنین۔ امام المتقین۔ قائد الغر المحجلین
(اخرجہ الدیلمی)

سید العرب جناب امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ ایک روز سرور عالمؐ نے فرمایا عرب کے سردار کو میرے پاس بلاؤ حضرت عائشہ کہنے لگیں کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں آدم کی تمام اولا کا سردار ہوں۔ علیؑ عرب کے سردار ہیں۔
جب علی تشریف لائے تو حضرت نے انصار کو بلا بھیجا جب تمام انصار حاضر ہوگئے تو آپ نے فرمایا۔ علی تمام عرب کے سردار ہیں میری دوستی کی وجہ سے ان کو دوست رکھو اور میری عزت کی وجہ سے ان کی عزت کرو۔ بیشک جبرائیل نے خدا کا یہ پیغام مجھ کو دیا ہے جو میں نے تم سے بیان کیا۔ (ریاض النضرہ وغیرہ)

(۲) ام المومنین عائشہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ جناب امیر تشریف لائے۔ حضرتؐ نے فرمایا یہ عرب کا سردار ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ عرب کے سردار ہیں حضرت نے فرمایا میں تمام عالم کا سردار ہوں۔ یہ عرب کا سردار ہے۔ (اخرجہ البیہقی والحاکم)

(۳) مسلمہ بن کہیل سے مرسلاً روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تو عرب کے سردار کو دیکھنا چاہتی ہو تو علی کو دیکھ لو عائشہ نے عرض کیا کیا آپ عرب کے سردار نہیں ہیں حضرت نے فرمایا میں تمام عالم حاصل کرنے والوں کا امام اور تمام جہاں کا سردار ہوں اور یہ عرب کا سردار ہے۔
(اخرجہ الخطیب فی تاریخہ)

(۴) ابن عباس، حاکم اور جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں اور علیؑ عرب کے سردار ہیں۔
(اخرجہ الدارقطنی)

سید فی الدنیا والآخرۃ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے جناب امیر کی طرف نظر کرکے فرمایا تو دنیا و آخرت کا سردار ہے۔ ابو عمر، حاکم اور خطیب بغدادی نے اس حدیث کو اس قدر لفظوں سے روایت کیا ہے لیکن علامہ دیلمی نے فردوس الاخبار میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی روائی کئے ہیں "یا علی جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور تیرا دوست خدا کا دوست ہے اور جس نے تجھ سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض کیا اور تیرا دشمن خدا کا دشمن ہے اس پر افسوس ہے جو میرے بعد تجھ سے بغض رکھے۔

قائد الغر المحجلین عبداللہ بن حکیم جہنی سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ شب معراج اللہ نے مجھ کو علی کے تین خطاب القا فرمائے۔ سید المومنین امام المتقین اور قائد غر المحجلین۔ (اخرجہ الطبرانی)

یعسوب المومنین جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب فرماتے تھے علی مومنوں کا بادشاہ ہے اور مال و متاع کا منافقوں کا۔
(اخرجہ الطبرانی)

صدیق اکبر معاذہ عدویہ کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ کے منبر پر جناب امیر کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں صدیق اکبر ہوں (ریاض النضرہ)

(۲) ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو علی سے فرماتے ہوئے سنا کہ تو [illegible] سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق [illegible] صدیق اکبر ہے (ریاض النضرہ)

(۳) سلمان فارسی [illegible]

کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا یہ وہ ہے جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور یہ اس امت کا فاروق (یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا) ہے یہ وہ ہے جو سب سے پہلے قیامت میں مجھ سے ملاقات کرے گا۔ اور یہ صدیق اکبر ہے۔

(اخرجہ الدیلمی والطبری والطبرانی)

(۴) عباد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ اور میں صدیق اکبر ہوں۔ یہ بات میرے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ مگر جھوٹ بولنے والا، میں نے سات برس کی عمر میں پہلے نماز پڑھی ہے۔ (مناقب خوارزمی۔ خصائص نسائی۔ مستدرک حاکم۔ حلیۃ الاولیاء وغیرہ)۔

(۵) معاذہ عدویہ کہتی ہیں کہ میں نے بصرہ کے منبر پر جناب امیرؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں صدیق اکبر ہوں ابوبکر کے ایمان و اسلام لانے سے پہلے میں ایمان و اسلام لایا ہوں۔ (معارف ابن قتیبہ)

(۶) ابن عباس اور ابو لیلیٰ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ صدیق تین ہیں اول حبیب النجار مومن آل یاسین (یعنی جناب عیسیٰ کے حواریوں سے ان پر ایمان لانیوالا) جس نے یہ کہا تھا کہ اے میری قوم والو نبیوں کی متابعت کرو۔ دوسرے فرعون کے گروہ سے ایمان لانے والا حزقیل جس نے یہ کہا تھا کہ تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پالنے والا خدا ہے۔ تیسرے علی ابن ابی طالب جو ان دونوں سے افضل ہیں۔ (بخاری)

(۷) ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں جس کا ترجمہ یہ ہے (جن لوگوں نے خدا اور خدا کے رسولؐ کی اطاعت کی ہے بس وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت اتاری ہے) روایت کرتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے جناب رسول خدا سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حضورؐ کو جنت میں بھی دیکھ سکیں گے۔ سرور عالم نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا رہا ہے جو اس پر سب سے پہلے اسلام لاتا رہا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی (وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت نازل کی ہے یعنی نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہونگے۔ اور یہ لوگ اس کے اچھے رفیق ہونگے۔ آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو بلایا اور فرمایا یا علیؑ خدا نے تیرے اس سوال کا بیان نازل فرما دیا ہے اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے کیونکہ تو سب سے پہلے مجھ پر اسلام لایا ہے اور تو صدیق اکبر ہے۔ (تفسیر ابن الحجام)

(۸) جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ سے ارشاد کیا کہ قیامت میں ہم چار شخصوں کے سوا باقی ہر اس شخص سوار نہ ہوگا۔ انصار میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں وہ چار شخص کون ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا ایک تو میں ہوں کہ براق پر سوار ہوں گا اور میرے بھائی "صالح نبی" اس ناقہ پر سوار ہوں گے جس کے پاؤں کاٹے گئے تھے اور میرے چچا حمزہ ناقہ عضباء پر سوار ہوں گے اور میرے بھائی علیؑ ناقہ جنت پر سوار ہوگا ہاتھ میں لواء حمد ہوگا اور علیؑ پکارتا ہوگا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تمام لوگ کہیں گے یہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی یا نبی مرسل یا حامل عرش ہے عرش کے اندر سے ایک فرشتہ جواب دے گا اے لوگو نہ یہ مقرب فرشتہ ہے اور نہ نبی مرسل اور نہ حامل عرش ہے یہ صدیق اکبر علی ابن ابی طالب ہے۔

(اخرجہ ابو جعفر العقیلی)

فاروق الاعظم

ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآب سے سنا ہے کہ جناب امیرؑ سے فرماتے تھے کہ تم صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہو اس لئے کہ تم حق و باطل کے مابین فرق

کروگے۔

(ریاض النضرۃ)

(۲) سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب سرورکائناتؐ جناب امیرؑ کی نسبت فرماتے تھے کہ یہ شخص وہ ہے جو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا ہے۔ اور قیامت کے روز سب سے پہلے مجھ سے ملے گا۔ یہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔ یہ مومنوں کا یعسوب (امیر) ہے اور مال و متاع منافقوں کا امیر ہے۔ (اخرجہ الدیلمی والطبرانی)

(۳) ابو یعلی سے روایت ہے کہ جناب سرورکائناتؐ فرماتے تھے کہ عنقریب میری اُمت میں فتنہ برپا ہوگا تو تم علیؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔ (اخرجہ الخوارزمی فی الدیلمی وابن عبدالبر فی الاستیعاب)

خاتم الوصیین انس کہتے ہیں کہ مجھ سے سرور عالمؐ نے فرمایا کہ اے انس پانی لاکر ہمیں وضو کراؤ پس حضرتؐ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر آپ بیٹھے اور کہا آج جو شخص سب سے پہلے میرے پاس آئے گا وہ امیرالمومنین، خاتم الوصیین، سیدالمسلمین۔ اورامام الغرالمحجلین ہے۔ اتنے میں جناب امیرؑ تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد کیا اے انس دروازہ پر کون ہے میں نے عرض کیا جناب امیرؑ ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ جناب امیرؑ اندر تشریف لے آئے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

خیر الوصیین انس روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں جناب رسالتمآب کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا ابھی اسی وقت سید المسلمین۔ امیرالمومنین اور خیر الوصیین آئے گا اتنے میں جناب امیر تشریف لائے۔

(اخرجہ الدیلمی وابن مردویہ)

الوصی ابو سعید خدری سلمان فارسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ ہر نبی کے لئے وصی ہوتا رہا ہے حضور کا وصی کون ہے فرمایا تو جانتا ہے کہ موسیٰ کا وصی کون تھا میں نے عرض کیا یوشع بن نون حضرتؐ نے فرمایا کیوں، میں نے عرض کیا اس لئے کہ وہ حضرت موسیٰ کی امت میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ آپؐ نے فرمایا میرا وصی اور میرا راز دار اور جن لوگوں کو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں ان سب سے بہتر۔ میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا علی ابن ابیطالب ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ والطبرانی)

(۲) انس کہتے ہیں، کہ مجھ سے سلمان فارسیؓ نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول خدا کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرا بھائی، میرا وزیر اور جنہیں میں اپنے بعد چھوڑ جاؤں گا ان میں سے افضل علی ابن ابیطالب ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

(۳) سلمان روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے پیغمبر خداؐ فرمانے لگے کیا تجھے معلوم ہے کہ موسیٰ کا وصی کون تھا۔ میں نے عرض کیا یوشع بن نون۔ حضرت نے فرمایا میرا وصی میرے اہل میں ہے اور جن کو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں ان سب سے بہتر علی ابن ابیطالب ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

(۴) بریدہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے ہر ایک نبی کا ایک وصی اور وارث ہوتا رہا ہے میرا وصی اور وارث علی ہے۔

(معجم البغوی و فردوس الاخبار)

(۵) انس کہتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ تم نبیؐ سے پوچھو کہ حضورؐ کا وصی کون ہوگا سلمان نے عرض کیا [illegible] رسول اللہ آپ کا وارث کون ہوگا حضرت نے [illegible] موسیٰ کا وارث کون تھا سلمان نے عرض کیا [illegible]

[illegible] فرمایا میرا وصی و وارث، میرے قرضوں کا ادا کرنے والا میرے وعدوں کا پورا کرنے والا علی ابن ابی طالب ہے۔ (اخرجہ احمد فی مناقبہ)

(۶) جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ میرا بھائی میرا وارث اور میرا وصی ہے۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہؐ مجھ کو حضورؐ سے کیا ورثہ ملے گا۔ فرمایا جو ورثہ کہ مجھ سے پہلے انبیاءؑ نے پایا ہے میں نے عرض کیا حضورؐ سے پہلے انبیاءؑ نے کیا ورثہ پایا ہے فرمایا کتاب اور پیغمبر کی سنت۔ (اخرجہ ابن الحضرمی)

(۷) معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ خاتم المرسلینؐ نے جناب امیرؑ سے ارشاد کیا، تو میرا بھائی اور وارث اور وصی ہے۔ جناب امیرؑ نے گذارش کی حضورؐ کا کیا ورثہ مجھے ملے گا۔ فرمایا اگلے نبیوں نے ایک دوسرے سے کیا ورثہ پایا ہے۔ جناب امیرؑ نے عرض کیا خدا اور اس کا رسولؐ ہی جانتا ہوگا سرورِ عالمؐ نے فرمایا کتاب اللہ اور نبی کی سنت۔ (اخرجہ الحضرمی)

(۸) حبۃ العرنی جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا۔ اے علیؑ تم کو عرب کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

(اخرجہ ابن السراج)

(۹) حبیش بن رزین کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیرؑ کو ایک مینڈھے کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے گذارش کی یہ کیا ہے۔ فرمایا جناب رسول خداؐ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں۔

(اخرجہ احمد)

(۱۰) جناب ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جناب سرورِ انبیاءؐ فرماتے تھے بالتحقیق ہر ایک امت سے خدا نے ایک نبی منتخب کیا ہے اور ہر ایک نبی کے لئے اس کی امت سے ایک وصی انتخاب فرمایا۔ میں اس امت کا نبی ہوں اور میری امت میری عترت اور میرے اہلبیت میں میرا وصی علیؑ ہے۔ (اخرجہ الخوارزمی)

(۱۱) ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ جب جناب سرورِ انبیاءؐ بیمار ہوئے۔ جناب فاطمہؑ عیادت کے لئے تشریف لائیں۔ حضورؐ پر ضعف اور تکلیف کو دیکھ کر رونے لگیں۔ حتیٰ کہ دونوں رخساروں پر اشک جاری ہوگئے یہ دیکھ کر سرکارؐ نے ارشاد کیا اے فاطمہؑ اللہ کو خاص مہربانی تھی تیرے حق میں کہ میں نے تیرا نکاح ایسے کے ساتھ کیا ہے کہ وہ اسلام میں سب سے مقدم اور سب سے زیادہ علم رکھنے والا اور حلم میں سب سے بڑا ہے خدا نے زمین کے رہنے والوں کو خوب دیکھ کر ان میں سے مجھے انتخاب کیا اور مجھے نبی مرسل بنایا۔ پھر دوبارہ اچھی طرح سے دیکھا اور تیرے شوہر کو انتخاب کیا۔ اور مجھے وحی بھیجی کہ میں اس کے ساتھ تیرا نکاح کروں اور اس کو اپنا وصی بناؤں۔ (اخرجہ دارقطنی واخرجہ الطبرانی والخطیب (عن ابن عباس والحاکم عنہ وابی ھریرہ)

(۱۲) ابی ہارون العبدی کہتے ہیں میں نے ابوسعید خدری سے جا کر پوچھا آیا تم جنگ بدر میں حاضر تھے۔ کہنے لگے۔ اے میرے بیٹے میں تجھے سناتا ہوں کہ جب جناب رسول خداؐ بیمار ہو کر ضعیف ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ عیادت کے لئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ میں سرکارؐ کے داہنی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ پر ضعف ناتوانی کا غلبہ دیکھ کر رونے لگیں، یہاں تک کہ رونے سے ان کا دم گھٹ گیا اور رخساروں پر آنسو نکل آئے۔ سرکارؐ نے فرمایا یا فاطمہؑ تم کیوں روتی ہو۔ گذارش کی کہ حضورؐ کے بعد میں اپنے ہلاک ہونے سے ڈرتی ہوں آپ نے ارشاد کیا بالتحقیق پروردگار عالم نے زمین کے باشندوں کو اچھی طرح سے دیکھا۔ اور تیرے باپ کو ان میں منتخب کیا پھر دوبارہ دیکھا اور تیرے شوہر کو انتخاب فرمایا۔ پس مجھے الہام کیا اور میں نے تیرا نکاح اس سے کر دیا

اور اس کو اپنا وصی بنایا۔ تم نہیں جانتی ہو کہ خدا نے خاص تمہارے حق میں کیا مہربانی کی ہے کہ تیرا شوہر سب سے زیادہ علم والا، سب سے زیادہ حلم والا، اور اسلام لانے میں سب سے زیادہ بیش قدم ہے۔ جناب سیدہؑ یہ سن کر متبسم ہوئیں اور خوش ہو گئیں۔ جناب سرورِ کائناتؐ نے چاہا ان کو زیادہ خیر سے حصہ دیا جائے جس کا کہ خدا نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو حصہ دیا ہے۔ پس حضرتؐ نے فرمایا فاطمہؑ، علیؑ کے آٹھ تیز دانت ہیں یعنی آٹھ مناقب ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ ان کی حکمت اور ان کی زوجہ مطہرہ۔ اس کی اولاد یعنی حسنؑ اور حسینؑ کو وہ دونوں تیرے بیٹے ہیں۔ اور اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔

اے فاطمہ! ہم اہلبیت کو چھ باتیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو ہمارے سوا ہم سے پہلے لوگوں کو بھی نہیں دی گئیں اور آئندہ والے بھی نہیں حاصل کر سکیں گے۔ ہمارا نبی تمام نبیوں سے بہتر ہے اور وہ تیرا باپ ہے۔ ہمارا وصی اوصیا سے افضل ہے اور وہ تیرا شوہر ہے۔ ہمارا شہید شہیدوں سے برتر ہے وہ حمزہؑ تیرے باپ کا چچا ہے۔ اور اس امت کے سبطین وہ دونوں تیرے بیٹے ہیں اور اس امت کا مہدی بھی ہم ہی میں سے ہے کہ جس کے پیچھے حضرت عیسیٰ نماز پڑھیں گے۔ پھر آنحضرتؐ نے جناب امام حسینؑ کے دوش مبارک پر ہاتھ مار کر فرمایا مہدی امت اس سے پیدا ہوں گے۔ (اخرجہ دارقطنی)

(۱۳) اسود بن یزید سے روایت ہے کہ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس جا کر ذکر کیا کہ علیؑ وصی تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے زور سے کہا کہ وہ وصی ہیں۔ پس ام المومنین نے ان کی تصدیق کی، بلکہ ذکر کیا کہ میں نے خود اس بات کو آنحضرتؐ سے وفات کے وقت سنا تھا۔ (جمع بین الصحیحین حمیدی)

(۱۴) ابو برزہ سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا بہ تحقیق اللہ نے علیؑ کے باب میں [illegible] عہد کیا۔ پس میں نے کہا کہ اے پروردگار [illegible] کو بیان فرما۔ اللہ نے فرمایا علیؑ [illegible] اور میرے دوستوں کا امام ہے اور [illegible] اس کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ ایسا کلمہ ہے کہ پرہیزگاروں نے اس کو لازم کر لیا ہے جس نے اس سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے اس سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ پس تو اس کو بشارت دے بعد اس کے علیؑ آئے ان کو میں نے بشارت دی وہ کہنے لگے کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کے اختیار میں ہوں اگر مجھے عذاب دے تو میرے گناہ کے سبب سے ہے اور اگر وہ اس کو پورا کرے کہ جس کی بشارت حضورؐ نے مجھے دی ہے تو اللہ میرے واسطے زیادہ مہربان ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں میں نے دعا کی کہ بارالہا اس کے دل کو روشن کر اور اس کو ایمان کی بہار بنا۔ پس اللہ نے فرمایا کہ بہ تحقیق کہ میں نے ایسا کر دیا ہے پھر میری طرف یہ حکم کیا کہ اللہ علیؑ کو ایسی بلا سے آزمائش کرے گا کہ میرے اصحاب میں سے کسی صحابی کو نہیں کیا۔ پس میں نے عرض کیا اے پروردگار یہ میرا بھائی اور وصی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات ہو چکی ہے اور وہ ضرور اس میں مبتلا ہو گا اور اس کے ساتھ لوگوں کی آزمائش کی جائے گی۔ (حلیۃ الاولیاء)

امام البررہ

جناب جابر سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جناب امیرؑ کی نسبت ارشاد کیا کہ وہ نیکوکاروں کا امام اور بدکاروں کا قاتل ہے [illegible] جس نے اس کی مدد کی، رسوا ہوا وہ جس نے اس کو چھوڑا۔ (اخرجہ الحاکم)

قاتل الفجرہ

وزیرِ رسول

امام ابو اسحٰق ثعلبی اپنی تفسیر [illegible] ہیں اور اس حدیث کو جناب [illegible] صاحب تک پہنچاتے [illegible]

عباس زمزم کے کنویں کے پاس بیٹھے ہوئے جناب سرور کائنات کی احادیث بیان کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک شخص نے کہا کہ سرور عالمؐ بیان فرماتے تھے ابن عباس نے قسم دے کر کہا بتا تو کون ہے وہ کہنے لگا اے لوگو جس نے کہ مجھے پہچانا ہو . . اور جس نے نہیں پہچانا ہے وہ اب پہچان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے جناب رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا ہے ورنہ میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں کہ آپ جناب امیرؑ کی نسبت فرماتے تھے کہ علی ابن ابیطالبؑ نیکوکاروں کا پیشوا اور بدکاروں کا قاتل ہے۔ فتحمند ہوا وہ شخص جس نے اس کی مدد کی اور رسوا ہوا وہ شخص جس نے اسے چھوڑ دیا۔

ایک روز میں آنحضرتؐ کے ساتھ مسجد میں نماز ظہر پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا۔ کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اے خدا گواہ رہنا میں نے تیرے رسول کی مسجد میں سوال کیا تھا مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔ سائل کو اپنے داہنے ہاتھ کی چھنگلی سے اشارہ کیا اس میں نقش دار انگوٹھی تھی سائل نے وہ انگوٹھی انگلی سے اتار لی۔ یہ تمام ماجرا حضرتؐ دیکھ رہے تھے۔ جب حضرتؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر کہا، بار الٰہا میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے استدعا کی تھی کہ "اے میرے پروردگار! میرے سینہ کو کشادہ کر میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میری بات لوگ سمجھ سکیں اور میرے گھر کے لوگوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اور اس کے ذریعے میری پشت کو مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک بنا دے"۔ پس اے پروردگار! تو نے اپنا قرآن ناطق نازل فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ذریعہ تیرے بازو کو قوی کریں گے اور تم دونوں کو غالب بنائیں گے اور وہ لوگ ہماری نشانیوں کی وجہ سے تکلیف نہ دے سکیں گے الٰہی میں محمد تیرا نبی اور تیرا برگزیدہ ہوں۔ میرے سینہ کو کشادہ اور میرے کام کو آسان کر دے اور میرے اہل میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا دے اور اس کے ذریعہ میری پشت کو قوی کر دے۔ (تفسیر ثعلبی)

صاحب الرایہ۔ الامین

انس بن مالک کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا ابی برزہ سے فرما رہے تھے اور میں سن رہا تھا کہ اے ابو برزہ خدا نے علی ابن ابیطالب کی نسبت مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہدایت کا علم، ایمان کا نشان ہے۔ اولیاء کا امام اور جس قدر میری اطاعت کرنے والے ہیں ان سب کا نور ہے۔ اے ابو برزہ روز قیامت علی میرا امین اور علمبردار ہوگا۔ علیؑ میرے پروردگار کے خزانوں کی کنجی ہے اور وہ ایک پاک کلمہ ہے جس کو متقیوں نے اپنے لئے لازم کر لیا ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

مقیم الحجۃ

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے جب پروردگار نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو آدمؑ نے چھینک لی اور الحمد اللہ پڑھا۔ پروردگار نے فرمایا میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا ہے مجھے اپنی عزت اور آبرو کی قسم اگر میں اپنے دو بندوں کو دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ کرتا تو میں تجھے ہرگز نہ پیدا کرتا۔ حضرت آدم نے عرض کیا بار الٰہا وہ دونوں مجھ سے پیدا ہوں گے ارشاد ہوا کہ ہاں اے آدمؑ اپنے سر کو اٹھا کر دیکھ حضرت آدمؑ نے دیکھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لا الہ الا اللہ محمد رحمت کا نبی ہے علی حجۃ کا قائم کرنے والا ہے۔

(اخرجہ الخطیب فی المناقب)

حجۃ اللہ

(۱) انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ میں اور علی دونوں خدا کے بندوں پر خدا کی حجت ہیں۔ (اربعین فتولی)

(۲) انس کہتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ علی ابن ابی طالبؑ تشریف لائے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے انس یہ خدا کی مخلوق پر خدا کی رحمت ہے۔

(اخرجہ النقاش)

رایۃ الہدیٰ منار الایمان امام الاولیاء

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ ابی برزہ سے فرما رہے تھے اور میں سن رہا تھا کہ اے ابا برزہ پروردگار نے مجھ سے علیؑ کے حق میں عہد کیا ہے کہ وہ ہدایت کا علم اور ایمان کا نشان اور اولیاء کا امام ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

ولی اللہ

(۱) جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جناب سرور کائنات فرماتے تھے کہ شب معراج میں ہم نے جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا دیکھا کہ محمد خدا کا حبیب ہے علی خدا کا ولی ہے فاطمہ خدا کی خادمہ اور حسنینؑ خدا کے برگزیدہ ہیں ان کے دشمنوں پر خدا کی لعنت ہے۔ (اخرجہ الدیلمی)

(۲) حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ بقیع الغرقد میں تشریف فرما تھے اور میں خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ آپ نے ارشاد کیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں ایک ایسا شخص ہے جو لوگوں سے قرآن کی تاویل پر لڑے گا۔ جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر مشرکوں سے جہاد کیا ہے وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے والے ہوں گے اس لئے ان سے جہاد کرنا لوگوں پر شاق گذرے گا یہاں تک کہ لوگ اس خدا کے ولی پر طعنہ زن ہوں گے اور اس کے کام سے ناراض ہو جائیں گے جیسے حضرت موسےٰ کشتی کے توڑنے اور لڑکے کے قتل کرنے اور دیوار کے بنانے میں حضرت خضر پر ناراض ہوئے تھے حالانکہ کشتی کا توڑنا لڑکے کا قتل کرنا اور دیوار بنانا محض خدا کی رضا کے لئے تھا۔ (اخرجہ البخاری)

قسیم النار والجنۃ

(۱) حذیفہ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر خداؐ فرماتے تھے اے علیؑ تم جنت دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو۔ اور تم جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤ گے اور اس میں اپنے دوستوں کو بغیر حساب داخل کرو گے۔

(اخرجہ الدیلمی ابن مغازلی وقاضی عیاض فی الشفاء)

(۲) ابو طفیل عامر بن واثلہ کنانی کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے ان چھ صحابیوں سے جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے بعد شوریٰ کے لئے مقرر کیا تھا ایک طویل گفتگو کی منجملہ اس کے یہ بھی کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں آیا تم میرے سوا کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کی نسبت آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے کہ یا علیؑ تم دوزخ اور جنت کے تقسیم کرنے والے ہو سب نے متفق ہو کر کہا خدا گواہ ہے آپ کے سوا کوئی نہیں۔

(اخرجہ دار القطنی)

وارث رسول اللہ

ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ میں نے قثم بن عباس سے پوچھا کہ تم لوگوں کے سوا علیؑ کیونکر آنحضرتؐ کے وارث قرار دیئے گئے قثم نے جواب دیا اس لئے کہ وہ ہم سے پہلے جناب رسول خداؐ سے ملے اور ہم سے زیادہ آنحضرتؐ کی خدمت میں رہے۔

(اخرجہ الحاکم)

(۲) جناب امام زین العابدینؑ امام حسینؑ سے اور جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ خندق کے روز جناب سرور کائنات نے پروردگار سے التجا کی اے میرے پروردگار تو نے بدر کے روز عبیدہ بن الحارث کو مجھ سے لیا اور احد کے روز حمزہ بن عبدالمطلب کو لے لیا اب یہ علیؑ باقی رہ گیا ہے مجھ کو اب اکیلا نہ چھوڑ۔ تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔

(اخرجہ الخوارزمی)

(۳) ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ آنحضرتؐ کی حیات بابرکات میں فرمایا کرتے تھے کہ پروردگار فرماتا ہے اگر رسول اللہؐ انتقال فرما جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے خدا کی قسم ہے ہم ہرگز ایڑیوں کے بل نہیں لوٹیں گے جبکہ خدا نے ہم کو ہدایت فرما دی ہے اگر جناب رسول اللہؐ رحلت فرما جائیں یا قتل ہو جائیں تو ہم لڑیں گے جس پر کہ وہ لڑتے تھے یہاں تک کہ [illegible] خدا کی قسم میں ان کا [illegible]

[illegible] عبارہ حقدار ہے۔ (اخرجہ الحاکم والنسائی)

(۴) بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ فرماتے تھے ہر ایک نبی کا وصی اور وارث ہوتا رہا ہے میرا وصی اور وارث علیؑ ہے۔ (معجم بغوی و فردوس الاخبار)

(۵) ربیعہ بن ماجد کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے جناب امیرؑ سے پوچھا اے امیر المومنینؑ آپ نے اپنے چچا کو چھوڑ کر اپنے ابن عم کا ورثہ کیوں پایا ہے جناب امیرؑ نے فرمایا ایک دفعہ جناب سرور کائناتؐ نے بنی عبد المطلب کو جمع کیا اور ان کے لئے ایک مد کھانا پکوایا وہ کھانے کو آئے اور کھانے لگے یہاں تک کہ سیر ہو گئے اور کھانا جوں کا توں بچا رہا پھر حضرتؐ نے شربت کا مٹکا منگوایا لوگ شربت پینے لگے یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے اور شربت بچ رہا گویا کسی نے چھوا تک نہ ہو پھر حضرتؐ نے فرمایا اے بنی عبد المطلب میں تمہارے لئے خاص کر مبعوث ہوا ہوں اور عام طور سے لوگوں کے لئے تم نے اس معجزہ کو دیکھا ہے پس تم میں کوئی ہے کہ میری بیعت کرے اور میرا بھائی، دوست، وارث اور وزیر بنے ایس کوئی نہ اٹھا میں کھڑا ہو گیا۔ میں اس وقت سب سے چھوٹا تھا پھر آنحضرتؐ نے فرمایا بیٹھ جا پھر تین دفعہ حضرتؐ نے وہی کلمات ارشاد کئے میں ہی ہر دفعہ اٹھتا رہا اور حضرتؐ فرماتے رہے بیٹھ جا تیسری بار حضرتؐ نے میرے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا تو میرا بھائی میرا وارث اور میرا دوست ہے اس لئے میں نے اپنے چچا کے سوا اپنے ابن عم کا ورثہ پایا ہے۔

(تہذیب الآثار و خصائص نسائی وغیرہ)

خلیفہ رسول اللہ و مثل ہارون

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں اور علیؑ چار ہزار برس آدم سے پہلے ایک نور تھے جب اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا اس نور کو آدم کی [illegible] میں ملا دیا اور وہ نور ہمیشہ ایک ہی رہا یہاں تک کہ عبد المطلب کی صلب میں جدا ہو گیا۔ پس مجھ میں نبوت ہے اور علی میں خلافت ہے۔

(اخرجہ الدیلمی)

(۲) جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ جب غزوہ تبوک میں حضرت مجھے اپنے بعد چھوڑ کر تشریف لے جانے لگے تو فرمایا ہم تجھے اس لئے اپنے بعد چھوڑے جاتے ہیں کہ ہمارا خلیفہ ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں آپ کے بعد کس طرح رہ سکتا ہوں فرمایا کہ تو راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اوسط طبرانی)

(۳) ابو ذر غفاری سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ فرماتے تھے جو شخص علی کے ساتھ خلافت پر لڑے اس کو قتل کر دو جو کوئی ہو (اخرجہ الدیلمی)

الہادی

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب یہ آیۂ کریمہ (تو ڈرانے والا ہے اور ہر ایک قوم کے لئے ایک ہادی ہے) نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فرمایا میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے۔ (اخرجہ ابو نعیم)

صاحب اللواء

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ سرور کائناتؐ فرماتے تھے یا علیؑ تم مجھے غسل دو گے۔ میرے قرض کو ادا کرو گے، مجھے دفن کرو گے، جو کچھ میرے ذمہ قرض ہوگا ادا کرو گے اور تم دنیا و آخرت میں میرے صاحب لواء ہو۔ (اخرجہ الدیلمی)

ناصر رسول

ابی الحمرا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے میں نے شب معراج ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ہم نے اس کی تائید و نصرت علیؑ سے کی۔ (اخرجہ الدیلمی)

صالح المومنین

ابن عباس سے روایت ہے کہ پروردگار عالم کے اس قول میں کہ (ھو مولاہ و جبریل و صالح المومنین) صالح المومنین سے علی ابن ابیطالب مراد ہیں۔ (اخرجہ ابن مردویہ و سیوطی و ابن عساکر)

(۲) اسماء بنت عمیس روایت کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ خدا کے کلام میں صالح المومنین سے مراد علیؑ ہیں۔ (درمنثور سیوطی)

نوٹ:- امام رازی اربعین میں لکھتے ہیں کہ "مفسرین کہتے ہیں کہ صالح المومنین سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور مولیٰ کے معنی ناصر کے ہیں کیونکہ اللہ اور جبریل اور صالح المومنین کے درمیاں لفظ مولیٰ کا مفہوم مشترک ناصر کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

مولی المومنین غدیرِ خم کے روز آنحضرتؐ نے فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں اُس کا علیؑ مولیٰ ہے۔ صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر اس حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں اس حدیث کو جناب سرورِ عالمؐ سے تیس صحابیوں نے روایت کی ہے اس میں اکثر روائتیں صحیح اور حسن ہیں۔

اس کی مفصل بحث اگلے باب میں لکھی جائے گی۔

منجز الواعد ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا علیؑ میرے وعدوں کو پورا کرنیوالا اور میرے قرض کو ادا کرنیوالا ہے۔ (اخرجہ الدیلمی)

قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین جابر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ اس آیت کی شان میں (اگر ہم تجھے لیجائیں تو بھی ہم ان سے انتقام لینے والے) فرماتے ہیں کہ یہ آیت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ میرے بعد عہد توڑنے والوں اور ظالموں اور دین سے نکلنے والوں سے لڑے گا۔

المرتضیٰ جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں جناب رسول اللہؐ کے ساتھ مدینے کے بعض راستوں سے جا رہا تھا ناگاہ ہم ایک نخلستان سے گذرے ایک نخل

دوسرے سے پکار کر کہنے لگا یہ [illegible] ہیں۔ پھر ہم آگے نکل گئے پھر ایک دوسرا نخل [illegible] کہنے لگا یہ موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون ہیں۔

(اخرجہ الخوارزمی وابن یوسف فی کفایۃ الطالب)

الشاہد عباد بن عبداللہ اسدی کہتے ہیں۔ میں نے جناب امیرؑ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ قریش میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کے حق میں ایک یا دو آیتیں نازل نہ ہوئی ہوں۔ ایک شخص نے پوچھا آپ کی شان میں کون سی آیت نازل ہوئی ہے۔ جناب امیرؑ غضبناک ہو کر فرمانے لگے اگر تو سب کے سامنے نہ پوچھتا تو میں ہرگز تجھے نہ بتاتا۔ افسوس ہے کہ تو نے سورہ ھود میں نہیں پڑھا۔ افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ رسول اللہ علی بینۃ من ربہ وانا شاہد منہ میں ہوں۔ (درمنثور سیوطی)

الشہید حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول خدا کو دیکھا کہ آپ علیؑ کو بغل میں لیے ہوئے ہیں اور ان کو چوم رہے ہیں اور فرما رہے ہیں میرا باپ قربان ہو یہ وحید ہے اور شہید ہے۔

(اخرجہ ابویعلی فی مسندہ وابن حجر فی الصواعق)

الراکع مجاہد ابن عباس سے روایت ہے کہ [illegible] الراکعین میں خاص کر جناب امیرؑ [illegible] سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ رکوع میں [illegible] ہیں۔ (خصائص طبرانی۔ تذکرہ خواص الامہ [illegible])

الساجد امام موسیٰ کاظمؑ اپنے آباء [illegible] سے روایت کرتے ہیں کہ [illegible] سجدا جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی [illegible]

(اخرجہ [illegible])

الصفی [illegible]

ابن عباس سے روایت ہے کہ بہ تحقیق جناب پیغمبر خدا نے فرمایا علیؑ توبہ کا دروازہ ہے جو شخص کہ اس میں داخل ہو وہ مومن ہے اور جو شخص اس سے نکل گیا وہ کافر ہے۔ (اخرجہ الدار قطنی)

نفس الرسول

سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ جب آیۂ مباہلہ نازل ہوئی تو حضرتؐ نے جناب علیؑ وجناب سیدہؑ وجناب حسنینؑ علیہم السلام کو بلاکر کہا اے میرے پروردگار یہ میرے اہلبیت ہیں۔

(صحیح مسلم و ترمذی و خصائص نسائی وغیرہ)

(۲) جابر سے روایت ہے کہ انفسنا سے مراد آنحضرتؐ و علیؑ اور ابنائنا سے حسنینؑ اور نسائنا سے جناب سیدہ مراد ہیں۔ (اخرجہ الحاکم)

(۳) دار قطنی روایت کرتے ہیں کہ شوریٰ کے دور جناب امیرؑ نے بغرض اتمام حجت اہل شوریٰ سے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے کہ جو رشتہ میں حضرتؐ کا قریبی ہو اور کسی شخص کی جان کو آپ نے اپنی جان قرار دیا ہو اور کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنایا ہو سب نے کہا بخدا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

سیف اللہ

ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد کیا کہ علیؑ ابن ابیطالب خدا کی برہنہ شمشیر ہیں خدا کے دشمنوں پر (شرف النبوۃ)

(۲) حضرت جابر سے روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کی رکاب سعادت میں مدینہ کی ایک دیوار کے نیچے گذر رہا تھا اور حضرتؐ کے ہاتھ میں علیؑ کا ہاتھ تھا ناگاہ ایک نخل کے پاس سے ہو کر گذرے۔ وہ نخل یہ چلا کر کہنے لگا یہ محمدؐ ہیں نبیوں کے سردار اور یہ علیؑ ہیں وصیوں کے سردار، پاک ہے [illegible] وہاں سے آگے بڑھے ایک [illegible] یہ محمدؐ خدا کے رسول اور یہ علیؑ ہیں

خدا کی شمشیر۔ پس حضرتؐ جناب امیرؑ کی طرف ملتفت ہو کر فرمانے لگے اس کا نام صیحانی رکھو اس لئے اس قسم کی کھجوروں کا نام صیحانی رکھا گیا۔ (خلاصۃ الوفا)

ذوالاذن الواعی

مکحول جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یاد رکھے گا اس کو یاد رکھنے والا کان تو آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ وہ یاد رکھنے والا کان تیرے کان بنا دے۔ (اخرجہ الدیلمی)

(۲) بریدہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا یا علیؑ مجھے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے تعلیم دوں تاکہ تو یاد رکھے پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یاد رکھے گا اسکو یاد رکھنے والا کان۔ (اخرجہ الدیلمی)

قاضی دین رسول

جناب امیرؑ فرماتے ہیں مجھ کو جناب سرور انبیاؐ نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا۔ میرا سن ابھی کم تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ حضور مجھے اسی قوم میں قاضی بنا کر بھیجتے ہیں جن میں اکثر جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اور مجھے قضا کا علم نہیں آنحضرتؐ نے فرمایا پروردگار تیری زبان کو ہدایت کرے گا اور تیرے دل کو ثابت رکھے گا۔ جناب امیرؑ فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے کبھی دو شخصوں کے جھگڑا فیصل کرنے میں کبھی شک نہیں پیدا ہوا۔ (اخرجہ احمد والنسائی والحاکم)

(۲) حمید بن عبداللہ بن یزید مدنی سے روایت ہے کہ جناب امیرؑ نے آنحضرتؐ کے حضور میں ایک فیصلہ کا ذکر کیا حضرتؐ نے تعجب سے فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہلبیت میں حکمت عطا فرمائی ہے۔ (اخرجہ احمد)

(۳) انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ تم میری امت کو میرے بعد بیان کرنے والے ہو جسمیں کہ انکو اختلاف پیش آئیگا۔ (اخرجہ احمد)

(۳) ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ نے فرمایا علیؑ میرے علم کا دروازہ ہے اور میرے بعد میری امت کے لئے اس چیز کا بیان کرنے والا ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ (اخرجہ الدیلمی)

خیر البشر عقبہ بن سعد عوفی سے روایت ہے کہ ہم جابر ابن عبداللہ کے پاس گئے اور ان کے ابرو کے بال ان کی آنکھوں کے اوپر ڈھلکے ہوئے تھے ہم نے ان سے جناب امیرؑ کی نسبت دریافت کیا وہ اپنی آنکھوں سے ابرو کے بال اٹھا کر کہنے لگے وہ تو خیر البشر ہیں۔

(اخرجہ احمد فی مناقبہ)

(۲) حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہؐ فرماتے تھے علیؑ خیر البشر ہیں جس نے انکار کیا وہ کافر ہوا۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

ذوالقرنین جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ تیرے لئے بہشت میں ایک خزانہ ہے۔ اور تو اس کا ذوالقرنین ہے یعنی دونوں طرف کا مالک ہے۔ ہروی نے ذوالقرنین کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہاں قرنین سے جنت کے دونوں طرف مراد ہیں۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنیہا میں ضمیر مؤنث غائب اور امت کی طرف راجع ہے یعنی علیؑ تم اس امت کے ذوالقرنین ہو۔

(۲) مطلب بن عبداللہ بن حنطب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ فرماتے تھے میں اس امت کے ذوالقرنین کی محبت کی وصیت کرتا ہوں تحقیق اس سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق جس نے کہ اس سے محبت کی مجھ سے محبت کی جس نے اس سے بغض کیا مجھ سے بغض کیا۔ (اخرجہ احمد فی المناقب)

(۳) ابوطفیل کہتے ہیں کہ ابن الکواء نے جناب امیرؑ سے پوچھا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ آپ نے فرمایا۔ نہ نبی تھا نہ بادشاہ ایک نیک بندہ تھا خدا نے اس سے محبت کی اور اس نے [illegible] اسے نصیحت کی اور اس نے نصیحت قبول کی [illegible] نے اس کو قوم کی طرف بھیجا انہوں نے اس کی کنپٹی پر ضرب لگائی جس سے کہ اس کا انتقال ہو گیا پھر خدا نے [illegible] کے لئے زندہ کرکے اس کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے اس کی کنپٹی پر مارا وہ مر گیا اس کو پھر اللہ نے [illegible] زندہ کیا اس لئے اس کا نام ذوالقرنین ہوا اس کے بعد جناب امیرؑ نے فرمایا تحقیق تم میں اس کی مثال موجود ہے۔

(اخرجہ ابن مردویہ ابن عاصم ابن الانباری [illegible])

(۴) سالم بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ جناب امیرؑ سے پوچھا گیا کہ ذوالقرنین آیا نبی تھا آپ نے فرمایا میں نے تمہارے نبیؐ سے سنا کہ وہ ایک بندہ تھا خدا نے [illegible] کی وہ نصیحت پذیر ہو گیا بےشک تم لوگوں میں اس کا نظیر موجود ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

(۵) مجاہد ابن عباس سے روایت ہے کہ [illegible] نے پوچھا کہ تم علیؑ کی شان میں کیا کہتے ہو۔ جواب دیا وہ [illegible] ثقلین یعنی دو بزرگ چیزوں میں سے ایک ہیں (قرآن و اہلبیتؑ) اور سب سے اول شہادتین (اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ) کے ادا کرنے والے ہیں [illegible] دو قبلوں (بیت المقدس اور کعبہ) کی طرف نماز [illegible] اور انہوں نے دونوں بیعتیں کی ہیں بیعت [illegible] ہوئی اور بیعت رضوان جو درخت کے نیچے [illegible] اور وہ باپ ہیں سبطین (حسن و حسین) کے اور [illegible] تمام جن و انس کے مولا ہیں اور امت [illegible] کے ہیں اور ان کے لئے آفتاب کو دو دفع [illegible]

نوٹ [illegible] ذوالقرنین [illegible] کی وجہ یہ ہے کہ جب سکندر نے لوگوں کو [illegible] انہوں نے [illegible] مجھ [illegible]

[illegible] نے ان کے سر کی دوسری طرف تلوار ماری
[illegible] ہو گئے بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ان کو
[illegible] کیا۔ یا ذوالقرنین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ زمین
[illegible] طرف پہنچے تھے یا اس سبب سے کہ ان کے سر پر
[illegible] تھیں۔ اور منذر بن ماء السماء کو بھی ذوالقرنین
کہتے ہیں۔ اور علیؑ کو ذوالقرنین کہتے ہیں اس سبب سے کہ
جناب رسول خداؐ نے ان کے باب میں فرمایا ہے کہ یا علیؑ
تیرے لئے بہشت میں ایک گھر ہے یا خزانہ ہے اور تو اس کا
ذوالقرنین ہے۔ یعنی بہشت اور اس کے ملک عظیم کے دونوں
طرف کا مالک ہے اور تو کل بہشت کی سیر کرے گا۔ جس طرح
کہ ذوالقرنین نے کل زمین کی سیر کی تھی یا حضرت امیرؑ کو
اس لئے ذوالقرنین کہتے ہیں۔ کہ آپ حسنینؑ کے پدر بزرگوار
ہیں یا اس سبب سے کہ اس کے سر اقدس کے دونوں
طرف زخم لگے پہلا عمر بن عبدود کی تلوار سے دوسرا
ابن ملجم کی تلوار سے۔

خاصف النعل حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ حدیبیہ
کے روز ہمارے پاس مشرکین کے چند
رئیس آئے اور کہنے لگے ہمارے لڑکے اور غلام تمہارے پاس
چلے آئے ہیں اور وہ ہماری خدمت کرنے سے بھاگے ہیں
وہ ہم کو واپس دیدو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے قریش کے
لوگو تم خدا کے حکم کی مخالفت کرنے سے باز آجاؤ ورنہ تم پر
ایسے لوگ بھیجے جائیں گے جو تمہاری گردن ماریں گے۔ خدا نے
تقویٰ کے ساتھ ان کے دل کا امتحان کر لیا ہے۔ آنحضرتؐ کے
بعض اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ
ہیں حضرتؐ نے فرمایا ایک ان میں سے جوتا سینے والا ہے۔
حضرتؐ نے اپنا جوتا جناب امیرؑ کو سینے کے لئے دیا تھا۔

(اخرجہ الترمذی)

جناب [illegible] روایت کرتے ہیں کہ سہیل ابن عمرو نے آکر
[illegible] عرض کیا یا محمدؐ ہماری قوم کے لوگ
آپ کے ساتھ مل گئے ہیں آپ ان کو ہمیں واپس دیدیں حضرت
یہاں تک غصہ ہوئے کہ غضب کے آثار چہرۂ اقدس پر نمایاں
ہونے لگے پھر آپ نے فرمایا اے قریش کے لوگو! تم منتہی ہو جاؤ
ورنہ خدا تم پر ایک ایسا آدمی بھیجے گا جس کے دل کو خدا
نے ایمان کے ساتھ پرکھ لیا ہے وہ دین کی مخالفت پر تمہیں
قتل کرے گا۔ حضرتؐ سے پوچھا گیا وہ شخص حضرت ابوبکر ہیں
فرمایا نہیں، پھر پوچھا گیا کیا حضرت عمر ہیں؟ آپ نے فرمایا
نہیں لیکن وہ جوتا سینے والا ہے۔ اس حدیث کو روایت کر کے
جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ سے سنا کہ
مجھ پر جھوٹ مت بولو اور جو دانستہ مجھ پر جھوٹ بولتا ہے وہ
آگ میں ڈھکیلا جائے گا۔ (اخرجہ احمد)

(۳) حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہؐ
فرماتے تھے بنی ولیعہ منتہی ہو جائیں ورنہ ان پر مجھ سا آدمی
بھیجا جائے گا وہ ان سے جنگ کرے گا اور ان کی اولاد کو
لونڈی اور غلام بنائے گا۔ ابوذر کہتے ہیں کہ ناگاہ میں نے
اپنے پیچھے سے حضرت عمر کے ہاتھ کی سردی اپنے آزار کے نیفہ
کے قریب محسوس کی وہ حضرت سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہؐ
آپ کس سے مراد لیتے ہیں فرمایا جوتا سینے والے سے اور جناب
امیرؑ جوتا سی رہے تھے۔ (اخرجہ احمد والنسائی)

(۴) ابوسعید روایت کرتے ہیں کہ ہم جناب
سرور عالمؐ کے باہر برآمد ہونے کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے کہ
آنحضرتؐ باہر تشریف لائے کفش مبارک کا تسمہ ٹوٹا ہوا
تھا جناب امیرؑ کی طرف اتار کر پھینک دیا اور فرمایا تم میں
ایک ایسا آدمی ہے کہ قرآن کی تاویل پر جہاد کرے گا جس
طرح سے میں نے اس کی تنزیل پر جہاد کیا ہے حضرت ابوبکر کہنے
لگے یا رسول اللہؐ میں ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمر
کہنے لگے یا رسول اللہؐ میں ہوں آپ نے فرمایا نہیں لیکن وہ
جوتا سینے والا ہے۔ (اخرجہ النسائی)

الطاہر ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آیت تطہیر

پانچ شخصیتوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نبیؐ علیؑ حسن حسین اور جناب سیدہؑ۔

(اخرجہ احمد والطبرانی و ابن جریر)

الصّادق عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ آیت کونوا مع الصادقین سے مراد یہ ہے کہ علیؑ کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ وہ تمام صادقوں کے سردار ہیں۔

(تفسیر ثعلبی، حلیۃ الاولیا، در منثور، تذکرہ خواص الائمہ)

المومن جناب جابر سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علیؑ تو سب مسلمانوں سے اسلام لانے کے اعتبار سے پہلا ہے اور تو سب مومنوں سے ایمان لانے کے اعتبار سے مقدم ہے۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

الانزع البطین ابو ایوب انصاری روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ فرماتے تھے اے علیؑ خدا نے تجھے بخش دیا ہے اور تیری اولاد کو تیرے اہل کو اور تیرے شیعوں کو پس لوگوں کو اس کی خوشخبری دیدو کہ تم " انزع البطین " ہو۔

(فردوس الاخبار)

العابد جالوت بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ جناب امیرؑ کے لئے مستقل آنحضرتؐ کے مسجد میں حجرہ بنا ہوا تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ (اخرجہ الخوارزمی)

الزاہد قبیصہ کہتے ہیں میں نے جناب امیرؑ سے زیادہ کوئی شخص لوگوں میں زاہد نہیں دیکھا۔

(مجمع الاحباب فی مناقب الاصحاب)

کاسر الاصنام جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور جناب رسول اللہؐ کعبہ میں گئے۔ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جا اور آپ میرے کندھے پر سوار ہوئے میں اٹھنے لگا۔ حضرت نے میرا ضعف دیکھ کر فرمایا تو میرے کندھے پر سوار ہو میں دونوں [illegible] تو گویا یہ خیال ہو سکتا تھا کہ میں چاہوں [illegible] کنارے تک پہونچ جاؤں یہاں تک کہ میں [illegible] چھت پر چڑھ گیا چھت پر ایک مورت [illegible] میں اسے آگے پیچھے داہنے بائیں سے ہلانے لگا یہاں تک کہ میں نے اُسے اُکھاڑ لیا حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا پھینک دے میں نے اسے پھینک دیا وہ بت شیشہ کی طرح چور چور ہوگیا۔ پھر میں اتر آیا۔

(اخرجہ احمد فی المناقب والحاکم فی المستدرک)

الساقی ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا فرماتے تھے علیؑ میں ایسی پانچ باتیں ہیں کہ ہمارے نزدیک دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔ اول یہ کہ وہ خدا کے سامنے مجھ پر تکیہ لگائے رہے گا یہاں تک کہ وہ حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ لواء حمد اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم اور آدم کی اولاد سب اس کے پیچھے ہوگی۔ سوم یہ کہ میرے حوض کے پیچھے کھڑا رہے گا اور جس کو میری اُمت سے پہچانتا ہوگا اسے پلائے گا۔ چہارم یہ کہ وہ میرے ستر کا ڈھانپنے والا اور مجھ کو میرے خدا کے [illegible] کرنے والا ہے۔ پنجم یہ کہ میں اس کی نسبت ہرگز خائف نہیں کہ وہ اپنی عصمت کے بعد زنا کرے یا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ (اخرجہ احمد)

الحبیب (۱) حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ فرماتے تھے کہ خدا نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا تھا میرا محل اور ابراہیم کا محل جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور علیؑ کا محل ہمارے محلوں کے درمیان ہوگا پس مبارک ہے اس کے لئے جو دو خلیلوں کے درمیان ہوگا۔ (اخرجہ الحاکم [illegible])

(۲) سلمان فارسی [illegible] فرماتے تھے کہ قیامت کے [illegible]

خیمہ لگایا جائے گا عرش کے داہنی طرف اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے سبز یاقوت کا قبہ عرش کے بائیں جانب لگایا جائے گا اور ان دونوں کے درمیان علیؑ کے لئے سفید موتی کا قبہ بنایا جائے گا پس اس حبیب کی نسبت تمہارا کیا گمان ہے جو کہ دو خلیلوں کے بیچ میں ہوگا۔

(اخرجہ الحاکم)

القاری قاری ابو سعید السلمی کہتے ہیں میں نے جناب امیرؑ سے زیادہ کوئی قاری نہیں دیکھا انھوں نے جناب رسالتمآب کے عہد فرخ عہد میں پورا قرآن پڑھا تھا

(مجمع الاحباب فی مناقب الاصحاب)

بیضتہ البلد ابو الحسن مدائنی سے روایت ہے کہ جب جناب ابو طالب نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا اور اس کی ہمشیرہ کو اس کے قتل کی خبر لگی وہ پوچھنے لگی کہ اس پر کس نے اقدام کیا لوگوں نے کہا علیؑ نے کہنے لگی اس کی موت کفو کریم کے ہاتھوں واقع ہوئی ہے میں نے اس سے زیادہ فخر والا زمانہ میں نہیں سنا پھر یہ مرثیہ کہا — اگر عمرو کا قاتل اس کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں ابد تک اس پر روتی رہتی لیکن اس کا قاتل وہ ہے کہ جس کا مثل کوئی دوسرا نہیں وہ ہمیشہ سے بیضتہ البلد پکارا جاتا ہے۔ (مطالب السئول)

نوٹ:۔ بیضتہ البلد کے معنی لغت میں ہیں۔ وہ فرد الافراد کہ جس کے پاس لوگ آ کر جمع ہوں اور اس کے کہنے کو ہر طرح سے مانیں۔

المہدی حذیفہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اگر علیؑ کو اپنا خلیفہ بناؤ گے تو اسے ہادی اور مہدی پاؤ گے۔ (استیعاب)

طود النہی ربعی بن خراش سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس معاویہ سے ملنے کو گئے اور داخل ہونے کا اذن مانگا معاویہ کے پاس قریش کے قبائل کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سعید بن العاص بھی اس کی داہنی طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا میں ابن عباس سے ایسی باتیں پوچھوں گا کہ جس کے جواب میں وہ عاجز ہو جائیں گے۔ سعید کہنے لگا ابن عباس تیرے جیسے شخص کے سوالات سے عاجز نہیں ہو سکتے جب ابن عباس معاویہ کی محفل میں پہونچ کر بیٹھ گئے معاویہ نے ان سے پوچھا تم علیؑ کے حق میں کیا کہتے ہو ابن عباس نے کہا خدا ابو الحسن پر رحم کرے وہ ہدایت کا نشان تھے خلقت کے پشت پناہ عقل کا پہاڑ دانائی کے محل اور بخشش کے خزانہ تھے۔ وہ انتہائی علم کی جگہ تھے جو خدا کی قربت کے لئے ہو، وہ ایک نور تھے جو رات کی تاریکی میں چمکتا تھا۔ وہ بزرگ حق کی طرف بلانے والے تھے اور رسی مستحکم کے ساتھ چنگل مارنے والے تھے آنحضرتؐ کے بعد ہر مشورہ دینے والے سے زیادہ بزرگ تھے۔ اور وہ دونوں قبلوں کے صاحب تھے اور وہ سبطین کے باپ تھے۔ ان کی زوجہ خیر النساء تھیں۔ پس کوئی شخص ان پر فوق نہیں لے جا سکتا۔ میری دونوں آنکھوں نے ان کے مثل نہیں دیکھا اور میرے دونوں کانوں نے ان کے مثل نہیں سنا پس جو شخص ان سے دشمنی رکھے اس پر خدا کی پھٹکار ہو قیامت تک۔ (ذخائر العقبیٰ دینا بیع المودۃ)

ایلیا جناب امیرؑ فرماتے ہیں جب خیبر کے روز میں نے علم کو ہاتھ میں لیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد کیا جاؤ جبرئیل تمہارے ساتھ ہے اور فتح تمہارے آگے آگے ہے۔ تمہارا رعب قوم کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ اے علیؑ جان لو کہ یہودا اپنی کتابوں میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ جو شخص ان کو ہلاک کرے گا اس کا نام ایلیا ہوگا۔ جب تم ان سے ملنا تو کہنا کہ میں علیؑ ہوں خدا نے چاہا تو وہ شکست کھا جائیں گے۔ جناب امیرؑ کہتے ہیں کہ جب میں قلعہ کے قریب پہونچا علمدار

یہود میں سے ایک عالم نے مجھ سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے میں نے کہا علی ابن ابطالب وہ یہودی عالم کہنے لگا بیشک تم غالب ہوگے۔ موسیٰ پر جھوٹ نہیں نازل کیا گیا۔

(اخرجہ ابن مردویہ)

قتال عین الفتنہ درس حسینیؑ سے جناب امیرؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں فتنہ کے چشمہ کا محافظ ہوں۔ اگر میں نہ ہوتا یہ نہروانی مارے جاتے اگر مجھ کو اس کا خوف نہ ہوتا کہ تم کام چھوڑ بیٹھو گے تو میں تم کو اس سے خبردار کرتا جو کچھ اللہ نے تمہارے نبیؐ کی زبانِ مبارک پر جاری کیا ہے۔ اس شخص کی نسبت جو ان کی نماز کو دیکھنے والا ہے اور اس ہدایت کا عارف ہے جس پر ہم ہیں۔

(اخرجہ النسائی)

امیرالنحل تحقیق نبی کریمؐ نے جناب امیرؑ سے ارشاد فرمایا کہ تم مومنوں کے لئے یعسوب ہو اور مال و دولت منافقوں کا یعسوب (بادشاہ) ہے۔

دمیری حیوۃ الحیوان میں لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے حضرت امیرؑ کو امیرالنحل کہا جاتا ہے۔

ذوالقرنین مجدالدین فیروزآبادی قاموس میں لکھتے ہیں کہ ذوالقرنین جناب علیؑ کا خطاب ہے کیونکہ حضرت عباس نے حنین کے روز آپکو یہ لقب دیا تھا۔

مثیل عیسیٰ جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ تو عیسیٰ کے مانند ہے کہ ایک قوم نے ان سے یہاں تک محبت کی کہ وہ اسمیں ہلاک ہوگئے۔ اور ایک قوم نے ان سے بغض رکھا اور وہ ہلاک ہوگئی۔

(اخرجہ البزاز و ابو یعلی والحاکم والنظری)

القرم عبدالمطلب ربیعہ بن حارث ناقل ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد ربیعہ اور عباس بن عبدالمطلب فضل بن عباس سے کہنے لگے تم دونوں آنحضرتؐ کے حضور میں جاکر عرض کرو کہ یا رسول اللہؐ ہم جوان ہوگئے ہیں ہم نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور قرابت والوں کے لئے صلہ رحم عمل میں لانے والے ہیں۔ ہمارے والد ہماری طرف سے مہر ادا کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے حضور ہم کو عامل زکوٰۃ مقرر فرمائیں تاکہ جس طرح دوسرے عامل ادا کرتے ہیں ہم بھی ادا کیا کریں اور ہمیں بھی اس سے فائدہ ہو جائے ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جناب امیرؑ تشریف لائے اور ہم سے فرمانے لگے تم حضرتؐ کے پاس نہ جاؤ واللہ حضرتؐ تم میں سے ایک کو بھی زکوٰۃ پر عامل نہیں مقرر فرمائیں گے۔ ربیعہ نے یہ سن کر کہا آپ یہ بات حسد کی وجہ سے کہتے ہیں۔ آپ آنحضرتؐ کی دامادی سے مشرف ہوئے تو ہم نے حسد نہیں کیا۔ جناب امیرؑ نے یہ سن کر اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا دی اور لیٹ گئے اور کہنے لگے میں ابوالحسن قرم ہوں خدا میں اس مقام سے اس وقت تک نہیں ٹلوں گا جب تک کہ تمہارے دونوں لڑکے حضرتؐ کے پاس سے تمہاری بات کا جواب لے کر واپس نہ آئیں جب وہ واپس آئے تو بیان کرنے لگے کہ ہم نے حضرتؐ کی خدمت میں جاکر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ سب لوگوں سے زیادہ سخی اور رشتہ داروں کے حق میں سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے ہیں ہم جوان ہوگئے اور نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم حضور کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ حضور ہم کو صدقات پر عامل مقرر فرما دیں تاکہ جس طرح لوگ ادا کرتے ہیں ہم بھی ادا کریں (یعنی جس طرح دوسرے عامل اس کام کو انجام دیتے ہیں ہم بھی انجام دیں) اور جو فائدہ ان کو ملتا ہے ہم کو بھی ملے۔ حضرتؐ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگئے پھر فرمانے لگے آل محمدؐ کو صدقات کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ لوگوں کے ہاتھ کا میل ہے۔

(اخرجہ ابوداؤد والنسائی والبغوی)

جب کوئی مشکل نظر آئے علیؑ کا نام لو

(جناب حکیم شارب لکھنوی)

کام کے دو ہاتھ پائے ہیں تو ان سے کام لو
حق کا دامن اور باطل کا گریباں تھام لو

مستقل میخانۂ ہستی یہ دیتا ہے صدا
مانگنا تو بھیک ہو گی خون دے کے جام لو

خوفِ دنیا، شکوۂ تقدیر، پستی میں قیام
ہے یہی جینا تو پھر جینے کا کیوں الزام لو

نام ہے اسلام میں باطل سے لڑنے کا جہاد
یہ کہاں لکھا ہے اپنوں کا گریباں تھام لو

زندگی کے قافلے کہنے سے یہ رکتے نہیں
ہم بھی چلتے ہیں ٹھہر جاؤ ذرا آرام لو

جیسی نسبت دے رہے ہو کچھ تو ہو دلیلِ عمل
نام کو بدنام کرنے کے لئے کیوں نام لو

آ رہی ہے صاف یہ بازارِ محشر سے صدا
جیسا سودا لے کے آؤ ہم سے ویسے دام لو

اُلفتِ آلِ نبیؐ کے ساتھ ہی اسلام لو
جام لینے آئے ہو تو کیوں شکستہ جام لو

اہلبیتِ مصطفےٰ کے در سے کیا ملتا نہیں
روشنی لو، عزم لو، ایمان لو، اسلام لو

دستِ اہلبیتؑ سے کردارِ اہلبیتؑ سے
جو رسولِ پاک لائے تھے وہی اسلام لو

تشنہ کامو! احمدؐ و حیدرؑ کا دامن تھام لو
ان سے لو میخانۂ جنت تو اُن سے جام لو

وہ محمدؐ جن پہ سارے گلشنِ جنت نثار
ہو سکے تو کر کے کوثر سے وضو یہ نام لو

وہ علیؑ جن کے لئے یہ خود محمدؐ نے کہا
میرے بعد اہلِ زمانہ ان کا دامن تھام لو

منزلِ حیدرؑ سمجھ لینا کوئی آساں نہیں
عقل سے سجدے کرو دل سے نظر کا کام لو

ہر مصیبت دور ہو گی حکم سے اللہ کے
جب کوئی مشکل نظر آئے علیؑ کا نام لو

فیصلہ احمدؐ پہ چھوڑو منصبِ حق کے لئے
نام لیں جس کا محمدؐ تم بھی اُس کا نام لو

ساقیٔ کوثر سے شارب جام یوں ملتا نہیں
میکدہ باطل کا ٹھکراؤ تو ان سے جام لو

حضرت علیؑ کا نقطۂ نظر اور طریقۂ کار

(سید کاظم نقوی)

رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا نقطۂ نظر اور طریقۂ کار دوسروں کے نقطۂ نظر اور طریقۂ کار سے بالکل مختلف تھا۔ یہ حضرات حق و صداقت کے حامی تھے۔ اُن کا کام تھا سماج کے معیار کو بلند کرنا، لوگوں کے درمیان برادری اور رواداری پیدا کرنا، سب کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کرنا، کمزور کا ساتھ دینا، طاقتور ظالموں کے پنجہ سے اُن کے حقوق چھین لینا، جو باتیں خدا کو ناپسند ہیں اُنھیں معاشرے سے مٹا دینا۔ افرادِ انسانی کی اخلاقی تربیت کرنا، اُن کے دماغوں کو علم و معرفت کی روشنی سے منور رکھنا، نامعقول اور بیہودہ خیالات سے اُن کے ذہنوں کو دھو دینا۔

یہ نقطۂ نظر اور طریقۂ کار انتہائی ترقی یافتہ ہے۔ قوم اور افرادِ قوم کی تمام سعادتوں کا دارومدار اسی پر ہے۔ اس کا مقصد ہے اطمینان کی ایسی فضا قائم کرنا جس میں اضطراب نہ ہو۔ سب کو اس طرح راضی رکھنا کہ ناراضی کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ امن و امان کا ایسا ماحول بنانا جس میں بدامنی کا کہیں نام و نشان نہ ہو۔

آلِ رسولؐ کا طرزِ عمل اپنے حاسدین کے طریقۂ کار کے بالکل خلاف تھا جس کی بنیاد مکاری، غلط بیانی، غداری، بددیانتی، بے وفائی، بے مروتی، ابن الوقتی کے اوپر تھی۔ دشمنانِ اہلبیت کا محبوب مشغلہ تھا عوام کے مفاد کا پامال کرنا، لوگوں کی فطری صلاحیتوں کو دبانا، فعال اور متحرک اشخاص سے حیلوں کو برتنا، اگر اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل میں سدِ راہ ہوں تو بوڑھوں، عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر دینا۔ اُنھیں ہر جائز اور ناجائز ذریعہ سے اپنا مقصد پورا کرنے کی فکر تھی۔ اُن کے نزدیک لوگوں کی عزت و آبرو، اُن کے نفس و مال کی کوئی قیمت نہ تھی۔

یقیناً اُصول کی پابندی قابلِ تعریف صفت ہے۔ عام طور سے لوگوں کا اُصول کچھ ہوتا ہے اور عمل کچھ، لیکن رسولؐ اور اہلبیتِ رسولؐ وہ تھے جن کا اُصول عینِ عمل اور عمل عینِ اُصول تھا۔ اُن کے قول اور فعل میں کوئی مغایرت نہ تھی۔ قرآنِ مجید نے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ لِمَ تقولون ما لا تفعلون "ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔"

امیرالمومنینؑ کے نزدیک وہ حکومت دو کوڑی کی تھی جو لوگوں میں عدل و مساوات نہ پیدا کر سکے۔ جو ظلم و جور کے ماحول کو نہ مٹا سکے۔ ایک مرتبہ حضرت کے پاس عبداللہ ابن عباس موجود ہیں۔ آپ اپنی نعلین ٹانکتے جا رہے تھے، اُن کی طرف مخاطب ہو کر اُن سے پوچھتے ہیں یا ابنِ عباس ما قیمۃ ھذہ النعل "ابن عباس! یہ جوتا کہ اس جوتی کی کیا قیمت ہے؟" اُنھوں نے جواب میں عرض کیا کہ [illegible]

لہ یا امیر المومنین " اے امیر المومنین اس کی کوئی قیمت نہیں ہے"۔ امام نے فرمایا **واللّٰہ لھی احب الیّ من امرتکم الا ان اقیم حقاً او ادفع باطلاً**۔ " اے ابن عباس تمھارے نزدیک اس جوتی کی کوئی قیمت نہ سہی لیکن میرے خیال میں یہ تمھاری اُس حکومت سے زیادہ قیمتی ہے جس کے تحت یہ میرے قدم ہیں۔ ہاں بے شک یہ حکومت اُس وقت قیمتی ہو جائے گی جب میں اُس کے ذریعہ حقانیت اور عدالت کے ستون قائم کروں، ظلم اور ہر غلط چیز کو اُس کے ذریعہ مٹا دوں "

علی ابن ابی طالبؑ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ جوتی جس کی لوگوں کی نگاہوں میں کوئی قیمت نہیں ہے اُس ظالم و جابر حکومت سے زیادہ قیمتی ہے۔ جو لوگوں کے حقوق کو پامال کرے، عدالت و انصاف کا خون بہائے، حق اور صداقت کا لحاظ نہ کرے۔

امیر المومنینؑ نے اپنی ایک تقریر میں خلیفۂ اوّل کی بیعت کرنے سے اپنی روگردانی کی وجہ بیان کی ہے بتایا ہے کہ آپ اپنے شرعی اور خدائی حق کا مطالبہ کیوں کر رہے تھے:

" اللّٰھم انک تعلم انہ لم یکن الذی کان منا منافسۃ فی سلطان، ولا التماس شیٔ من فضول الحطام لکن لنرد المعالم من دینک، ونظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک، وتقام المعطلۃ من حدودک "

" بارالہا! تو جانتا ہے کہ سابق حکام سے میری شکایت کا سبب یہ نہ تھا کہ میرے دل میں جاہ و اقتدار حاصل کرنے کی ہوس تھی ایسا بھی نہ تھا کہ میں بچا کھچا مال سمیٹنا چاہتا تھا، میرا مقصد یہ تھا کہ تیرے دین کی نشانیوں کو نمایاں کروں، تیرے ملک میں اصلاحات ہوں، تیرے مظلوم بندے اطمینان کی سانس لیں۔ وہ شرعی اور قانونی حدیں جو جاری نہیں کی جا رہی ہیں انھیں میں جاری کر دوں "

علی ابن ابی طالبؑ قوم کے کسی طبقہ کے لیے کسی قسم کی برتری کے قائل نہ تھے اُن کے نزدیک محض تخت حکومت پر قدم آجانے کی وجہ سے کوئی بڑا نہیں ہو جاتا اقتدار کسی کے تفوق کا سبب نہیں ہے۔ وہ عظمت اور کبریائی کا کوئی مظاہرہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے کہ حضرت جنگ صفین سے لوٹ رہے تھے حرب ابن شرحبیل آپ کے سامنے آئے۔ امیر المومنینؑ سوار اور حرب ابن شرحبیل پیادہ تھے حضرت نے یہ پسند نہیں کیا فرمایا " ارجع "۔ " پلٹ جاؤ " یہ کہہ کر حضرت ٹھہر گئے اس کے بعد بھی حرب ابن شرحبیل آپ کے ساتھ ساتھ چلتے رہے امیر المومنین دوبارہ اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا **ارجع فان مشی مثلک مع مثلی فتنۃ للوالی ومذلۃ للمومن** " حرب تم سے کہہ رہا ہوں کہ پلٹ جاؤ، میں سوار ہوں اور تم پیادہ ہو اس طرح تمھارا میرے ساتھ چلنا صحیح نہیں ہے یہ مومن کو ذلیل کرنے اور حاکم کو مغرور بنانے کا سبب ہے۔"

وہ دوسرے لوگ ہیں جو اقتدار کی کرسی تک پہنچنے کے لئے ہر قسم کی مکاری اور بے اصولی کو ذریعہ بنایا کرتے ہیں اُن کا مقصد ہوتا ہے قوم کی گردن میں کسی نہ کسی طرح اپنی غلامی کا طوق ڈال دینا، وہ حکومت و اقتدار کے پیچھے دوڑا کرتے ہیں لیکن علی ابن ابی طالبؑ وہ تھے جو اپنے اصولوں کے اُوپر ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار تھے آپ اگر اُن لوگوں میں سے ہوتے جو ہر صحیح یا غلط راستے سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ ہرگز خلیفہ دوم کے بعد خلافت کو تیسرے صاحب تک نہ پہنچنے دیتے۔ عبدالرحمن ابن عوف نے علی ابن ابی طالب سے

یہی تو کہا تھا کہ ہم آپ کو اس شرط سے اپنا حاکم ماننے کے لئے آمادہ ہیں کہ آپ شیخین کی سیرت پر عمل کریں حضرت نے جواب دیا کہ میں قرآن اور سنّت رسولؐ کے علاوہ کسی خلیفہ کی سیرت پر عمل کا پابند نہیں ہوں

آج کل جسے سیاست اور عقلمندی کہا جاتا ہے اُس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس وقت علی ابن ابی طالبؑ حامی بھر لیتے، اقرار کر لیتے کہ ہاں میں سیرت شیخین پر عمل کر دوں گا' حلاف ورزی کے قائل ہو جاتے' پھر برسرِ اقتدار آنے کے بعد جو مناسب سمجھتے وہ کرتے، لیکن آپ اگر ایسا کرتے تو سچے پیشوائے اسلام نہ ہوتے آپ یقیناً اُس موقع پر کامیاب ہو جاتے لیکن مذہبی اُصول شکست کھا جاتا۔ مذہب تشیع پامال ہو جاتا معصوم بلا قید و شرط غیر معصوم کے کردار کا پابند قرار پا جاتا!

امیرالمومنینؑ نے دیکھا کہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو چھوڑ دیا وہ آپ کا کہا نہیں مانتے یقیناً حضرت جانتے تھے کہ انہیں کیوں کر رام کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کا منصب آپ کی ذمہ داری آپ سے مطالبہ کر رہی تھی کہ حقانیت اور عدالت کے راستہ پر گامزن رہیں علی ابن ابی طالبؑ نے صاف صاف اس کا اظہار فرمایا

"انی اعرف ما احملکم به علی الطاعة
ولکن لا اصلح دنیاکم بفساد دینی"

"میں خوب جانتا ہوں کہ میں تمھیں اپنی اطاعت کے راستہ پر کیوں کر لاؤں؟ لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کہ تمھاری دنیا کو بنا کر اپنی آخرت بگاڑ لوں۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا "میں گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں کو اپنا معین اور مددگار نہیں بنا سکتا" علی ابن ابی طالبؑ اس قرآنی حکم کے پابند تھے اُن کا فرض تھا کہ نا اہل اشخاص کے ہاتھوں میں کوئی عہدہ نہ رہنے دیں وہ معاویہ کو معزول کرنے کے تمام نتائج سے باخبر تھے۔ اُنھیں معلوم تھا کہ طلحہ اور زبیر کے عزائم کیا ہیں؟ اگر اُنھیں کوفہ اور بصرے کی گورنری نہ دی گئی تو اس کے عواقب کیا ہیں؟ مکمل آگاہی کے باوجود اُنھوں نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد فوراً معاویہ کو معزول کر دیا کوفہ اور بصرے کی حکومت طلحہ اور زبیر کے سپرد نہ کرنا تھی نہ کی،

علی ابن ابی طالبؑ قوم کی مصلحت کے جویا تھے۔ وہ لوگوں کو خوشحال اور خوش بخت بنانا چاہتے تھے انھیں ہر قسم کی پریشانیوں سے چھٹکارا دلانا اپنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔ غداروں اور مجرموں کے ہاتھوں میں ذمہ دارانہ عہدے دے دینا ان مقاصد کے منافی تھا۔ اس کے معنی تھے قوم کو مصیبتوں اور فتنوں کے سپرد کر دینا' اس کا نتیجہ حکومت کے حق میں بھی خوش آئند نہیں ہو سکتا قوم کو غیر مطمئن بنا کر حکومت چین سے نہیں رہ سکتی

امیرالمومنینؑ وہ تھے جنھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں اپنے تمام مخالف عناصر کو مکمل آزادی دے رکھی تھی۔ وہ حکومت کے اوپر سخت سے سخت نکتہ چینی کر سکتے تھے صرف ملک اور قوم کے امن و اطمینان کو خطرے میں ڈالنے کی صورت میں پہلے اُنھیں نرمی سے دھمکی دی جاتی تھی۔ اُن کو اُن کی غلطیوں پر متنبہ کیا جاتا تھا اگر اس طرح مخالف عناصر سیدھے راستہ پر آ گئے تو نہیں ورنہ اُنھیں راہِ راست پر لانے کے لیے اُن سے جنگ کی جاتی تھی۔ اُن کے خلاف جارحانہ اقدام کیا جاتا تھا۔ خوارج کے ساتھ امیرالمؤمنینؑ کا یہی طریقۂ کار تھا۔ اُنھوں نے پہلے خوارج کو سمجھایا، اُن کے شکوک کو دور کرنا چاہا۔ اُن سے مفاہمت کی کوشش کی' دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ اُن کے خیالات غلط ہیں جب آپ نے دیکھا کہ وہ اپنی رائے پر سختی سے جمے ہوئے ہیں تو آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ کوئی جارحانہ اقدام اُن کے خلاف نہیں کیا، لیکن جب خوارج نے ملک میں فساد پھیلانا امن و امان کو نقصان پہنچانا شروع کیا تو آپ جنگ پر آمادہ ہو گئے

سرکوبی کی۔ اُن پر غالب آنے کے بعد اُن کی بیخکنی کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جنگ نہروان کے بعد بھی عراق میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد تھی جو خوارج کے ہمخیال تھے لیکن امیرالمومنینؑ نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بیت المال میں اُن کا حصّہ رہا۔ انھیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی ملک کے ہر حصّے میں انھیں مکمل آزادی حاصل تھی بس انھیں فتنہ و فساد برپا کرنے کا حق نہ تھا وہ دوسرے لوگوں پر زیادتی نہیں کرسکتے تھے ہاں جب بھی وہ اُن کی وجہ سے نقصِ امن ہونے لگا تو اُن کی آزادی پر پابندی لگائی گئی۔

خوارج کی طرح بنی اُمیہ اور اُن کے ہواخواہوں کو بھی امیرالمومنینؑ نے چھوٹ دے رکھی تھی یقیناً یہ لوگ علی ابن ابی طالبؑ کے مخالف اور دشمن تھے لیکن اس کے باوجود انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی گئی، اُن پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی گئی اُن کے ساتھ کوئی معاندانہ برتاؤ نہیں کیا گیا۔ انھیں وہ تمام شہری حقوق حاصل رہے جو آپ کے دوستوں اور طرفداروں کو حاصل تھے حضرت نے اپنے مخالفین کو جو وسیع آزادی دے رکھی تھی اُس کی نظیر بس پیغمبرِ اسلامؐ کے عہد میں دکھائی دیتی ہے رسولؐ اور آلِ رسولؑ کی سیاست یہ تھی کہ لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہ کیا جائے جو کام وہ نہیں کرنا چاہے اُس کے انجام دینے کے سلسلے میں زبردستی نہ کی جائے۔

اسلام نے فوج کا کوئی خاص طبقہ نہیں قرار دیا ہے۔ جب جنگ کی ضرورت ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر قربانی کے پیش کرنے کے لئے تیار ہوجائے لیکن اسلام کسی شخص کو فریضہ کے ادا کرنے کے بارے میں مجبور نہیں کرتا ہے۔ علی ابن ابی طالبؑ اُصولِ اسلامی کے حقیقی محافظ تھے۔ وہ کسی پر جبر نہیں کرتے تھے کہ وہ جنگ کے لئے ضرور اپنے گھر سے نکلے آپ انھیں جہاد کرنے کی دعوت دیتے، جو چاہتا آپ کی آواز پر لبیک کہتا اور جو چاہتا خاموشی سے اپنے گھر میں بیٹھا رہتا تھا علی ابن ابی طالبؑ اُس کو ڈراتے دھمکاتے، کسی قسم کی سزا نہیں دیتے تھے۔ جمل، صفین، نہروان میں آپ کا یہی عمل تھا۔ علی ابن طالبؑ چاہتے تھے کہ لوگ ایمان اور عقیدے کی تحریک سے آپ کی نصرت کریں، جبر و اکراہ کا کوئی دخل نہ ہو۔

اسلام نے تمام افرادِ انسانی کو مساوی قرار دیا ہے۔ رنگ، نسل، طاقت، دولت، اسراف کسی شخص کے امتیاز کا سبب نہیں ہے۔ اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم " اسلام کے ماننے والے سب برابر اور برادر ہیں۔ امتیاز اور بلندی کا سبب صرف تقویٰ اور فرض شناسی ہے "۔

علی ابن ابی طالبؑ تمام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے اور اُصولِ مساوات کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ درحقیقت اسی وجہ سے عربوں نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا آپ ہرگز کسی خاندانی کو غیر خاندانی پر، عرب کو عجم پر، رئیس قبیلہ کو عام آدمی پر ترجیح دینے کے لئے تیار نہ تھے آپ خود بھی مساوات کے راستہ پر گامزن اور دوسرے حکومت کے افراد کو بھی اسی پر چلانا چاہتے تھے

امیرالمومنینؑ نے اپنے گورنر کو خط تحریر فرمایا اس میں ہدایت کی کہ تمھارا فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ مساوی برتاؤ کرو، غریب، امیر، طاقتور، کمزور، حاضر اور غائب کے درمیان کوئی تفریق نہ کرو۔

" واخفض للرعیة جناحک وابسط لھم وجھک واٰس بینھم فی اللحظة والنظرة والاشارة والتحیة حتی لا یطمع العظماء فی حیفک ولا ییأس الضعفاء من عدلک "

" عوام کے سامنے اپنے بازوؤں کو جھکا دو، اُن سے جھک کر ملو، انانیت اور رعونت کا کوئی شائبہ نہ ہو، اُن کے سامنے خندہ پیشانی

سے آئے۔ اُن کی طرف یکساں طور پر نگاہ کرو
اشارے کرو تو برابری سے۔ اُنھیں سلام کرو
تو اس میں کسی کی کوئی خصوصیت نہ ہو تمھارا
رویہ اس طرح سب کے ساتھ یکساں ہو کہ
صاحبان عظمت کو تم سے کسی غیر منصفانہ
بات کی اُمید نہ ہو اور کمزور اشخاص تمھارے
عدل و انصاف سے مایوس نہ ہوں۔"

انسان نے بڑے تجربے کیے، اُس نے بڑی قربانیاں
کیں، حکومت کرنے کے مختلف نظام رائج کیے لیکن غیر معمولی
کوششوں کے باوجود ایسا نظام نہ بنا سکا اور نہ رائج کر سکا
جس میں مکمل طور سے سماجی عدل و انصاف کا لحاظ کیا گیا ہو
جس میں حکام لوگوں کی طرف نگاہ کرنے میں بھی مساوات کا خیال
رکھیں

اسلام نے رشوت لینا اور دینا حرام قرار دیا ہے، کسی
معاشرے میں عدالت اجتماعی بغیر رشوت کے لین دین کو ممنوع
قرار دیے نہیں پیدا ہو سکتی حکومت کا جو شخص رشوت لے اسلام
کا حکم ہے کہ اُسے فوراً معزول کر دیا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ
ہے کہ اسلامی قانون کا صحیح طور سے نفاذ نہیں ہو سکے گا حرام
کی تعداد بڑھے گی لوگوں کو قانون حکومت کی خلاف ورزی
سے ڈر نہیں لگے گا۔ مجرموں کے لئے پناہ گاہ تیار ہو جائے گی
علی ابن ابی طالب وہ تھے جنھوں نے رشوت کا دروازہ بند
کرنے کے لئے اتنا بھی پسند نہیں کیا کہ حکومت سے وابستہ
اشخاص لوگوں کی دعوتیں قبول کریں۔ اُن سے تحفے تحائف
لیں امیرالمومنینؑ کو خبر پہنچی کہ آپ کی طرف سے بصرے
میں تعین شدہ گورنر عثمان ابن حنیف کو ایک جگہ مدعو کیا
گیا اُنھوں نے دعوت قبول کر لی۔ حضرت نے اس بارے
میں اُنھیں خصوصی خط تحریر فرمایا :۔

**اما بعد یا بن حنیف فقد بلغنی
ان رجلا من فتیة اهل البصرة
دعاك الی مأدبة فاسرعت الیها
تستطاب لك الالوان وتنقل الیك
الجفان وما ظننت انك تجیب الی
طعام قوم عائلهم مجفو وغنیهم
مدعو۔ فانظر الی ما تقضمه من هذا
المقضم فما اشتبه علیك علمه
فالفظه وما ایقنت بطیب وجوهه
فنل منه!**

"اے ابن حنیف مجھے اطلاع ملی ہے کہ بصرہ
کے لوگوں میں سے کسی شخص نے تمھاری دعوت
کی۔ تم نے اُسے جلدی سے قبول کر لیا۔ جب تم
وہاں پہنچے تو تمھاری خاطر مدارات کی جانے
لگی۔ ڈشیں اور قابیں تمھارے سامنے
لائی جانے لگیں۔ طرح طرح کے کھانے تم
نوش جان کرنے لگے۔ مجھے سان گمان بھی نہ
تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرو گے
جو محتاجوں کو اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیتے
اور مالداروں کو مدعو کرتے ہیں۔ اے ابن حنیف!
جو غذائیں تمھارے سامنے ایسے مواقع پر
لائی جائیں اُن کے متعلق خوب چھان بین کر لو
کہ اُن کی نوعیت کیا ہے۔ جس کے حلال ہونے
کا تمھیں پتہ نہ ہو اُس سے کنارہ کشی اختیار کرو۔
جس کی بابت معلوم ہو کہ وہ راہ حلال سے حاصل
کی گئی ہے اُسے کھاؤ۔"

حضرت کا مقصد یہ ہے کہ عام طور سے جو دعوتیں ہوتی
ہیں اور اُن میں جو کھانے آدمی کے سامنے لائے جاتے ہیں اُن
کے حرام و حلال ہونے کا پتہ نہیں ہوتا۔ حلال کے ساتھ حرام بھی
انسان کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ خدا نے ہر عالم بشر کو کسی
چیز کے استعمال سے نہیں روکا ہے۔ نادانستگی کے ساتھ بھی

حرام غذا جب انسان کے شکم میں پہنچے گی تو اپنا اثر ضرور پیدا کرے گی، زہر چاہے کوئی جان کر کھائے اور چاہے غفلت میں، بہر صورت اپنا اثر دکھلائے گا

اشعث ابن قیس نے حضرت کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنا چاہا، آپ کے لیے اعلیٰ درجہ کا حلوہ تیار کیا جب انھوں نے اُسے امام کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اُسے دیکھ کر پوچھا اصلة ام زکوٰة ، ام صدقة فذلک محرم علینا اهل البیت "اس حلوے کی کیا نوعیت ہے؟ یہ صلۂ رحم ہے، زکوٰۃ ہے یا صدقہ ہے؟" اشعث ابن قیس نے کہا کہ ان میں سے کوئی نہیں ہے، یہ آپ کی خدمت میں ایک حقیر ہدیہ ہے یہ سُن کر حضرت نے فرمایا اعن دین الله اتیتنی لتخدعنی "کیا اس حلوہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ تم مجھے مذہب کے راستے سے ہٹانا چاہتے ہو؟" ــــ یہ ہونے والی بات نہیں ہے۔" والله لو اعطیت الاقالیم السبعة بما تحت افلاکها علی ان اعصی الله فی نملة اسلبها جلب شعیرة ما فعلت "خدا کی قسم اگر مجھے ساری دنیا دے دی جائے اور اُس کا عوض یہ قرار دیا جائے کہ میں چیونٹی کے منہ سے وہ چھلکا چھین کر خدا کی نافرمانی کروں جسے وہ بل میں لیے جا رہی ہے تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا" وان دنیاکم عندی لاهون من ورقة فی فم جرادة تقضمها " یہ تمھاری دنیا اپنی تمام دلکشیوں سمیت میری نظر میں اُس ایک پتی سے بھی زیادہ بے قیمت ہے جو کسی ٹڈی کے منہ میں ہو اور وہ اُسے کھا رہی ہو: مالعلی ولنعیم یفنی ولذة لا تبقی "علی کو ایسی نعمتیں نہیں چاہییں جو فنا ہو جائیں، میرا ایسی لذتوں سے کوئی سروکار نہیں جو باقی رہنے والی نہیں۔"

علی ابن ابی طالب مسلمانوں کے بیت المال کے امانت دار تھے، ضرورت مندوں تک اُن کے حق کا پہنچانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بیت المال کے اموال کا مصرف اُن کے نزدیک صرف یہ تھا کہ وہ ایسے کاموں میں خرچ کیے جائیں جن سے افراد قوم کی حالت سدھرے۔ وہ ایک درہم بھی کسی ایسے کام میں نہیں صرف کر سکتے تھے جس سے مسلمانوں کو فائدہ نہ پہنچے، امیرالمومنینؑ نے یہ پسند نہیں کیا کہ مسلمانوں کے اموال سے لوگوں کے ضمیر خریدیں، اُن کے خیالات و نظریات بدلیں، اگر علی اس حالت رؤسائے قبائل اور ملک کے نمایاں اشخاص کو اُن کے حق سے زیادہ دینے پر تیار ہوتے تو ہرگز حکومت معاویہ کے پاس نہ جاتی آپ کے بعض ہمدردوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ بیت المال کے خزانہ کا منہ کھول دیجئے۔ قریش اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں کو دل کھول کر دیجئے امیرالمومنینؑ نے جواب میں فرمایا اتامرونی ان اطلب النصر بالجور "کیا تم مجھے یہ رائے دیتے ہو کہ میں ظلم اور حق تلفی کر کے کامیابی حاصل کروں" ؟ امیرالمومنینؑ کا عدل و انصاف اور آپ کی سادہ زندگی حکام عالم کے لئے سبق سیکھنے کے قابل ہے خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود نہ آپ کے جسم پر کبھی قیمتی لباس نظر آیا، نہ آپ نے کبھی لذیذ کھانا کھایا، نہ شاندار مکان میں رہے

ہارون ابن عنترہ بیان کرتے ہیں کہ میں جاڑے کے موسم میں امیرالمومنینؑ سے ملاقات کے لئے گیا میں نے دیکھا کہ آپ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے ہیں اور سردی سے آپ کا جسم کانپ رہا ہے۔ ہارون نے متاثر ہو کر عرض کیا کہ خدا نے اس بیت المال میں آپ اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حصہ قرار دیا ہے۔ آپ کیوں اس طرح رہتے ہیں ؟ حضرت نے جواب دیا والله ما ارزئکم شیئا وما هی الا قطیفتی هذه التی اخرجتها من المدینة

" خدا کی قسم قوم کے اندر میرا اصلاً بوجھ نہیں ہے۔ میرے پاس بھی ایک ردا ہے جسے لے کر میں مدینہ سے نکلا تھا "

علی ابن ابی طالبؑ اسلامی مساوات کے علمبردار تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس اصفہان سے کچھ اموال تقسیم ہونے کے لئے آئے، اُن میں ایک عدد روٹی بھی تھی آپ نے جس طرح مستحقین کی تعداد کے مطابق تمام مال کے سات حصے کئے اُسی طرح اُس روٹی کے بھی سات حصے فرمائے جب آپ نے مستحقین کے درمیان اُنھیں تقسیم کرنا چاہا تو حضرت نے اس لئے قرعہ اندازی کی کہ کسے پہلے اُس کا حصہ دیا جائے آپ نے مساوات کا اتنا خیال رکھا کہ اتنا بھی پسند نہ کیا کہ بلا وجہ کسی کو اُس کا حصہ پہلے اور کسی کو بعد میں عنایت فرمائیں۔

امیرالمومنینؑ کے نزدیک تمام ایسے اعمال ناجائز تھے جو اُن کے مخالفین کو مرعوب کریں اور اُن میں خوف و دہشت پیدا ہونے کا سبب بنیں۔ جنگ جمل کے موقع پر حضرت نے اپنے سپاہیوں کو آواز دے کر اُن کی مخصوص جگہوں پر کھڑا کیا، پھر اُنھیں بتایا کہ جنگ چھڑنے کے بعد اُن کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اس لائحہ عمل کا سایہ شرافت نفس اور کرامت طبع سے بھرا ہے۔ آپ نے ہدایت کی

" ایها الناس اذا هزمتموهم
فلا تجهزوا على جريح ولا تقتلوا
اسيرًا ولا تتبعوا موليًا ولا
تطلبوا مدبرًا ولا تكشفوا عورة
ولا تمثلوا بقتيل ولا تهتكوا سترًا
ولا تقربوا من اموالهم الا ما
تجدونه في عسكرهم من سلاح
او كراع او عبد او امة وما سوى
ذلك فهو ميراث لورثتهم على
كتاب الله۔ "

" اے میرے فوجیو! جب تم جنگ میں کامیاب ہو جاؤ تو کسی زخمی پر حملہ کر کے اُسے قتل کرنے کی کوشش نہ کرنا کسی قیدی کی جان نہ لینا کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا جس کی رائے بدل جائے جنگ میں شرکت نہ کرنا چاہے اُسے تلاش نہ کرنا، کوئی تمہارے ہاتھوں برہنہ نہ ہونے پائے، کسی مقتول کو مثلہ نہ کرنا، جہاں پردہ پڑا ہوا ہے نہ اُٹھانا، اپنے مخالفین کے اموال میں ہاتھ نہ لگانا، صرف ان چیزوں پر قبضہ کر سکتے ہو جو اُن کی فوجی چھاؤنی میں ہاتھ لگ جائیں۔ ان کے علاوہ اُن کے تمام اموال اُن کے وارثوں کو ملیں گے۔ "

امیرالمومنینؑ پورے مملکت اسلامی کے شاہنشاہ تھے بیت المال آپ کے ہاتھ میں تھا جس طرح چاہتے خرچ کرتے، کوئی اعتراض کرنے والا نہ تھا خلیفۂ اول کا جب انتقال ہوا تو وہ بیت المال کے چالیس ہزار درہم سے زیادہ کے مقروض تھے خلیفۂ دوم جب دنیا سے اُٹھے تو وہ بیت المال کے اسّی ہزار درہم کے مقروض تھے خلیفۂ سوم پر بیت المال کے قرضے کا کوئی شمار نہ تھا، لیکن جب علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت ہوئی تو آپ کے ذمہ بیت المال کا کوئی مطالبہ نہ تھا آپ نے صرف سات سو درہم اپنے بعد چھوڑے جنھیں آپ نے ایک غلام خریدنے کے واسطے فراہم کیا تھا۔

پانچ برس حکومت اسلامی کا تخت آپ کے قدموں کے نیچے رہا، آپ جاگیریں تیار کر سکتے تھے۔ عالیشان مکانات بنوا سکتے تھے، سونے چاندی سے اپنے گھر کو بھر سکتے تھے، لیکن آپ نے اپنے بعد کوئی بڑی جاگیر نہیں چھوڑی، سونا چاندی نہیں چھوڑا۔ پانچ برس گزر گئے اور

ڈنٹ پر اینٹ نہیں رکھی۔ دوسروں کو بہتر سے بہتر کھانے کھلاتے لیکن خود خشک اسرکہ یا روغن زیتون سے جو کی روٹی نوش فرماتے، محنت مزدوری کرتے، یہودیوں کے باغوں میں پانی دیتے تھے۔ اپنی اسی کمائی سے آپ نے ایک ہزار غلام آزاد کیے۔ ممالک اسلامیہ کے اطراف و اکناف سے جب کوئی چیز آتی تھی تو فوراً اُسے بیت المال میں رکھ دیتے پھر مستحقین کو اکٹھا کرتے، اُس مال کے پاس بیٹھ کر کبھی اُس کو داہنی طرف ہٹاتے، کبھی بائیں طرف ہٹاتے اور فرماتے تھے **یا صفراء و یا بیضاء تغری بنی غری غیری۔** "اے سونے اور چاندی مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا، میرے علاوہ کسی دوسرے کو فریب دو۔"

(از نیر سلطانپوری)

ایمان ابوطالبؑ

جو دشمن ہیں علیؑ کے کل وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں
جو کافر تھے ابوطالبؑ تو عبداللہؓ پھر کیا تھے
جو چالیس سال تک اعلانِ ایماں ہی نہ فرمایا
بتائیں دشمنِ ایماں رسول اللہ پھر کیا تھے

حق کا فیصلہ

جو مومن ہو تو یہ سمجھو، منافق ہو تو تم جانو
ابوطالبؑ و عبداللہؓ دونوں پاک طاہر تھے
یہ سب دینِ براہیمی کے پیرو تھے بہر صورت
نہ ملحد تھے نہ مشرک تھے، نہ مرتد تھے نہ کافر تھے

اسلام کا نظریۂ علم اور علمِ معاشیات
(نہج البلاغہ کی روشنی میں)

(شہید صفی پوری ایم۔ اے)

ذہن اور جسم ایک وحدت ہیں

انسانی زندگی کے دو شعبے ہیں ایک ذہنی اور دوسرے جسمانی۔ ذہن کا تعلق علم سے ہے اور جسم کا تعلق عمل سے ہے اس لیے ساتھ ذہن اور جسم الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک وحدت ہیں ذہن کا اثر جسم پر پڑتا ہے، جسم کا اثر ذہن پر پڑتا ہے ذہن اور جسم کا یہ تعلق محض نظریہ نہیں ہے بلکہ اب ایک طے شدہ اور مسلم حقیقت بن چکا ہے جس کا ثبوت علم کے مختلف شعبوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے اس ذہنی اور جسمانی زندگی کی وحدت کا سب سے زیادہ واضح ثبوت میڈیکل سائنس میں ملتا ہے۔ بہت سے امراض ایسے ہیں جن میں محض نفسیاتی علاج ہی مؤثر ہوسکتا ہے ذہن کا جسم سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ ذہنی کیفیات کے نتیجہ میں بخار بھی آسکتا ہے، دست بھی آسکتے ہیں، بلڈ پریشر کا توازن بھی خراب ہوسکتا ہے اور دل کی حرکت بھی بند ہوسکتی ہے اسی طرح جسمانی تغیرات ذہنی حالات میں بدل سکتے ہیں۔ جگر کی خرابی سے انسان میں قنوطیت Meloncholy اور Pessimism پیدا ہوسکتی ہے اور جسمانی عدم توازن کا اثر جذبات و تصورات اور کردار پر پڑسکتا ہے۔

ذہنی اور جسمانی عمل

انسانی عمل کے بھی دو شعبے ہیں۔ ایک ذہنی عمل اور دوسرے جسمانی عمل لیکن یہ دونوں اعمال ایک ساتھ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور اُن میں مکمل ہم آہنگی ہوتی ہے کوئی بھی جسمانی محنت بغیر ذہنی عمل کے ممکن نہیں ہے اور نہ کوئی ذہنی عمل ایسا ہے جس کا اثر جسمانی اعمال پر نہ پڑے نظریۂ علم کا تعلق ذہن سے ہے اور معاشیات کا تعلق جسم سے ہے لیکن وہ نظریۂ علم جس کا تعلق محض ذہن سے ہو اور جس کا تعلق انسان کی مادی فلاح یا عملی زندگی سے نہ ہو ہمیشہ مردہ رہے گا اور اُس کو قبول کرنے والے افراد ہمیشہ جمود کا شکار رہیں گے۔ اسی طرح معاشیات کا ہر نظریہ جو ذہن کو نظر انداز کردے گا اور صرف انسان کی مادی ترقی کو اپنا مقصد بنائے گا ہمیشہ انسان کو ایک ایسی [illegible] کردے گا جو ذہنی انتشار اور ذہنی ناآسودگی [illegible] اگر ذہن تندرست ہو اور جسم مفلوج ہو جائے تو [illegible] کے بعد ذہن بھی مفلوج ہو جائے گا اور اگر جسم [illegible]

ہے اور ذہن صحیح کام نہیں کرتا تو یہ مقصد جدّ و جہد ہلاکت کی طرف لے جائے گی۔

کائنات اور ذہنی اور جسمانی پیداوار

ذہنی عمل اور جسمانی عمل دونوں ایک ہی میدان میں کام کرتے ہیں اور یہ کارگاہ عمل کائنات ہے۔ ذہنی عمل اور جسمانی عمل دونوں حیات انسانی ہی کے شعبے ہیں اور وہ دونوں ایک ہی وحدت کے دو پہلو ہیں اور یہ وحدت جو ذہن اور جسم کا مجموعہ ہے۔ "حیات انسانی" یا "نفس" یا "انسان" ہے۔ اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ علم ذہنی عمل ہے جو ذہنِ انسانی اور کائنات کے رابطہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ذہنِ انسانی کی پیداوار (Production) ہے۔ ادبی نقاد اسے پیداوار تسلیم کرتے ہیں بلکہ اُسے تخلیق (Creation) بھی کہتے ہیں لیکن معاشیات کے ماہرین اُسے پیداوار نہیں مانتے اس لئے کہ اُنھوں نے اپنی تنگ نظری کی بنا پر "پیداوار" کو صرف مادّی پیداوار اور جسمانی محنت ہی تک محدود کر لیا ہے۔ اور دوسری طرف وہ ادیب جو انسان کی مادّی فلاح کو نظر انداز کر کے صرف اُس کے ایک ذہنی پہلو یعنی "نشاط" ہی کو اہمیت دیتے ہیں وہ دوسری طرح کی تنگ نظری میں مبتلا ہو گئے اور اُنھوں نے "ادب برائے ادب" کا نظریہ وضع کر کے ادب کا رشتہ زندگی کے مادّی مسائل سے منقطع کر دیا۔

تخلیق صرف خالق سے مخصوص ہے

بہرحال ایک بات پر ماہرینِ معاشیات اور نقاد دونوں متفق ہیں اور وہ یہ کہ "پیداوار" کے معنی "تخلیق" نہیں ہیں۔ انسان کوئی چیز خود نہیں پیدا کر سکتا خواہ وہ نظریہ ہو یا کوئی مادّی شے۔ پیداوار کے معنی صرف یہ ہیں کہ انسان اپنی ضرورت کے لحاظ سے اُن اشیاء میں جو موجود ہیں ایک نئی ترتیب پیدا کر دیتا ہے۔ خام مواد (Raw Material) کی اسی ترتیب کو ہم مجازی معنوں میں تخلیق کہہ سکتے ہیں نہ کوئی مزدور، دستکار یا صنعت کار کوئی نئی چیز خلق کر سکتا ہے نہ کوئی شاعر یا فلسفی بالکل کوئی نیا نظریہ خلق کر سکتا ہے۔ خالق کی جگہ ہر شعبۂ علم نے انسان سے خالی کرالی ہے۔

حیاتِ انسانی اور اُس کا مقصد

اس گفتگو سے حسب ذیل نتائج نکلے :-

۱۔ حیاتِ انسانی یا نفس انسانی یا انسان ایک وحدت ہے

۲۔ اس وحدت کے دو اہم شعبے ہیں ایک ذہن اور دوسرے جسم

۳۔ ذہن اور جسم لازم و ملزوم ہیں۔

۴۔ انسان کی جدّ و جہد کا میدان کائنات ہے

۵۔ انسانی جدّ و جہد کا مقصد بقائے نفس، ارتقاء اور فلاح ہے

۶۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے انسان ذہنی عمل اور جسمانی محنت کرتا ہے

۷۔ ذہنی عمل کے نتیجہ میں نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں اور جسمانی محنت کے نتیجہ میں نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

علم ناقابلِ تقسیم ہے

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظریۂ علم اور علم معاشیات دونوں لازم و ملزوم ہیں اور زندگی کے سارے مسائل پر حاوی ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کا تعلق انسانی ذہن اور انسانی جسم سے نہ ہو اور نہ کوئی شعبہ ایسا ہے جس کا تعلق کائنات سے نہ ہو یعنی تمام علوم اپنی ماہیت کے لحاظ سے ایک وحدت اور ناقابلِ تقسیم ہیں۔ ان میں ذہنی

وجسمانی، روحانی، مادّی، دینی اور دنیوی، مشرقی اور مغربی، قدیم اور جدید، اسلامی اور غیر اسلامی، سیکولر اور مذہبی کی ساری تقسیم غیر علمی، غیر فطری، خلافِ عقل اور خلافِ حقیقت ہے۔

علم سیکولر ہے اور توحید، وحدتِ کائنات، وحدتِ نسلِ انسانی اور اُصولِ عدل ومساوات کی طرف رہنمائی کرتا ہے

علم اپنی ماہیت کے لحاظ سے سیکولر (Secular) ہے۔ سیکولر اُن محدود معنوں میں نہیں جن میں لوگ اُس کا استعمال سیاسی اور مذہبی تعصبات اور اپنی جذباتی نفسیاتی تنگ نظریوں کے ماتحت کیا کرتے ہیں۔ سیکولر کے معنی ہیں۔ وہ اُصول جن کی جڑیں نفسِ انسانی یعنی فطرتِ انسانی اور قانونِ فطرت میں پیوست ہوں اس لئے اُن کا اطلاق تمام انسانوں پر یکساں طور پر ہو سکے خواہ وہ کسی رنگ، قوم، مُلک، مذہب اور نظریہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ انسان نے جتنی غیر علمی، غیر انسانی اور غیر فطری تقسیمیں کی ہیں علم اُن سب کو توڑ دیتا ہے۔ علم سے بڑا بُت شکن کوئی نہیں، علم سے بڑا مبلغ کوئی نہیں، علم سے بڑا مُصلح کوئی نہیں، علم سے بڑا مجاہد کوئی نہیں، علم سے بڑا انقلابی کوئی نہیں۔ وہ حکومتوں کا فرماں بردار نہیں ہے، وہ علماء کی اندھی تقلید نہیں کرتا۔ وہ توپوں کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتا۔ وہ نسل و رنگ، قوم و مذہب کی تفریق کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ انسانی تعصبات اور توہمات کے آگے سر نہیں خم کرتا۔ وہ ایک ایسی طاقت ہے جس کے سامنے حکومتوں کا پروپیگنڈا بے اثر، علماء کی فتنہ پردازیاں ناکام، نسلی اور قومی تعصبات بے بس اور ظلم و استبداد کی ساری طاقتیں بے دست و پا ہیں۔ علم وہ ہے جسے نہ جاہلوں کی گرد و غبار مٹا سکتی ہے نہ جھوٹوں کی منافقت بدل سکتی ہے نہ اقتدار و دولت کی طاقت اُسے مطیع کر سکتی ہے۔ وہ جب بڑھتا ہے تو قدم پیچھے نہیں ہٹاتا اور جہاں تک پہنچ جاتا ہے اُس کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے۔ اُس کی مملکت کے حدود بڑھتے ہی جائیں گے۔ وہ علوم کے درمیان کھڑی کی ہوئی مصنوعی دیواروں کو گرا دے گا جس کو انسانی جہل، انسانی تنگ نظری، انسانی خود غرضی اور وقتی مصلحت نے تعمیر کیا ہے۔ وہ اُن حکومتوں کو نگل لے گا جنہوں نے نوعِ انسانی کو خانوں میں بند کر کے اُن پر اپنا تسلط و اقتدار قائم کر لیا ہے اور رنگ و نسل و قوم کی اُن تمام تفریقوں کو مٹا دے گا جو ظالموں نے اپنے اقتدار اور تسلط کے لئے انسانوں میں پیدا کر دی ہیں اور آخر میں پوری نسلِ انسانی کو ایک وحدت میں تبدیل کر کے چھوڑے گا جس کی بنیادیں عدل و مساوات اور ہم آہنگی اور محبت پر قائم ہوں گی۔

علم حق ہے اور حق ہی طاقت ہے

علم کمزوری نہیں طاقت ہے۔ علم باطل نہیں حق ہے۔ علم ظالم نہیں عادل ہے۔ علم محکوم نہیں حاکم ہے اور وہ بڑا سخت حاکم ہے۔ اس کا فیصلہ کبھی نہیں بدلتا، نہ کبھی حد سے تجاوز کرتا ہے۔ جو اُس کی اطاعت کرے گا اُسے سعادت حاصل ہو گی جو انحراف کرے گا اُسے وہ مٹا دے گا۔ بغیر اُس کی اطاعت کے انسانی ترقی تنزل میں بدل جاتی ہے اور طاقت تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ ظالم حکومتوں کا تختہ پلٹ دیتا ہے اور انسان دشمن سرمایہ داروں کو قارون کی طرح زمین میں زندہ دفن کر دیتا ہے۔ ساری دنیا کی حکومتیں اپنے تمام ذرائع و وسائل اور اپنے سارے خزانوں اور اسلحوں کے [illegible] آگے کوئی وقعت نہیں رکھتیں اور پوری کی پوری نسلِ انسانی مل کر بھی اُس کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ [illegible] حاکم ہے۔ اگر وہ اُس کے کہنے پر عمل کرے [illegible]

... مصیبت ہوگی، نہیں تو وہ اُسے جنگ، تباہی اور ہلاکت کے جہنم میں ڈھکیل دے گا اور وہی دولت، طاقت اور اقتدار جس کے نشہ نے اُس کو اندھا بنا دیا ہے اُس کی مکمل تباہی اور بربادی اور ہلاکت کا آلۂ کار بن جائے گا۔

نوعِ انسانی میں ساری تفریقیں غیر علمی ہیں

انسانی تنگ نظری، انسانی تعصب اور احساس جہل کا پردہ علم کا ہر شعبہ چاک کر رہا ہے تو علمائے علوم دینی و دنیوی کی تفریق کے قائل ہوں اُن سے پوچھو کہ علم حساب کس شعبۂ علم سے تعلق رکھتا ہے علوم دینی سے یا علوم دنیوی سے؟ اگر وہ دنیوی علم ہے تو دینی علم حساب کیا ہے؟ شیعوں کا علم حساب کون سا ہے اور سنیوں کا کون سا ہے۔ مسلمانوں کا حساب کون سا ہے، ہندوؤں کا کون سا ہے، رُوحانیین کا علم حساب کون سا ہے اور مادّہ پرستوں کا کون سا ہے، بورژوا کلاس کا کون سا ہے اور مزدور کا کون سا ہے کالوں کا علم حساب کون سا ہے اور گوروں کا کون سا ہے برہمنوں کا کون سا ہے اور ہریجنوں کا کون سا ہے اگر حساب دینی علم ہے تو یہ کیا صرف مسلمانوں کی ملکیت ہے؟ اگر دنیوی علم ہے تو دنیا مسلمانوں کے نزدیک کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے؟ اگر دنیا کا خالق اللہ ہے اور علم حساب ذہن انسانی اور فطرت کے قوانین پر مبنی ہے تو وہ بھی قانون الٰہی کی ہی تفسیر کرتا ہے اور اُس کا شمار بھی دینی علوم ہی میں ہے حساب جن ذہنی قوانین پر مبنی ہے وہ وہی ہیں جن کے ماتحت انسان منطقی استدلال کرتا ہے اور اگر علم حساب گمراہ کن ہے تو منطق بھی گمراہ کن ہے اور اگر منطق گمراہ کن ہے تو مذہب کا رشتہ عقل سے کٹ گیا اور حُسن و قبح اختیار ... کے بنیادی اُصول کی نفی ہوگئی اور یہی بات ہر علم ... ہے اور جب تمام انسانوں کا ذہن ایک ہی قانونِ فطرت کا تابع ہے تو پھر اُن میں کوئی تفریق درست نہیں ہو سکتی۔ نظریات کا اختلاف جہل کی وجہ سے ہے اور یہ تمام قوموں کے افراد میں بھی اُسی طرح موجود ہے جس طرح ایک مذہب کے ماننے والوں اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں میں ہے مادّہ پرست اور روحانیت کے حامیوں میں بھی انسانی فطرت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ مادّہ سے مبرا کوئی انسان نہیں ہے اور روحانیت کے عناصر سے کوئی مادّہ پرست بھی عاری ہے انسانی تفریق علم سے زیادہ جہل، مذہب سے زیادہ منافقت اور انسانیت سے زیادہ نفسانیت، خود غرضی اور سیاسی مصلحت کی پیداوار ہیں

اسلام کی علمی حیثیت اور دوسرے علوم میں اُس کا مقام

اب سوال یہ ہے کہ حساب ایک علم ہے معاشیات ایک علم ہے، سائنس ایک علم ہے، اسی طرح علم کی دوسری تمام شاخیں علم ہیں لیکن یہ "اسلام" کیا ہے "نظریہ علم اور معاشیات" کو جانتے ہم ہے لیکن "اسلام کا نظریۂ علم اور معاشیات" کا کیا مطلب ہے؟ جب علم مذہبی تفریق اور دوسری تمام تفریقوں سے بالا ہے اور اُس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے تو پھر "اسلام" کے لئے علم میں کہاں گنجائش باقی رہی یہ علم کا کون سا شعبہ ہے اُس کا دوسرے علوم سے کیا تعلق ہے، اور اگر یہ علم ہے تو کیا ہندو مذہب، عیسائیت، موسائیت اور دوسرے مذاہب بھی کوئی علمی حیثیت رکھتے ہیں؟ اگر ان تمام مذاہب کا موضوع بھی ایک ہے اور سب سچے علم ہیں تو پھر اُن میں اختلاف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس علم کا بانی کون ہے اور کس نے اس کی تعلیم دی اور اس

علم کی Text Book درسی کتاب کون سی ہے

جواب ملتا ہے کہ اس کی تعلیم پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے دی اُن کی کتاب قرآن مجید ہے پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کون سی کتاب ہے اور اس کا مصنف کون ہے اور اس کا پیغمبر اسلام اور اُن کی کتاب سے کیا تعلق ہے. جواب ملتا ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علیؑ کا کلام ہے اور حضرت علیؑ امام تھے اور پیغمبر کے جانشین تھے اور قرآن اور نہج البلاغہ میں وہی نسبت ہے جو رسول اور علیؑ میں ہے اور جو حدیث رسولؐ کے مطابق ہے کہ رسول شہر علم ہیں اور علیؑ دروازہ ہیں یعنی قرآن علم کی کتاب ہے اور نہج البلاغہ اُس کی تفسیر ہے

سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر کون ہوتا ہے اور امام کون ہوتا ہے. جواب ملتا ہے کہ یہ دونوں ہدایت کے منصب ہیں اور اللہ پیغمبر اور امام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے معین کرتا ہے قرآن اللہ کی کتاب ہے جو پیغمبر پر نازل ہوئی اور امام کا کام یہ ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کا تحفظ کرے اور اسی کی تشریح و تفسیر کرے.

اللہ کی کُنہِ ذات فہم انسانی سے بالاتر ہے

اللہ، پیغمبر، امام اور قرآن اور پھر علم ! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کی وہ کون شاخ ہے جو "اللہ" کے موضوع پر تحقیق کرتی ہے. پھر نبوت، امامت اور قرآن کا تعلق اللہ ہی سے ہے. اس لئے اللہ کے موضوع پر ریسرچ ہی سے اُن پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے جواب ملتا ہے کہ سائنس کی کوئی شاخ ایسی نہیں ہے جو اللہ پر ریسرچ کر رہی ہو. اس لئے کہ انسانی علم کے حدود کائنات میں ختم ہو جاتے ہیں اور فطرت کے قوانین ہی تک انسان کی دسترس ہے اس لئے وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے بارے میں ریسرچ کرنے سے قاصر ہے.

عقائدِ نبوت و امامت ایمان بالغیب ہی کا حصہ ہیں!

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ جب مافوق الفطرت ہے اور انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے تو وہ انسانی علم کے حدود سے خارج ہے اور جب خود اللہ ہی علم کے حدود سے باہر ہے تو قرآن، رسول اور امام بھی انسانی علم کے حدود میں نہیں آسکتے. جب اللہ، قرآن، رسول اور امام علم کے حدود میں نہیں آتے تو پھر قرآنی تعلیم کی علمی حیثیت یا پیغمبر اور امام کی معلّم کی حیثیت کے لئے کوئی جواز باقی نہیں رہا. پھر اگر اللہ علم و ہدایت کا سرچشمہ ہے اور پیغمبر اللہ کا مقرر کیا ہوا ہادی ہے اور امام اللہ اور رسول کا مقرر کیا ہوا ہادی ہے تو قرآن کو علم کی کسوٹی پر پورا اُترنا چاہیئے لیکن سوال یہ پیدا ہوگا کہ قرآن کا موضوع کیا ہے اور وہ کون سا علم ہے جس کی کسوٹی پر قرآن پورا اُترے گا؟

لاعلمی کے باوجود اللہ کے وجود کے اقرار کو خلافِ عقل نہیں کہا جاسکتا

اللہ مافوق الفطرت ہے اس لئے وہ ہمارے حدودِ فہم و ادراک سے بالاتر ہے لیکن اپنے ذہن کی بے بضاعتی اور محدودیت کے باوجود ہم اللہ کے بارے میں ایک نتیجہ نکال ہی سکتے ہیں اور وہ یہ کہ یا تو اللہ کا وجود ہے یا اُس کا وجود نہیں ہے. اللہ کے تصور کو ناقابلِ فہم تسلیم کرنے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے. منکرینِ خدا اور موحدین [illegible] اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ ناقابلِ فہم ہے [illegible] دوسری منزل یہ ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ [illegible]

خدا کا انکار کریں یا لاعلمی کے باوجود اُس کے وجود کا اقرار کریں۔ منطقی اور عقلی حیثیت سے یہ دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ یعنی لاعلمی کے باوجود انکار کی وہی حیثیت ہے جو لاعلمی کے باوجود اقرار کی حیثیت ہے یعنی عقل و علم کی بنیادوں پر اللہ کا منکر اُس کے وجود کے قائل اور مقر پر اپنے تفوق کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اگر اُس کے پاس اُس کے وجود کی کوئی دلیل نہیں ہے تو منکر کے پاس بھی کوئی دلیل اس کی نہیں ہے کہ وہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ کے منکر کے لئے اس کا بھی کوئی عقلی جواز نہیں رہتا کہ وہ قرآن، نبوت اور امامت کا انکار کرے اس لئے کہ اللہ کے وجود کے خلاف دلائل کے بغیر نبوت اور امامت کے انکار کا کوئی عقلی جواز نہیں ہے۔ اور نہ وہ قرآن، نبوت اور امامت پر عقیدہ رکھنے والے پر خلافِ عقل باتوں کو ماننے کا الزام عائد کرسکتا ہے۔

اکتسابی علم اور وہبی علم

یہاں تک پہنچ جانے کے بعد علم کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ علم جو نفسِ انسانی اور فطرت کے رابطہ سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہ علم ہے جو براہِ راست اللہ سے کتاب، رسول اور امام کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم کی اُن قسموں میں کیا تعلق ہے۔ کیا ایک علم دوسرے سے بالکل مختلف یا متضاد ہے یا ان میں سے ایک سچا علم ہے اور دوسرا سرے سے علم ہی نہیں بلکہ محض جہل اور توہم کا مجموعہ ہے یا دونوں میں سچائی ہے۔ اگر دونوں سچے علم ہیں تو پھر وہ ضرور ایک ہو جائیں گے اور ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

بے یقینی علم کی اساس نہیں بن سکتی!

معلوم ہوا کہ اللہ کے وجود اور عدم کے مساوی نظریات سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ دونوں صورتیں یکساں طور پر مشکوک رہتی ہیں اور جو چیز مشکوک ہو وہ انسان کے ذہنی اور جسمانی اعمال کو معطل تو کرسکتی ہے لیکن اقرار یا انکار کے لئے کوئی ٹھوس علمی بنیاد نہیں فراہم کرسکتی اور انسان کا ذوقِ تحقیق اور علمی ذوق اُس وقت تک اُسے چین نہیں لینے دے گا جب تک وہ کسی واضح اور مستحکم نتیجہ تک نہ پہنچ جائے۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ نتیجہ کیا ہو۔ خواہ یہ طے ہو جائے کہ اللہ ہے، خواہ یہی طے ہو جائے کہ وہ نہیں ہے دونوں صورتوں میں اُسے مذبذب، تشکیک اور بے یقینی کی ذہنی کیفیت سے نجات مل جائے گی۔

کائنات میں آثارِ خالق، علم بغیر معرفت کے ناقص ہے۔

لیکن اب پھر وہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ ہم خدا کو کہاں تلاش کریں۔ وہ ہے مافوق الفطرت اور ہمارا دائرۂ فکر کائنات اور نفسِ انسانی ہی میں محدود رہے تو پھر ہم اُس کی جستجو کہاں کریں۔ اب اُس کی تلاش کا صرف ایک امکان باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر اُس کا وجود ہے تو مافوق الفطرت ہونے کے باوجود وہ کائنات اور نفسِ انسانی سے کسی نہ کسی قسم کا ربط ضرور رکھتا ہوگا اور خواہ اُس کی ذات ہماری گرفت میں نہ آسکے لیکن اُس کے آثار ہمیں ضرور کائنات اور نفسِ انسانی میں مل جائیں گے علمی نقطۂ نظر سے کائنات اور نفسِ انسانی کے معنی ہیں وہ قوانینِ فطرت جو کائنات میں جاری و ساری ہیں اور وہ قوانینِ فطرت جن کا نفسِ انسانی تابع ہے۔ یعنی اگر خدا کا وجود ہے تو ہمارا وہ سارا علم جو محض قوانینِ فطرت اور نفسِ انسانی

پر مبنی ہو گا اُس وقت تک ناقص رہے گا جب تک اللہ کے وجود کو مان نہ لیا جائے اور اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے تو فطرت کے قوانین سے حاصل ہونے والا علم کافی ہو گا اور وہ انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو پورا کر دے گا اور اُس کا کوئی پہلو ایسا نہ ہو گا جو تشنۂ تکمیل یا ناقص رہ جائے

دینِ فطرت قانونِ فطرت کی اساس ہے اور اُس کی تکمیل کرتا ہے

اس طرح ایک طرف علم کی مختلف شاخوں میں تحقیق و تفحص ہمیں صحیح نتیجہ نکالنے میں معاون ثابت ہو گا دوسری طرف ہمیں قرآن کا جائزہ لینا چاہیئے کہ آخر اس کا موضوع کیا ہے اور اس میں کن نظریات کی تعلیم دی گئی ہے۔ اگر قرآن میں ہمیں متضاد اور متناقض نظریات ملیں یا ایسے نظریات ملیں جن کو ملا کر کوئی نتیجہ نہ نکل سکے تو یقیناً اُس کی علمی حیثیت ساقط ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر اس سے کچھ اصول و نظریات مرتب ہو جاتے ہیں اور کم از کم اُن میں اندرونی تضاد باقی نہیں رہتا یعنی خود قرآنی تعلیمات کے حدود میں اُن میں ہم آہنگی اور ربط و نظم پیدا ہو جاتا ہے تو پھر ہم اُسے کم از کم ایک نظامِ فکر تسلیم کر لیں گے۔

لیکن تعلیماتِ قرآنی کی علمی حیثیت کی تصدیق صرف اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جب علم کے تمام شعبوں کے ناقص ہونے کی تصدیق ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی تعلیمات میں اس کی صلاحیت ہو کہ وہ اُس خلا کو پُر کر دیں جو تمام شعبہ ہائے علم میں نظر آئے اگر قرآنی تعلیمات انسانی علوم کی تکمیل کر دیں تو اس سے قرآن کی حقانیت ثابت ہو جائے گی اور وہی وجودِ خدا اور پیغمبر اور امام کی حقانیت کا عقلی ثبوت ہو جائے گا جو خود ساختہ ہو گا اُس کی کتاب کی قانونِ فطرت کے ساتھ مکمل ہم آہنگی نہیں ہو سکتی اور جو امام یا خلیفۂ رسول ہو گا وہ کبھی قرآن کے نظریات کی تبلیغ اس طرح نہیں کر سکتا کہ اُس کا ہر قول قرآن کی تصدیق یا اُس کی تفسیر کرے اور اُس کا ہر عمل تعلیماتِ قرآنی کا مظہر اور ترجمان بن جائے۔

تمام شعبہ ہائے علم میں نقص کا ایک مشترک پہلو

اب ہم پہلے انسانی علوم کا ایک اجمالی جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ وہ کہاں تک انسانی زندگی کی رہنمائی کرتے ہیں اور کہاں سے اُن کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں ہمارے دور میں سارے علوم میں سب سے زیادہ اہمیت سائنس کو حاصل ہے۔ سائنس نے فلسفہ کی اہمیت گھٹا دی ہے اور دوسرے معاشرتی علوم (Social Sciences) اور انسانیات (Humanities) پر بھی اس کا اثر و رسوخ دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی میں لکھتا ہے:۔

"Almost all the questions of most interest to speculative minds are such as science cannot answer, and the confident answers of theologians no longer seem so convincing as they did in former centuries. Is the world divided into mind and

eternal in order to deserve to be valued, or is it worth seeking even if the universe is inexorably moving towards death? Is there such a thing as wisdom, or is what seems such merely the ultimate refinement of folly? To such questions no answer can be found in the laboratory. Theologians have professed to give answers, all too definite but their very definiteness causes modern minds to view them with suspicion. The studying of these questions, if not the answering of them, is the business of philosophy"

" فکر کرنے والے ذہنوں کے نزدیک
جتنے بھی اہم سوالات ہیں وہ ایسے ہیں کہ
سائنس اُن کا جواب دینے سے قاصر ہے
اور اہلِ مذہب کے جوابات اب اتنے
تشفی بخش نہیں محسوس ہوتے جیسے گزشتہ
صدیوں میں محسوس ہوتے تھے کیا دنیا ذہن
اور مادہ میں منقسم ہے؟ اگر ایسا ہے تو ذہن
کیا ہے اور مادہ کیا ہے؟ کیا ذہن مادہ کا

and matter, and, if so, what is mind and what is matter? Is mind subject to matter, or is it possessed of independent powers? Has the world any unity or purpose? Is it evolving towards some goal? Are there really laws of nature, or do we believe in them because of our innate love of order? Is man what he seems to the astronomer, a tiny lump of impure carbon and water, impotently crawling on a small and unimportant planet? Or is he what he appears to Hamlet? Is he perhaps both at once? Is there a way of living that is noble and another that is base? or are all ways of living merely futile? If there is a way of living that is noble, in what does it consist? and how shall we achieve it? Must the good be

تابع ہے یا وہ خود مختار طاقتوں کا حامل ہے؟ کیا دنیا کسی وحدت یا مقصد کی حامل ہے؟ کیا یہ کسی مقصد کی طرف ارتقا پذیر ہے؟ کیا واقعی قوانینِ فطرت کا وجود ہے؟ یا ہم اُن پر نظم و ترتیب سے فطری لگاؤ رکھنے کی وجہ سے عقیدہ رکھتے ہیں؟ کیا انسان ویسا ہے جیسا ایک ماہر نجوم کو نظر آتا ہے یعنی غیر خالص کاربن اور پانی کا ایک حقیر مجموعہ جو ایک چھوٹے اور غیر اہم سیارہ پر رینگ رہا ہے یا ویسا ہے جیسا ہیملٹ کو نظر آتا ہے یا پھر غالباً ان دونوں چیزوں کا مجموعہ ہے (یعنی غیر اہم بھی ہے اور اہم بھی)، کیا زندگی بسر کرنے کا کوئی طریقہ ایسا ہے جسے اخلاقی طور پر بلند اور دوسرا ایسا ہے جسے پست کہا جائے یا سارے طرز ہائے حیات یکساں طور پر بے حقیقت اور بے معنی ہیں؟ کیا کوئی بلند اخلاقی طرزِ زندگی ہے اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ اور ہم کس طرح اُسے اپنا سکتے ہیں۔ کیا خیر اہم اور قابلِ قدر اُسی صورت میں ہے جب وہ ابدی ہو یا اُس وقت بھی اہم ہے جب کائنات لازمی طور پر فنا کی طرف جا رہی ہو۔ کیا دانش کے نام کی کسی شے کا بھی وجود ہے یا بظاہر جو دانش نظر آتی ہے وہ حماقت ہی کی ایک تہذیب یافتہ شکل ہے۔ ایسے سوالات کا جواب لیبوریٹری یعنی سائنس کی تجربہ گاہ نہیں دے سکتی۔ اہلِ مذہب نے ان سب سوالوں کا جواب دیا ہے اور وہ تمام جوابات قطعی اور محکم ہیں لیکن اُن کی قطعیت ہی جدید ذہن کو انھیں شک کی نظروں سے دیکھنے پر آمادہ کر دیتی ہے فلسفہ کا مقصد ان سوالات کا مطالعہ ہے خواہ وہ اُن کا جواب نہ دے سکے"۔۔۔

اقدار سائنس کے حدود سے باہر ہیں

رسل نے اپنی اس عبارت میں یہ بات نہایت واضح طور پر تسلیم کر لی ہے کہ تمام اہم مسائل کے بارے میں سائنس خاموش ہے۔ جو سوالات اُس نے قائم کئے ہیں وہ تمام اہم فلسفیانہ مسائل کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ ان میں نظریۂ کائنات بھی شامل ہے، تصورِ انسان بھی، کائنات کی وحدت اور کائنات کا مقصد بھی، حق و باطل کا مسئلہ بھی جو اقدار سے متعلق ہے اور خیر کے ابدی ہونے کا مسئلہ بھی جو درحقیقت عقیدۂ آخرت ہی کی ایک فلسفیانہ تعبیر ہے اور صرف رسل ہی نہیں بلکہ تمام سائنس دانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اقدار (Values) سائنس کے دائرۂ کار سے باہر ہیں۔ رسل نے قابلِ فہم اور ناقابلِ فہم کا تذکرہ بھی کیا ہے اور سائنس کی محدودیت پر مزید روشنی ڈالی ہے اور اُن اُمور کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے جو اُس کے دائرۂ علم سے باہر ہیں:-

"Science tells us what we can know. but what we can know is little. and if we forget how much we cannot know we become insensitive to many things of very great importance.

"سائنس ہمیں وہ چیز [illegible]

جنھیں ہم جان سکتے ہیں لیکن جو اُمور انسانی علم کے دائرہ میں آتے ہیں وہ بہت کم ہیں اور اگر ہم ان اُمور کو فراموش کر دیتے ہیں جو انسانی علم کے ماوراء ہیں تو ہم بہت سی ایسی چیزوں سے بے پروا ہو جاتے ہیں جن کی بڑی اہمیت ہے"

بے یقینی کی ذہنی کیفیت تکلیف دہ ہے

رسل بھی انسان کی بے یقینی کی کیفیت کو تکلیف دہ بتاتا ہے لیکن وہ بدرجۂ مجبوری اسے "پریوں کی کہانیوں" پر ترجیح دیتا ہے :-

"Uncertainty, in the presence of vivid hopes and fears, is painful, but must be endured if we wish to live without the support of comforting fairy tales"

"بے یقینی پُرطاقت اُمید اور خوف کی موجودگی میں اذیت ناک ہے مگر اگر سکون بخش پریوں کی کہانیوں کی مدد کے بغیر زندہ رہنے کی خواہش ہے تو اُسے برداشت کرنا پڑے گا"

فلسفہ کی محدودیت اور ناکامی کا اعتراف

سائنس کے بعد موجودہ علوم کی نظر میں سب سے زیادہ اہمیت فلسفہ کو حاصل ہے اس لئے کہ اُس کی بنیاد عقل پر ہے۔ رسل کی پہلی عبارت ہی میں فلسفہ کی محدودیت کا بھی اقرار موجود ہے اس لئے کہ رسل کہتا ہے کہ فلسفہ کا مقصد انسانی مسائل کا جواب دینا نہیں بلکہ اُن کا مطالعہ

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تھکے ہوئے فلسفی ذہن کا اعتراف ناکامی ہے ورنہ ہر عہد کے باحوصلہ فلسفی نے کوشش یہی کی تھی کہ وہ اُن تمام مسائل کا جواب دے اور اپنے نظامِ فکر میں اُس نے درحقیقت ان مسائل کا جواب ہی دیا ہے۔

رسل موجودہ عہد کا فلسفی ہے اس لئے اُس کی فکر میں موجودہ علوم کی وسعت سے گہرائی اور وسعت پیدا ہوگئی ہے اس لئے وہ فلسفہ کا جو مقصد بیان کرتا ہے وہ بھی قابلِ غور ہے :-

"It is not good either to forget the questions that philosophy asks, or to persuade ourselves that we have indubitable answers to them To teach how to live without certainty and yet without being paralised by hesitation, is perhaps the chief thing that philosophy, in our age, can still do for those who study it."

"فلسفہ جو سوالات دریافت کرتا ہے اُن کو بھلا دینے سے کوئی فائدہ نہیں اور اس سے کوئی نتیجہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو یہ بات باور کرائیں کہ ہم اُن کے قطعی جواب دے سکتے ہیں۔ فلسفہ ہمارے عہد میں اُن لوگوں کو جو اس کا مطالعہ کرتے ہیں غالباً خاص طور پر اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ کس طرح

یقین (ایمان) کے بغیر ہم زندہ رہیں اور
پھر بھی باقی تردد سے اپنے آپ کو مفلوج
نہ ہونے دیں"

گویا بے یقینی کی حالت ہی رہ جاتی ہے جہاں تک فلسفہ
ہمیں پہنچا سکتا ہے اور اس بے یقینی کی حالت میں جمود اور
بے عملی کا اتنا شدید اندیشہ ہے کہ اگر فلسفہ اُس سے انسان
کو محفوظ رکھ سکے تو یہ اُس کا سب سے اہم کارنامہ تصوّر
کیا جائے گا۔ لیکن رسل سے کون پوچھے کہ جب بے یقینی
کا لازمی نتیجہ جمود ہے تو فلسفہ سب کے موجود ہوتے ہوئے
اُس کے نتیجہ سے فلسفہ کا مطالعہ کرنے والے کو کس طرح محفوظ
رکھ سکتا ہے۔

ادبی تنقید میں معیارِ حُسن کی بے یقینی

ادبی تنقید کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اُس میں بھی
بدلتی ہوئی قدروں کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہاں بھی نہ "حُسن"
کی کوئی محتتم تعریف ملتی ہے اور نہ حُسن کو پرکھنے کا کوئی ایسا
معیار ملتا ہے جس پر ہر مکتبِ فکر کے نقاد متفق ہوں۔ لیکن
اس کا اعتراف وہاں بھی ہے کہ "جمالیات اور اخلاقیات
ایک ہیں" ("Ethics and Aesthetics are one")

علم معاشیات اقدار سے عاری ہے۔

اس کے بعد انسانیات کے شعبہ ہائے علم کا جب
جائزہ لیا جاتا ہے تو ان میں بھی ہر ایک شعبہ اسی حال کا
شکار نظر آتا ہے۔ یہاں اختصار کی خاطر ہم صرف معاشیات
کا ذکر کرتے ہیں:-

"Later writers have generally emphasised the character of economics as a science. This means that we are more concerned to discover laws (uniformities and sequences) than to lay down rules of conduct for statesmen or practical men of business."

"بعد کے مصنفین نے عام طور پر معاشیات
کے سائنس ہونے پر زور دیا ہے۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ ہمارا مقصد قوانین
(مماثلات اور تتابع) کو دریافت کرنا ہے
نہ کہ اربابِ اقتدار اور عملی اہلِ تجارت
کے لئے ضابطۂ اخلاق متعین کرنا۔"

یہ بات لائقِ غور ہے کہ علم کے جتنے شعبے سائنس کے زیرِ اثر
سائنس ہونے کے دعویدار ہوتے جاتے ہیں (اگرچہ اُن کی
سائنسی حیثیت ابھی تک مسلّم نہیں ہے) اُتنا ہی "اقدار"
سے بے نیاز ہوتے جاتے ہیں

مگر معاشیات کی یہ تعریف خود ماہرینِ معاشیات
کو مطمئن نہیں کرتی:-

"Our business is to analyse and describe more than to prescribe. Our standpoint is positive and scientific rather than practical or ethical. However, the boundryline between analysis and prescription is a thin

one and economists are being increasingly called upon to advise on the best practical policy to pursue in given circumstances."

"ہمارا کام تجزیہ اور بیان واقعہ ہے نہ کہ ہدایت دینا۔ ہمارا نقطۂ نظر عملی اور اخلاقی کے بجائے مثبت اور سائنسی ہے" بہرحال تجزیہ اور ہدایت کے درمیان کا خطِ فاصل نہایت باریک رہ جاتا ہے اور ماہرین معاشیات سے روز بروز یہ مطالبہ شدت پکڑتا جاتا ہے کہ وہ مخصوص حالات میں بہترین عملی پالیسی معین کرنے میں بہترین مشورے اور ہدایات دیں۔"

تجزیہ اور اقدار کے درمیان موہوم اور غیر علمی خطِ فاصل

صرف معاشیات ہی میں نہیں بلکہ ہر علم میں تجزیہ اور اخلاقی اصول کے درمیان جو خطِ فاصل کھینچ دیا گیا ہے وہ نہایت باریک ہے اور درحقیقت ایک موہوم فرضی خط ہے جس کا عالم واقعیت میں کہیں وجود نہیں ہے لیکن اس خطِ فاصل نے اخلاقیات سے ہر علم و فن کا رشتہ منقطع کر دیا ہے اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ اخلاق سے علوم کا رابطہ ٹوٹ گیا ہے بلکہ تمام علوم کا آپس کا رشتہ بھی منقطع ہو گیا ہے

اس کے بعد اپنی "غیر جانبداری" کی پیچ ہے اور حقیقت کے دباؤ سے اس امر کا اعتراف ہے کہ معاشیات اور اخلاقیات ایک ہیں۔۔

"At the worst, the standpoint of economics may be regarded as amoral (i.e.) ethically neutral), not immoral. Both being essentially social sciences studying the welfare of society, we obviously cannot divorce one from the other, and there is a considerable justification for the view that 'what is economically advantageous must in the long run be right, and what is correct in ethics must in the end also be profitable to the business world"

(Seligman)

"بدتریں صورت یہ ہے کہ ہم معاشیات کے نقطۂ نظر کو اخلاقی طور پر غیر جانبدار سمجھ سکتے ہیں نہ کہ غیر اخلاقی۔ چونکہ یہ دونوں (معاشیات اور اخلاقیات) سماجی علوم کی حیثیت سے سماجی بہبود کا مطالعہ کرتے ہیں اس لئے ظاہر ہے

کہ ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے اور اس نظریہ کا بڑی حد تک جواز ہے کہ جو بات معاشی نقطۂ نظر سے مفید ہے وہ آخر کار حق اور خیر پر مبنی ہوگی اور جو بات اخلاقیات میں درست ہے وہ بھی آخر کار معاشیات کی دنیا میں مفید ثابت ہوگی۔"

معاشیات اور سیاسیات کا رشتہ نہایت گہرا ہے لیکن سیاسیات کا رشتہ بھی اخلاقیات سے منقطع کر دیا گیا اور سیاست دانوں کے قدیم طرزِ عمل کو میکیاولی نے ایک اصول کی شکل دے دی یہ کہہ کر کہ فرماں روا اخلاقی اصولوں سے بالاتر ہے۔

حیاتِ انسانی بسیط ہے اس لئے ہر شعبۂ علم کو لازمی طور پر اخلاقی ہونا چاہیئے

یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن اگر علوم کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر شعبۂ علم سے اخلاقیات کا رشتہ منقطع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اُس کا تعلق حیاتِ انسانی سے ٹوٹ گیا ہے اور وہ اپنی افادیت کو کھو بیٹھا ہے اور غیر جانبداری کی آڑ میں انسان نے معکوس اور انسانیت دشمن نظریات کی تبلیغ شروع کر دی ہے۔ پروفیسر محمد مجیب "تاریخ فلسفۂ سیاسیات" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

"سیاسیات اُن علوم میں سے ہے جو انسانی زندگی، اُس کے نظام اور اُس کے نشوونما سے بحث کرتے ہیں انسانی زندگی ایک بہت ہی وسیع موضوع ہے لیکن وسعت کے باوجود وہ ایک بسیط چیز ہے اور اُس کے الگ الگ حصے نہیں کئے جا سکتے۔ اسی سبب سے اُن علوم میں جن کا انسانی زندگی سے تعلق ہے کوئی ایسی حد بندی نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل جُدا رہیں اور کوئی ایسے مسائل نہ ہوں جو ایک یا کئی علوم میں مشترک نہ ہوں۔ ہر علم کا موضوع معین کرنا تو بہت ضروری ہے ورنہ اُس کا مطالعہ کرنا ناممکن ہو جائے گا مگر معاشرتی علوم کی تعریف اور اُن کے موضوع کو معین کرنے میں ہمیں اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور اُنھیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں درخت کی جڑ نہ کٹ جائے۔"

اخلاقیات میں بھی "اقدار" غیر یقینی!

اس کے بعد جب ہم اخلاقیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بھی اخلاقیات ہی کی کمی کا احساس ہوتا ہے یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر علوم بغیر اخلاقیات کے نامکمل تھے اور اخلاقیات کا علم مکمل ہوتا تو ہم ان تمام علوم کا نقص بھی دور کر دیتے اور اُن کو آپس میں ہم آہنگ بھی بنا دیتے لیکن اخلاقیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فلسفہ کے ایک شعبہ کی حیثیت سے وہ بھی اُسی "بے یقینی" کو پیدا کرتا ہے جو تمام فلسفیانہ تفکر کی خصوصیت ہے اس کے نتیجہ میں تمام علوم متفرق اور پراگندہ ہو جاتے ہیں اور اُس کے نتیجہ میں جتنا علم بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی انسانی ذہن پراگندگی اور انتشار کا شکار ہوتا جاتا ہے۔

علوم معاشرتی اور علوم طبیعی سب حیات انسانی ہی کے شعبے ہیں

پروفیسر محمد مجیب نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے علوم یعنی "معاشرتی علوم" الگ الگ نہیں ہیں لیکن طبیعی علوم کے متعلق بھی یہی بات صحیح ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں ہیں اور اب سائنس دانوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ سائنس کی تمام شاخیں کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں نیز پروفیسر محمد مجیب نے محض معاشرتی علوم ہی کا رشتہ انسانی زندگی سے قائم کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ طبیعی علوم کا بھی انسانی زندگی سے ویسا ہی تعلق ہے جیسا معاشرتی علوم یا (Arts) کا۔ پہلے یہ تصور کیا جاتا تھا کہ سائنس کی حیثیت خالص خارجی علم کی ہے لیکن سائنس دانوں نے اب اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ خالص خارجیت (Pure Objectivity) ناممکن ہے۔ اور سائنسی تصانیف پر بھی مصنف کی شخصیت کی اسی طرح چھاپ ملے گی جس طرح ادب میں ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی لائق غور ہے کہ سائنسی تحقیق و جستجو میں انسانی ذہن انھیں قوانین فکر کے ماتحت کام کرتا ہے جن کے ماتحت دوسرے علوم میں کرتا ہے انسانی ذہن وہی ہے، کائنات وہی ہے اس لئے تمام علوم کا مقصد (Purpose) بھی ایک ہی ہونا چاہیے کائنات ایک وحدت ہے اور انسانی ذہن اسی کا ایک جزو ہے اس لئے قانون فطرت بھی ایک وحدت ہے اور علوم طبیعی بھی نفس انسانی کی اسی طرح تشریح کرتے ہیں جس طرح قوانین ذہنی ذہن کائنات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اور یہ "ہونا چاہیے" انھیں اقدار (Values) کی نشاندہی کرتا ہے جو تمام علوم پر محیط اور تمام علوم کا نقطۂ آخر اور اُن کی اساس ہیں اور جو علوم میں معنویت، مقصدیت اور افادیت پیدا کرتے ہیں اور یہی اقدار (Values) وہ ہیں جو تمام علوم میں مفقود ہیں

سارے علوم میں اقدار کی جگہ خالی ہے

اب ہم دو نتائج تک پہنچ گئے ایک یہ کہ ہر علم نے خالق (Creator) کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے انسانی ذہن نظریات پیدا کرتا ہے اور جسم اشیا پیدا کرتا ہے لیکن یہ تخلیق نہیں ہے بلکہ ترتیب ہے۔ انسان نہ مادہ پیدا کر سکتا ہے نہ نظریہ پیدا کرتا ہے۔ وہ صرف موجود اشیا میں ایک نئی ترکیب دے سکتا ہے نظریات بھی اشیا ہی سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہ بھی کائنات کے حدود کے باہر نہیں جا سکتے اور وہ بھی تخلیق نہیں بلکہ نقل (Imitation) ہیں یہی ادب کے بارے میں ارسطو (Aristotle) کی رائے تھی اور اسی سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ انسان کسی چیز کو فنا کرنے پر قادر نہیں ہے عدم سے وجود میں لانا اور وجود سے عدم میں لے جانا خالق ہی کا کام ہے اور یہ وہی خالق ہے جس کے وجود کا بغیر کسی دلیل کے انکار کیا جاتا ہے اور جس کے عدم پر بغیر کسی دلیل کے اصرار جاری ہے حالانکہ ہر موجود اُس کے وجود کی گواہی دے رہا ہے اور دنیا جب ہرتے سا ہو جائے گی تو اُس وقت کوئی متنفس موجود نہ ہوگا جو اس امر کی تصدیق کر سکے کہ جو اللہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اسی نے اُسے پھر وجود سے عدم میں واپس پلٹا دیا۔ اس لئے عقلی حیثیت سے دانشمندی یہی ہے کہ موجودات کے وجود ہی سے اُس کے وجود کی تصدیق کر دی جائے

دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ سارے علوم نے اقدار کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔ یہ خالی جگہ بھی خالق ہی پُر کر سکتا ہے۔

قرآن انسانی علوم میں اقدار کے خلا کو پُر کرتا ہے۔

اسی اقدار کے خلا کو خالق نے اپنی کتاب میں پُر کیا ہے۔

اس کتاب کا موضوع کیا ہے اس پر کسی قیاس آرائی یا عقل آرائی کی مطلق ضرورت نہیں ہے ہمیں خود اسی کتاب میں تلاش کرنا چاہیئے کہ اس کتاب کا نام کیا ہے اور اس کتاب کا موضوع کیا ہے۔

جیسے ہی کتاب کھول جاتی ہے سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نظر آتا ہے جو بتاتا ہے کہ ایک سیدھی راہ ہے، اُن کی راہ جنھیں اللہ نے اپنی نعمت عطا کی ہے اور اسی راہ پر چلنے کی دعا مانگنے کی ہدایت کی جا رہی ہے اور دوسری اس دعا کی ہدایت ہے کہ اُن لوگوں کی راہ سے ہمیں الگ رکھ جن پر غضب نازل ہوا اور گمراہوں کی راہ سے بھی ہمیں الگ رکھ۔

ایک سیدھی راہ ہے جس پر چلنے والوں کو اللہ نعمت عطا کرتا ہے اور ایک گمراہی ہے جسے اختیار کرنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے

حق و باطل میں امتیاز

ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ حق و باطل میں امتیاز اُسی وقت ممکن ہے جب حق کے حدود بھی معین ہوں اور باطل کے بھی۔ عالم وہی ہے جو علمی کلیات سے بھی واقف ہو اور جہل کے گمراہ کن نظریات سے بھی واقف ہو۔ علم کے کلیات کے حق ہونے کے دلائل سے بھی واقف ہو اور جہل کے باطل نظریات کے باطل ہونے کے دلائل سے بھی واقف ہو۔ خیر سے بھی واقف ہو اور شر سے بھی واقف ہو۔ دعا کی ہدایت بتاتی ہے کہ انسان جب تک حق و باطل میں امتیاز کرنے کا خواہشمند نہ ہوگا وہ اقدار سے واقف نہ ہو سکے گا اور جب وہ خواہشمند ہوگا تو خالقِ کائنات اُس کی ہدایت کرے گا یعنی نفسِ انسانی میں خیر سے رغبت اور شر سے نفرت کا جو فطری رجحان ہے وہ بیدار ہو جائے گا اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی فطری صلاحیت بیدار ہو جائے گی۔ یعنی علم کی پہلی شرط "خلوص" ہے اور تلاشِ حق کا جذبہ ہے۔ اس طرح سورۂ فاتحہ نے قرآن کا مرکزی موضوع (Theme) بیان کر دیا۔

خیر اور شر کے نتائج سے انکار غیر علمی ہے

اسی حقیقت کی طرف مزید اشارہ کیا گیا ہے یہ بتا کر کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سب فاتحۃ الکتاب میں ہے "مالک یوم الدین" اسی ہدایت و ضلالت کے تصور کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے یعنی تصورِ آخرت تمام علوم کے اس نظریہ کی تصدیق کرتا ہے کہ ہر سبب کا ایک نتیجہ ہے۔ اگر خیر خیر ہے، اگر حق حق ہے تو اُس کے اختیار کرنے کا نتیجہ یقینی طور پر اچھا ہوگا اور اگر شر شر ہے اور باطل باطل ہے تو اُسے اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ برا ہوگا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں وہ اچھا نتیجہ یا بُرا نتیجہ کیا ہوگا وہ تو اُس وقت معلوم ہوگا جب وہ سامنے آئے گا لیکن اُس کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے

اور اس کے [illegible] میں شبہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب [illegible] برتا جائے اور حق کو باطل میں [illegible] دیا جائے

اقدار کا تعلق اُن اعمال سے ہے جن میں وہ مختار ہے

صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت اور ضلالت سے بچنے کی دعا ظاہر کرتی ہے کہ انسان جب تک خود خواہش نہ کرے وہ حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انسان فاعل مختار ہے یعنی جہاں تک خیر و شر کا سوال ہے وہ گمراہی کو بھی اختیار کر سکتا ہے اور صراطِ مستقیم کو بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اور اب اقدار کے حدود بھی معین ہو گئے یعنی وہ علوم جو یہ بتائیں کہ انسان کا طرزِ عمل کن قوانین فطرت کے تحت کیا ہوتا ہے وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ کن حالات میں انسان کو کیا کرنا چاہیئے جہاں سے انسان کے ارادہ کی حد شروع ہوتی ہے سائنس وہیں پر رک جاتی ہے وہاں نفسیات کا علم بھی خاموش ہو جاتا ہے سیاسیات کا بھی، اخلاقیات کا بھی اور معاشیات کا بھی:-

"There is, however, a sense in which economic laws differ from scientific laws proper. They are more liable to refuse to fit in with actual facts, because they deal with human behaviour, and since human beings (unlike natural forces) have a will of their own, we can never be quite sure that they will always react in a particular manner to certain given conditions. Thus element of uncertainty would have been much greater if we had been dealing with the behaviour of individuals. But in economics we deal not with individuals but with groups, and it is possible to be more confidant about the behaviour of groups than of individuals."

"تاہم ایک معنوں میں معاشی قوانین سائنسی قوانین سے مختلف ہیں۔ اُن کے معاملہ میں حقائق پر ان کے اطلاق کا امکان کم ہے اس لئے کہ ان کا تعلق انسانی طرزِ عمل سے ہے اور چونکہ انسان فطری طاقتوں کے برخلاف اپنے ایک ارادہ کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ہم کبھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مخصوص حالات میں اُن کا ردِ عمل ہمیشہ کیا ہو گا بے یقینی اُس صورت میں کہیں زیادہ ہوتی اگر ہم افراد کے طرزِ عمل سے بحث کرتے لیکن معاشیات

کا علم افراد سے بحث نہیں کرتا بلکہ گروہوں
کے طرزِ عمل سے بحث کرتا ہے"

معاشیات کا نفسیات سے تعلق ــــ!

افراد کے طرزِ عمل کو نظر انداز کر دینے سے معاشیات کا انسانی نفس سے رشتہ منقطع ہو گیا اور معاشرتی علم کی حیثیت سے یہ اس کی ایک بڑی کمزوری ہے اور دوسری طرف اُسے سائنس کا درجہ بھی حاصل نہ ہو سکا۔ نفسیات کے ساتھ ساتھ معاشیات کا اخلاقیات سے بھی تعلق ٹوٹ گیا اور باوجود اس کے کہ ماہرینِ معاشیات مجبوراً معاشیات اور اخلاقیات کے رشتہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اس کی کوشش نہیں کی کہ اُس کے اُصول اخلاقی اُصول کی بنیادوں پر مدوّن کریں۔ معاشی محرک (Economic Motive) کے بارے میں جب ماہرِ معاشیات سے دریافت کیا جاتا ہے تو اُس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوتا:-

" He will say I am concerned with "what is" and not 'what ought to be" — with facts not with ideals."

"وہ جواب دے گا مجھے صرف "کیا ہے" سے واسطہ ہے نہ کہ "کیا ہونا چاہیئے" ہے۔ حقائق سے نہ کہ آئیڈیل سے۔"

اقدار آئیڈیل ہیں اور "عقیدۂ عدل" اور "عقیدۂ عصمت" ہی وہ معیار ہیں جو حق و باطل میں خطِ امتیاز کھینچتے ہیں۔

یہ "کیا ہونا چاہیئے" ہی قدر (Value) ہے اور یہی آئیڈیل (Ideal) بھی ہے اور اب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ بھی آئیڈیل ہے، رسول بھی آئیڈیل ہے اور امام بھی آئیڈیل ہے۔ اللہ آئیڈیل ان معنوں میں ہے کہ وہ تمام نقائص سے پاک اور تمام کمالات کا حامل ہے اس لئے وہی ہدایت کا سرچشمہ اور تمام اقدار کا نافذ کرنے والا ہے اور قرآن ان اقدار کی تعلیم دیتا ہے لیکن یہ اقدار کا محض ذہنی پہلو ہے، اخلاق کی عملی تعلیم معبود نہیں دے سکتا وہ اُس کے عبد رسول اور امام سے متعلق ہے، اس طرح معبودیت کے حدود میں آئیڈیل ذاتِ باری بن جاتی ہے اور جس کی توثیق عقیدۂ عدل سے ہوتی ہے اور عبدیت کے دائرہ میں آئیڈیل رسول اور اہلبیتِ طاہرین کی ذواتِ مقدسہ بن جاتی ہیں جن کی "عصمت" پر آیۂ تطہیر نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی اسی لئے بتایا گیا کہ قرآن کافی نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ اہلبیتؑ کے ساتھ تمسک بھی ضروری ہے۔ علیؑ نہ ہوتے تو رسولؐ کے خود ساختہ جانشین جو نہ خود عصمت کے دعویدار تھے نہ جن کے ماننے والے اُن کی عصمت کے دعویدار ہیں رسول کی جگہ آئیڈیل بن جاتے اور اُن کے کردار کا پرتو سیرتِ نبوی اور قرآن کو بھی مسخ کر دیتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ جب تک انسانی اقدار ذہنِ انسانی میں راسخ نہ ہو جائیں ایسے افراد یکے بعد دیگرے آئیں جن میں سے ہر ایک اپنے کردار سے پہلے آئیڈیل ہی کا جیسا ہو کہ ہر نقش بعد دوسرا نقش اس طرح پڑے کہ نقشِ اول ہی بار بار اُبھرتا رہے۔ پہلا بھی محمدؐ ہو درمیانی بھی محمدؐ ہو، آخری بھی محمدؐ ہو اور وہ سب کے سب محمدؐ ہوں لیکن علیؑ کی اہمیت یہ ہے کہ اُنھوں نے تعلیماتِ قرآنی اور سیرتِ نبوی کا اُس وقت تحفظ کیا جب بعد وفات [illegible] کے ہاتھوں مٹ جانے کے اتنے [illegible] تھا جتنا اس کے بعد کبھی نہ تھا [illegible]

[illegible] چلے گئے تھے۔ قرآن اور اہلبیتؑ [illegible] ہے کہ قرآن اہلبیتؑ کی عصمت و طہارت [illegible] ہے اور اہلبیتؑ قرآنی تعلیمات کا تحفظ کرتے ہیں۔ [illegible] ادیانِ برحق کے خلاف اُن کی اُمتوں نے تہمتیں [illegible] جن سے اُن کی تاریخیں بھری ہوئی ہیں۔ قرآن نے حق کو واضح کر کے اُنکی عصمت کا تحفظ کیا اور اُن الزامات کی تردید کی اور بعدِ رسول اُمت نے رسولؐ اور اہلبیتِ طاہرینؑ کے خلاف جو روایتیں گڑھیں اُن کی تردید بھی قرآن کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ جب نام نہاد تاریخ اور قرآن میں اختلاف ہوگا تو گمراہی اور ضلالت کو اختیار کرنے والے منافقین تاریخ کو اپنا لیں گے اور قرآنی ہدایت سے فیضیاب ہونے والے صاحبانِ ایمان تاریخ کو رد کر کے قرآن اور ہادیانِ دین سے تمسک کر لیں گے

اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا کھلا ہوا شرک ہے لیکن توحید کے اصول ہی میں شرک کی گنجائش پیدا کر لینا بھی شرک کے حکم میں داخل ہے اور اس کی مثال عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث ہے۔ قرآن نے اللہ، رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے حکم سے کھلا ہوا انکار کفر اور پوشیدہ انکار نفاق ہے اور رسولؐ یا اولی الامر یعنی امام کے حکم سے انحراف کھلا ہوا نفاق ہے اور عقیدۂ عصمت کی ایسی تعریف بھی نفاق ہے جس میں خلافِ عصمت اُمور کو منافیٔ عصمت تسلیم کرنے سے انکار کیا جائے۔ "توحید" کے عقیدہ کے حدود معین کرنے کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور "عصمت" کی تعریف کرنے کا حق بھی صرف رسولؐ اور اہلبیتِ طاہرینؑ کو حاصل ہے۔

[illegible] نفاق کے راستے جانے پہچانے، کھلے ہوئے اور [illegible] رسول اور امام کی حقانیت کے دو معیار ہیں [illegible] علم کی عمل سے مکمل ہم آہنگی۔ اُن کے علم یکساں کی ضمانت یہ ہے کہ اُن کی ہدایت راہِ راست اللہ کرتا ہے اور اُن کے عمل کی ضمانت بھی اللہ ہی لیتا ہے جس نے ہدایتِ خلق کے لئے اُن کو منتخب کیا ہے۔ ذہن میں اختلاف وہی پیدا کرتا ہے جو جاہل ہو یا نفسانیت میں مبتلا ہو اور طلبِ دنیا کے لئے جان بوجھ کر اُس میں تبدیلی کر دے۔ اب اگر رسول یا امام کے علم کا رشتہ اللہ سے کسی طرح منقطع کر دیا جائے تو بالواسطہ اُن کی نبوت اور امامت کی تکذیب ہو جائے گی اس لئے مشرکین ہمیشہ اسی کاوش میں رہتے ہیں کہ تعلیماتِ قرآنی کو رسول کے ذاتی مشاہدے، غور و فکر اور اُن کے عہد اور اُس عہد کے تاریخی عوامل کا نتیجہ قرار دے دیں تاکہ تنزیلِ قرآن کے دعوے کی رد ہو جائے اور منافقین ہمیشہ اسی کاوش میں رہتے ہیں کہ ائمۂ ہدیٰ کے علم کو بھی محض ذاتی تجربات، غور و فکر اور تعلیم و تربیت کا نتیجہ قرار دے دیں تاکہ امام کے منصوص من اللہ ہونے کے اُصول کی رد ہو جائے اس کے بعد عمل کے میدان میں مشرکین اور دشمنانِ اسلام نے رسولؐ پر طرح طرح کے اتہامات لگائے اور منافقین نے رسولؐ اور اہلبیتؑ کے خلاف روایات وضع کیں رسالت اور قرآن دونوں کی تکذیب کا آسان نسخہ یہ ہے کہ قرآن اور سیرتِ رسولؐ میں تضاد پیدا کر دیا جائے اور عصمت اور امامت کی تکذیب کا طریقہ یہ ہے کہ پیغمبر اور اہلبیتؑ یا ایک معصوم اور دوسرے معصوم میں عمل یا اُصول میں اختلاف دکھا دیا جائے یا ایک کی اُفتادِ طبع دوسرے سے مختلف دکھائی جائے مثلاً یہ کہ امام حسنؑ فطری طور پر صلح پسند اور امام حسینؑ جنگجو تھے۔ یہ سب منافقانہ چالیں درحقیقت عقیدۂ عصمت کی رد اور اس حدیثِ پیغمبرؐ کی تکذیب کرتی ہیں کہ "اولنا محمدؐ واوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ" اور پیغمبر کی یہ منافقانہ تکذیب رفتہ رفتہ اُس "اخلاقی جرأت"

کی طرف لے جاتی ہے جس کا مظاہرہ یزید نے بلا خوف لومۃ لائم یہ کہہ کر کیا تھا کہ " ارے یہ تو ہاشمیوں نے ایک ڈھکوسلا بنایا تھا ورنہ نہ کوئی نبی آیا تھا نہ وحی نازل ہوئی تھی"۔

اگر معصومین میں آپس میں قول و فعل میں اختلاف تھا تو وہ منصوص من اللہ نہیں ہو سکتے اور اگر انہیں منصوص من اللہ مان لیا جائے تو قرآن کی ہدایت کا دعویٰ ہی باطل ٹھہرتا ہے اور ائمہؑ کا دامن چھوڑتے ہی قرآن سے بھی تمسک ختم ہو جاتا ہے اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ نے اپنی زبان حق ترجمان سے اُن تمام رخنوں کو بند کر دیا جن کے راستے سے نفاق دین میں سرایت کر سکتا ہے تاکہ باطل کی زبان ہمیشہ کے لئے جڑ سے کٹ جائے۔

• انھوں (رسول) نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی ("کہ کسی کام سے منع کریں یا معاذ اللہ متنبہ کرنے کی ضرورت ہوتی") میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا جب آپ پر پہلے پہل وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی چیخ سنی۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ آواز کیسی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے (" اور آج بھی جب خطیب منبر سلونی کی آواز بلند ہوتی ہے تو شیطان چیخ اٹھتا ہے اور اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو جاتا ہے"۔ تمہید) اے علیؑ جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق صرف اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو"

(یعنی جہاں تک عصمت کا سوال ہے نبی اور امام میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ایک معصوم کے لئے عملی زندگی میں ہر قدم پر تعلیم و تربیت کو ضروری مانا جائے تو پھر تربیت دینے والے کے لئے بھی ایک اتالیق کی ضرورت تسلیم کرنا پڑے گی اور اس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔")

معصومین میں اختلاف رائے اور تادیب و تنبیہہ و تربیت کے مفروضہ کے نتیجہ میں عصمت کی دو قسمیں ہو جائیں گی ایک کامل عصمت جس پر کوئی پورا نہ اترے گا اس لئے کہ ہر شخص باوجود قابو حاصل کرنے کے بجائے وہ اپنے اتالیق کا محتاج ہو اور جب کوئی عصمت کا مصداق نہ رہے گا تو عقیدۂ عصمت کی خود بخود رد ہو جائے گی اور دوسرا عصمت کا ایسا ڈھیلا ڈھالا کرتا تیار ہو جائے گا جسے بغیر کسی کھینچ تان کے ہر کس و ناکس پہن لے گا۔ اسی لئے اولی برحق حضرت امیر المومنینؑ نے آل محمدؐ کے بارے میں تا قیام قیامت پھیلائی جانے والی تمام غلط فہمیوں کا سدباب کر دیا اور نہایت واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ نہ وہ حق کے خلاف کوئی کام کرتے ہیں نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں اس لئے نہ ان کی تنبیہہ اور تادیب کا سوال پیدا ہوتا ہے نہ ان میں اختلاف رائے کا امکان ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

" وہ علم کے لئے باعث حیات اور جہالت کے لئے سبب مرگ ہیں۔ ان کا حلم ان کے علم کا اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا، اور ان کی خاموشی ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نہ حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانا ہیں۔ ان کی وجہ سے حق

یہی اسی مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی
جگہ سے ہٹ گیا اور اُس کی زبان جڑ سے
کٹ گئی۔ اُنھوں نے دین کو سمجھ کر اور اُس
پر عمل کر کے پہچانا ہے نہ صرف نقل و سماعت
سے اُسے جانا ہے یوں تو علم کے راوی بہت
ہیں مگر اُن پر عمل پیرا ہو کر اُس کی نگہداشت
کرنے والے کم ہیں۔"

(نہج البلاغہ ص۷۰۶)

ہادیانِ برحق کا علم اور اُن کی عصمت جو توفیقِ الٰہی سے ایک ملکۂ نفس ہے ایک ایسا موضوع ہے جس کی سرحدیں الٰہیات سے مل جاتی ہیں اسی لئے رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو نہیں پہچانا کسی نے مگر اللہ نے اور علیؑ نے اور اللہ کو نہیں پہچانا کسی نے مگر میں نے اور علیؑ نے اور علیؑ کو نہیں پہچانا کسی نے مگر میں نے اور اللہ نے اور یہی علیؑ کے نفس نبی اور نفس اللہ ہونے کا بھی مطلب ہے اس لئے ان مسائل میں حد سے آگے بڑھنا جہل و سرکشی کی بدترین شکل ہے۔ اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا:۔

"یاد رکھو کہ علم میں راسخ اور پختہ وہی
لوگ ہیں جو غیب کے پردوں میں چھپی
ہوئی ساری چیزوں کا اجمالی طور پر
اقرار کرتے اور اُن پر اعتقاد رکھتے ہیں"

(نہج البلاغہ ص۳۶)

رسول اور امام کو اپنا جیسا سمجھ کر اُن کو محض "بڑا بھائی" تو بنایا جا سکتا ہے لیکن اُن کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے علیؑ نے صاف صاف ہدایت کر دی ہے:۔

"ہم کو خدائی سے نیچے رکھو اور بشری
لوازم کو ہم سے الگ رکھو کیونکہ ہم اُن
سے دور ہیں اور جو کچھ تم پر گزرتا ہے
اُس سے پاک و مبرا ہیں۔ اس کے بعد
ہمارے حق میں تم جو کچھ کہو (تم ہماری
بلندیوں اور فضیلتوں تک نہ پہنچ سکو گے
کیونکہ سمندر خشک نہیں ہو سکتا، غیب کا
راز پہچانا نہیں جا سکتا اور اللہ کے کلمہ
کی توصیف نہیں ہو سکتی۔")

حالانکہ ائمۂ ہدیٰ کی معرفت ہی نجاتِ اُخروی کی ضامن ہے۔:۔

"بلاشبہ ائمہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے
حاکم ہیں اور اُس کو بندوں سے پہچنوانے
والے ہیں۔ جنت میں وہی جائے گا جسے اُن
کی معرفت ہو اور وہ بھی اُسے پہچانیں اور
دوزخ میں وہی ڈالا جائے گا جو نہ اُنھیں
پہچانے اور نہ وہ اُسے پہچانیں"

(نہج البلاغہ ص۴۵۵)

اور "سب سے بڑی دغابازی امام سے
دغابازی ہے۔" (نہج البلاغہ ص۷۵۵)

معلوم ہوا کہ عقائد معیارِ حقانیت ہیں عقیدۂ توحید عقیدۂ عدل اور عقیدۂ عصمت ایسی کسوٹیاں ہیں جن پر رکھ کر توحید اور شرک اور ایمان اور نفاق کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے اسی لئے قرآنِ ناطق نے اُصولِ دین کی حفاظت کی تاکید فرمائی ہے۔

"دیکھو اگر تم نے دین کے اُصول محفوظ
رکھے تو پھر دنیا کی کسی چیز کو کھو دینا تمھیں
نقصان نہیں پہنچا سکتا اور دین کے ضائع و برباد
کرنے کے بعد تمھیں دنیا کی کوئی ایسی چیز نفع نہ
پہنچائے گی جسے تم نے محفوظ کر لیا ہو۔ خداوند عالم
ہمارے اور تمھارے دلوں کو حق کی طرف متوجہ
کرے اور ہمیں اور تمھیں صبر کی توفیق عطا فرمائے"

(نہج البلاغہ ص۵۱۴)

معرکۂ جمل اور علی علیہ السلام

(جناب سید غلام سبطین صاحب رضوی کرارودی ایم کام)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱) ان فیکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ قبل قال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ قال لا قال عمر انا ھو یا رسول اللہ قال لا ولکنہ خاصف النعل یعنی علیاً (علی متقی کنز العمال مسند احمد حنبل مستدرک حاکم)

(۲) من احب علیاً فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ ومن ابغض علیاً فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ۔ فجزاہ جہنم ومن اذی علیاً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ (احمد حنبل۔ ابن حجر مکی۔ الحاکم)

(۳) اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔

(۴) علی مع الحق والحق مع علیؑ

(۵) علیؑ حربک حربی وسلمک سلمی۔

مرسل اعظمؐ نے لا الٰہ الا اللہ کا پیغام پیش کیا۔ قوم نے سخت مخالفت کی۔ قریش عموماً اور بنی امیہ خصوصاً مخالفت پر کمربستہ ہوگئے تین سو ساٹھ خداؤں کے ماننے والوں کو تین سو اکسٹھواں خدا تسلیم کرنے میں عار نہ تھا لیکن تین سو ساٹھ خداؤں کی نفی اور ایک خدا کے اقرار پر وہ ہرگز تیار نہ تھے انکار و اقرار کا یہ پیغام ایک فرد بنی ہاشم نے پیش کیا تھا درماندہ اور مقہور بنی امیہ کو انتقام کا بہانہ مل گیا۔ ہر سول کے جذبہ بغض و حسد کو جو بنی امیہ کو بنی ہاشم سے تھا تسکین دینے لگے تمام عرب کو اپنے ساتھ ملا کر محمدؐ عربی کے خلاف ہر طرح کے محاذ قائم کر دیئے قتل رسولؐ کی سازش کی ہجرت اور جاں نثاری علیؑ سے ناکام ہوگئی۔ لیکن سربراہ بنی امیہ ابو سفیان کی گمراہ قیادت میں کفر ہمت نہ ہارا۔ سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ بدر، احد، خندق، خیبر، حنین وغیرہم کی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ کفر نے سعی لاحاصل کے بعد دم توڑ دیا لیکن غم باقی رہا۔ چہرۂ کفر و نفاق پر نقاب اسلام ڈال دی گئی۔ یہ اقدام نہایت ہی خوفناک اور خطرناک تھا۔ پیغمبر اسلام کے لیے یہ ایک نہایت تکلیف دہ اور صبر آزما ماحول بن گیا۔ ایسے عناصر کی نشاندہی قرآن کرتا رہا " اذا جاءک المنافقون" میرے پیغمبرؐ ہشیار! تیری بزم میں منافقین بھی ہیں جو مجبور ہوکر دائرہ اسلام میں داخل تو ضرور ہوگئے ہیں لیکن موجود مقصد کفر پر اب بھی قائم ہیں۔ صرف موقعہ کے منتظر ہیں۔ پیغمبرؐ نے بھی ایسے افراد کے وجود سے دہی باخبری کی خبر دی۔ مگر تلوار نہیں اٹھائی جا سکتی تھی استحصال نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ بعد اسلام ان کا جرم بظاہر ظاہر سامنے نہیں آیا تھا

کون تھا جو اس نقاب ظاہری کو نوچ کر پھینک دے۔ ان کے مکروہ اور گھناؤنے چہروں کو عریاں کر دے۔ حبیب خدا کس پر اعتبار کرے اور کس کے سپرد یہ کام کرے؟ اور یہ ذمہ داری پھر اہلبیت رسولؐ کو سونپی گئی۔ بعد نبیؐ اسلام دشمن عناصر کو کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ سازش نے اسلام کی قیادت سے اہلبیتؑ کو محروم کر دیا۔ "بدعت حسنہ" اور "خطائے اجتہادی" کی گمراہ کن اصطلاحیں وضع کر کے شریعت اسلامیہ [illegible] جانے لگا۔ دیرینہ آرزوؤں اور قبل اسلام جسر [illegible] تاویل قرآنی اور وضع کردہ احادیث کے [illegible]

[illegible] بہانے تراش کر سزائے موت دلا
[illegible] ابن نویرہ، عمار یاسر، ابوذر غفاری، عبداللہ
ابن مسعود وغیرہ کا [illegible] "اصحابی کالنجوم" انھیں موت و سزا سے
دوچار کیا جا سکا۔ جاہلی دور کی قبائلی عصبیت کو نئے فکر و امداد سے زندہ
کر کے تقویت بخشی گئی۔ عرب اور قریش کو بدر و احد کے مقتولین کے
انتقام کے لیے علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف صف آرا کیا گیا۔ عہد
رسولؐ کے تمام معرکوں میں قریش اور دنیائے عرب کے تقریباً سبھی
قبیلوں کے سربرآوردہ، معزز، نامور، شجاع اور ممتاز لوگ ذوالفقار
علیؑ کا لقمہ بن چکے تھے۔ حیات پیغمبرؐ میں انتقام کا موقع نہ ملا تھا۔
اب احیاء عصبیت نے پرانے ناسور پھر تازہ کر دئیے۔ صاحبان
اقتدار نے اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر علیؑ و محبان علیؑ کے خلاف
معاندانہ رویہ اختیار کر لیا۔ راہ خدا میں علیؑ کی سرفروشی اور راہ
اسلام میں علیؑ کے ہاتھوں کفار و مشرکین کے قتل کو ان کی ذاتی دشمنی
کا رنگ دے دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب علیؑ ابن ابی طالبؑ اور
آل رسولؐ کی مخالفت پر متحد ہو گئے

رحلت پیغمبرؐ کے پچیس برس بعد امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب
علیہ السلام کی حکومت و خلافت حضرت عثمان کی غلطیوں اور غیر
مدبرانہ روش کا نتیجہ تھی ورنہ حضرت عثمان کے پیشرو صاحبان
حکومت نے ایک ایسی پالیسی مرتب و اختیار کی تھی کہ جس کے
مطابق حکومت غیر آل رسولؐ تک محدود رہتی۔ خلافت کے لیے
عبدالرحمن ابن عوف کی "سیرت شیخین" پر عمل کی شرط اسی کی
ایک کڑی تھی۔ "اجماع"، "استخلاف"، "شوریٰ"، اور "تمرد علیہ"
کی اصطلاحیں آل محمدؐ کے خلاف سازشوں کی پرقوت دلیلیں ہیں

بعد عثمان علیؑ کی بیعت شکست منصوبہ کے مترادف
تھی اور اس زخم شکست کو مندمل کرنے کی جو کوشش اور اقدامات
کیے گئے معرکۂ جمل اسی کی نشان دہی کرتا ہے ورنہ یہ کیسے تصور
کیا جا سکتا ہے کہ کسی صحابی کو تبرا کرنا گناہ عظیم قرار دیا جائے لیکن
جو صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین
ہو اس کے ساتھ معرکہ آرائی کو "خطائے اجتہادی" کہہ کر ٹال

اور غیر خطا منانے کی کوشش کی جائے

۳۵ھ میں حضرت عثمان مدینہ میں قتل کر دیئے گئے۔
قتل عثمان کے بعد حضرت علیؑ کی بیعت کی گئی۔ مدینہ میں جس قدر
اصحاب و انصار تھے سبھوں نے بیعت کی۔ صاحب روضۃ الاحباب
کے مطابق سب سے پہلے طلحہ نے اس کے بعد زبیر نے بیعت
کی۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار اور اہل مدینہ نے شرف بیعت
حاصل کی۔ جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ان میں سعد ابن
ابی وقاص، عبداللہ ابن عمر، سعید ابن زید، زید بن ثابت اور
ابو موسیٰ اشعری بھی تھے۔ بقول مورخ مسعودی سعد ابن ابی وقاص
اور عبداللہ ابن عمر نے آگے چل کر یزید بن معاویہ جیسے فاسق و فاجر
کی بیعت کر لی تھی بلکہ یزید کی بیعت کے لیے عبداللہ ابن عمر عوام
کو آمادہ کرتے تھے اور اسے امام زمانہ کہتے تھے

طلحہ اور زبیر نے کوفہ اور بصرہ کی حکومت کے لالچ
میں بیعت کی تھی لیکن جب مایوس ہو گئے تو وہ حضرت علیؑ سے
اجازت لے کر مکہ چلے گئے اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمارے ہاتھوں
نے علیؑ کی بیعت کی ہے لیکن ہمارے دلوں نے بیعت نہیں کی ہے

جنگ جمل کے محرکات اور اسباب حضرت علیؑ دشمنی
ہے جس کا قتل عثمان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اگر عثمان کے
بعد علیؑ کے علاوہ اور کوئی خلیفہ ہوتا بالیقین یہ جنگ نہ ہوتی
منصوبہ کے مطابق حضرت عثمان کی موت کے بعد حکومت و خلافت
معاویہ کو ملنی چاہیئے تھی لیکن خلاف توقع عثمان کے قتل کے بعد
علیؑ کی بیعت منصوبہ کی شکست تھی۔ جنگ جمل کو قتل عثمان کا ردعمل
اور طلب قصاص کا نتیجہ سمجھنا حقائق سے چشم پوشی یا لاعلمی ہے۔

وہ لوگ جو خون عثمان کا دعویٰ لے کر جنگ میں شامل
ہوئے یا قصاص کو ہوا دے رہے تھے ان میں حضرت عائشہ،
طلحہ، زبیر، عبداللہ ابن زبیر اور حاکم شام معاویہ سرفہرست
ہیں۔ مطالبہ خون عثمان اور حضرت علیؑ پر قتل کا الزام تو صرف
عام مسلمانوں کو اپنا ہمنوا اور شریک حال کرنے کا ایک ذریعہ
بنایا گیا تھا۔ اس قتل کی ذمہ داری تمام تر خود حضرت عثمان پر تھی۔

جنھوں نے اپنے عمل سے عوام کے حقوق پامال کر کے انھیں اس اقدام پر مجبور کر دیا تھا۔

قتل عثمان کا ذمہ دار علی ابن ابیطالبؑ کو قرار دیا جانا مخالفانِ علیؑ کا ایک کردہ سیاسی فریب تھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عثمان کا قتل تو توقع سے کہیں پہلے ہو چکا ہوتا اگر امیر المومنین علیہ السلام نے اسے سلجھانے اور فریقین کو سمجھانے کی کوشش نہ کی ہوتی برخلاف اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ طالبان قصاص در حقیقت خود اس قتل کے محرک اور قائد تھے۔

حضرت عائشہ حضرت عثمان سے اس درجہ ناراض تھیں کہ قتل کا فتویٰ جاری کر دیا تھا۔

نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہو گیا ہے ام المومنینؓ کا عثمان کو قتل کر دینے اور کافر قرار دینے کا مادی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی جراتوں کو نہایت خوب اور بیباکی حاصل ہو گئی تاریخ کا بیان ہے کہ طلحہ پر نقاب ڈالے خود تیر اندازی کر رہے تھے زبیر بھی خوش نہ تھے وہ بھی یورش کرنے والوں کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ معاویہ حاکم شام نے باوجود حضرت عثمان کے مدد طلب کرنے کے شام میں بیٹھ کر حالات کا جائزہ لیتے اور خود کو مستقبل قریب کا حکمراں سمجھنے کے خواب میں مخمور رکھتے ہیں وقت گذار دیا اور محصور خلیفہ کی مدد نہ کی مصر کی حکومت سے معزولی کی بنا پر عمرو بن عاص قتل عثمان کی تدبیر کرتے رہے البتہ علیؑ نے مفید مشورے دے کر ان کی میعاد حیات میں کچھ اضافہ ضرور کر دیا تھا لیکن علی علیہ السلام کا خلیفہ ہونا تھا کہ وہی عناصر جو اب تک قتل عثمان کے براہ راست یا بالواسطہ مدد و معاون تھے طلب خون عثمان کا بہانہ کر کے علیؑ سے آمادہ جنگ ہو گئے کیونکہ اُن کی خلافت و حکومت میں ان کی دیرینہ حسرتوں اور آرزوؤں کی پامالی یقینی تھی

حیات عثمان میں ہی حضرت عائشہ مکہ چلی گئی تھیں وہیں سے لوگوں کو ان کے قتل پر اکساتی تھیں۔ تاریخ کامل میں ہے۔

"ابن اثیر اپنی تاریخ کامل میں لکھتا ہے کہ جب حضرت عثمان محصور تھے حضرت عائشہ مکے چلی گئیں تھیں جب وہ وہاں سے پھر مدینہ لوٹیں تو بمقام سرف بنی لیث کے ایک مرد سے ملاقات ہوئی جس کا نام عبد ابن ابی سلمہ تھا۔ حضرت عائشہ نے اس سے حالات دریافت کئے اس نے کہا عثمان قتل کر دئے گئے آپ نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ وہ بولا کہ لوگوں نے علیؑ کی بیعت پر اجتماع کیا۔ یہ سن کر پھر آپ مکہ کی جانب واپس ہوئیں اور کہنے لگیں کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے خدا کی قسم میں ان کے خون کا بدلہ لوں گی۔ عبد نے کہا یہ کیوں؟ واللہ آپ تو پہلے ہی ان سے برگشتہ تھیں اور کہتی تھیں کہ نعثل کو قتل کر دو یہ کافر ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ لوگوں نے عثمان سے توبہ بھی کرائی اور پھر انہیں قتل بھی کر دیا اس کے علاوہ جو بات میں اب کہہ رہی ہوں وہ میرے قول اوّل سے بہتر ہے۔"

اس اثیر کے علاوہ ابن جریر طبری وغیرہ نے بھی حضرت عائشہ کی دو رنگی کیفیتوں کا حال درج کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہم جانتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور حضرت عائشہ میں حیات پیغمبر سے ہی جشمک تھی۔ واقعہ افک نے علیؑ کے خلاف جذبات عائشہ کو بھڑکانے میں جلتی لکڑی پر تیل کا کام کیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ صرف ذات علیؑ ہی تک حضرت عائشہ کا جذبہ بغض و حسد محدود نہ تھا بلکہ جناب فاطمہ زہراؑ، ان کی والدۂ گرامی اور ان کے بچے (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) بھی ام المومنین کے اس جذبے کے شکار تھے۔ اور اب علی علیہ السلام کا خلیفہ ہو جانا ان کے لیے ایک ناقابل برداشت حادثہ تھا۔ لہذا احکام خدا [illegible] کو پس پشت ڈال کر قصاص کا ناجائز مطالبہ لیکر [illegible] کے مقابلہ میں آ گئیں۔ [illegible] خزانہ سے [illegible]

طلحہ اور زبیر کے مثلث نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو فریب دے کر مکہ و مدینہ سے دور ملک عراق کے ساحلی علاقہ بصرہ کو اپنی قیادت کاروائی کا نقطہ آغاز قرار دیا۔ اس سنڈیکیٹ میں معاویہ کو بھی ملانے کی کوشش کی گئی مگر ناکام رہی وہ شام چھوڑ کر ہٹنا ہی نہیں چاہتے تھے ایک ماہر و نباوی سیاست داں کی طرح دو فریق کو لڑا کے اور دونوں کی قوت پاش پاش کر کے خود موقع سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

حضرت عائشہ کا موقف کیا تھا اور وہ کہاں تک امیرالمومنین علیہ السلام کی مخالفت میں حق پر تھیں اس پر روشنی اس گفتگو سے پڑتی ہے جو حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ کے درمیان مکہ میں ہوئی۔ صاحب روضۃ الاحباب تحریر کرتے ہیں کہ۔

• عائشہ رضی اللہ عنہا بمکہ بخانہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا رفت آں ہم متقاعد بہ شد»

• مکہ کے دوران قیام میں ایک دن حضرت عائشہ ام المومنین حضرت ام سلمہ سے ملنے گئیں جو حج کے لیے مکہ تشریف لائی تھیں اور بعد رسم سلام حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ سے کہا کہ اے بنت ابی امیہ تم وہ اول بی بی ہو جنھوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور بواسطہ شرف زوجیت ہی تمھاری شان و منزلت عظیم ہے اور تم امہات المومنین میں اپنے فضائل کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہو غالباً تم پر پوشیدہ نہ ہوگا کہ بلوائیوں کی ایک جماعت نے امیرالمومنین عثمان کو ان کے گھر میں گھس کر قتل کیا اور اب اس مقتول خلیفہ کے ہوا داروں نے ارادہ کیا ہے کہ قاتلوں سے انتقام لیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ ابن عامر نے بصرہ میں ایک لاکھ فوج مسلح فراہم کی ہے۔ اور یہ سب حضرت عثمان کے قتل پر غضبناک اور طالب قصاص ہیں میں ڈرتی ہوں کہ اس قضیے کی وجہ سے مسلمانوں میں محاربہ و مقاتلہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو اگر سفر بصرہ میں تم بھی میرے ساتھ موافقت کرو شاید خدا ہم لوگوں کے سبب سے اس کی اصلاح کر دے اور خون عثمان کے قصاص کا عقدہ تو لاینحل کھول دے۔ ام سلمہ نے کہا اے دختر ابوبکر تم خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتی ہو حالانکہ قسم بخدا تم ان پر سب سے زیادہ غضبناک تھیں اور ان کو نعثل کے نام سے یاد کر کے کہا کرتی تھیں کہ خدا لعنت کرے نعثل کو اور قتل کرے نعثل کو پس یہ عجیب بات ہے کہ کل تو تم ان کو سب و شتم کے ساتھ یاد کر کے کفر سے منسوب کرتی تھیں اور آج ان کو امیرالمومنین اور خلیفہ مقتول و مظلوم کہتی ہو اور ان کے معاملے میں اہل تعزیت و مصیبت بن کر اس جماعت کا ساتھ دیتی ہو جس نے علی پر خروج کیا ہے سنو! طلب خون عثمان کے متعلق تمھارا خیال بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ بنی عبدمناف سے تھے اور تم بنی تیم ہو اے عائشہ افسوس ہے کہ تم اس گروہ سے موافقت کرتی ہو جس نے علی ابن ابیطالبؑ پر لشکر کشی کی ہے حالانکہ علیؑ رسولؐ مقبول کے بھائی اور داماد اور فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہیں۔ (اے عائشہ) علیؑ کا مرتبہ خلافت و ریاست و وراثت اہل روزگار کے نزدیک مسلم ہے اور اصحاب مہاجر و انصار نے ان کے مرتبہ خلافت کو قبول کر کے ان کی بیعت اختیار کی ہے اس کے بعد حضرت ام سلمہ نے حضرت علیؑ کے بعض فضائل و خصائل کا ذکر کیا۔ عبداللہ ابن زبیر گھر کے بیرونی دروازے پر کھڑے ہوئے یہ

سب باتیں سُن رہے تھے وہیں سے انھوں نے آواز دی کہ اے ام سلمہ تم کو آل زبیر سے جو عداوت ہے اس کو میں جانتا ہوں ام سلمہ نے اندر سے جواب دیا کہ تم ہی باپ بیٹے تو عائشہ کے لے جانے پر تلے ہو کیا تمھارا گمان ہے کہ علیؑ کی زندگی میں مہاجرین و انصار تمھارے باپ زبیر اور ان کے مصاحب طلحہ کو اختیار کرنے پر راضی ہوں گے حالانکہ بقول پیغمبر علیہ السلام علیؑ ہر مومن و مومنہ کے ولی ہیں عبداللہ ابن زبیر نے کہا کہ ہم نے یہ حدیث رسولؐ اللہ کی زبان سے کبھی نہیں سنی تو کہیں خالہ عائشہ نے سنی ہے ان سے پوچھ لو اور میں نے تو رسولؐ مقبول کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علیؑ میری زندگی میں اور میرے بعد تم سب پر میرے خلیفہ ہیں جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اے عائشہ بولو تم نے یہ حدیث رسول اللہ سے سنی ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا کہ ہاں میں نے سنی ہے پس حضرت ام سلمہ نے بطور نصیحت حضرت عائشہ سے کہا کہ اے عائشہ جس امر سے پیغمبر خداؐ نے خوف دلایا ہے اس سے ڈرو اور صاحبۂ کلاب نہ بنو اے عائشہ میں قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے رسولِ خداؐ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ عنقریب میری ایک بی بی پر چشمہ حواب کے کتے شور کریں گے جو شریک اہل بغاوت و فساد ہوگی۔ اور جس وقت آنحضرت نے یہ ارشاد کیا اس وقت جو ظرف میرے ہاتھ میں تھا غایت اضطراب کی وجہ سے گر گیا۔ آنحضرت نے مجھ سے سبب اضطراب دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کیا رسول اللہ میں اس خیال سے مضطرب ہوئی کہ کہیں وہ بی بی میں نہ ہوں۔ آنحضرت نے تبسم فرمایا اور تمھاری طرف دیکھ کر ارشاد کیا کہ اے حمیرا میرا گمان ہے کہ وہ بی بی تو ہے۔ حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہ کے اس بیان کی تصدیق فرمائی حضرت ام سلمہ نے کہا کہ اے عائشہ طلحہ و زبیر کے فریب میں نہ آؤ اور یہ نہ سمجھو کہ وہ تم کو اس فعل کے وبال سے بچا لیں گے حضرت ام سلمہ کی باتیں سن کر حضرت عائشہ وہاں سے بادل ملول اٹھیں اور فسخ عزم بصرہ کا عذر و حیلہ سوچنے لگیں۔ عبداللہ ابن زبیر نے یہ حال محسوس کر کے فریاد کی کہ اے خالہ اگر تم اس لشکر کے ساتھ بصرے کی جانب رخ نہ کرو گی تو میں خودکشی کر لوں گا یا دیوانہ وار صحرا کی راہ لوں گا اور وہاں کے درندوں کا شکار ہو جاؤں گا۔ لوگوں نے آ کر حضرت عائشہ کو سمجھایا کہ وہ اس رہبر کی خاطر شکنی نہ کریں۔ پس حضرت عائشہ کا پہلا خیال پھر راسخ ہو گیا اور عزم سفر سے انھوں نے اعراض نہ فرمایا۔" (تاریخ احمدی)

عجیب بات ہے کہ اولاد عثمان میں سے کسی نے بھی طلب قصاص کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ یہ دعویٰ ان لوگوں کی طرف سے ہوا جن کو اس کا حق نہ تھا۔ ہم قبیلہ ہونے کی بنا پر کسی حد تک معاویہ دعویٰ کر سکتے تھے لیکن اولاد عثمان کی موجودگی میں ان کا دعویٰ قصاص بھی باطل قرار پاتا ہے طلحہ، زبیر اور عائشہ کو کسی طرح اس کا حق نہ تھا لیکن علیؑ سے بغاوت کرنے میں اس کو [illegible] دیا تھا جو کہ سراسر باطل تھا۔

اس سے بھی عجیب تر یہ امر ہے کہ [illegible] کی بیعت نہ ہوئی تھی علیؑ کو قتل عثمان سے [illegible] بعد بیعت لوگوں نے متہم کیا [illegible]

[illegible] ہے کہ دراصل علیؑ سے جنگ کر کے انھیں [illegible] کرنے کا ایک موثر حربہ تلاش کیا گیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان کو قتل کیا گیا تھا اور [illegible] ورثاء کو قصاص کے دعوی کا حق تھا اگر ورثاء دعوی نہ کرتے تو حاکم وقت کا فریضہ تھا کہ اس کے متعلق ضروری کارروائی کرتا لیکن ورثاء کی خاموشی بتاتی ہے کہ حادثہ قتل عثمان عوام کے ہاتھوں ان کی زیادتیوں کی وجہ سے ہوا تھا جس کے قصاص مطالبہ خود ان کی اولاد کی نظروں میں غیر ضروری تھا۔

مطالبہ قصاص جس انداز میں کیا جا رہا تھا وہ قطعی غیر آئینی اور بر خود غلط تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلیفہ حاضر کا اس قتل سے کوئی واسطہ نہیں اسے متہم کرنا ذاتی بغض و عناد کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مدعیان خون عثمان کو اوّل تو خلیفہ وقت کے یہاں اپنے دعوی کو پیش کر کے انصاف کی درخواست کرنی چاہیئے تھی دوسرے یہ کہ اگر وہ دعوی نہ بھی کرتے تو قدرے توقف اور خاموشی سے استحکام حکومت کے بعد، قتل عثمان کے بارے میں خلیفہ وقت کے رد یہ کا جائزہ لیتے اگر ہر دو حالات میں محرومی کا سامنا ہوتا تو پھر کسی حد تک انھیں تحریک کا حق ہو سکتا تھا جیسا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خود امیر المومنین علیہ السلام نے مقدمہ قتل عثمان کی تحقیق و سماعت کرنے کی طرف، بعد استحکام حکومت و خلافت اشارہ کیا تھا۔ اس طرح باغیوں کا مطالبہ اور اقدام دونوں ہی باطل اور غلط قرار پاتے ہیں۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بھی حکومتوں کے سربراہ آئے دن قتل کر دیے جاتے ہیں، حکومتیں بدل جاتی ہیں لیکن بہر صورت مقدمہ تحقیق اور فیصلہ حکومت کرتی ہے۔ عوام کبھی بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا حق نہیں رکھتے۔ شرعی حیثیت سے بھی قصاص اور انتقام کے کچھ اصول و ضوابط ہیں جن کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ [illegible] عوام کو بغاوت و غدر کے ذریعہ قصاص و انتقام کا حق نہیں [illegible] ورنہ معاشرے میں ایک ہولناک انتشار پیدا ہو جائے۔ [illegible] میں دائمی انتشار اسی غلط اور ناجائز طلب قصاص

اور جنگی اقدام پر پیدا ہو گیا ہے جس کا ہم آج بھی مشاہدہ کر رہے ہیں۔

طلحہ و زبیر اور عبداللہ ابن زبیر کی پیہم کوششوں اور ذاتی عناد کی کارفرمائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ام المومنین عسکر نامی اونٹ پر سوار ہو کر بصرہ کے لیے روانہ ہو گئیں تاریخ کامل، مروج الذہب مسعودی، روضتہ الاحباب وغیرہ نے چشمہ حواب پر کتوں کے بھونکنے کا اور حضرت عائشہ کے اضطراب و ارادہ واپسی کا ذکر تفصیل سے کیا ہے لیکن عبداللہ ابن زبیر اور طلحہ کی دروغ گوئی نے کہ یہ چشمہ حواب نہیں ہے، ام المومنین کے ارادہ واپسی کو پھر عزم سفر سے بدل دیا یہی نہیں بلکہ پچاس مسلمانوں کی جھوٹی گواہی بھی کرائی گئی۔ اور تاریخ کا بیان ہے کہ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی۔ حالانکہ اس میں طلحہ، زبیر اور عبداللہ ابن زبیر جیسے بزرگ اور معتمد اصحاب رسول بھی تھے حالات و قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ام سلمہ کی یاد دہانی اور دیگر متعدد شواہد کے بعد بھی حضرت عائشہ کا چشمہ حواب پر اظہار اضطراب محض ایک دکھاوا تھا جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا ورنہ اس منزل سے ام المومنین واپس چلی جاتیں چاہے پھر اکیلے ہی جانا پڑتا

حضرت عائشہ کی قیادت میں زبیر و طلحہ کے ہمراہ باغیوں کا گروہ مسافتیں طے کرتا ہوا بصرہ پہونچا وال بصرہ عثمان ابن حنیف انصاری نے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ ابن زبیر نے فریب دے کر شہر پر قبضہ کر لیا بعض وجوہات کی بنا پر انھیں قتل تو نہ کر سکے لیکن داڑھی اور ابرو کے ایک ایک بال چن لئے۔ اور حضرت عائشہ دیکھتی رہیں۔ یہ وہ عمل تھا کہ ایک انتہائی شقی اور بدکار مسلمان بھی شاید ایسا نہ سوچ سکتا لیکن ایک معزز صحابی رسولؐ نے ام المومنین کی موجودگی میں یہ فعل انجام دے کر اپنی کدورت کا جو ثبوت پیش کیا وہ قابل غور ہے

امیر المومنین علیہ السلام نے اہل جمل کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے قبل انھیں راہ راست پر لانے اور بغاوت سے باز رکھنے کی کوشش کی روضتہ الاحباب کے مطابق

حضرت علیؑ نے حضرت عائشہ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ بعد حمد خدا و نعت محمد مصطفےٰ عائشہ کو معلوم ہو کہ تم خلاف حکم خدا و رسولؐ گھر سے نکلی ہو اور جس بات کی تم کو تکلیف نہیں دی گئی اور تمہارے مناسب حال نہیں ہے اس کو تم نے اختیار کیا ہے تمہارا گمان ہے کہ تم مسلمانوں میں اصلاح پیدا کرتی ہو حالانکہ جو کچھ تم کر رہی ہو یہ بالکل فساد اور افساد ہے ذرا بتاؤ تو کہ عورتوں کو فوج و لشکر سے کیا کام ہے جنھیں خدا نے خانہ نشینی کا حکم دیا ہے اے عائشہ خدا سے ڈرو اپنے گھر واپس جاؤ۔ اور وہاں قرار پکڑو "

(تاریخ احمدی)

لیکن جب بار بار سمجھانے کے باوجود بھی کوئی اثر نہ ہوا اور دونوں فوجیں آمنے سامنے آکر مقابلہ کے لیے تیار ہو گئیں تو علی علیہ السلام نے اپنی فوج سے فرمایا کہ بعد فتح زخمیوں اور قیدیوں کو نہ قتل کرنا بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا مقتول کو برہنہ اور مثلہ نہ کرنا ان کے مال و اسباب کو نہ لوٹنا کیوں کہ علیؑ کی نظروں میں مسلمانوں کا مال مال غنیمت نہ تھا اور نہ قیدی لونڈی اور غلام تھے

حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان اور حضرت عائشہ کا عثمان ابن حنیف اور بصرہ والوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک صاف صاف بتاتا ہے کہ کون احیاء اسلام کر رہا تھا اور کون شریعت اسلامیہ کی دھجیاں بکھیر کر چہرہ اسلام کو داغدار بنا رہا تھا

ام المومنین اور امیر المومنینؑ کی فوجوں میں ٹکراؤ ہوا علیؑ کی تلوار جو نصرت پیغمبرؐ اور تنزیل قرآن کے لیے جہاد کر چکی تھی آج پھر تاویل قرآن کے لیے غلاف سے برآمد ہوئی حوادث سن و سال سے علیؑ کو متاثر سمجھنے والے، علیؑ کے بازوؤں میں ضعف کا تصور کرنے والے میدان جنگ سے فرار کر رہے تھے رزم گاہ جمل علیؑ کی پچیس سالہ خاموشی کو کمزوری سے تعبیر کرنے والوں کو عرق حیرت کر رہا تھا۔ ذوالفقار کی چمک بتا رہی تھی کہ میرا آقا، جانشین مصطفےٰ، وارث علوم انبیاء، واقف اسرار علم لدنی جانتا ہے کہ تلوار سے کب جہاد ہوتا ہے اور خاموش رہ کر فریضہ نصرت حق کے کون سے مواقع ہوا کرتے ہیں۔

اونٹ کے گرتے ہی لوگ ام المومنین کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے میدان علیؑ کے ہاتھ رہا۔ معرکہ جمل میں ہزاروں مسلمان قتل ہوئے لوگ کہتے ہیں کہ مادر مومناں کی یہ خطائے اجتہادی تھی اگر طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے امیر المومنین کی بات مان لی ہوتی تو اس قدر مسلمانوں کی جان ضائع نہ ہوتی لیکن فرزندوں کے سروں کی بارش ہوتی رہی عورتیں بیوہ، بچے یتیم، لوگ مقتول و مجروح ہوتے رہے اور مادر مومناں محمل سے تماشہ دیکھتی رہیں۔ گویا آج پھر شہنشاہ روم نیرو آتش افشانی کے بعد عوام کی موت اور سراسیمگی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ مشہور ہے کہ دو عورتوں کا ایک لڑکے کی ماں ہونے کا جھگڑا تھا اور ہر ایک کا اس پر دعویٰ تھا فیصلہ ہوا کہ لڑکے کو دو ٹکڑے کر کے دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جھوٹی مدعیہ اس فیصلے پر راضی ہو گئی مگر حقیقی ماں لڑکے کی حیات کی خاطر اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو گئی۔ لیکن میدان جمل میں یہ جانے کیسی ماں تھی کہ جب تک آنکھوں کے سامنے ہزاروں فرزند ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو گئے اس کی خون آشامی کو تسکین نہ ہوئی۔ ایک ماں ام سلمہ تھیں کہ حکم خدا و رسولؐ کے اتباع میں گھر سے قدم نہ نکالا اور حق و صداقت کی برابر تلقین فرماتی رہیں۔

ام المومنین کو شکست اور امیر المومنین کو فتح ہوئی فاتح سپاہیوں نے مغلوب لشکر کے مال کو مال غنیمت اور قیدیوں کو غلام و کنیز سمجھ کر ان پر تصرف کرنا چاہا۔ علیؑ نے سمجھایا لیکن لوگ بضد ہو گئے۔ آخر باب مدینۃ العلم نے ایک تاریخی فیصلہ کر دیا تم میں سے کون ام المومنین عائشہ کو اپنی کنیزی میں لے گا؟ اب مسلمان حیرت زدہ اور انگشت بدنداں تھا۔ اور قیامت تک کے لیے فیصلہ ہو گیا۔ مسلمان کے لیے مسلمان کے مال و نفس پر بہ جبر قبضہ حرام ہے اور اقتدار علیؑ کی مزید توثیق ہو گئی۔

معرکہ جمل کے قائدین کا انجام عبرت خیز اور قابل [illegible] جنگ شروع ہونے سے چند لمحات قبل علیؑ کی فہمائش پر زبیر ابن العوام بصرہ چھوڑ کر مدینہ واپس ہو گئے۔ جنھیں راہ میں [illegible] نے بحالت خواب یا نماز قتل کر دیا۔ طلحہ خود اپنے [illegible] حکم کے تیر کے شکار ہو گئے اونٹ کے گرنے [illegible]

ام المومنین علیہا السلام اپنی بہن کو سہارا دینا اور احترام لصدق ایک گھر میں لے جا کر اتارا جہاں وہ اپنے حال زار پر گریہ وزاری کرتی رہیں۔ مروان اور طلحہ کا علیؑ کے خلاف اتحاد اجتماع ضدین کے مترادف تھا ایک عثمان کا سرپرست اور مددگار رہا اور دوسرا لوگوں کو قتل عثمان پر اکسا رہا تھا اور خود بھی عملی کوشش کر رہا تھا۔ یہ اتحاد محض علیؑ اور اہل بیت کے خلاف قبائلی عصبیت اور انتقام مقتولین بدر و احد کی بنا پر تھا۔ ام المومنین محفوظ ہو کر واپس جانے پر راضی ہوئیں مگر آخر حیات تک گرد کدورت سے چہرہ صاف نہ ہو سکا۔

جنگ جمل نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال مستحکم کر دیا کہ خلیفہ وقت کے خلاف خروج کرنا گناہ نہیں ہے اور کسی کو اس کے ناکردہ عمل سے بھی متہم کیا جانا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ امیر المومنینؑ کو قتل عثمان سے متہم کیا گیا تھا یہ ایک ایسی جرأت تھی جس نے اہل بیت طاہرین کو مزید ضعف اور دشمنان اہل بیت خصوصاً معاویہ اور بعدہٗ آل مروان اور آل عباس کو زیادہ قوت و ہمت دی اس جرأت نے مسلمانوں کے کردار عمل اور سادگی پر وہ کاری ضرب لگائی کہ اصل و اصول اسلام تحریف کا شکار ہو گیا معرکہ جمل نے اپنا اثر اسلام، مسلمان اور تاریخ پر گہرا اور دائمی چھوڑا ہے۔

اسلام نے حق و صداقت کی سربلندی کے لئے ہمیشہ جدوجہد جاری رکھی مرسل اعظم کی تئیس سالہ حیات اس کی آئینہ دار ہے۔ راہ حق میں پیغمبرؐ خدا نے عظیم قربانیاں پیش کیں لیکن پرچم حق کو سرنگوں نہ ہونے دیا جنگ بدر کے قیدیوں میں عباس بھی تھے جو مجبوراً مشرکین مکہ کے ساتھ آئے تھے۔ حالانکہ اسلام لا چکے تھے۔ مگر ان کے ساتھ بھی دیگر مشرک قیدیوں جیسا سلوک کیا گیا۔ آنحضرتؐ کا یہ عمل بتا رہا ہے کہ اسلام کی حدود میں قبائلی اور عشیرتی تنگ نظریوں سے بے جا

جنبہ داریوں کو روا نہیں رکھ سکتا۔ لیکن نبی امیؐ کے کلمہ گو جب اس منزل امتحان سے گزرے تو تعلیم اسلام کو یکسر بھول گئے ایک طرف ام المومنین حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر، عبداللہ ابن زبیر، معاویہ وغیرہ جیسے افراد اور دوسری طرف علیؑ ابن ابی طالبؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، اویس قرنیؓ وغیرہ جیسی عظیم المرتبت ہستیاں تھیں۔ دونوں ایک دوسرے سے برسرپیکار، ظاہر ہے کہ دونوں فریق حق پر نہیں ہو سکتے تھے ایک کا حق پر اور ایک کا باطل پر ہونا ضروری تھا مگر مسلمانوں نے دونوں کی صحت کا دعویٰ کر کے اور دونوں کو حق و باطل دونوں سے متمسک رہنے کا اعلان کر کے قرآن کے اس قول کو جھٹلا دیا کہ خدا نے انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، معرکہ جمل وہ کسوٹی تھی جس نے مسلمانوں کے دین و ایمان کو پرکھ کر واضح کر دیا کہ یہ وہ قوم بن چکی ہے جو بیک وقت حق پرست اور باطل پرست دونوں ہے اور ظاہر ہے کہ جو دو کشتیوں پر پاؤں رکھتا ہے یقینی طور پر غرق ہو جاتا ہے۔

معرکہ جمل نے یہ بتا دیا کہ وہ شخص کون تھے کہ حق کی ... اور اس کے رسول نے بتایا کہ علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ مشہور و مستند حدیث ہے میدان جمل میں یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ چاہے کتنی اور کیسی ہی تاویل کیوں نہ کی جائے جو علیؑ کے ساتھ ہے وہ حق کے ساتھ ہے اور ان کا مخالف باطل پر ہے خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو۔ اس معرکے نے کردار و بزرگی علی ابن ابی طالبؑ کو نکھار کر اسلام دشمن عناصر یعنی منافقین، ناکثین اور قاسطین کو دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا اور راہ ہدایت و ضلالت کی واضح نشاندہی قیامت تک کے لئے کر دی۔"

محسنِ اسلام حضرت ابوطالبؑ تاریخ کی روشنی میں

(سید نصیر الحسن صاحب ایم اے ایل ٹی سابق ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس کنڈرکی مراد آباد)

گو ہم نے رسول اللہ کا زمانہ نہیں دیکھا نہ اصحاب کرام ہی کو دیکھنے کی ہمیں توفیق میسر ہوئی۔ لیکن قرآن، حدیث اور کتب تاریخ و سیر کے ذریعہ ہم کو ان کا صحیح تعارف حاصل ہوا۔ تاریخ کی روشنی میں جب ہمارا تخیل ہمیں دور رسالت میں لے جاتا ہے تو ہم نے مشاہدہ کیا کہ قبل بعثت چالیس سال تک پیغمبر اسلام کی زندگی اہل مکہ اور اطراف مکہ کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ کی زندگی تھی، جس کی بنا پر قبائل عرب نے آنحضرتؐ کو صادق اور امین کا خطاب دیا تھا۔ بچپن ہی میں آنحضرتؐ کو داغ یتیمی سے بھی دوچار ہونا پڑا جس کے بعد میں آپ کی پرورش آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب سے وابستہ ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب کے چند صاحبزادے تھے لیکن اُن سب میں حضرت ابوطالبؑ اپنے اعلیٰ کردار اور محاسنِ اخلاق کی وجہ سے اپنے دیگر بھائیوں پر گوئے سبقت لے گئے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عبدالمطلب نے اپنی وفات سے پیشتر اپنے مرحوم بیٹے حضرت عبداللہ کی یادگار کی پرورش کے لئے حضرت ابوطالبؑ ہی کو منتخب فرمایا۔ حضرت ابوطالبؑ نے اپنے اس یتیم بھتیجے کی جس نہج سے پرورش کی اس کی کوئی دوسری مثال ہی تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت ابوطالبؑ ہی نے اپنی اولاد سے زیادہ عزیز بھتیجے کی شادی بھی عرب کی مشہور مقدس خاتون محسن اسلام حضرت خدیجہ سے کر دی جو ملیکۃ العرب کہلاتی تھیں۔

جب علیؑ ابوطالب کے یہاں خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے تو تاریخ شاہد ہے کہ اس نوزائیدہ فرزند نے اس وقت تک اپنی آنکھیں ہی نہ کھولیں جب تک کہ رسول اللہ نے اپنی آغوش مبارک میں لے کر اپنا روئے مبارک ان کے سامنے نہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے محسن اور باپ سے زیادہ شفیق چچا حضرت ابوطالبؑ کے اس فرزند کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری ابتدا ہی سے اپنے ذمہ لے لی۔ چنانچہ تاریخی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ ہمیشہ سایہ کی طرح رسول اللہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے کہ حضرت ابوطالبؑ برابر رسول اسلام کی پرورش اور امداد میں مشغول رہے اور اسی طرح پیغمبر اسلام علیؑ کی پرورش اور تربیت میں تا[illegible] ہمہ تن مصروف نظر آئے۔

ایسے حقائق کے پیش نظر ہمارے لئے [illegible] کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی [illegible] حضرت علیؑ اور حضرت ابوطالبؑ [illegible] مذہب میں مشترک تھے [illegible]

...ہدایت اور انبیائے ماسلف کے نظریات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتے تھے۔

محسن کشی کی اس سے زیادہ اور کونسی مثال تاریخ پیش کر سکتی ہے کہ جب سابقین اسلام کی فہرست مرتب دی جاتی ہے تو کہا یوں جاتا ہے کہ بوڑھوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ بچوں میں حضرت علیؓ اور عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجہ اسلام لائیں۔ لیکن تعجب پر تعجب یہ ہے کہ محسن اسلام، رسول اللہ کے باپ سے زیادہ شفیق چچا حضرت ابو طالبؑ کے نام نامی کو سرے سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ رد یہ دیا جاتا ہے کہ معاذ اللہ انھوں نے اسلام ہی قبول نہ کیا تھا پیغمبر اسلام کے اس محسن کے نام سے بیشتر "حضرت" کے بجائے "خواجہ" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جب کہ منافقین و دشمنان عداوت رسولؐ کے ناموں کے ساتھ حضرت، رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کا استعمال جائز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم سابقین اسلام کی اس فہرست کا تجزیہ تاریخ ہی کی روشنی میں کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت علیؑ، حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہ کا ایمان اس وقت سے عملی طور پر مسلم تھا جب کہ رسول اللہ نے اعلان رسالت بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ ان حضرات کے عقائد مذہبی اور نظریات وہی تھے جن کی پابندی رسول اللہ بہ نفس نفیس اپنے اعلان نبوت سے قبل کیا کرتے تھے۔ فطری طور پر ان حضرات کے عقائد و نظریات میں رسول اللہ کے ساتھ ہم آہنگی میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہ آیا جب کہ رسول اللہ نے اعلان نبوت فرمایا۔ اگر رسول اللہ کے ساتھ حضرت ابو طالبؑ کے عقائد و نظریات کی ہم آہنگی میں بعد اعلان نبوت کوئی فرق پیدا ہوا ہوتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا کہ کفار کی غیر معمولی شدت اور مظالم کو دیکھتے ہوئے وہ رسول اللہ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے اور تبلیغ اسلام اور تحفظ رسالت کے نتیجہ میں غیر معمولی تکالیف اور خطرات کو برداشت نہ کرتے۔

آخر ابو لہب بھی تو آنحضرتؐ کا چچا ہی تھا اور اسے بھی بہ حیثیت چچا کے رسولؐ سے محبت ہونا چاہئے تھی مگر ابو طالب اور ابو لہب کے مابین جو فرق نظر آتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نظریات و عقائد میں ابو طالبؑ اور رسولؐ متحد تھے جبکہ ابو لہب رسولؐ کا ہم مسلک نہ تھا۔ بعد اعلان رسالت حضرت ابو طالب کا پیغمبر اسلام کو مکہ سے باہر شعب ابو طالب میں مع اپنے اہل و عیال کے لے جانا اور متواتر تین سال تک قبائل عرب کے مشترکہ سخت ترین مقاطعہ کے نتیجہ میں غیر معمولی مصائب کا سامنا کرنا اس حقیقت کی بیّن دلیل ہے کہ حضرت ابو طالب اپنے اس بھتیجے کی رسالت کے اسی وقت سے قائل تھے جب کہ وہ حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد ان کی زیر پرورش آئے تھے اور مشہور تاریخی روایات کے مطابق انھوں نے اپنے اس بھتیجے سے بہت سے خرق عادات واقعات مشاہدہ کئے تھے جن کو معجزہ کہا جاتا ہے۔

بوڑھوں میں حضرت ابو بکر کے سابق الاسلام ہونے کی تاریخی داستان کی اہمیت ہمارے دل و دماغ سے اس وقت بالکل ہی محو ہو جاتی ہے، جب ہم حضرت ابو بکر ہی کی صاحبزادی حضرت عائشہ کی ایک حدیث بخاری شریف کے پارۂ اول میں تیسرے نمبر پر دیکھتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی جانب پہلی وحی نازل ہوئی تو آنحضرتؐ پر ایک غیر معمولی خوف و ہراس طاری ہو گیا حضرت خدیجہ آنحضرت کو اپنے چچا حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ حضرت ورقہ بن نوفل انبیائے ماسلف کے مذہب کے پیرو تھے اور علم و تقدس کے اعتبار سے اُن کو ایک خاص اہمیت

حاصل تھی جب حضرت ورقہ بن نوفل نے رسولؐ اللہ پر نزول وحی کا حال سُنا تو انھوں نے تصدیق رسالت کی اور رسولؐ اللہ سے یہی فرمایا کہ جو آپ کے پاس وحی لے کر آیا ہے وہ وہی فرشتہ ہے جو آپ سے پہلے انبیائے ماسلف کے پاس وحی لے کر آیا کرتا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے یہ بھی پیشین گوئی کی کہ مستقبل میں آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکالے گی۔ کاش اگر میں اس وقت تک زندہ رہتا تو آپ کی مدد کرتا۔

حضرت ورقہ بن نوفل اس قدر عمر رسیدہ اور ضعیف تھے کہ عمر کے اعتبار سے حضرت ابوبکر تو درکنار رہے ان کے والد ابو قحافہ سے بھی کہیں سن رسیدہ تھے۔ بخاری کی مندرجہ بالا حدیث سے واضح ہوا کہ بوڑھوں میں سب سے پہلے اسلام لایا وہ حضرت عائشہ کے والد حضرت ابوبکر نہ تھے بلکہ ام المومنین حضرت خدیجہ کے چچا حضرت ورقہ بن نوفل تھے جب کہ حضرت ابوبکر اور ان کے والد ابو قحافہ مشرف باسلام ہی نہیں ہوئے تھے۔ رہا حضرت ابو طالب کے ایمان کا سوال تو وہ اس وقت بھی دین محمدیؐ پر قائم تھے جبکہ اعلانِ نبوت ہی نہیں ہوا تھا۔ بعد کے واقعات نے مکمل طور پر ثابت کر دیا کہ حضرت ابو طالبؑ نے جس خلوص اور سرفروشی اور وفاداری کے ساتھ محض اسلام اور بانی اسلام کے تحفظ کی خاطر کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کے پیش نظر خداوند عالم کو اپنے محبوب کے محبوب حضرت ابو طالبؑ کو "الم یجدک یتیماً فآویٰ" کی سند عطا فرما کر اسلام میں ان کی افضلیت اور غیر معمولی اہمیت کو واضح کر دیا۔

یہ بھی تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے خواہ اس کو حضرت ابو طالبؑ کی بالغ نظری سے تعبیر کیجئے یا مشیت الٰہی پر محمول فرمایئے کہ حضرت ابو طالبؑ ہی کی منشاء اور ایماء سے رسولؐ اللہ کی پہلی شادی حضرت خدیجہ کے ساتھ ہوئی۔ حضرت ابو طالبؑ ہی نے بنفس نفیس اس شادی کا انتظام کیا۔ پیغمبر اسلام کی طرف سے محسنِ ایمان حضرت ابو طالب نے اور حضرت خدیجہ کی طرف سے بوڑھوں میں سابق الاسلام حضرت ورقہ بن نوفل نے نکاح پڑھایا۔ اس بے مثل ازدواجی رشتہ سے منشاء قدرت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے حبیبؐ کی شریک حیات ایسی خاتون مقرر ہو جو اپنے کردار اعلیٰ کے باعث عورتوں میں کوئی دوسری نظیر ہی نہ رکھتی ہو۔ جس کے آباؤ اجداد اور ورقہ بن نوفل جیسے عزیز ہمہ صفت انبیائے ماسلف کے پیرو نظر آتے ہوں تاکہ جو سلسلۂ نسب ان مقدس ذوات کے ذریعہ پھیلے وہ ایسا نجیب الطرفین ثابت ہو جس کے ددھیال یا ننھیال میں کسی فرد کی پیشانی پر شرک و کفر کا داغ ہی نہ پایا جاتا ہو۔ اگر حضرت خدیجہ کے علاوہ رسولؐ اللہ کی یہ شادی کسی دوسری خاتون سے ہو جاتی تو اس منشاء کی تکمیل ہی نہ ہو پاتی۔ بعد کے واقعات نے اس نکتہ کو بالکل ہی واضح کر دیا یعنی باوجود اس حقیقت کے کہ رسولؐ اللہ نے نشر و اشاعت اسلام اور زمانہ کی نزاکتوں کے پیش نظر مختلف خاندانوں کی خواتین سے شادیاں کیں لیکن یہ قدرت کا انتظام تھا کہ اول تو ان کے بطن سے کوئی اولاد ہی پیدا نہ ہوئی اور اگر کسی کے پیدا بھی ہوئی تو قدرت نے اس کو عالم طفولیت ہی میں دنیا سے اٹھا لیا۔

یہ بھی تاریخ اسلام کا ایک المیہ ہی ہے کہ کم تنگ نظر مورخین اور راویانِ احادیث کو حکومت وقت کے زیر اثر وہ کر یہ کیسے مرغوب ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؑ کے والد ماجد محسن اسلام حضرت ابو طالب کی اسلام میں افضلیت کو تسلیم کر لیتے۔ جو لوگ مسئلہ خلافت میں حضرت علیؑ کی افضلیت کو

انھوں نے یہی کہنا شروع کیا کہ حضرت علیؑ سن و سال کے
اعتبار سے حضرت ابوبکر سے کم تھے اس میں تمسخر کا مادہ
تھا۔ یہ مناسب ہی نہ تھا کہ نبوت اور خلافت کو ایک
ہی خاندان بنی ہاشم سے منسلک کر دیا جاتا ان کے
تعلقات قریش سے پیچ در پیچ تھے اور مزید برآں
ان کے والد حضرت ابوطالبؑ مشرف با سلام نہ
ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضرت ابوبکر کے مقابلہ
میں خلافت کے حقدار ہی نہ تھے لیکن جب ہم اصحاب
ثلاثہ کے اجداد کا مقابلہ حضرت علیؑ کے والد بزرگوار
سے کرتے ہیں تو تاریخ ہی کی روشنی میں ہم یہ کہنے
پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت علیؑ کے والد ماجد محسن اسلام اور رسول اللہ
کے سرپرست اور شفیق چچا تھے جن کے زیر سایہ رسالت
پروان چڑھی اور جن کے اثر و رسوخ اور اخلاق حمیدہ اور
صفات ستودہ کا یہ نتیجہ تھا کہ رسول اللہ کفار کے
لگاتار خون آشام ارادوں سے ہمیشہ محفوظ ہی رہے
اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ
جیسے عاشق و ناصر رسولؐ کی وفات ہو گئی تو دشمن
اسلام مکہ میں اپنے آپ کو کلیتہً بے یار و مددگار
سمجھنے لگے اور آنحضرت کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت
کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

حضرت ابوبکر تیم خاندان کے تھے ان کے والد
کا نام ابو قحافہ تھا حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان
ہے کہ جب آنحضرتؐ ہجرت کے ارادہ سے غار ثور چلے
گئے تو میں آپ کی خبر معلوم کرنے کی غرض سے حضرت
ابوبکر کے گھر آیا۔ وہاں ابو قحافہ موجود تھے مجھ کو
دیکھتے ہی غصہ میں بھرے ہوئے عصا بدست باہر
نکلے اور چلا کر بولے۔ "یہ بھی انھیں لونڈوں میں
سے ہے جنھوں نے میرے بیٹے ابوبکر کو بگاڑ دیا ہے۔"
(ملاحظہ ہو صدیق اکبر صفحہ اول مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی)
(بحوالہ اصابہ)

اس تاریخی واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کے
والد ابو قحافہ کے دل و دماغ پر رسول اللہ کی مخالفت
اور اسلام دشمنی کے جذبات کس بری طرح سے چھائے
ہوئے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ اعلانِ
نبوت کو تیرہ سال کا عرصہ بھی گزر چکا تھا۔ اکثر شدید
ترین کفار مکہ اور دشمنان اسلام بھی مشرف باسلام
ہو چکے تھے لیکن تعجب بر تعجب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر
جو سابق الاسلام تسلیم کئے جاتے ہیں ان کے والد ماجد
کی رسول اللہ سے نفرت اور اسلام دشمنی کے جذبات
اب تک معراج کمال تک ہی نظر آتے ہیں یہ بھی تاریخی
حقیقت ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد عرب
کے مختلف بااثر قبیلوں نے رسول اللہ کی شمع حیات
کو گل کرنے کے لئے ایک متحدہ سازش کی تھی جس کے
نتیجہ میں رسولؐ اللہ کو یہ ہجرت کرنا پڑی تھی۔ ایسے
حالات میں اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے علاوہ
ہمارے لئے کوئی چارہ ہی نہیں کہ حضرت ابوبکر
کے اس والد ماجد نے عملاً یا کم از کم قولاً کسی
نہ کسی طرح کفار مکہ کی اس سازش کی موافقت اور
حمایت ضرور کی ہو گی جبکہ ان کا شمار با اثر خاندان
تیم کے بااثر اشخاص میں تھا اور ہر بااثر خاندان
کے مخالفین و دشمنان رسولؐ اس سازش میں
شریک تھے

حضرت عمر کو خاندان عدی کا بتایا جاتا ہے اور
حضرت عثمان خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے جو ہمیشہ
خاندان رسالت اور اسلام کی دشمنی میں شہرۂ آفاق
ہی رہا۔

حضرت عمر کے والد کو خطاب بتایا جاتا ہے جن کا پیشہ علامہ شبلی کی الفاروق کے مطابق نسابی تھا۔ حضرت عمر کو بھی اپنے آبائی پیشہ میں کافی دستگاہ تھی۔ کشتی کے فن میں بھی ان کو کافی مہارت تھی اور عکاظ کے مشہور میلہ میں وہ شرکت کرکے عموماً اپنی کشتی کے کرتبوں کا مظاہرہ کیا کرتے تھے حضرت عمر کے والد خطاب کی فطری خصوصیات جناب مولانا شبلی نعمانی صاحب کی الفاروق میں مندرج ایک روایت سے مجسم بن کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ چنانچہ مولانائے موصوف اپنے اس شاہکار میں اس طرح لکھتے ہیں۔

"خطاب نہایت بے رحمی کے ساتھ ان سے سلوک کرتے تھے (یعنی حضرت عمر سے) تمام تمام دن ان سے اونٹ چرانے کا کام لیتے اور کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت انگیز خدمت انجام دینا پڑتی تھی ضجنان تھا جو مکہ معظمہ کے قریب قدید سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمر کا ادھر گزر ہوا۔ تو ان کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہوکر فرمایا۔ اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور تھک کر بیٹھ جاتا تھا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔" (الفاروق صفحہ ۱۹)

مندرجہ بالا تاریخی مستند شہادتیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے والدانِ محترم کے کردار پر کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ قاعدہ ہے کہ بیٹا عموماً اپنے باپ کے عادات وخصائل کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے اس اصول کے مطابق حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو جو کچھ ورثہ میں ملا وہ تاریخ کی روشنی ہی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس مختصر تاریخی تجزیہ سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام میں جو افضلیت اور اہمیت حضرت علیؑ کے والد محسن اسلام محسنۂ ایمان حضرت ابو طالبؑ کو حاصل تھی اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر تو درکنار رہے خود ان کے بزرگانِ محترم کو بھی حاصل نہ تھی۔

مدحِ مولاؑ

معراج شارقی الوارثی

کوئی بوذر ہو گیا تو کوئی سلماں ہو گیا
جس پہ نظریں ڈال دیں ساقی نے انساں ہو گیا

وہ خدا کا گھر جو کل مرکز تھا کفر وشرک کا
آج وہ گھر کعبۂ اربابِ ایماں ہو گیا

دولتِ حُبِّ علیؑ ہر ایک کو ملتی نہیں
مل گئی جس کو یہ دولت وہ مسلماں ہو گیا

پرسشِ اعمال کا معراج مجھ کو غم نہیں
حُبِّ آلِ مصطفٰی جنت کا ساماں ہو گیا

لب پر ہمارے رہتا ہے ہر دم علیؑ علیؑ

(جناب منشی جوالا پرشاد صاحب نگم المتخلص بہ روشؔ لکھنوی مکان ۲۶۶/۵۴۴ بھدلوان لکھنؤ)

کلکِ ازل نے لکھا یہ خطِ جلی علیؑ
ہیں نورِ مصطفیٰؐ سے مزیّن ولی علیؑ

دنیا و عاقبت میں ہوا سرخرو بشر
خاکِ قدوم پاک جو رخ پر ملی علیؑ

رہتا ہے نام آپ کا وردِ زبانِ خلق
مشکل میں سب پکارتے ہیں یا علیؑ علیؑ

میدانِ کارزار میں چمکی جو ذوالفقار
شمعِ مرادِ نصرتِ حق کی جلی علیؑ

تبلیغِ حق کے واسطے کھولی اگر زباں
اک شمعِ معرفت کی جہاں میں جلی علیؑ

دامادیٔ رسولؐ کا حاصل ہوا شرف
گلزارِ دیں میں کھل گئی تازہ کلی علیؑ

جب چمکی تیغ آپ کی میدانِ جنگ میں
دشمن کی ایک بھی نہ چلائے چلی علیؑ

کیا مرتبہ علیؑ کا ہے یہ جانتے ہیں ہم
لب پر ہمارے رہتا ہے ہر دم علیؑ علیؑ

مامور جبکہ دین کی خدمت پہ ہو گئے
سانچے میں حق کے زندگی نکلی ڈھلی علیؑ

خیبر کا در اٹھا لیا انگلی کی نوک پر
تم سا مہابلی کبھی نہ ہوگا بلی علیؑ

کعبے میں جو ہو پیدا وہ مسجد میں ہو شہید
حاصل کسے یہ فخر ہوا یا ولی علیؑ

حاجت روائے دہر سمجھتے ہیں ہم روشؔ
کوئی کہے امامؑ تو کوئی ولی علیؑ

"سرد خون گرم آنسو"

(محترمہ یاسمین حسنین صاحبہ۔ ایم۔ اے، اجاریہ ۲۲ چمن گنج۔ کانپور)

ہر ذی حشم، ذی وقار، ذی علم، ذی فہم فلسفی مفکر، رہنما اور رہبر کے بہت سے دوست اور بہت سے دشمن ہوتے ہیں۔ دوست اس کی خوبیوں سے متاثر ہوتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دشمن اس سے حسد، بغض اور نفرت رکھتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ شمع کو گل کر کے طلب کو پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاریخ عالم و آدم میں صرف ایک شخصیت ایسی گزری ہے جس کی مخالفت کے لیے منظم ڈھنگ سے سکے تک قائم کیے گئے اور تعلیم گاہوں میں مدتوں یہ سلسلہ قائم رہا۔ یہ عمل عیسائیوں کے خلاف یہودیوں کا نہیں تھا۔ نہ مارکسیوں کے خلاف سامراجیوں کا۔ بلکہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کا۔ خاص طور سے علی اور اولادِ علی کے خلاف جنھوں نے حق و انصاف، ایمان و اسلام کی خاطر کبھی کسی دوستی کا پاس کیا۔ نہ رشتہ داری کا۔ برخلاف ان کے دوسروں نے ہمیشہ کارہائے حکومت میں اقربا پروری اور رشتہ داری کا خیال رکھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے سگے بھائی عقیل ابن طالب سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں یہ گوارا کر سکتا ہوں۔ کہ میری آنکھوں میں گرم سلائیں ٹھونک دی جائیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ بیت المال سے کچھ ناجائز پیسہ بطور قرض بھی دے دوں۔

مطلب پرست دنیا، زر پرست دنیا۔ عیش پرست دنیا، دنیا پرست دنیا کب ایسے لیڈر اور رہبر کو گوارا کر سکتی ہے۔ کب ایسے مصلح کو برداشت کر سکتی ہے جو تمام معاشرہ کو ایک مرکز پر لا کر جمع کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہو، جو سماجی نابرابری، عدم مساوات، اونچ نیچ۔ غریبی امیری کے فرق کو مٹانا چاہتا ہو اور ایک نظام قائم کرنا چاہتا ہو۔ جس میں تمام بنی نوع انسان مثل ایک خاندان کے رہتے ہوں اور اسی لیے شاید دنیا والے ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تجدید رسم قتل انجام دیا کرتے ہیں۔ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور آج بھی ایسا ہوتا ہے۔ حضرت یحییٰ کو سولی دینے کی کوشش۔ ابراہیم لنکن اور مہاتما گاندھی کو قتل کرنے والے دنیا پرست ہی تھے۔ جنھیں معاشرے میں انتشار اور انسان انسان میں فرق۔ بلندی اور پستی کو برقرار رکھنے ہی میں بہتری نظر آئی۔ اور انھیں منافع کے تحت مولائے کائنات کو حالت نماز میں زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا۔ تاکہ بچنے کے امکانات باقی نہ رہیں اور اس طرح انسانیت نے اپنا گلا خود اپنے ہاتھ سے گھونٹ لیا۔ پھر بھی وہ چراغ ہدایت جو علی نے اپنا خون دے کر جلایا تھا بجھ نہ سکا اور اس کی دور رس شعاعیں اپنی تابانی سے اندھیروں میں اجالے پھیلا رہی ہیں۔

لیکن یہ شکوۂ دیگراں ہے۔ یہ ہوتا رہا ہے اور دستور دنیا کے مطابق ہوتا رہے گا۔ مجھے تو عرض کچھ اور ہی کرنا ہے وہ یہ کہ اب تو وہ قید و بند وہ جبر و استبداد وہ پابندیاں اکثر و بیشتر ممالک سے ختم ہو چکی ہے۔ خصوصاً ہندوستان سے جہاں سیکولر حکومت ہے۔ ہر مذہب کو آزادی ہے۔ ہر مسلمان اسی طرح آزاد ہے جیسے کوئی ہندو۔ عیسائی، سکھ بدھ یا جین۔ پھر آج ہمیں کردارِ علی اور سیرتِ اہل بیت کی تبلیغ کرنے اور عمل پیرا ہونے سے کون روک سکتا ہے۔ ایک بار یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ تبلیغ پر کچھ دن [illegible] پابندی بھی لگائی جا سکتی ہے۔ مگر عمل پر نہیں۔ [illegible]

زندگی میں عمل کریں تو کون ہمیں روک سکتا ہے۔ اصل مقصد یہی بھی تو عمل ہی ہے۔ ہمیں اپنے ضمیر کو ٹٹولنا چاہیئے اپنے اعمال و افعال اور کردار کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ہم ان کے نام پر درود و سلام بھیجنے والے، انہیں مشکل میں پکارنے والے اپنے عمل و کردار سے ان سے کتنا قریب ہیں۔ ہمیں تو ایسی قوم ہونا چاہیئے تھا کہ ہمیں دیکھ کر دنیا کہہ دیتی حب علی کے ماننے والے ایسے ہیں تو علی کیسے ہوں گے۔

کیا ہمارے لیے یہ باعث شرم نہیں ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو ایک مخصوص ماحول اور معاشرے کے سانچے میں ایسا ڈھال لیا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قوم صرف مجلس و میلاد کی محفل میں ہی پہچانی جا سکتی ہے۔ مسجدیں ویراں ہے۔ مصلے ویران ہیں۔ قرآن طاقوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ زبان صداقت کی چاشنی سے واقف نہیں۔ کردار بدکاریوں کا مرقع ہے اخلاق و ادب قصہ پارینہ ہے۔ بغض و حسد کا دور دورہ ہے۔ کتنے نوجوان علم دین سے بے بہرہ ہیں۔ کیا یہی علی والوں کا وتیرہ ہے۔؟ کون علی روح کائنات، کون علی جان حیات کون علی جس کو عبادتیں تلاش کرتی ہیں۔ کون علی جس کو راتیں نماز پڑھتے گزرتی تھیں جو کہتا تھا مجھے گرمیوں کے روزے بہت عزیز ہیں وہ علی جس نے ہمیں زندگی کے طور سکھائے۔ جینے کے قرینے بتائے جس نے اخلاق و ادب، علم و عمل کے دریا بہائے۔ جائز کام کرنے کی ترغیب دی جو کہا پہلے کر کے دکھلا دیا۔ تاکہ کبھی کسی دور میں کسی ملک میں کسی طرح کے حالات میں ان کے ماننے والے اپنے کو مجبور نہ سمجھیں۔ عزت و وقار، امیری، زرق برق لباس اور فلک بوس عمارتیں نہیں بلکہ عمل ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

معاف فرمائیں گے ناظرین یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ علی کے پرستار۔ علی کے جاں نثار کبھی ذلیل نہیں ہو سکتے۔ کبھی پریشان اور مفلوک الحال نہیں رہ سکتے۔ لیکن آج گھر گھر علی کے چرچے نظر آتے ہیں۔ جتنی پریشانیاں ہمارے ساتھ ہیں شاید ہی کوئی اور طبقہ اتنا پریشان ہو۔ آج ہندوستان کا سب سے خوش حال صوبہ پنجاب ہے کیا اس لیے کہ وہاں ہماری مرکزی حکومت نے خزانوں کے منہ کھول دیے ہیں۔ ہر خاندان کو فیملی پنشن دیدی ہے۔ کہ تمام افراد اپنے گھروں پر آرام کریں اور اچھے لباس پہنیں۔ اچھے کھانے کھائیں۔ نہیں۔ نہیں اس کا راز ہے سکھ قوم کی جفاکشی۔ محنت۔ لگن اور جانفشانی سب ہی جانتے ہیں کہ سکھ بڑے محنتی ہوتے ہیں۔ چاہے وہ پنجاب میں رہتے ہوں یا ملک کے کسی گوشے میں۔ یوگنڈا۔ کینیا، رشیا اور امریکہ دوسرے اجنبی ممالک میں بھی سکھ قوم نے محنت جفاکشی اور تجارت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے شاید ہی کبھی ہم میں سے کسی نے کسی سکھ بھکاری کو دیکھا ہو۔

افسوس کہ سکھوں نے گرو نانک جی کی تعلیمات پر عمل کر کے چار سو سال سے کم عرصہ میں ایک نہایت خوشحال معاشرہ تعمیر کر لیا۔ لیکن علی کے ماننے والوں کے خون میں حرارت کی ہلکی سی لہر بھی نہ موجزن ہو سکی۔ اس لیے کہ ہم نے خود کو ماحول اور بدلی ہوئی تہذیبوں کے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ ہمیں اس عظیم مدبر، مفکر، رہنما اور مصلح سے دور کا بھی کوئی رشتہ نہیں کسی عظیم شخصیت کی تعریف میں رطب اللسان ہونا اس سے محبت کا ثبوت نہیں اس کی عظمت کا اقرار ضرور ہے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی۔

دوست اسے کہتے ہیں۔ جو اپنے دوست کے رنگ میں رنگ جائے آج ہمیں اچھے بہتر مکان چاہیئے۔ اچھے لباس چاہیں اچھا کھانا اور سامان عیش و طرب۔ لیکن ہم محنت کام، تجارت، عزم و عمل سے کوسوں دور ہیں۔ علی کے لباس میں پیوند ہیں۔ ان کی غذا معمولی اور ان کا مکان ایک جھونپڑی ہے۔ ان کا تحت حکومت مسجد کا منبر ہے۔ مزدوری کرنا۔ حمالی کرنا، پانی کھینچنا۔ باغوں کو گوڑنا۔ تجارت کرنا۔ یہ علی کا عمل تھا۔ اس لیے کہ نہیں کہ وہ مجبور تھے۔ غریب تھے نہیں

بلکہ اس لیے کہ وہ اپنے دوستوں۔ ماننے والوں۔ چاہنے والوں۔ اسلام والوں کے لیے ایک درس حیات دے رہے تھے۔ کہ دیکھو یہ تمام کام کرنا مرد کا شعار و شیوہ ہے۔ اور اس سے ہماری عزت اور وقار کو کوئی ٹھیس نہیں لگتی۔ آج ہماری قوم مالی مشکلات اور اقتصادی بدحالی کا شکار ہے۔ اس لیے کہ وہ سیرت رسولؐ اور سیرت امیر المومنینؑ و اہل بیت پر عمل نہیں کرتی۔ سیکڑوں واقعات مجلس و محافل میں بیان کیے جاتے ہیں کیا صرف اسی لیے کہ ہم سن لیں۔ اور جذبات سے امڈتے ہوئے دو آنسو بہا لیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنی قوم کو بیدار کریں اور منظم ڈھنگ سے ایسی تحریکیں شروع کریں جس سے ہمارے نوجوان بیکار اور مفلوک الحال افراد قوم سیرت امیر المومنین پر عمل کریں۔ اور محنت مشقت کرنے میں کسی کام کو معمولی اور ذلیل نہ سمجھیں۔ بلکہ جب ایسا کریں گے تو ان کا دل اپنے آپ یہ سوچ کر خوش ہوگا کہ ہمارے مولا بھی ایسا کرتے تھے۔ ان سے بہتر صاحب عزت و عظمت کون ہو سکتا ہے۔

کاش ہم ایسے بن جائیں کہ دنیا والے ہمیں دیکھ کر کہہ دیں کہ علی والے نمازی ہوتے ہیں۔ علی والے علم والے ہوتے ہیں علی والے۔ جفاکش محنتی ہوتے ہیں علی والے سچے ہوتے ہیں، وعدے کے پکے ہوتے ہیں اپنا کام خود کرتے ہیں۔ علی والے محنت مزدوری تجارت کرنے میں بے عزتی نہیں سمجھتے۔ علی والے کاہل و بزدل نہیں ہوتے۔ علی والے خوش حال اور بلند کردار ہوتے ہیں۔

دل نہال ہوتا ہے حاتم کا نجف اشرف کے بیچ
گو وطن ظاہر میں اس کا شاہ جہان آباد ہے
(حاتم)

مرتبہ کچھ نہ پوچھ اس گھر کا — بندگی یاں کی فخر قیصر کا
شاہ چیں پیش دست قنبر کا — آسماں ہے گدا اسی گھر کا
(میر)

چھپ کے کرتے تھے وظیفہ چھپ کے کرتے تھے نماز
بے ریا تھی ہر عبادت حیدر کرار کی
(رشک)

در گلزار جنت بزبان نہ فلک حیدر
لکھے ہیں سب رموز لوح محفوظ اس کے ناخن پر
([illegible])

ظلمتِ کفر کو دنیا سے مٹانے والے

(جناب ماسٹر سید مہدی حسین صاحب رضوی ہمدرد لکھنوی)

فرشِ آنکھوں کا ملک اب ہیں بچھانے والے
عین کعبہ میں علی آج ہیں آنے والے

مست ہونے کو ہیں اشجار ہیں گل ہنسنے کو
نغمۂ طائر ہیں گلستاں ہیں سنانے والے

کروٹیں لینے کو سبزہ ہے مہکنے کو چمن
رحمتِ حق کے سحاب اٹھ کے ہیں چھانے والے

تھوڑی ہی دیر میں اٹھنے کو ہے مغرب سے گھٹا
جھونکے مخمور ہواؤں کے ہیں آنے والے

بادہ خوارانِ غدیری کا مقدر چمکا
ساقیِ کوثر و تسنیم ہیں آنے والے

بادۂ کوثر و تسنیم پلانے والے
تیرا مے خوار ہے ہمدرد کبھی آنے والے

اے نصیری کے خدا خانۂ کعبہ کے مکیں
تیرے قدموں پہ ہیں بت سر کو جھکانے والے

مہد میں کلۂ اژدر کو دو پارہ کر دے
ہاتھ پہ لے درِ خیبر کو اٹھانے والے

تیرے آنے سے ہوا دینِ محمد روشن
ظلمتِ کفر کو دنیا سے مٹانے والے

جو چلے تھے سوئے دوزخ انہیں جنت بخشی
تو سلامت رہے اے راہ دکھانے والے

اپنے ہمدرد کو بھی اپنا دکھا دے جلوہ
دل کے ویرانے کو گلزار بنانے والے

مولودِ حرم

جناب ہاشم رضا صاحب کاظمی ایم۔ اے۔ کامل پور
۱۰۲/۲۳ کریم گنج — چوڑی محال

حسن کو دیکھو وہی فریفتہ حسن پر نظر ڈالو وہی بے قرار ایک طوفان ہے جو کروٹیں بدل رہا ہے ایک طلاطم ہے جو ہنگامہ خیز ہے۔ کشتیٔ دل ہمکنارِ ساحل ہونے کو ہے۔ سفینۂ حیات کو قرار ملنے والا ہے۔

قلبِ حزیں کو سکون چشمِ منتظر کو چین ملے گا۔ کائنات کا مولا۔ خلق کا رہبر۔ اہلِ ولا کا آقا۔ اہلِ ایمان کا وسیلہ۔ شجاع کا حوصلہ۔ کمزور کا سہارا۔ بیکس کا آسرا۔ جہادِ دین کا لنگر۔ لشکرِ اسلام کا افسر آنے والا ہے۔

امیروں کا امیر۔ غریبوں کا دستگیر۔ اسلام کی جاگیر قرآں کی تفسیر۔ گلشنِ ہستی کی بہار۔ عکسِ جمالِ کردگار۔ رونقِ لیل و نہار۔ قاسمِ خلد و نار۔ تسکینِ قلبِ بیمار۔ حسن کا پسینہ حسن کی خوشبو۔ جعفر کی جان۔ سلسبیل کی آبرو۔ بزمِ ہستی کو سجانے والا ہے۔

سحابِ رحمت۔ روحِ عبادت۔ شانِ ریاضت چشمۂ کرم۔ منبعِ جود و سخا۔ مخرجِ صدق و صفا۔ بابِ علمِ شہرِ علم عکسِ نظرِ صاحب صلعم وسلم کائنات کو جگمگانے والا ہے۔

موجِ سخاوت۔ ابنوں کی قطار۔ جانِ شجاعت۔ حیدرِ کرار۔ عسکریت حاملِ ذوالفقار۔ شہنشاہِ ہیبت تاج بردار۔ گرہنِ جسمِ طلائی دلدار۔ جری۔ سخی۔ وصی۔ ولی۔ علی۔ دل کی رونق شمس ضیا بار۔ دامنِ شبِ غم سے تار تار رہا حال سے دعا بحضورِ ربِ کردگار۔ دعا قبول مقصد حصول۔

قدرت نے انگڑائی لی۔ ماحول تیار۔ فضا سازگار۔ منبعِ سیاست۔ سیہ مخاطب۔ عمراں طالب۔ محبت غالب۔ ناگہ بے قرار وقت کا انتظار۔ ندائے قدرت قلبِ مادر میں گونجی اب اٹھو اپنا حجرہ چھوڑو۔ میرا گھر بساؤ۔ کعبہ کی سمت آؤ گھبراؤ نہیں۔ دیکھو کتنی حوریں تمہاری راہ میں پلکیں بچھائے ہیں۔ رضواں نعمتیں لائے ہیں۔ جبرئیل پر پھیلائے ہیں۔ شام کا سناٹا ہے۔ خدا کا اپنا معاملہ ہے۔ گفتگو بلا واسطہ ہے۔ مادرِ موسیٰ گواہ ہیں ان پر وحی ہوئی بچے کو دریا کے حوالے کر دو۔ فاطمہ بنت اسد علیہا پر وحی ہوئی دیوارِ کعبہ کو مس کرو۔ دیوار شق ہوئی نئے در سے آؤ۔ مت ڈرو کہ ماں ہو۔ جبرئیل کی والدہ ہو تمہیں نذر کیا۔

ایک عورت تنہا۔ جب اسے دوسری عورتوں کی مدد درکار ہو ایسے حالات میں جہاں بقولِ اکثر مورخین دعا مانگتے گھبری ہو اس گھر کی دیوار پھٹ جائے اور وہ نہ ڈرے نہ گھبرائے اور اس میں داخل ہو جائے اس طرح اور خطرہ مول لے لے اس لیے کہ مکان کی ایک دیوار شگافتہ ہونے کے بعد پوری عمارت کے منہدم ہونے کے امکانات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک سمجھا بوجھا منصوبہ تھا جس میں پیدا ہونے والے کی ماں اور اس کا باپ دونوں شریک تھے ورنہ کسی کی بیوی جس کی ولادت ہونے کو ہے گھر سے غائب ہو جائے اور وہ اسے تلاش بھی نہ کرے۔ اور فقط یہی نہیں کہ دیوار شگافتہ ہوئی بلکہ ان بی بی کے داخل ہوتے ہی جڑ بھی گئی اس طرح کہ کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔ کہاں ہیں سائنسداں

بغیر ہوا کے انسان کی زندگی محال ہے۔ اس کعبہ کی کوٹھری میں کتنے روشن دان تھے؟ جس میں ایک دو گھڑی نہیں بلکہ مسلسل تین دن تک ایک ماں اور اس کے نوزائیدہ بچے نے زندہ رہ کر دکھا دیا۔

دیوار شق ہوئی یا کفر کا کلیجہ شق ہوا یا نفاق کا دل خستہ ہوا یا جلنے والوں کا دماغ۔ جو کچھ بھی ہوا تعجب تو ہر ایک کو ہوا کل والے مشرکین کو کم ہوا تھا آج والے مسلمین کو زیادہ ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ دور کا مسلمان ہے نا۔ جہاں سائنس کی کرشمہ سازیاں عقائد کو جھنجھوڑتی ہیں ایمان کو متزلزل کرتی ہیں۔ ذہنوں میں ہیجان پیدا کرتی ہیں جہاں مشاہدے اور عمل کا اصول چلتا ہے چاند روز ٹکڑے ٹکڑے ہو اور اپنے گھٹے حصوں میں بٹتا رہتا ہے کچھ حصہ دور ہٹ جاتا ہے اور مکمل ہونے کے بعد روز کم ہو جاتا ہے لیکن کہیں پر کوئی جوڑ کا نشان نہیں ملتا۔ شق القمر کا اشارہ قرآن میں بھی ہے کتابوں میں بھی ہے۔ غیر فطری صورت میں دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا پھر جوڑا بھی گیا۔ ٹوٹنے اور جڑنے کا کوئی نشان نہیں ہے۔ دو ریشمیاں ایک کم ایک زیادہ انھیں ایسی روشنی کا نشان الگ الگ رکھتی ہیں اور پھر ایک دوسرے میں مدغم بھی ہو جاتی ہیں لیکن کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ نگاہ اٹھتی ہے گردش کرتی ہے، ٹوٹتی ہے ملتی ہے کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔ موجیں اٹھتی ہیں ٹوٹتی ہیں ملتی ہیں کوئی نشان نہیں ملتا۔ بس دیوار کعبہ بھی یونہی شق ہوئی اور مل گئی اور کوئی نشان نہیں چھوڑا جیسے شق القمر۔ جیسے شق النور، جیسے شق الصدر۔ جیسے شق الامواج۔ جیسے شق القلب اور شق الکبد۔

قطعات

سکندر مرزا۔ مآل۔ لکھنوی

نہ پوچھ کس طرح ان کی ولا کا پیمانہ
غدیر خم سے ہے واضح جو ہے مقام علیؑ
نصیریوں کے عقیدہ پر میں نہیں ہوں مگر
علیؑ امام منست و منم غلام علیؑ

علیؑ کی ذات ہر اک آدمی کے کام آئی
ملک کے جن کے بشر کے نبیؐ کے کام آئی
ازل کے روز سے مشکل کشائی کی اس نے
پکارا جس نے بھی اسکو اسی کے کام آئی

رسالت کا محافظ کون تھا؟

از رشحات خامہ الحاج مولٰنا سید محمد باقر صاحب قبلہ مدظلہٗ باقری جوراسی

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ انبیائے ماسلف کی طرح حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ کی حیات ظاہری تک محدود نہیں تھا بلکہ باقی اور قائم رہنے والا تھا لہٰذا ضروری ہوجاتا ہے کہ خداوند عالم آنحضرتؐ کے بعد ایک ایسی شخصیت کو بھی باقی رکھے جو صحیح طور پر آپ کی قائم مقامی کرتے ہوئے آپ کے منصب کی حفاظت اور آپکے فرائض و مقاصد کی تکمیل و ترویج میں منہمک رہے جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ کتاب خدا کافی ہے لیکن یہ صرف الفاظ ہی الفاظ ہونگے ان کو ثبوت اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ کتاب خداوند رسولؐ کے دور میں بھی بغیر آنحضرتؐ کے کافی نہیں ہوئی اگر کہا جائے کہ بعد رسولؐ کافی بن گئی تو اسی کتاب خدا کی بنیاد پر تہتر ۷۳ فرقوں کے وجود میں آنے اور ان کے درمیان قدم قدم پر اتنے شدید اختلافات کا کیا جواز ہے؟ اس بارے میں دوسرے ہزاروں دلائل و براہین کے علاوہ ایک یہی ثبوت کیا کم ہے کہ نماز ایسے بہترین عمل اور افضل ترین عبادت کے لئے بھی تنہا کتاب خدا کفایت نہیں کرتی۔ ترکیب نماز تو درکنار کتاب خدا تو اتنا بھی واضح نہیں کرتی کہ کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں ادا کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ اس میں نماز کے پانچ اوقات کی بھی صراحت موجود نہیں ہے [illegible] احادیث رسولؐ تو ان میں بھی وضعی اور غیر [illegible] کے باہم خلط ملط نے ہر کس و ناکس کے لئے [illegible] حاصل کرنا دشوار بنا دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ [illegible] ہستی ہو سکتی ہے جو بعد پیغمبرؐ کا حق [illegible] کر سکے۔

جہاں تک پیغمبر اسلامؐ کی حیات [illegible]

... ہیں کہ اس مبارک دور میں تبلیغ رسالت اور ... حق کی ہر منزل میں امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام برابر آنحضرت کے شریک کار رہے اور بغیر آپ کے کوئی اہم مرحلہ طے نہیں ہوا۔ وہ دعوت ذوالعشیرہ ہو یا مکۂ معظمہ سے ہجرت رسولؐ، جنگ بدر ہو یا جنگ احد، جنگ حنین ہو یا جنگ احزاب، جنگ خیبر ہو یا بت شکنی خانہ کعبہ۔ تبلیغ سورہ برأت ہو یا میدان مباہلہ، یہاں تک کہ میدان غدیر خم میں اکمال دین اور اتمام نعمت کی منزل، غرضکہ ہر اہم موقع پر آپ ہی کی شرکت و حمایت سے کام آگے بڑھا۔ لیکن اس وقت تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد بھی بغیر امیر المومنینؑ کے رسالت و ہدایت کی بقا ممکن ہو سکی یا نہیں؟

قرآن مجید کا وجود

یقینی چیز ہے کہ اگر دین الٰہی باقی رہا تو رسول اللہ کی رسالت و نبوت باقی رہی اور نبوت و رسالت باقی رہی تو قرآن مجید بھی باقی رہا کیونکہ یہ تینوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اور جب قرآن مجید باقی رہا تو ایک حامل قرآن کا ہونا بھی ضروری ہے کہا جا سکتا ہے کہ بین الدفتین قرآن بذات خود موجود ہے چاہے کوئی حامل ہو یا نہ ہو، اس کے علاوہ حافظان قرآن کے سینوں میں اور قاریان قرآن کی زبانوں پر بھی اس کا وجود ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کاغذ پر لکھے ہوئے یا دوستوں میں محفوظ اور زبانوں پر جاری الفاظ کیا مکمل قرآن کے مصداق بن سکتے ہیں؟ ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ ہر چیز کے چار وجود ہوتے ہیں۔ ملفوظی، مکتوبی، ذہنی اور حقیقی۔ انسان کا نام زبان پہ جاری ہو تو یہ اس کا ملفوظی۔ کاغذ پر لکھ دیا جائے تو مکتوبی اور ذہن میں تصور ہو تو ذہنی وجود ہوگا۔ لیکن اصل اور مکمل وجود خود انسان یعنی اس کا حقیقی وجود ہوگا۔

بس اسی طرح قرآن کا حقیقی اور مکمل وجود وہی ہوگا جو اپنے سارے ظاہر و باطن اور معانی و مطالب کے ساتھ ہو۔ اور وہ عام انسانوں کے قبضے اور علم سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اگر ہر پڑھے لکھے انسان کی رسائی وہاں تک ہو سکتی تو علماء و مفسرین کے درمیان ایک ایک لفظ کی تشریح و تفسیر میں اتنا شدید اختلاف نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ کچھ مخصوص ہستیاں ہی اسکی اہل ہو سکتی ہیں جن کو قدرت کی طرف سے علم قرآن ودیعت کیا جائے چنانچہ پارہ ۲۱ سورۂ عنکبوت کی آیت ۴۹ میں خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ۔ یعنی "یہ روشن آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جنہیں پورا علم دیا گیا ہے"۔ ظاہر اور ثابت ہوا کہ حامل قرآن وہی ہستی ہوگی جس کے پاس وہی اور پورا علم ہوگا۔ کیونکہ قرآنی اعلان کے مطابق اس کتاب میں ہر چیز کا بیان اور ہر خشک و تر کا علم موجود ہے۔ اس معیار کے بعد پارہ ۲۲ سورۂ یٰسین کی آیت ۱۲ سامنے آتی ہے جس میں ارشاد ہے وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ یعنی "ہم نے ہر چیز کا علم امام مبین کے اندر جمع کر دیا ہے"۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ امام مبین سے مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ بعد رسولؐ قرآن جیسے جزو رسالت کے حامل و حافظ صرف امیر المومنین تھے، اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ لازمی طور پر محافظِ رسالت بھی ہیں۔

آنحضرتؐ کا قول و عمل

بقائے نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ آنحضرتؐ کے اقوال و اعمال کی احتیاج بھی باقی رہی کیونکہ بحکم خدا آپکے احکام کی اطاعت اور افعال و اعمال کا اتباع امت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن مصیبت یہ آپڑی کہ ایک طرف تو احادیث رسولؐ میں شدید اختلاف پیدا کرکے اصول و عقائد کو مسخ کیا گیا اور دوسری جانب آنحضرتؐ کے نمونۂ عمل کی صورتیں بدل بدل کے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا گیا۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خمس اور جہاد۔ غرضکہ کون سا ایسا اسلامی عمل اور عبادت ہے جس میں ہر فرقہ کے نزدیک رسول اللہؐ کا طریقہ کار دوسرے سے جدا نہ ہو۔ ایسی صورت میں کیا یہ ضروری نہیں ہوجاتا کہ آنحضرتؐ کے بعد ایک ایسی ذات امت کے سامنے موجود رہے جس کی سیرت آئینۂ رسالت اور جس کا ہر قول و فعل صداقت اور عصمت و طہارت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو؟۔ اب یہ ذات وہی ہوسکتی ہے۔ جو رسول اللہؐ کے ساتھ یک جان و دو قالب اور ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے آپ کی مکمل پیرا رہی ہو۔ جب ہم فریقین کے علماء و محققین کی معتبر کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ ذات سوا امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے اور کوئی نہیں تھی۔ ہزاروں معتبر احادیث و مرویات میں سے یہاں صرف نمونے کے طور پر چند حدیثوں کا ذکر کیا جاتا ہوں جن سے ناظرین کو حقیقت کا پورا اندازہ ہوجائے گا اور معلوم ہوجائے گا کہ اس پہلو سے بھی آپ ہی محافظ نبوت و رسالت تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

نمبر ۱۔ علیؑ منی وانا منہ ولا یؤدّی عنّی الّا انا و علی (یعنی علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں، اور میری امانت (رسالت) کو میرے اور علیؑ کے سوا کوئی ادا نہیں کرسکتا)۔ مسند احمد ابن حنبل جزء ۴ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵ و جزء ۵ صفحہ ۳۴۲۔ سنن ابن ماجہ جزء اول صفحہ ۵۶۔ نور الابصار شبلنجی صفحہ ۷۱۔ کنز العمال علی متقی جزء ۶ صفحہ ۱۵۳۔ صواعق محرقہ ابن حجر مکی صفحہ ۱۲۳۔ مستدرک امام حاکم جزء ۳ صفحہ ۱۲۰۔ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان بلخی صفحہ ۲۲۵۔ و صحیح بخاری جزء ۲ باب مناقب علی۔ وغیرہ۔

نمبر ۲۔ تبلیغ سورۂ برائت کے موقع پر جبرئیل امین کا یہ پیغام تھا کہ "یا رسول اللہ آپ کی طرف سے ہرگز کوئی تبلیغ رسالت نہیں کرسکتا سوا آپ کے یا اس مرد کے جو آپ سے ہو۔"

صحیح بخاری جزء ۴ و ۵۔ سنن بیہقی صفحہ ۲۲۳، ۹۔ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۵۔ مطالب السئول صفحہ ۱۱۔ ینابیع المودۃ باب ۱۸۔ ریاض النضرہ صفحہ ۱۴۷۔ ذخائر العقبیٰ صفحہ ۶۹۔ تذکرۂ خواص الامہ صفحہ ۲۲۔ تفسیر در منثور سیوطی صفحہ ۲۰۸۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۹۔ اور مسند احمد ابن حنبل اور مستدرک حاکم وغیرہ اور معلوم ہے کہ وہ مرد سوا علیؑ کے دوسرا نہیں تھا جنھیں معزولی ابوبکر کے بعد اس سورے کی تبلیغ سپرد کی گئی۔

نمبر ۳۔ عن ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق علیا فارقنی ومن فارقنی فارقہ اللہ عز و جل۔ (یعنی ابن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "جس نے علی کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا اور جس نے مجھے چھوڑا اُسے خدا نے چھوڑا")۔ مستدرک حاکم جزء ۳ صفحہ ۱۲۳ و صفحہ ۱۴۶۔ ریاض النضرہ جزء ۲ باب ۴ صفحہ ۱۶۷۔ ینابیع المودۃ باب ۴ صفحہ ۔۔ و کنز العمال جزء ۶ صفحہ ۱۵۶ وغیرہ۔

... من آذی علیا فقد آذانی (یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی) کنز العمال جزء ۶ ص ۱۵۲ و ۲۹۹ ۔ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ... ۔ ریاض النضرہ ص ۱۶۵ و ۱۶۶ ۔ مستدرک حاکم جز ۳ ص ... ۔ نور الابصار شبلنجی ص ۷۲ ۔ الاستیعاب عبد البر ص ۴۷۴ ۔ تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۲۶ وغیرہ۔

اور اسی قبیل کی بہت سی معتبر حدیثیں فریقین کی معتبر کتب میں منقول ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسولؐ کے بعد علیؑ ہی کی وہ ذات ہے جو ہر پہلو سے آنحضرتؐ کی صحیح قائم مقامی کرتی اور منصب رسالت کو مخالفین کے حملوں سے بچاتی ہے۔ آپکے قول و عمل کی صداقت و عصمت پر آیۂ مباہلہ اور آیۂ تطہیر کے علاوہ وہ حدیثیں شاہد ہیں جن میں آپ کو امت کا صدیق اکبر اور فاروق اعظم بتایا گیا ہے۔ دیکھئے ریاض النضرہ ص ۱۵۳ و ۱۵۴ و ۱۵۵ ۔ ینابیع المودۃ ص ۱۲۴ و ۱۵۱ ۔ استیعاب عبد البر ص ۲۷۶ ۔ مستدرک حاکم ص ۱۱۲ و ۱۲۹ و ۱۳۰ ۔ اور اصابہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ

علم و حکمت

خداوند عالم نے حضرت خاتم النبیینؐ کو جو علم و حکمت عطا فرمایا تھا اور جس کے ذریعہ آپ تعلیم و ہدایت مقدمات کے فیصلے، اور مشکلات و مسائل کو حل فرمایا کرتے تھے۔ وہی علم و حکمت اُس ہستی کے لئے بھی ضروری ہے جو آنحضرتؐ کے بعد فرائض رسالت کا ذمہ دار ہو۔ اور ایسی کوئی شخصیت حضرت امیر المومنین کے سوا دنیائے اسلام کے اندر موجود نہیں تھی۔

اُن ہزاروں تاریخی واقعات کے علاوہ جن میں آپ نے امت کی مشکلکشائی فرمائی ہے اور جن سے فریقین کی کتابیں چھلک رہی ہیں۔ اگر آپ آنحضرتؐ کے ارشادات ... تو معلوم ہوگا کہ رسولخدا صلعم نے بار بار اس حقیقت کو امت کے سامنے واضح فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ علیؑ میرے علم کے حامل اور میرے بعد میرے امور رسالت کی توضیح کرنے والے ہیں۔ ان حدیثوں میں حدیث انا دار الحکمۃ و علی بابھا و من اراد الحکمۃ فلیات الباب (یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کے دروازے ہیں، پس جو حکمت کا طلبگار ہو وہ دروازے کے پاس آئے)۔ کنز العمال جز ۲ ص ۴۰۱ ۔ حلیۃ الاولیا جلد اول ص ۶۴ ۔ صحیح ترمذی جلد دوم ص ۲۱۴ ۔ صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ ص ۷۳ اور کفایت الطالب باب ۲۱ وغیرہ۔

اور حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں لہذا جو علم لینا چاہے وہ دروازے کے پاس آئے)۔ بہت مشہور ہیں۔ چنانچہ صرف حدیث مدینہ کو فریقین کے راویاں و علماء نے اس کثرت سے نقل کیا ہے کہ صاحب عبقات الانوار علامہ سید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ نے اس سلسلے میں ۱۴۶ معتبر حوالے درج فرمائے ہیں مثلاً تذکرہ خواص الامہ سبط ابن جوزی باب ۲ ص ۲۹ ۔ جواہر العقدین نور الدین سمہودی ۔ سنن ترمذی۔ مطالب السئول ابن طلحہ شافعی۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ۔ صواعق محرقہ ابن حجر مکی اور کنز العمال علی متقی ص ۱۵۱ وغیرہ۔ شیخ سید سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ باب ۱۴ ص ۷۳ میں اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ علی ابن ابیطالب نے فرمایا "مجھے رسول اللہؐ نے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے، اور ہر باب سے مجھ پر ہزار ہزار باب منکشف ہوگئے، یہانتک کہ جو کچھ ہو چکا ہے، جو کچھ ہونے والا ہے، اموات و آفات اور سچے فیصلے ہر چیز کا علم مجھ کو حاصل ہوگیا۔"

مذکورہ بالا احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے ساتھ خداوند عالم نے جس علم و

حکمت کو مخصوص فرمایا تھا وہ علیؑ ابن ابیطالب ہی کے دم سے باقی رہا۔ اور اگر کوئی اس سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے آپکے در پر جانا پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک معتبر حدیث کا یہ مشہور فقرہ بھی قابل توجہ ہے کہ اقضاکم علي (یعنی تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں)۔ فصول المہمہ فصل ۳ صفحہ ۱۷ اور مطالب السئول صفحہ ۲۲ وغیرہ۔ اور اس سلسلہ میں حضرت عمر کا بار بار یہ کہنا کہ خدا مجھے کسی ایسی مشکل کے لئے زندہ نہ رکھے جسے حل کرنے کے لئے علیؑ موجود نہ ہوں۔ نیز لولا علي لهلك عمر (یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) مطالب السئول باب ۴ صفحہ ۱۸، ۱۳ ریاض النضرہ جلد دوم صفحہ ۱۹۴۔ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۴ و جلد ۳ صفحہ ۳۹۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۳۶۹۔ کفایت الطالب باب ۵۷۔ نور الابصار صفحہ ۷۳۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۶۶۔ تذکرہ خواص الامہ باب ۶ صفحہ ۸۷۔ مناقب خوارزمی صفحہ ۴۸، ۹۶ اور صواعق محرقہ صفحہ ۸۷ وغیرہ

چنانچہ خلیفۂ ثانی کا یہ فقرہ جو بقول اکابر علماء بیشتر مواقع پر ان کی زبان سے نکلا اتنا مشہور و معروف ہے کہ علمائے نحویین نے بھی اپنی کتابوں میں بار بار اس کا حوالہ دیا ہے۔

منافقین سے جہاد

کچھ احکام خداوندی اور فرائض رسالت ایسے ہیں جن پر عمل کا موقع وفات رسالتمآبؐ کے بعد آیا جیسے پارہ ۱۰ سورۂ توبہ کی آیت ۷۳ اور پارہ ۲۸ سورۂ تحریم کی آیت ۹ میں يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (یعنی اے نبیؐ آپ کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے)

فرما کے آنحضرتؐ کو کفار کے علاوہ منافقین کے مقابلے میں بھی جہاد اور سختی کا حکم دیا گیا ہے اور تاریخ اسلام گواہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں منافقین سے جہاد کا وقت نہیں آیا۔ لہذا یا تو یہ کہا جائے کہ نعوذ باللہ حکم خدا ہی بے محل اور مہمل تھا، یا معاذ اللہ آنحضرتؐ نے حکم الٰہی کی تعمیل نہیں فرمائی، یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ بعد رسولؐ کوئی ایسی ذمہ دار ہستی موجود تھی جس نے منصب رسالت کے اس فریضے کو ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان پہلی اور دوسری صورت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ تیسری ہی صورت درست ہے۔ اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ وہ ذات سوا امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے دوسری نہیں ہو سکتی، کیونکہ صرف آپ ہی نے اپنی خلافت ظاہری کے دور میں منافقین سے جہاد فرمایا ہے، اور آپ ہی کو اس کا حق بھی پہونچتا ہے، اسلئے کہ پارہ ۵ سورۂ نساء آیت ۸۴ میں ارشاد خداوندی ہے۔ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (یعنی اے رسولؐ خدا کی راہ میں جہاد کرو، یہ فریضہ صرف تمہارے نفس پر عائد کیا جاتا ہے، اور مومنین کو اسکی ترغیب دو) لہذا یا تو رسول اللہؐ بہ نفس نفیس منافقین کے مقابلے پر آئیں یا پھر وہ ہستی جو نفس رسولؐ کا درجہ رکھتی ہو، اور تبلیغ سورۂ برائت کی طرح یہاں بھی نیابت پیغمبر کا فرض پورا کرے۔ لیکن چونکہ آنحضرتؐ کے سامنے ایسا موقع نہیں آیا لہذا یہی ایک حل رہ جاتا ہے کہ نفس رسولؐ نے اس کام کو انجام دیا۔

اب دیکھا جائے کہ نفس رسولؐ سوا [illegible] کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ جب [illegible] نصاریٰ کے مقابلے میں نفس [illegible] [illegible]

علی علیہ السلام کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ اور مزید برآں خود جناب رسالتمآب صلعم نے آپ کو اپنا نفس فرمایا ہے۔ چنانچہ بروایت کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴ ایک مرتبہ ایک صحابی نے آنحضرتؐ سے پوچھنا شروع کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کو سب سے زیادہ کس شخص سے محبت ہے؟ آپ نے جو مناسب سمجھا جواب دیا لیکن اس صحابی نے اطمینان حاصل کرنے کے لئے مزید سوال کیا کہ پھر علیؑ کیا ہوئے؟ کیا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب نہیں؟ اس وقت آنحضرتؐ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اِنَّ ھٰذا یسئلنی عن النفس - یعنی اس شخص کو دیکھو یہ مجھ سے میرے نفس کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص بنی اُمیہ اور دشمنان علیؑ کی محبت میں آپ (علیؑ) سے جنگ کرے وانڈر، اور آپ کے مخالفین کی منافقت ہے، دیکھ کر ان کی پرستش کرے تو اس کو خاموش کرنے کے لئے رسول اللہؐ کا مقرر کیا ہوا معیار ایمان و نفاق پیش کر دینا کافی ہوگا۔

بکثرت علمائے اہلسنت نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے فرمایا لَا یُحِبُّکَ اِلّا مؤمن ولا یبغضک الا منافق (یعنی اے علیؑ تم سے کوئی دوستی نہیں رکھے گا سوا مومن کے اور تم سے کوئی دشمنی نہیں رکھے گا سوا منافق کے)۔ کنز العمال جزو ۶ صفحہ ۱۵۲ و صفحہ ۳۹۴۔ ریاض النضرہ جزو ۲ باب ۴ فصل ۹ صفحہ ۲۱۴۔ فتح الباری جزو ۷ صفحہ ۵۸۔ ینابیع المودۃ باب ۴۴ صفحہ ۱۳۳۔ سنن ابن ماجہ جزو اول صفحہ ۲۲۔ نور الابصار صفحہ ۷۲ اور اسنی المطالب صفحہ ۲۷ اس قبیل کی اور بھی کافی حدیثیں مروی ہیں۔ علاوہ جناب جابر ابن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ہم زمانۂ رسولؐ میں منافقین کو صرف بغض علی ابن ابیطالب سے پہچانتے تھے۔ الاستیعاب جزو ثانی صفحہ ۴۶۴ و ۴۷۷۔ تذکرہ خواص الامہ باب ۲ صفحہ ۱۷۔ مسند احمد ابن حنبل جزو اول صفحہ ۷۷ و ۸۴ و ۱۲۸ وجزو ۵ صفحہ ۲۵ و ۲۵۹ و ۳۶۶، وجزو ۶ صفحہ ۲۹۲۔ ریاض النضرہ جزو ۲ باب ۴ فصل ۶ صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۶ فصل ۹ صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵۔ صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ صفحہ ۷۳ و ۷۴ و ۷۵۔ نور الابصار صفحہ ۷۱ و ۷۲ و ۷۳۔ مستدرک حاکم جزو ۳ صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰۔ کنز العمال جزو ۶ صفحہ ۳۹۔ ینابیع المودۃ باب ۶ صفحہ ۴۲ وغیرہ۔

مجموعی طور پر نتیجہ یہ نکلا کہ بعد رسولؐ ہر مقام پر علیؑ ہی بقیہ امور رسالت کے حامل اور محافظ قرار پائے۔ اب میں بلحاظ اختصار اپنے مضمون کو یہیں تمام کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اثبات مقصد کے لئے اسی قدر کافی ہوگا۔ والسلام

نبیؐ و علیؑ

نبیؐ کے ہیں علیؑ
بشیر نبیؐ کے ہیں علیؑ
وہ سفر ہو یا حضر تنہا نبیؐ کے ہیں
سپر ہر گام پہ مصطفیٰؐ
جان کا عکس جسم علیؑ
دیکھو ہر طرف کیا نبیؐ کے ہیں
نور میں سایہ کہاں سایہ نبیؐ کے ہیں

نتیجہ (سلطانپوری)

حکیمِ اسلام حضرت علی مرتضیٰؑ

ایک معجز نما دانشور

(جناب مولانا) رضی الدین حیدر صاحب۔ ایم۔اے (بانی یادگارِ حسینی انٹر کالج، الہ آباد)

آج یہ بات روزِ روشن کی طرح نمایاں ہے کہ ذہنِ انسانی کی ارتقا پذیر توانائیاں علومِ عقلی و تجربی دونوں میں تحقیق و تدقیق اور انکشاف و اکتشاف کی حیرتناک وسعتیں پیدا کر چکی ہیں۔ اب علمِ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں محیر العقول کامیابی حاصل نہ کر لی گئی ہو مگر ذوقِ تحقیق کی تشنگی ابھی بجھی نہیں ہے۔ جس سے یہ توقع حق بجانب ہو گی کہ حقائقِ عالم پر ہزاروں لاکھوں برس سے پڑے ہوئے پردے ایک روز ضرور اٹھ کر رہیں گے اور اسرار و رموزِ کائنات کسی دن بالکل بے نقاب ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ فکر و فہم کی صلاحیتیں اور نظری و عملی کاوشیں جیسے جیسے پردے اٹھاتی جاتی ہیں، حجابات و لاعلمی کی تہیں اور زیادہ دبیز ہوتی جاتی ہیں اور اس لئے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ علوم و سائنس کے میدان میں جس رفتار سے کام ہو رہا ہے، اُسے حقائقِ عالم اور رموزِ کائنات کی کُنہ تک پہنچنے میں کتنی صدیاں درکار ہوں گی۔ ان دشواریوں کے بعد بھی جو کوششیں راہِ تحقیق و تجسس میں ہوئیں یا ہوتی ہیں اور جو کچھ بھی نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں اس کی حیثیت محض ایک ایسے اجمال کی تفصیل سے زیادہ نہیں جو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل عالمِ ربانی کی زبانی بیان ہو چکا ہے جبکہ نہ رصدگاہیں تھیں نہ تجربہ گاہیں، نہ دوربینیں تھیں نہ خوردبینیں، نہ مکاتیب تھے نہ دانشگاہیں ــــ تہذیب و تمدن سے دور دورِ جاہلیت کے ماحول سے علوم [illegible] کے حامل افراد کا ایک ایسا خانوادہ ابھرتا ہے جس کے اقوال و اشارات آج کی علمی دنیا میں حقائق و معارف کا سرمایہ ہیں جن سے مدتوں اور قرنوں دنیا [illegible] رہی ہے۔ ایک ایسا خانوادہ جو پیغمبرانہ ماحول اور وحی و الہام کی آب و ہوا میں نشو و نما پاتا ہے جس کے [illegible] ایک ایسا سلسلۂ زرّیں وجود میں آتا ہے [illegible] علم و حکمت کا تاجدار اور عقل و [illegible] ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے [illegible] خزانے اور حکمت کے [illegible] [illegible]

فیضان آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ برقرار رہے گا۔
اس سلسلۂ زرین کی پہلی کڑی، امام اول، تربیت یافتہ مکتب وحدت، پروردۂ آغوش رسولؐ عالم ربانی، حکیم اسلام، معجز نما دانشور، حضرت علی مرتضیٰؑ کے افادات کا وہ مجموعہ جو محفوظ کیا جاسکا نہج البلاغہ کے نام سے موجود ہے۔ اس بے مثال کتاب میں مولائے کائنات نے اصوات (SOUNDS) کے متعلق ایک خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا —

" وکل سمیع غیرہ یصم عن لطیف الاصوات ویصمہ کبیرھا ویذھب عنہ ما بعد منھا۔

حضرت فرماتے ہیں — خداوند کریم کے علاوہ ہر سننے والا لطیف وخفیف آوازوں کے سننے سے عاجز ہے اور تیز اور قوی آوازیں بھی سماعت میں مانع ہوجاتی ہیں۔ اس دور کے محققین و ماہرین طبیعات کا کہنا ہے کہ وہ آواز جس کی تھرتھراہٹ (VIBRATION) کی تعداد ایک لمحہ میں ۳۲ سے کم ہوتی ہے جیسے چیونٹی کے پیر کی آواز تو وہ کبھی ہمارے کانوں سے نہیں ٹکراتی اور وہ آواز بھی جس کی تھرتھراہٹ کی تعداد ایک لمحہ میں (۳۰۰۰۰۰) تین لاکھ سے زیادہ ہوتی ہے مثل کرۂ زمین کی صدائے گردش کے تو وہ بھی نہیں سنائی دیتی۔

حضرت علیؑ نے تحقیقات سے مدتوں پہلے اس عالمی حقیقت کی خبر دی تھی اور اس لئے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ حضرت کے ارشادات ایک طرح کے عظیم علمی معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا کے علمی مراکز کی توجہ آج اپنی طرف جذب کر رہے ہیں۔

ایسا ہی ایک دوسرا مسئلہ رنگ (COLOUR) سے متعلق ہے۔

وکل بصیر غیرہ یعمی عن خفی الالوان ولطیف الاجسام — خداوند عالم کے علاوہ ہر دیکھنے والا پوشیدہ رنگوں اور لطیف جسموں کے دیکھنے سے معذور ہے۔ موجودہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رنگ جن کی لہروں کی تعداد ایک لمحہ میں ۴۳۵ ارب سے کم نہیں ہوتی تو یہ ممکن ہے کہ بغیر عینک کی مدد کے اُسے آنکھوں سے دیکھ لیا جائے مثلاً قرمزی رنگ کی حد میں آنے والے رنگ دکھائی دے سکتے ہیں۔ اور وہ رنگ جن کی لہروں کی تعداد ایک لمحہ میں ۷۶۴ ارب سے زیادہ نہیں ہوتی تو ممکن ہے اُسے بھی ہماری آنکھیں دیکھ لیں۔ جن رنگوں کی تھرتھراہٹ (VIBRATION) ۷۶۴ کی حد میں رہتی ہے انھیں بنفشئی رنگ کی حالت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ مقررہ حدوں سے کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں رنگ ناقابل دید ہوجاتے ہیں۔ یا تو وہ مخفی حالت میں رہتے ہیں یا وہ اجسام جن میں وہ ہوتے ہیں لطافت کی اس منزل پر پہونچ جاتے ہیں جہاں ہماری بینائی اُن کے دیکھنے سے قاصر ہوجاتی ہے۔

دنیائے علم کا معجز نما عالم علی علیہ السلام ایک دوسری علمی حقیقت کی خبر دے رہا ہے جس کا صدیوں کسی کو تصور بھی نہ تھا۔ مدتوں بعد علمائے سائنس نے تحقیق و تجربہ کے بعد اس کا اعتراف کیا ہے اور اس طرح گویا احترام کے ساتھ بارگہِ علوی میں سرِ تسلیم خم کیا ہے۔

★

اہلِ نفاق کفر کا سرِ خفی کرے کیا نہاں
تھا علم بابِ علم کو مافی الضمیر کا
(درخشاں)

فیصلہ آپ فرمائیں

سید محمد جابر باقری جوراسی فاضل مشرقیات۔ مدرسۃ الواعظین ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ ۳

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست
کہ تر کنی سر انگشت و صفحہ بشماری

قلم ہاتھ میں ہے اور نگاہوں کے سامنے مولائے کائنات کے فضائل و مناقب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ قوت فیصلہ بحر تعجب میں غوطہ زن ہے کہ حضرت علیؑ کی سیرت طیبہ پر کس طرح روشنی ڈالوں۔ اگر ایک جانب بے بضاعتی متنبہ کر رہی ہے۔ کوزے میں سمندر کس طرح بند کر سکتے ہو تو دوسری جانب حدیث نبوی اعلان کر رہی ہے۔ ان اللہ تعالیٰ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ (مناقب خوارزمی)۔ خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ کے لئے اتنے فضائل قرار دیے ہیں کہ جن کی کثرت کا احاطہ ناممکن ہے۔ پھر میری کیا بضاعت جو مناقب مرتضوی کو احاطۂ تحریر میں لا سکوں بے شک "اگر دنیا کے تمام درخت قلم بن جائیں۔ سمندر سیاہی ہو جائیں۔ انسان لکھنے والے اور جن حساب کرنے والے بن جائیں جب بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے۔ (کفایۃ الطالب باب ۶۲)

پھر بھی مشتے نمونہ از خروارے چند ایسے فضائل کا تذکرہ کرکے جن کے قائل و ناقل علمائے اہلسنت بھی ہیں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آپ کی اسلام میں کیا حیثیت تھی اور امت نے آپ کو کیا درجہ دیا۔ فی الحال ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ مسلمان علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہیں کیونکہ ان کے انتخاب کا کوئی معیار ہی نہیں ہمیں کتب سیر میں کچھ ایسے کردار بھی ملے جن کا نام سنہرے حروف سے لکھا ہوا ملا اور ان کے کارناموں کے تذکروں نے لاتعداد صفحات سیاہ کر دیے لیکن جب قرآن کی طرف رجوع کیا گیا تو کلام حق واضح طور پر ان کی تنقیص کرتا ہوا نظر آیا لہذا سب سے پہلے قرآن کریم ہی سے پوچھنا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

جب اس مقصد کے پیش نظر قرآن کا مطالعہ کیا گیا تو ایک دو نہیں متعدد آیات علی مرتضیٰؑ کی توصیف کرتی ہوئی نظر آئیں۔ اس مختصر مضمون میں جملہ آیات کا تذکرہ تقریباً ناممکن ہے لہذا میں نے ابن عباس کے قول کو نقل کر دینا ہی کافی سمجھا وہ کہتے ہیں "کتاب خدا میں جتنی آیتیں حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئیں اتنی کسی اور کی شان میں نہیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ ابن حجر مکی) ایک مقام پر فرماتے ہیں حضرت علیؑ کی شان میں تین سو آیات نازل ہوئیں (ارجح المطالب مطبوعہ لاہور [illegible]) ارباب نظر فیصلہ فرمائیں کہ سب سے زیادہ جس کی تعریف قرآن نے کی ہو بعد نبیؐ اس سے زیادہ صاحب فضیلت [illegible] ہو سکتا ہے۔ آئیے بارگاہ نبوی میں چلیں [illegible] رہے ہیں کہ علیؑ قدرت کے نزدیک محبوب ترین [illegible]

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ [illegible]
(وکلہ) وسلم کے پاس ایک مرغ [illegible]

[illegible] میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو اسے میرے پاس بھیج دے تاکہ میرے ساتھ یہ پرند کھائے پس علی ابن ابیطالب آئے اور رسولؐ کے ساتھ طائر نوش فرمایا۔ (ریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۶۰)۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے باپ عباس کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ علی علیہ السلام تشریف لائے اور سلام کیا۔ رسولؐ جواب سلام دینے کے بعد خوشی وخرمی اپنی جگہ سے اُٹھے علیؑ سے بغلگیر ہوئے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور اپنے جانب راست انھیں بٹھایا۔ میرے باپ نے عرض کیا۔ کیا آپ انھیں عزیز رکھتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا چچا، واللہ اللہ حباً من۔ خدا مجھ سے زیادہ انھیں عزیز رکھتا ہے۔

(کفایت الطالب باب ۷)

سھل ابن ساعدی سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا کل ہم یہ علم اس کو دیں گے جس کے ہاتھ سے اللہ فتح دے گا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا ورسول اس کو دوست رکھتے ہیں (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۵۵) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علم سوائے علیؑ کے کسی کو نہ ملا۔ جس طرح مولائے کائنات کا رتبہ جیش قدرت بہت بلند تھا۔ اسی طرح آپ بزم سوی کے بھی روشن چراغ تھے۔ امام احمد ابن شعیب کا قول ہے کہ ـــــ صحابہ میں سے کسی کی شان میں جناب امیرؑ کی شان سے زیادہ جید اسانید کے ساتھ حدیثیں نہیں روایت ہوئیں (مطالب السئول ابن طلحہ شافعی)۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا انھوں نے کہا علیؑ۔ میں نے کہا [illegible] پر خروج کیوں کیا۔ فرمایا تیری ماں نے تیرے باپ [illegible] کی تھی۔ میں نے کہا یہ خدا کی قدرت ہے۔ [illegible] خدا کی قدرت تھی۔ (کنز العمال ج ۶ صفحہ [illegible])

نعمان ابن بشیر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر، آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عائشہ کو باواز بلند یہ کہتے ہوئے سنا، خدا کی قسم میں جانتی ہوں میرے باپ سے زیادہ علیؑ آپ کو عزیز ہیں۔

(خصائص نسائی)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب وفات رسول کا زمانہ قریب آیا تو فرمایا میرے محبوب کو بلاؤ میں نے حضرت ابوبکر کو بلایا آنحضرتؐ نے اپنا سر بالیں پر رکھ لیا فرمایا میرے محبوب کو بلاؤ میں نے حضرت عمر کو بلایا آنحضرتؐ نے انھیں دیکھ کر سر جھکا لیا، پھر فرمایا میرے محبوب کو بلاؤ، میں نے کہا وائے ہو تم پر افسوس ہے علیؑ کو بلاؤ۔ خدا کی قسم آنحضرتؐ ان کے سوا کسی اور کو طلب نہیں کرتے ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے انھیں دیکھا تو اپنی چادر کے اندر کر لیا اور انتقال کے وقت ان کو اپنے سینے سے لگائے رہے آپ کا ہاتھ ان پر تھا۔ (ریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۱۸۰)

صرف یہ کہ پیغمبرؐ نے دوسروں کے مقابلے میں علیؑ کی محبت کا اعلان کیا بلکہ واضح طور سے جناب عمار یاسر سے فرمایا تھا اگر تمام لوگ ایک راستے پر ہو جائیں اور علیؑ ایک راستے پر تو علیؑ ہی کے راستہ پر چلنا اور تمام لوگوں کا راستہ چھوڑ دینا اے عمار علیؑ تم کو ہدایت سے نہ پھیریں گے اور ہلاکت کی جانب نہ لے جائیں گے۔ اے عمار علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ اور کیوں نہ ہو ابوسعید سے روایت ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الحق مع علی۔ رسول نے فرمایا حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ (ارجح المطالب صفحہ ۵۹۸)

پھر بتایئے سوائے علیؑ کے پیغمبرؐ کی جگہ کا کون حقدار ہو سکتا تھا۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ علیؑ کا حق بھی چھین لیا گیا۔ اور طرح طرح سے انھیں ستایا گیا کہ وہ خلیفہ کی بیعت بھی کریں۔ ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ علی علیہ السلام اور عباسؓ

فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبکر نے عمر سے کہا جاؤ ان لوگوں کو لاؤ اور اگر آنے سے انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ پس عمر آگ لے کر آئے تاکہ گھر جلا دیں۔

(عقد الفرید ج ۳ ص ۶۳)

رسولؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا تھا میرے بعد تم کو سخت صدمات پہونچیں گے تم ان کو طریق صبر برداشت کرنا (روضۃ الاحباب) کیسے باور کروں کہ ان لوگوں کے پیش نظر پیغمبرؐ کے وہ ارشادات رہے تھے کہ علیؑ کی ایذا میری ایذا ہے علیؑ سے بغض مجھ سے بغض ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے من اذیٰ علیاً بعث یوم القیامت یہودیاً او نصرانیاً (مسند احمد ابن حنبل) جو شخص علیؑ کو اذیت دے وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی محشور ہوگا۔ عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا وہ شخص جھوٹا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور جو چیز کہ میں لایا ہوں اس پر یقین رکھتا ہے درآنحالیکہ وہ علیؑ سے بغض رکھتا ہے۔ وہ کاذب ہے مومن نہیں۔ (مناقب خوارزمی)

یہ عناد و حسد نہیں تو اور کیا ہے کہ علیؑ کو خلیفہ بنانا تو درکنار انھیں مشورہ لینے کے لائق بھی نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ حاکم بھی افضل ہی کو بنایا جاتا ہے اور مشورہ بھی اعلم و افضل ہی سے لیا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے علی اعلمکم و افضلکم و اقضاکم والراد علیہ کالمراد علی والراد علی کالراد علی اللہ وعلو علی حد الشرک باللہ (مودۃ القربیٰ) یعنی علیؑ تم سب سے اعلم و افضل اور اقضیٰ ہیں جو شخص ان کے قول و فعل اور رائے کو رد کرے گویا اس نے میری تردید کی اور جس نے میری تردید کی گویا اس نے خدا کی تردید کی اور وہ شخص شرک باللہ کی حد میں ہے۔ اگر علیؑ کی رائے کسی اور کے لئے ہوتی تو کبھی نہ فرماتے کہ جب رسول خداؐ نے انتقال فرمایا تو قریش نے خلافت کے لئے ہم پر چھاپہ مار دیا اور اس حق سے محروم کر دیا جس کے

ہم تمام انسانوں سے زیادہ مستحق تھے۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

عہدہ کی تفویض فضل و کمال کے لحاظ سے ہوتی ہے سن و سال دیکھ کر نہیں اور اگر سن ہی شرط ہے تو خلیفہ اول کے باپ ابو قحافہ ہی موجود تھے جنھوں نے کہا بھی تھا کہ اگر معمر ہونے کی وجہ سے ابو بکر خلیفہ ہوا تو اس سے بزرگ اس کا باپ میں موجود ہوں۔ خود قدرت نے سن و سال کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ جب حضرت ابو بکر سورۂ برائت لے کر جانب مکہ چلے تو حکم خدا سے انھیں پیغمبرؐ نے معزول فرمایا اور حضرت علیؑ کو اس عہدہ پر مامور فرمایا دیکھئے۔ (در منثور ج ۳ ص ۲۱۰ وغیرہ) اگر عمر کی کوئی اہمیت ہوتی تو بزرگ صحابہ کی موجودگی میں پیغمبرؐ اسامہ کو لشکر کا سردار نہ بناتے۔

تعجب خیز امر یہ ہے کہ خلافت اس صاحب کمال علیؑ سے چھین لی جاتی ہے جس کا یہ ارشاد تھا کہ جس چیز کے بارے میں چاہو مجھ سے پوچھ لو، کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں تم دریافت کرو اور میں اس کی خبر نہ دوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۶) اور اسے دی جاتی ہے جس نے بھرے مجمع میں اقرار کیا تھا۔ میں تم میں سے کسی ایک سے بھی بہتر نہیں ہوں پس نگرانی کرتے رہو جب دیکھو کہ میں لغزش کرتا ہوں تو میری کجی کو سیدھا کر دو اور یہ خوب سمجھ لو کہ میرا ایک شیطان ہے جو مجھ پر مسلط رہتا ہے جب دیکھو کہ میں غصے میں ہوں تو مجھ سے پرہیز کرو۔ (تاریخ الخلفا سیوطی ص ۴۸)

آنریبل مسٹر ٹاملز اپنی کتاب جنرل ہسٹری میں لکھتے ہیں۔ محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابو بکر نے لوگوں کو سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ (دائرۃ المعارف جنرل ہسٹری) جب ہمیشہ نے طلب خلافت کے لئے ... آپ کی خلافت سے کنارہ کشی پر محمول کیا جاتا ...

...دی ضرب لگائی تھی۔ غاصبان خلافت پر فرماتے ہیں کیا تم لوگ اس بات کو روا رکھتے ہو کہ میں رسول اللہ کے قالب اور اور جسد اطہر کو بلا تجہیز و تکفین و تدفین چھوڑ کر طلب خلافت کے لئے منازعت و مخاصمت میں مشغول ہوتا (روضۃ الاحباب) گویا فرما رہے تھے کہ جسے پیغمبرؐ کی تدفین کی بھی فکر نہ ہو اسے حضور کی جانشینی سے کیا نسبت؟

اور اسے سقیفہ میں جانے کی کیا ضرورت تھی جس کی خلافت کا اعلان دعوت ذوالعشیرہ ہی میں ہو گیا تھا رسولؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا تھا۔ یہ میرا بھائی۔ میرا وصی اور تم لوگوں میں میرا خلیفہ ہے تم سب اس کا حکم سننا اور اطاعت کرنا۔

(الوالفداح ا صـ۱۱۶)

ایک بات اور قابل غور ہے کہ خلافت کے لئے خلیفۂ اول کا نام پیش کرنے والے عمر ابن خطاب اور خود حضرت ابوبکر کو پیغمبر نے جیش اسامہ میں جانے کا حکم دیا تھا شیخ المحق لکھتے ہیں۔ جناں صادر شد کہ اعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان ذوالنورین و سعد ابن ابی وقاص و ابوعبیدہ بن جراح وغیرہم الا علی مرتضیٰ کہ ہمراہ نہ کرد دراں لشکر ہمراہ اسامہ باشند۔ (مدارج النبوۃ)۔ یہی نہیں کہ ان لوگوں کو اسامہ کے ساتھ فرمایا بلکہ حکم عدولی کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی۔

جہزو جیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنہ

(ملل و نحل شہرستانی) یہ بعد کی بات ہے کہ یہ لوگ خلافت سازی کے چکر میں جیش اسامہ میں نہ جا کر مستحق لعن ہے۔ بنیادی سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر پیغمبرؐ انھیں خلیفہ بنانا چاہتے تو پھر اپنی وفات کے وقت انھیں جیش اسامہ میں کیوں بھیجتے اور اگر واقعی خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر تھے وہ بدقسمتی سے جیش اسامہ میں چلے گئے ہوتے تو بعد پیغمبر جانے پیغمبر... ابھرتے اور پھر عجب بات یہ ہوتی کہ

خلیفہ وقت کو سردار لشکر کی ماتحتی میں رہنا پڑتا جو شائد دنیا کا عجیب واقعہ ہوتا۔ علیؑ کو روکنا اس بات کا ثبوت ہے کہ سوائے علیؑ کے رسول کسی دوسرے کو اپنا خلیفہ نہیں بنانا چاہتے تھے۔

پھر بات آتی ہے طریقہ انتخاب کی اگر اجماع کوئی اصول انتخاب تھا تو انصار کی مخالفت یہ بتاتی ہے کہ اجماع امت ہوا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر کی سخت مزاجی نے بالجبر ابوبکر کی بیعت لے لی۔ اس سلسلے میں سعد بن عبادہ کو زدو کوب بھی کیا گیا دیکھئے (تاریخ کامل جلد ۲) بالجبر بیعت لینے کی ایک کڑی خانۂ علی و سیدہ کا احراق اور ان پر کئے گئے ظالمانہ حملے بھی ہیں تفصیل دیکھئے (کتاب الامامت والسیاست صـ۱۳)۔ ابوبکر کی خلافت پر اجماع نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے تو انصار نے یا ان میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم سوائے علیؑ کے کسی کی بیعت نہ کریں گے

(تاریخ کامل ابن اثیر جزری ج ۲ صـ۲۲۲)

بفرض محال اگر اجماع ہو بھی گیا اور وہ کوئی خلافت سازی کا اصول تھا تو اسے خلافت ثانیہ کے لئے کیوں نہیں برتا گیا اور جب ابوبکر حضرت علی سے ایک موقع پر اقرار کر چکے تھے کہ یہ تمہارا حق ہے مگر میں نے فتنے کے خوف سے ایسا کیا تھا دیکھئے (مروج الذہب مسعودی) تو اپنے بعد حضرت علی کو نامزد کرنے کے بجائے حضرت عمر کو خلیفہ کیوں بنا گئے۔ بایں صورت کیا ہمیں یہ سوچنے کا حق نہیں کہ یہ سب کسی پلان کے تحت ہوا۔

طبری میں ہے کہ "جب حضرت ابوبکر انتقال کرنے لگے تو اپنے بالاخانہ پر سے لوگوں کو جھانکا اس وقت ان کی بیوی اسماء بنت عمیس جن کے ہاتھ میں مہندی کے نشانات تھے ان کو تھامے تھیں اور وہ کہہ رہے تھے جس کو میں خلیفہ مقرر کر دوں اسے پسند کرو گے؟ خدا کی قسم میں نے

رائے میں کوئی کمی نہیں کی اور قرابت دار کو خلیفہ نہیں بنایا عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم لوگ اس کی بات سنو اور اطاعت کرو (تاریخ طبری ج ۴ ص۵۱) قیس بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور ان کے ساتھ لوگ ہیں۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں اے لوگو رسول اللہ کے خلیفہ (ابوبکر) کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو (تاریخ کامل ج ۲ ص۱۶۳) یہ وہی حضرت (عمر) ہیں کہ جب انھوں نے مہر پر پابندی لگائی تو ایک عورت نے بھرے مجمع میں سورہ نساء کی آیت ۲۴ کے ذریعہ انھیں لاجواب کر دیا۔ خلیفہ ثانی نے فرمایا "کلکم افقہ منی حتی المخدرات فی الحجال (در منثور سیوطی ج ۲ ص۱۳۳) تم سب عمر سے زیادہ فقیہ ہو یہاں تک کہ پردہ میں بیٹھنے والیاں بھی۔ اور حضرت علیؑ کے لئے پیغمبر کا ارشاد ہے۔ (اعلم امتی من بعدی علی ابن ابیطالب (کنوز الحقائق ص۳) میرے بعد تمام امت میں سب سے بڑھ کر علی ابن ابیطالب ہیں۔

تعجب ہے کہ ایک معمولی انسان (ابوبکر) بغیر اپنا نائب مقرر کئے ہوئے اس دنیا سے نہ جائے اور خاتم النبیین بغیر کسی کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کئے ہوئے اس دنیا سے کوچ کر جائیں دنیا کا کوئی عقلمند اسے قبول کر سکتا ہے اور نیا بایں صورت پیغمبر کی دوراندیشی پر حرف نہیں آتا۔ ابوہریرہ نے جناب سلمان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اکرم کی خدمت میں عرض کیا یا حضرت خدا نے جس نبی کو بھیجا اس کو بتا دیا کہ اس کے بعد اس کا خلیفہ اور جانشین کون ہوگا تو کیا آپ سے بھی خدا نے فرمادیا ہے کہ آپ کا خلیفہ کون ہوگا فرمایا ہاں میرا جانشین علی ابن ابیطالب ہے (فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی ص۱۰۹)۔ سید علی ہمدانی شافعی نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا۔ یا علی انت تبرء ذمتی وانت خلیفتی علی امتی (یعنی اے علیؑ تم میری طرف سے برائت ذمہ کروگے اور تم میری امت پر میرے خلیفہ ہو (مودۃ القربیٰ مودت ۴) سب سے بڑا ثبوت [illegible] کا واقعہ ہے جس میں حضرت علیؑ کو پیغمبر نے مولا بنایا دیکھئے (فرائد السمطین باب ۱۲ و تاریخ بغداد ج ۸ ص۲۹۰ [illegible]) مولا کے معنی میں اشکالات وارد کئے گئے اور ان کے جوابات ہیں لکھے انھیں نہیں پیش کرنا ہے۔ بس اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ اس واقعہ غدیر سے عام مجمع میں حضرت علیؑ نے اپنی خلافت پر استدلال فرمایا ہے ملاحظہ ہو (اسد الغابہ ج ۳ ص۳۰۷ وغیرہ)

علی مولا بایں معنی کہ پیغمبر بود مولا

حدیث منزلت انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (فصول المہمہ ص۲۳) (اے علی) تمھیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حضرت علیؑ کی خلافت پر دال ہے اگر نبوت ہوتی تو بعد بھی علی نبی ہوتے اور جب نبوت نہیں تو خلافت و امامت تو بہرحال آپ کا حق ہے۔

تاریخ داں اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلافت علی کا حق ہے دھاندلی سے کام لیا گیا جس کی واضح دلیل انتخاب کے بدلتے ہوئے طریقے ہیں بس یہ سمجھ لیجئے کہ مقصد تھا علیؑ سے خلافت کو دور رکھنا اب وہ چاہے جیسے ممکن ہو یہی وجہ ہے کہ خلافت ثالثہ کی منزل میں بھی طریقہ انتخاب بدل گیا۔ حذیفہ کی روایت کے مطابق خلیفہ ثانی کہہ ہی چکے تھے کہ میرے جانشین عثمان ہوں گے دیکھئے (کنز العمال ج ۳ ص۱۵۹) لیکن شورش کے خوف سے انھوں نے ایک کمیٹی بنائی جس میں عبدالرحمان بن عوف کو مرکزی حیثیت بخشی جو عثمان بن عفان کے [illegible] عبدالرحمان بن عوف نے علیؑ کے [illegible] فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت علیؑ [illegible]

[illegible] اللہ سنت رسول اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کتاب اللہ سنت رسولؐ کی پیروی کرنا تو منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا (تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۶)۔ اسی طرح عثمان کو [illegible] کے سامنے یہ شرط رکھی انہوں نے فوراً منظور کرلی۔ عبدالرحمان نے اسی طرح تین مرتبہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں مرتبہ حضرت علی نے سیرت شیخان (ابوبکر و عمر) کی پیروی سے انکار کردیا اور عثمان نے اقرار کرلیا۔ عبدالرحمان نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین۔ (حبیب السیر ج ۱ جزو ۴ ص ۲۸) اگر حضرات شیخین سنت رسول پر چل رہے تھے تو سیرت شیخین کی شرط ہی عبث تھی اور اگر ان دونوں میں تضاد نہ ہوتا تو امیر المومنین کبھی انکار نہ کرتے۔

خلیفہ ثالث نے وعدہ تو کرلیا تھا لیکن جب عہدۂ خلافت پر پہنچے تو سنت رسول اور سیرت شیخین کے خلاف عمل کرنے لگے۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۱ ص ۴۳۵) یوں تو انھوں نے خلافت کو ایک کھیل تماشا بنا لیا تھا کبھی طرید رسول حکم ابن عاص کو مدینے بلا لیا دیکھئے (مروج الذہب ج ۱ ص ۴۳۵) تو کبھی رسولؐ کے عزیز ترین صحابی ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کردیا (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۶۸) لیکن سب سے بڑھ کر انھوں نے بیت المال کو اپنے اور اپنے کنبہ والوں کے لئے قطعاً حلال کرلیا تھا۔ جس دن وہ قتل ہوئے ہیں اس دن ان کی تحویل میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار دس لاکھ درہم نقد تھے۔ وادی القریٰ و حنین وغیرہ میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی اس کے علاوہ بیشمار [illegible] اور اونٹ تھے۔ (مروج الذہب ج ۲ ص ۲۲۲)

[illegible] حضرت عثمان ہی کی دین تھی کہ معاویہ نے آپ [illegible] آپ کے دوستوں کو قتل کیا اور [illegible] حضرت کو گالیاں دی [illegible] ارشاد ہے کہ من سب علیاً فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ (جس شخص نے علیؑ کو گالیاں دیں اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے خدا پر دشنام طرازی کی۔ (صواعق محرقہ و تذکرہ خواص الامہ وغیرہ)۔

واقعات گواہ ہیں کہ جب بھی کوئی سخت مسئلہ پیش ہوا جب بھی غیر ممالک کے حاکموں نے سوالات بھیجے خلفائے ثلاثہ اپنی کم علمی کی بنا پر مجبور ہوئے کہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ایسے متعدد مواقع آئے ہیں کہ اگر حضرت علی نے رہبری نہ کی ہوتی تو خلیفۂ وقت دین کے ہاتھوں معصوموں کا اور بے گناہوں کا خون تک ہو جاتا یہی وجہ ہے کہ مناقب خوارزمی ینابیع المودۃ اور دیگر کتب گواہ ہیں کہ ایک دو نہیں ستّر بار حضرت عمر نے کہا لولا علیٌ لہلک عمر۔ اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا خلفا کا بار بار اپنی مشکلات حضرت علی سے حل کرانا اور دینی مسائل میں ان کا محتاج ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ حقیقی خلیفہ حضرت علیؑ ہی تھے اگر علی نہ ہوتے اسلام رسوا ہو چکا تھا۔

حضرت میں وہ تمام چیزیں بدرجہ اتم موجود تھیں جو ایک خلیفۂ رسول کے لئے بہت مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ رسول کا ارشاد ہے (اے علیؑ) لوگ تم سے سات باتوں میں جھگڑتے ہیں قریش میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ان کا انکار کرسکے (۱) خدا پر ایمان لانے میں سب سے اول (ابوبکر نے حق خلافت کے ثبوت میں اپنے سابق الایمان ہونے کا حوالہ دیا تھا دیکھئے (ازالۃ الخفا ص ۴۲) حضرت ابوبکر کے بنائے ہوئے اصول کے تحت بھی خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا کیونکہ قول رسولؐ کے مطابق سابق الایمان حضرت علی تھے۔ اور خلیفۂ اول اپنے دعوے میں کاذب ثابت ہوئے۔ بعث النبی یوم الاثنین وصلی علی معہ یوم الثلاثاء (جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۴)۔ پیغمبر دوشنبہ کو مبعوث ہوئے

اور علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے) (۲) خدا کے عہد میں سب سے زیادہ وفادار (۳) خدا کے حکم میں سب سے زیادہ قائم۔ (۴) سب سے زیادہ برابر بانٹنے والے (۵) رعایا کے درمیان سب سے زیادہ انصاف پرور (۶) مقدمات میں سب سے زیادہ دانا بینا۔ (۷) فضیلت میں خدا کے نزدیک سب سے بزرگ (حلیۃ الاولیا)۔ موقع نہیں ورنہ ان ساتوں چیزوں کی روشنی میں سوادِ اعظم کی کتب سے پیش کرتا کہ خلفائے ثلاثہ کا ایمان کیسا تھا۔ وہ مقدمات کے فیصلے کیسے کرتے تھے۔ وہ کس حد تک حکمِ الٰہی کے پابند تھے۔

حقائق آپ کے سامنے ہیں فیصلہ آپ خود فرمائیے کہ فرقۂ امامیہ کے عقائد کس حد تک صحیح ہیں۔ سطحی نگاہ رکھنے والا اسے تعصب سمجھے گا لیکن صاحبان نظر جانتے ہیں کہ یہ تمام ثبوت اہلسنت حضرات کی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں۔ خدا جانتا ہے ہمارا وطیرہ تعصب و ہٹ دھرمی نہیں ہمارا جرم صرف اتنا ہے کہ حق کی تکذیب نہیں بلکہ اس کی تائید کرتے ہیں۔

امام کی اہلبیت اطہار سے براہِ راست کسبِ ہدایت کی تلقین ۱۰

"ایک دوسرا شخص ہوتا ہے جس نے زبردستی اپنا نام عالم رکھ لیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں۔ اُس نے جاہلوں اور گمراہوں سے جہالتوں اور گمراہیوں کو بٹور لیا ہے اور لوگوں کے لئے مکر و فریب کے پھندے اور غلط سلط باتوں کے جال بچھا رکھے ہیں۔ قرآن کو اپنی رائے پر اور حق کو اپنی خواہشوں پر ڈھالتا ہے۔ بڑے سے بڑے جرموں کا خوف لوگوں کے دلوں سے نکال دیتا ہے۔ کہتا تو یہ ہے کہ میں شبہات میں توقف کرتا ہوں حالانکہ اُنھیں میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کا قول ہے کہ میں بدعتوں سے الگ تھلگ ہوں حالانکہ اُنھیں میں اس کا اُٹھنا بیٹھنا ہے۔ صورت تو اُس کی انسانوں کی سی ہے اور دل حیوانوں کا سا ہے۔ نہ اُسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ وہاں تک آسکے اور نہ گمراہی کا دروازہ پہچانتا ہے کہ اُس سے اپنا رُخ موڑ سکے۔ یہ تو زندوں میں چلتی پھرتی لاش ہے اب تم کدھر جا رہے ہو اور تمھیں کدھر موڑا جا رہا ہے؟ حالانکہ ہدایت کے جھنڈے بلند نشانات ظاہر و روشن اور حق کے مینار نصب ہیں اور تمھیں کہاں بہکایا جا رہا ہے اور کیوں ادھر اُدھر بھٹک رہے ہو؟ جبکہ تمھارے نبی کی عترت تمھارے اندر موجود ہے جو حق کی باگیں ہیں وہ دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں۔ جو قرآن کی بہتر سے بہتر منزل سمجھ سکو، وہیں انھیں بھی جگہ دو اور پیاسے اونٹوں کی طرح ان کے سرچشمۂ ہدایت پر اُترو۔

قاطع ظلمت بنا ایثار اہلبیتؑ کا

سید لطیف الرحمٰن مدرس ہیڈ انگریزی مدرسہ عالیہ کلکتہ

آفتابِ دل ہے مجھ کو پیار اہلبیت کا
نور سازِ چشم ہے دیدار اہلبیت کا

اس نے دیکھا اور بھی انداز میں روئے نبی
جس نے دیکھا روئے جلوہ بار اہلبیت کا

حافظِ دینِ الٰہی ہمسرِ قرآن پاک
مہر جاں افروز تھا کردار اہلبیت کا

دیکھئے مولا علیؑ کا سلسلہ تا عسکری
دیکھئے کیا گلشنِ انوار اہلبیت کا

دہر میں تھے وارثینِ بابِ شہرِ علم و فن
کیا عظیم الشان تھا دربار اہلبیت کا

باغبانِ گلشنِ عرفانِ حق تھا ہر امام
جنت الفردوس تھا گلزار اہلبیت کا

تیرگیٔ کفر چھائی جب کبھی ایمان پر
قاطع ظلمت بنا ایثار اہلبیت کا

کیا حدیثِ پاکِ احمد تھی نہ "انی تارکٌ"
دین کا غدار تھا غدار اہلبیت کا

روشنیٔ دل کا دعویٰ کر لیا تو کیا ہوا
نور سے انکار تھا انکار اہلبیت کا

واقعاتِ کربلا نے فیصلہ ہی کر دیا
تھا مسلمانوں میں کتنا پیار اہلبیت کا

اُلفتِ آلِ محمدؐ گرچہ ہے امرِ خدا
خون ہی پیتے رہے خونخوار اہلبیت کا

بدنصیبی کا بُرا ہو تھی نہ بینا چشمِ دل
رُوئے حق تھا چہرۂ گلنار اہلبیت کا

اتباعِ آلِ احمد جب نہیں کرتے لطیف
رسم کے ہے طور پر اقرار اہلبیت کا

رافضی

(جناب مولانا شیخ مقبول احمد صاحب قبلہ مقیم نوال ہٹن سویڈن)

پیغمبر اسلام نے اپنی حیات طیبہ میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے محبت و الفت کرنے والے مسلمانوں کو مختلف موقعوں پر متعدد الفاظ میں فلاح و کامیابی اور نجات کی سند عطا فرمائی تھی جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے علی و شیعۃ ھم الفائزون یوم القیامۃ علیؑ اور اُن کے شیعہ ہی روز قیامت رستگار ہوں گے (کنوز الحقائق ص۹۸)

مگر شیعیان علیؑ کا یہ اعزاز دشمنان علیؑ کی نظر میں کھٹکنے لگا اور اُن کی یہ کامیابی وہ برداشت نہ کرسکے اس لئے اُنھوں نے اس قسم کی احادیث کے خلاف حدیث سازی کا ایک کارخانہ کھول ڈالا جس میں محبان علیؑ و شیعیان اہلبیتؑ کو مشرک و بے دین تک بنا ڈالا۔ صواعق محرقہ میں چند حدیثیں اس قسم کی لکھی ہوئی ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جس کا نام رافضہ ہوگا۔ وہ مشرک ہیں، یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں۔ (صواعق محرقہ ص۳)

علامہ ابن تیمیہ صاف لفظوں میں لکھتے ہیں کہ وہذا یعرف کذب بلفظ الاحادیث المرفوعۃ التی فیھا لفظ الرافضۃ جتنی حدیثوں میں یہ لفظ آیا ہے وہ سب کذب و افترا ہے (منہاج السنۃ ج۱ ص۲)

رفض کے معنی لغت کی کتابوں میں مطلقاً ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے ہیں رافضی کے معنی ہیں چھوڑنے والا اور رافضہ وہ فرقہ جو ترک کرنے والا ہو۔

اب اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی لیکن شیعوں کی دشمنی میں وہ فرقہ جو رسول اسلام پر کذب و افترا باندھنے سے نہ چُوکا بھلا لغت کو کیسے دیانتداری کے ساتھ پیش کرسکتا تھا۔ چنانچہ آپ جس لغت کو اٹھایئے اُس میں اُنھوں نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً

(۱) لسان العرب جلد ۹ ص۱۶۸ پر علامہ ابو الفضل جمال الدین لکھتے ہیں الروافض جنود ترکوا قائدھم وانصرفوا فکل طائفۃ منھم رافضۃ والنسبۃ الیھم رافضی والروافض قوم من شیعۃ الکوفۃ [illegible] لانھم ترکوا زید بن علی۔ "روافض وہ لشکر ہے جو اپنے قائد کو چھوڑ دے اور اُس سے رُو گردانی کرے [illegible] وہ رافضہ ہے اور یہ لفظ شیعوں کی اُس قوم کی طرف منسوب ہے جس نے اپنے قائد زید بن علی کو چھوڑ دیا تھا۔"

(۲) قاموس میں ص۵۸۹ پر لکھا ہے رافضہ شیعوں کی وہ فرقہ ہے جس نے زید بن علیؑ کی بیعت کی پھر [illegible] کو کہا۔ آپ نے انکار کردیا اور کہا کہ وہ دونوں میرے [illegible] کے وزیر تھے تو اُن لوگوں نے زید بن علی کا ساتھ چھوڑ دیا [illegible]

(۳) قریب قریب یہی معنی [illegible] [illegible] لا خیر فی [illegible] [illegible]

اہل لغت نے جناب زید کے واقعہ کو [illegible] نقل کیا ہے اور تاریخیں ہمیشہ اُن حکومتوں کی [illegible] لکھی گئی ہیں جو پیروان اہلبیتؑ اور [illegible] کی ہر ممکن کوشش کرتی [illegible] واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی [illegible]

...نے رافضی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی
...کوفہ کا ایک سربرآوردہ گروہ جناب زید بن
علی امام زین العابدین کے پاس آیا اور سوال کیا کہ خدا آپ پر
رحمت کرے آپ شیخین کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے
جواب دیا خدا ان دونوں پر رحم کرے اور اُن کی مغفرت
کرے میں نے تو اپنے خاندان والوں سے اُن کی نسبت
سوائے خیر کے کچھ نہیں سُنا سخت سے سخت بات جو میں
کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
جانشینی و خلافت کے ہم سب سے زیادہ مستحق و سزاوار
تھے انھوں نے اس سے ہمیں محروم کر دیا اور خود خلیفہ بن
گئے ہمارے نزدیک اس وجہ سے وہ کافر نہیں ہو گئے۔
جب وہ حاکم ہوئے تو اُنھوں نے لوگوں میں عدل کیا اور
کتاب و سُنّت پر عمل کیا۔
کوفیوں کے اس گروہ نے کہا جب ان دونوں نے
آپ پر ظلم نہیں کیا تو ان لوگوں (بنی امیہ) نے بھی کوئی
ظلم نہیں کیا۔ پھر آپ ان لوگوں سے لڑنے کے لئے کیوں
بلاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ بنی اُمیہ ویسے نہیں
ہیں جیسے وہ تھے۔ یہ لوگ تو مجھ پر بھی ظلم کرتے ہیں، تم
پر بھی اور اپنے نفسوں پر بھی اور ہم تم کو کتاب خدا
اور سُنّت رسول کی طرف، سُنتوں کو زندہ کرنے اور بدعتوں
کو مٹانے کے لئے دعوت دیتے ہیں پس اگر تم ہمارا ساتھ
دو گے تو نیکی پاؤ گے اور اگر انکار کر دو گے تو تمھیں اختیار
ہے۔ یہ سُن کر ان لوگوں نے جناب زید کی بیعت توڑ دی
اور کہنے لگے امام تو محمد باقرؒ تھے جو وفات پا گئے اور
...زمانہ میں جعفر صادق علیہ السلام ہمارے امام ہیں
...جناب زید نے کہا۔
...پھر رفضتمونی'
...تم نے مجھے چھوڑ دیا۔"
اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جناب زید نے امام

محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ کے مقابلہ میں دعویٰ امامت
کیا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ وہ خود ان حضرات کی
امامت کا عقیدہ رکھتے تھے۔ پھر وہ یا قوم رفضتمونی
کیسے کہہ سکتے تھے؟
مگر مخالفین کو چونکہ ضد تھی کہ شیعیانِ علیؑ و اولادِ علیؑ
کو رافضی کہہ کر بے دین اور مشرک ثابت کریں اس لئے
کتبِ احادیث، تواریخ اور لغات میں خوب خوب
اپنے دل کی حسرت نکالی اور ایک حد تک اپنے مقصد میں
باین معنیٰ کامیاب بھی ہو گئے کہ جاہل عوام کے ساتھ علماء
کرام میں بھی یہ لفظ انھیں معنی میں استعمال ہونے لگی جیسا
کہ امام شافعی کے اُس شعر سے ظاہر ہے ؎

اذا نحن فضلنا علیاً فاننا
روافض بالتفضیل عند ذوالجهل

"جب ہم امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو
تفضیلت دیتے ہیں تو ہم بے وقوفوں اور جاہلوں
کے نزدیک رافضی ٹھہرائے جاتے ہیں۔"
اور یہ شعر بھی امام شافعی کا مشہور ہے ؎

من علی را دوست دارم خلق گوید رافضی
پس خدا و مصطفےٰ، جبرئیل باشد رافضی

مالآخر رافضی ایسا بُرا، مکروہ اور چڑاؤ نام سمجھا جانے
لگا کہ ناواقف شیعہ تک اس نام سے چڑھنے لگے حالانکہ
یہ نام بہت مقدس اور متبرک ہے۔ اس لفظ کی صحیح
تاریخ و تعریف اور وجہ تسمیہ وہ ہے جو صادق آلِ محمدؑ
نے ارشاد فرمائی ہے
کتاب تنبیہ الخواطر میں علامہ ابوالحسین ورام مالکی لکھتے
ہیں کہ ایک دن آپ سے کسی نے عرض کیا کہ عمار دہنی الدسلی
قاضی کوفہ کے پاس ایک معاملہ میں شہادت دینے کی غرض
سے گئے تھے قاضی نے اُن سے کہا کہ اے عمار یہاں کھڑا
ہو جا کیونکہ تو رافضی ہے۔ پس عمار کھڑے ہو گئے اور اُن

کا بدن کانپنے لگا اور آنسو اُن کی آنکھوں سے بہنے لگے
یہ دیکھ کر ابولیلی نے کہا کہ تم اہل علم و حدیث سے ہو۔ اگر
تم کو رافضی کہنا برا معلوم ہوتا ہے تو رفض سے تبرا کر ڈالو
پھر تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے۔ عمار نے کہا۔ اے شخص
یہ بات نہیں ہے جو تو سمجھا ہے بلکہ مجھے اپنی حالت اور
تیرے حال پر رونا آتا ہے اپنے حال پر اس لئے کہ مجھے
ایسے شریف رتبہ سے نسبت دی گئی ہے کہ میں اس کا اہل نہیں
ہوں۔ افسوس تو مجھے رافضی سمجھا حالانکہ مجھ سے امام جعفر
صادق" ارشاد فرما چکے ہیں کہ "سب سے پہلے جن لوگوں
کو رافضی کہا گیا۔ وہ فرعون کے ساحر تھے کہ جب اُنھوں نے
عصائے موسیٰ کا معجزہ دیکھا تو ایمان لے آئے، موسیٰ کی
اطاعت قبول کی اور فرعون کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس
سلسلہ میں جتنے مصائب اُن پر پڑے اُن کو برداشت کیا
اُنھوں نے فرعون کا دین ترک کر کے موسیٰ کا دین قبول
کیا تو اُس نے ان لوگوں کا نام رافضی رکھ دیا تھا اس لئے
رافضی وہ شخص ہے جو تمام ایسی باتیں چھوڑ دے جو خدا کو ناگوار
ہیں اور ایسے کام کرے جن کے بجا لانے کا خدا نے حکم دیا ہے
پس اپنے نفس پر مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے یہ نام قبول
کر لیا تو کہیں خدا نے مجھ سے یہ سوال کر لیا کہ اے عمار تم
ایسا جلیل القدر لقب قبول کیا تھا تو کیا تم تمام اعمال
کے تارک اور تمام طاعات کے بجا لانے والے تھے تو اس
وقت میں کیا جواب دوں گا۔

اور تمہاری حالت پر اس لئے رویا کہ تم نے ایسا عظیم
جھوٹ بولا کر میرا وہ نام رکھا جس کا میں اہل نہیں تھا تم
نے شریف ترین اسماء کو ارذل اور ذلیل ترین سمجھ کر استعمال
کیا ہے تو خداوند عالم تم پر کتنا عذاب کرے گا! اس لئے مجھے
تمہارے حال پر شفقت شدید کی وجہ سے رونا آیا

جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے دوست عمار
کا یہ جواب جو اُنھوں نے قاضی ابولیلیٰ کو دیا تھا سنا تو ارشاد
فرمایا کہ اگر آسمانوں اور زمینوں سے بھی بزرگ تر گناہ عمار کے
ذمے ہوں گے تو ان کلمات کے کہنے پر کی بنا پر محو ہو جائیں
گے اور خدا کے نزدیک اُس کی نیکیوں میں اس قدر اضافہ
ہوگا کہ اُن کا ہر ذرہ جو رائی کے دانہ کے برابر ہوگا وہ بھی دنیا
سے ہزار گنا بڑا ہوگا (تنبیہ الخواطر ص۱۵۱)

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد خدا کا شکر ہے کہ
شیعوں کو اُن کے مخالف ایسے لقب سے ملقب کرتے ہیں جو
اُن کے لئے باعث شرف و عزت اور قابل فخر ہے ھذا فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم

اندھی تقلید کی مذمت!

"تم نے بس یہ کیا ہے کہ اپنا دین ایک ایسے شخص کی دنیا کے پیچھے
لگا دیا ہے جس کی گمراہی ظاہر ہو چکی ہے جس کا پردہ اٹھ چکا ہے
جس کی ہم جلیسی سے شریف کو دھبہ لگتا ہے اور جس کی ہمنشینی سے عقلمند بھی بے سمجھ بن جاتا ہے
تم نے اس شخص کے نقش قدم کی پیروی اس طرح کی ہے جیسے کتا شیر کے پیچھے لگ جاتا ہے
تم نے اپنی دنیا بھی گنوا دی ہے اور آخرت بھی کھو بیٹھے ہو۔" (نہج البلاغہ ...)

کردارِ علیؑ

جناب جرار اکبر آبادی

اوجِ کردارِ علیؑ خالقِ اکبر سمجھے ۔۔۔ یا رسولِ عربیؐ شافعِ محشر سمجھے
یا عزیزِ دو جہاں بنتِ پیمبرؐ سمجھے ۔۔۔ یا حسنؑ ماحصلِ سورۂ کوثر سمجھے
یا حسینؑ آئینۂ مرضیٔ داور سمجھے

جس کو تجھ سے نہ محبت ہو وہ انساں نہیں ۔۔۔ لاکھ پابندِ شریعت ہو مسلمان نہیں
تیرے اوصاف ثقلین جس میں وہ میزان نہیں ۔۔۔ آدمی کیا ہے فرشتوں کو بھی عرفان نہیں
کچھ تجھے قنبر و سلمان و ابوذر سمجھے

تو نے جھولے ہی میں حیدرؑ کا لقب پایا ہے ۔۔۔ تو نے ڈوبے ہوئے سورج کو بھی پلٹایا ہے
ہاتھ تیرا شبِ معراج نظر آیا ہے ۔۔۔ لافتیٰ تو ہی ہر اک جنگ میں کہلایا ہے
تیرے ہی ہاتھ کھلا بابِ خیبر سمجھے

دشمنوں کے لئے انجان نہ تھی ذات تری ۔۔۔ قامتِ احمدِؐ مرسل سے بھی واقف تھے سبھی
یہ محمدؐ نہیں حیدرؑ ہیں نہ سمجھا کوئی ۔۔۔ ایسا لگتا ہے کہ خالق کا ارادہ تھا یہی
شبِ ہجرت تجھے ہر آنکھ پیمبرؐ سمجھے

منزلِ ذاتِ الٰہی پہ نہ رکھتے تجھ کو ۔۔۔ کاش قرآں کی کسوٹی پہ پرکھتے تجھ کو
ہم کو منظور تھا جو چاہتے کہتے تجھ کو ۔۔۔ کیا سمجھتے یہ نصیری جو سمجھتے تجھ کو
نہ سمجھنے پہ تو خالق کے برابر سمجھے

مجھ سے کر سکتا ہے اس بات سے کوئی انکار ۔۔۔ پھر جبریل پہ خط دے گئی تیری تلوار
تیرا کردار ذہن کی دسترس کرتی ہوئی ہوس کا آزار ۔۔۔ صرف معصوم سمجھ سکتے ہیں تیرا کردار
ذہنِ جرار گنہگار ہے کیونکر سمجھے

جمہوری خلافت

سید لطیف الرحمن صاحب مدرس بہرۂ انگریزی۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ پتہ 28 اے اکبال پور لین۔ کلکتہ 700023

شیعہ اور سنی اسلام کے دو متصادم فرقے ہیں اصل تصادم مسئلہ خلافت پر ہے شیعہ حضرات سوائے حضرت علی علیہ السلام کے کسی کو امیر المومنین اور خلیفۃ الرسول تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت ذوالعشیرہ اور اجتماع غدیر خم میں حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام خلیفۂ رسول بلا فصل ہیں اور جن حضرات نے ان سے قبل خلافت حاصل کرلی وہ غاصبین خلافت ہیں۔ اس نقطہ نظر سے وہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ سنی حضرات کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہؐ نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسلامی حکومت کو جمہوری بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے خلیفہ کا انتخاب امت پر چھوڑا تھا کہ وہ اپنا امیر آپ منتخب کرے۔ چونکہ امت نے رسول اللہؐ کے دیے ہوئے حق انتخاب کا استعمال کرتے ہوئے اصحاب ثلاثہ کا انتخاب کیا تھا اس لئے انکی خلافت سو فیصدی جائز ہے اور ان کی خلافت تسلیم نہ کرنے والے رافضی ہیں۔

رافضی کے معنی اپنے امیر کو چھوڑ دینے والے ہیں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ اصل رافضی کون ہیں حضرات ثلاثہ کو چھوڑ دینے والے یا مولائے مومنین کو۔

"رافضی" کے عنوان سے اس نمبر میں مولانا شیخ مقبول احمد صاحب مقیم سوئڈن کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ ایڈیٹر میں فقط تاریخی واقعات کی روشنی میں ایک بے لاگ نقاد کی حیثیت سے غور کرنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی رسول اللہؐ نے جمہوری خلافت و حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور امیر کا انتخاب امت پر چھوڑا تھا تو خلفائے ارلعہ کے انتخاب کو کس حد تک جمہوری انتخاب مانا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جمہوری انتخاب کے چند مسلمہ اصول ہوتے ہیں۔ جمہوریت ایک ملک کے تمام شہریوں یا چند اوصاف کے حامل شہریوں کو عہدے کی امیدواری اور ووٹ دینے کا حق ادا کرتی ہے۔ لہٰذا اس حق کا استعمال سوچ بچار کر کے کرنے کے لئے جمہوری انتخاب آنا فانا نہیں ہوتا بلکہ انتخاب کا ایک دن مقرر کیا جاتا ہے اور اس مقررہ دن سے بہت پیشتر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو خواہشمند الکشن لڑنا چاہتے ہیں وہ فلاں تاریخ تک امیدواری کی درخواست داخل کر دیں۔ جب فلاں تاریخ تک درخواستیں داخل ہو چکتی ہیں تو امیدواروں کے ناموں کا اعلان کر دیا جاتا ہے تاکہ ووٹروں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ امیدوار کون کون ہیں اور کون [illegible]

... مقررہ دن پر ووٹ دیے جاتے ہیں اور جس امیدوار کو ووٹوں کی اکثریت حاصل ہوتی ہے اُسے منتخب اعلان کیا جاتا ہے۔

اگر خلیفہ اسلام کا انتخاب جمہوری طور پر کرنا تھا تو کم و بیش ان اصولوں کو بروئے کار لانا چاہیئے تھا لیکن خلیفہ اسلام کے انتخاب کے وقت ان اصولوں کو تو کیا کوئی بھی اصولوں کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ خلیفہ اسلام کے انتخاب کے سلسلے میں جو بات جمہوری اصول کے خلاف سب سے پہلے نظر آتی ہے وہ یہ کہ کسی کو اُمیدواری کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اگر جمہوری اصول کے مطابق اُمیدواری کا موقع دیا جاتا تو کئی اُمیدوار الکشن لڑنے کو کھڑے ہوتے۔ وفات رسولؐ کے بعد جو اُمیدوار عملی طور پر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ وہ ہیں حضرت سعد بن عبادہ انصاری۔ وفات رسولؐ کی خبر مشہور ہوتے ہی انصار مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر حضرت سعد کو امیر انتخاب کرنے لگے تھے۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو وہ بھاگے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ فوراً چلئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچے اور مجمع انصار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ الائمہ من القریش یعنی خلیفہ قبیلہ قریش سے ہوگا۔ اس کے بعد صورت حال جو بھی ہوئی ہو انصار اور حضرت سعد خلافت سے باز آئے۔ حضرت عمر نے دیکھا کہ اب اگر انتخاب خلیفہ میں تاخیر ہو گئی تو اور بھی امیدوار الکشن لڑنے کو کھڑے ہو جائیں گے۔ ان کو سب سے زیادہ خطرہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہیں اور ... حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی ... کر دیا اور حاضرین سے بیعت کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ جب کچھ اور لوگوں نے بھی بیعت کر لی تو آپ رسول کو دنیا سے رخصت کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ (سرفراز) جب یہ کام بھی ہو چکا تو عام مسلمانوں سے بیعت کا مطالبہ ہونے لگا۔ اس سلسلے میں خاص کر حضرت علی اور بنی ہاشم کے خلاف تشدد کا رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام بقائے اسلام اور اتحاد بین المسلمین کی خاطر دعوئے خلافت سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ اس طرح حضرت علی کی اسلام دوستی سے ایک ہولناک اٹھتا ہوا طوفان دب گیا اور اسلام کا وجود ہمیشہ کے لئے دنیا میں رہ گیا۔

خلیفہ اول کے انتخاب کی صورت حال بتاتی ہے کہ یہ انتخاب یک نوعی تھا جمہوری نہ تھا۔ جمہوری انتخاب کا دعویٰ اسی وقت پاش پاش ہو گیا تھا جبکہ حدیث الائمہ من القریش پیش کی گئی تھی۔ کیونکہ جب خلیفہ فقط قبیلہ قریش سے ہوگا تو خلافت و حکومت ایک قبیلے کی اجارہ داری بن گئی۔ مدینہ منورہ جہاں "جمہوری خلافت" قائم ہوئی تھی۔ انصار کا وطن تھا۔ مہاجرین کا نہ تھا۔ یہ کہاں کی جمہوریت ہے کہ بیدائشی شہریوں کو عہدۂ خلافت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا۔ اجتماع غدیر خم میں رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ "آج سے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں ہے، اللہ کی نظر میں سب سے بڑا وہی ہے جو سب سے بڑا متقی ہے۔ لیکن خلافت کے معاملے میں عجمیوں کا کیا پوچھنا۔ قریشی عربیوں کی غیر قریشی عربیوں پر بھی فوقیت تسلیم کی جاتی ہے۔ اور ایک غیر قریشی اتقی اللہ کی نظر میں افضل و اکبر ہو سکتا ہے لیکن خلیفہ اسلام نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس ایک قریشی غیر متقی۔ اللہ کی نظر میں کمتر ہونے کے باوجود غیر قریشی متقیوں کا امام بن سکتا ہے۔ اس اعتبار سے تو انسانی مساوات بھی برقرار نہیں رہتی۔ اور قرآن و حدیث

کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ اسلام نے نسلی امتیاز کو مٹا دیا غلط ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ دعویٰ غلط نہیں تو عظمت کی شرط تقویٰ کو کیوں نظرانداز کیا گیا۔

دوسرے خلیفہ کا انتخاب بھی زیادہ غیر جمہوری تھا۔ حضرت ابوبکر نے نہ عوام کی رائیں معلوم کیں اور نہ خواص کی۔ فقط اپنی مرضی سے حضرت عمر کو خلیفہ بنا دیا۔ اگر وصال رسولؐ کے بعد مسئلہ خلافت پرخطرناک صورتِ حال رونما ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اور حالات کو بدسے بدتر ہونے سے بچانے کے لئے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو فوراً خلیفہ بنا دیا اور جبر یہ بیعت یعنی مناسب سمجھی تو دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت تو یہ صورتِ حال نہ تھی۔ پھر جمہوری اصول کے مطابق انتخاب کے انتظامات کیوں نہیں کئے گئے۔ اور کم از کم ایک مجلس شوریٰ منعقد کر کے اکابر امت سے پوچھ لیا جاتا کہ وہ کس کو اپنا امیر بنانا پسند کرتے ہیں۔ جب رسول اللہؐ نے بقول اہلسنت کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تو بعد کو نامزد کرنا خلاف سنت قرار پاتا ہے۔

تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں البتہ حضرت عمر نے چھ آدمیوں کی ایک انتخابی کمیٹی بنا دی تھی حضرت عمر نے اس کمیٹی کا چیئرمین حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بنا کر ان کو خصوصی اختیار دیا تھا کہ بصورت اختلاف وہ جو دسوچ بچار کر کے ان چھ آدمیوں میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں۔ جب تین روز کمیٹی کے ممبران کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان اور حضرت علی سے فرداً فرداً پوچھا کہ اگر آپ کو خلیفہ بنا یا جائے تو آپ قرآن و سنت اور خلفائے سابق کے طریقہ پر چلیں گے۔ حضرت عثمان نے ہاں کہہ دی۔ حضرت علی نے کہا کہ میں قرآن و سنت پر چلوں گا۔ اور اپنی فہم و فراست سے کام لوں گا۔ گویا حضرت علی نے خلفائے سابق

کے طریقہ پر چلنے سے انکار کر دیا۔ اسلئے عثمان ہاں کہہ دینے سے خلیفہ اور جس نے انکار کیا مسترد ہو گیا۔ لیکن سوال کرنے والے اور خلفائے سابق کے طریقے پر چلنے کا مطالبہ کرنے والے بھول گئے کہ جس علی سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کی پوزیشن کیا تھی۔ علی کی پوزیشن ملاحظہ ہو۔

خداوند عالم نے انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یؤتون الزکوٰۃ ھم راکعون۔ فرما کر علی کو اپنے اور اپنے رسول جیسا ولی المومنین قرار دیا۔

اجتماع غدیر خم میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کہہ کر علی کو مولائے مومنین ظاہر فرمایا۔

اجتماع حجاج میں سورۂ برأت پڑھ کر سنانے کے لئے رسول اللہؐ نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کو معزول کر کے حضرت علی کو مامور فرمایا۔

رسول اللہؐ کی حدیث ہے۔ انی تارک فیکم الثقلین۔ کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی۔ عترتِ رسول میں حضرت علی بھی شامل ہیں۔

حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں فرمایا کہ علی کی موجودگی میں کوئی فتویٰ نہ دے۔ حضرت عمر ہر پیچیدہ معاملے میں حضرت علی سے استفتا کرتے تھے۔

رسول اللہؐ نے حضرت علی کو اقضاکم اور باب مدینۃ العلم کی سندیں عطا کی تھیں۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے کہ جس علی کی یہ پوزیشن ہے وہ علی اگر اپنی فہم و فراست سے کام لے اور خلفائے سابق کی [illegible] تو کیا خلافت کے [illegible] ہو [illegible]

[illegible]

بہرحال جب خلفائے سابق کے نقش قدم پر چلنا ہی خلافت کی صلاحیت و اہلیت کا معیار ٹھہرا تو جمہور فراست بیکار اور اندھی تقلید لازمی ٹھہری۔ پھر حضرت عثمان جب تقلید پر آمادہ ہوگئے تو ان کو خلیفہ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ لیکن حضرت عثمان کا انتخاب بھی جمہوری ہوتے ہوئے یک نفری ہو کر رہ گیا۔ یک نفری انتخاب کو جمہوری انتخاب مانا نہیں جا سکتا۔ غرضکہ اصحاب ثلاثہ کا انتخاب جمہوری انتخاب کے اصول کے مطابق نہ ہوا۔ کیونکہ ان کا انتخاب امت یا اکابر امت نے نہیں کیا بلکہ فرد واحد نے کیا۔

چوتھے خلیفہ یعنی حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب اس طرح ہوا کہ شہادت عثمان کے بعد مسند خلافت تین روز تک خالی پڑی رہی اور اکابر امت سوچ بچار کرتے رہے۔ بالآخر اکابر امت نے جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی شامل تھے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔ حضرت علی نے ماضی کی تلخ سیاست سے متنفر ہو کر قبول کرنے سے انکار کیا۔ لیکن جب اکابر امت کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو جمہور نے بخوشی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کے انتخاب کے سلسلے میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کا انتخاب یک نفری نہ تھا۔ دوسری یہ کہ تین روز تک لوگوں کو غور کرنے کا موقع ملا کہ خلافت کا اہل کون ہے۔ تیسری یہ کہ حضرت علی نے خلافت قبول کرنے سے انکار کیا۔ مگر اکابر امت نے انکی اہلیت کی [illegible] کو انتخاب کیا۔ چوتھی یہ کہ جمہور نے بخوشی بیعت [illegible] حقائق کے پیش نظر خلفائے راشدین میں [illegible] انتخاب ہی کو جمہوری انتخاب تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

قطعات

از خادم الفقراء غلام صابر قادری السندیلوی

(۱)

ہے بس یہ آرزوئے غلام ابوتراب
ہنگام نزع لب پہ ہو نام ابوتراب
صابر یہ چاہتا ہے کہ دونوں جہان میں
حاصل ہو اس کو قرب مقام ابوتراب

(۲)

انساں کی زباں پہ ہے ہر دم علی علی
اور قدسیوں کے لب پہ ہے پیہم علی علی
صابر نہیں ہے ہم کو عبادت کا کچھ شعور
ورد زباں رکھتے ہیں بس ہم علی علی

کشکول

(از خ - ش)

بلغ العلیٰ بکمالہ	کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ	صلوا علیہ و آلہ

(شیخ سعدیؒ)

عرج الذری نعالہ	ردالذکاء بجا
ساری الوریٰ بخصالہ	صلوا علیہ و

(منفق محمد عباس)

ولادت علماء نے لکھا ہے کہ علی مرتضیٰ کو اپنے ناموں میں ابوتراب سب سے پیارا اور پسندیدہ تھا جب کوئی آپ کو ابوتراب کے نام سے پکارتا تو آپ کو بہت ہی مسرت حاصل ہوتی۔ علی مرتضیٰ عام الفیل کے تیسویں سال شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور اُن کی ولادت خاص کعبہ کے اندر ہوئی تھی شاہ ولی اللہ صاحب نے حاکم محدث کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "یہ خبر تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے علی مرتضیٰ کو جوف کعبہ میں جنا۔"

پرورش علی مرتضیٰ کی پرورش زمانہ بچپن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لے لی تھی اور اُس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُس زمانہ میں قحط سالی بہت پڑ گئی تھی اور علی مرتضیٰ کے والد (ابوطالب) کثیر العیال تھے رسول خداؐ نے یہ حال دیکھ کر حضرت عباس سے کہ آپ کے چچا اور ہی باہم میں آسودہ حال تھے کہا کہ تمھارے بھائی ابوطالب بہت عیالدار ہیں اور اس قحط سالی میں جو حال لوگوں کا ہو گیا ہے تم دیکھتے ہو چلو ہم تم کچھ اُن کے عیال سے تخفیف کریں ایک بچہ کو تم لو اور ایک کو میں لے لوں حضرت عباس نے منظور کر لیا پھر دونوں ابوطالب کے پاس گئے اور اُن سے اپنا ارادہ ظاہر کیا ابوطالب نے یہ سُن کر کہا کہ عقیل اور طالب کو پاس رہنے دو اور پھر جس طرح تمھارا جی چاہے کرو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو اور حضرت عباس نے جعفر کو لے لیا اور علی مرتضیٰ اُس وقت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی مبعوث کیا" (سیرت ابن ہشام)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی مرتضیٰ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لینا ایک طرح پر ابوطالب کے اُن احسانوں سے سبکدوشی حاصل کرنا تھا جو ابوطالب کی طرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کے متعلق آپ کے بچپن میں عمل میں آئے تھے اور جو خدمات شائستہ علی مرتضیٰ کی طرف سے اسلام کی اشاعت میں ظاہر ہوئیں اُن کے لئے ضروری تھا کہ اُن کی پرورش اور پرداخت خاندان نبوت ہی میں ہوتی۔ پس اس نعمت کو باری تعالیٰ کا ایک خاص تصور کرنا چاہیے۔"

(المرتضیٰ ص۱۸ علامہ حافظ [illegible])

قبول اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] پرورش پانے کا یہ اثر ہوا کہ [illegible]

نے اپنی عمر کے چالیسویں سال میں نبوت کا دعوے کیا تو علی مرتضیٰ اُس کے فوراً ہی ایمان لے آئے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مبعوث ہوئے اور علی مرتضیٰ نے سہ شنبہ کو اُن کے ساتھ نماز پڑھی"

(ترمذی باب المناقب)

* مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ قبول اسلام کے وقت علی مرتضیٰ کی عمر کیا تھی۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ علی ابن ابی طالبؓ نو برس کی عمر میں سب سے اول مسلمان ہوئے بعض دس برس کی عمر بیان کرتے ہیں اور ایک قول سے گیارہ برس کی ثابت ہے۔ ابن ہشام کی روایت کے مطابق دس سال درست معلوم ہوتے ہیں وہ لکھتا ہے کہ پہلا مرد جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور جس نے نبوت کی تصدیق کی وہ علی ابن ابی طالب ہیں اور اُن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی" (المرتضیٰ ص از علامہ حافظ عبدالرحمٰن)

دعوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین برس تک اسلام کی دعوت خفیہ طور سے کرتے رہے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ وانذر عشیرتک الاقربین (اور خاص کر اپنے قریب کے رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ) تو آپ نے دعوت کا اظہار شروع کیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو جو تقریباً چالیس تھے کھانے کی ایک تقریب سے جمع کیا اس مجمع میں آپ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو آپ نے صریح طور اپنی رسالت کا ذکر چھیڑا اور حاضرین سے یوں مخاطب کرکے اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے لئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو بے شبہ دنیا اور آخرت کی بہتری ہے اور مجھ کو خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی اطاعت کی طرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا ہے جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا خلیفہ تم میں ہو۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہیں دیا لیکن علی ابن ابی طالب سے اس حقارت آمیز خاموشی کی برداشت نہ ہو سکی اور کھڑے ہو کر بڑی ہمت اور جرأت سے کہا —

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اس مشکل کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ رسول کریم نے یہ جواب سن کر کمال شفقت سے علی مرتضیٰ کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا تحقیق یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ تم میں ہے پس اس کی بات سنو اور جو حکم دے اُس کی اطاعت کرو (ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔ معالم التنزیل)

لوگ اس تقریر کے سنتے ہی قہقہہ لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ تم کو علیؓ کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم ہوا ہے

مسٹر کارلائل ایک فرنگی فاضل نے اس گفتگو کی نسبت اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ مجمع جس میں علیؓ کے باپ ابوطالب بھی تھے اگرچہ محمد کا دشمن نہ تھا مگر تاہم سب کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ (محمد صلعم) اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے خیالات کے خلاف ایستادہ ہوں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا مگر آیندہ چل کر ثابت ہوا کہ یہ بات ہنسی کے لائق نہیں تھی بلکہ بہت ٹھیک اور درست تھی۔ یہ واقعہ جس طرح معالم التنزیل میں لکھا ہے امام نسائی محدث علامہ ابن اثیر اور ابوالفدا وغیرہ مؤرخوں کے نزدیک بھی مسلم اور محقق ہے" (المرتضیٰ ص علامہ حافظ عبدالرحمٰن)

* آپ ایسی قابلیت کے مالک تھے کہ لوگوں کا دل اطمینان اور اُمیدوں سے بھر دیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے حضرت اُم المؤمنین خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے مردوں میں سب سے پہلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے، اسلام کی

دعوت اور اعلان کے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہنے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احساس فرمایا کہ ابوطالب زندگی کے تنگی میں گزار رہے ہیں، آپ نے کوشش کی کہ بیٹوں کا بوجھ اُٹھانے میں دوسرے چچا ابوطالب کی امداد کریں۔ چنانچہ صرف عقیل ابوطالب کے پاس رہ گئے اور وہ یہ چاہتے بھی تھے باقی دوسرے لڑکے اور بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور اُن کی تربیت اور پرداخت فرمانے لگے۔ جب اللہ نے آپ کو موت کے لئے پسند فرمایا تو حضرت علیؑ آپ کی تربیت میں تھے اور ابھی دس سال سے کچھ ہی بڑے تھے۔ پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؑ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ وہ آپ کو غیر معمولی درجہ میں مقدم رکھتے تھے۔ ہجرت کے موقعہ پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپ نے ان مالکوں تک پہنچا دیا۔ پھر قریش نے جس رات اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کی سازش کی تھی آپ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے اس کے بعد آپ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اُس کے بعد مواخات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علیؑ کا بھائی چارہ قائم کیا پھر اپنی لڑکی فاطمہ سے بیاہ دیا بعد میں تمام غزوات میں حضرت علیؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ سخت معرکوں میں علم آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کو بھی اس سے محبت ہے۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک جانے لگے تو فرمایا کہ تم میرے لئے موسیٰ کے ہارون ہو لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا: "جس کا میں سردار ہوں علیؑ اُس کے سردار ہیں۔ اے خدا جو علیؑ کو دوست رکھے اُس کو تو بھی دوست رکھ اور جو اُس سے دشمنی کرے تو بھی اُس سے دشمنی کر۔"

* ڈاکٹر طٰہٰ حسین، مترجمہ عبدالحمید نعمانی "علیؑ" ص ۲۲۔۲۴

* جناب امیرؑ کا بعد حضرت خدیجہ کے سابق الاسلام ہونا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرمالیا ہے ارشاد فرماتے ہیں: "مجھ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے علیؑ ہیں" اس کی روایت امام احمد نے سیدنا عمر سے، طبرانی نے حضرت سلمان سے، بزار نے حضرت ابوذر سے، عقیلی نے براء بن عازب سے امام احمد و طبرانی نے معقل بن یسار سے، دارقطنی نے ابوسعید خدری سے دیلمی نے حضرت سعد و ابوسعید و ام سلمہ و جابر و اسماء بنت عمیس سے حاکم نے معاذ سے، عقیلی نے حضرت عائشہ سے، حاکم ابن عدی خطیب اور ابن اسامہ نے سلمانؓ سے بزار نے حضرت علیؑ سے، حاکم نے ابویعلیٰ سے ابونعیم نے حضرت معاذ اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی اور کی شہادت نا قابل قبول ہے مگر مزید تقویت روایت کے لئے صحابہ کی شہادتیں بھی موجود ہیں چنانچہ امام احمد و نسائی و ترمذی و حاکم، طبرانی نے حضرت زید بن ارقم سے ترمذی، بغوی نے حضرت انس سے طبرانی و احمد نے حضرت جابر و ابورافع سے طبرانی و حاکم نے حضرت انس سے، ترمذی و طبرانی و حاکم و ابن جریر نے ابن عباس سے طبرانی نے حضرت جابر سے۔ ابن عبدالبر نے حضرات ابن عباس، سلمان، خباب۔ مقدادؓ، زید بن ارقمؓ۔ جابرؓ۔ ابوسعید [illegible] عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے حاکم نے ابوموسیٰ [illegible]
امام شافعی، طیالسی ابن ابی شیبہ، امام احمد [illegible]

دبیہقی و ابن عبدالبر و ابن ابی خیثمہ نے زید بن ارقم سے طبرانی و ابن عبدالبر و عبدالرزاق و حاکم و ابن سعد نے ابن عباس سے۔ امام ابوحنیفہ احمد و نسائی و حاکم، بزار و ابویعلیٰ نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ بعد حضرت خدیجہ کے علی ابن ابی طالب سابق الاسلام ہیں محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جناب امیرؑ کے سابق الاسلام بعد خدیجہ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے"

(مناری جولائی ۱۹۵۳ء علامہ عیسیٰ شاہ نظامی)

(اس مقام پر ہم ڈاکٹر صاحب اور شاہ صاحب سے صرف اس قدر عرض کریں گے کہ حضرت علیؑ کے لئے ایمان و اسلام لانے کا سوال پیدا ہی کب ہوتا ہے وہ تو پیدا ہی مومن ہوئے تھے اُن کی پیدائش ہی فطرت اسلام پر ہوئی تھی رسول اسلام کی یہ متفقہ حدیث ہر دو حضرات کے پیش نظر ضرور ہوگی کہ "بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ اُس کے ماں باپ ہیں جو اُس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔ اور یہ متفقہ تاریخی حقیقت بھی یقیناً دونوں حضرات کے علم و یقین میں ہوگی کہ جناب امیرؑ ولادت کے وقت ہی سے رسول اللہ کے ساتھ رہے۔ آغوش رسالت ہی میں پرورش و تربیت پائی۔ ایک ہی گھر میں رہے اس لئے کہ جناب امیرؑ کے والد جناب ابوطالب ہی رسول اللہ کے کفیل تھے اور سات برس کی عمر سے تو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب سے مانگ کر علیؑ کو بالکل اپنی ہی پرورش اور تربیت میں لے لیا تھا اس کے بعد حیات کی آخری منزل تک اور پیغمبر خدا کے آخری نفس بلکہ قبر میں سپرد کرنے تک علیؑ رسولؐ کے ساتھ ہی رہے۔ علیؑ بھی یقیناً فطرت اسلام ہی پر پیدا ہوئے تھے اور پھر پرورش و تربیت رسول اسلامؐ نے کی تھی۔ ظاہر ہے کہ رسولؐ نے فطرت اسلام ہی پر پرورش و تربیت کی ہوگی بھائی اپنے داماد اور شاگرد کو ہو بہو اپنی تصویر ہی بنایا ہوگا۔

تو پھر ایمان و اسلام لانے کا سوال کہاں سے پیدا ہوگیا۔ ہاں یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اُس وقت کے نومسلموں پر جناب امیرؑ کے ایمان و اسلام کا اظہار کب اور کس وقت ہوا۔

ہجرت

'تفسیر من یشتری نفسہ' میں کئی صحابہ نے جناب امیرؑ کا نام لیا ہے اگر اُس کو بخاری نے بقول علامہ ابن رجب اندلسی ملا یا ہمارا آورده مسلم لانہ آوردہ .... قال ابن عبد البر .... البخاری اسقطہ .... علی عادتہ .... عیب علیہ .... علی ... ولا یسما اسقاطہ لذکر علی ابن ابی طالب محض نام علیؑ آنے کی وجہ سے ساقط کر دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں جب کہ چھیالیس ہزار حدیثیں اس کتاب سے غائب ہیں وہاں ایک کا کیا ذکر مگر امام ابن اسحٰق کی سیرت میں سیرت ابن ہشام میں ابن شہری نے صحیح حاکم میں مسند طیالسی میں مسند احمد و شعبی ابوعوانہ و نسائی و خصائص میں۔ تفسیر ابوحاتم تفسیر ثعلبی واحدی و ابن الحاتم وغیرہم جیسی مستند کتب میں یہ واقعہ تمام موجود ہے اور شاہ ولی اللہ ہمارے شیخ الشیوخ بھی ازالۃ الخفا میں اس کو لکھتے ہیں اور ذہبی جیسے متشدد اس کو حدیث صحیح فرماتے ہیں (مستدرک ص ۱۳۳ ج ۱) اور حاکم جیسے امام بن بخاری کو اس کے ترک کا طعنہ دیتے ہیں اور مولانا شبلی جیسے بخاری پرست نے سیرت ج ۱ ص ۱۹۱ میں لکھا ہے "رحمت خدا کا موقع تھا جناب امیرؑ کو معلوم تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر قتل گاہ کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا۔

شرف زوجیت فاطمۃ الزہراؑ

"یبرونہم بالشان" استعارا ور استعارۂ وقار تھا کہ آپ کے بقول ان دونوں بزرگواروں نے بھی جن کی صاحبزادیاں مسلمانوں کی مائیں بن چکی تھیں اس اعزاز خصوصی کے حصول میں سعی کی تھی ملاحظہ ہوں احادیث مرویہ احمد

وابو حاتم ونسائی وعبدالرزاق وغیرہم ومرویات ابن حجر فی اصابہ وابن سعد فی الطبقات وابن اثیر فی اسد الغابہ وابو جعفر فی تہذیب الآثار ومواہب عسقلانی چونکہ تزویج فاطمہؑ پر وحی آسمانی تھی ارشاد ہوا مجھے وحی کا انتظار ہے (امام احمد۔ ابو حاتم۔ ابن ابی شیبہ وحاکم) اتنے میں وحی نازل ہوئی ہے ارشاد فرماتے ہیں خدا نے فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دینے کا امر فرمایا ہے۔ احمد وابو جعفر وطبری وطبرانی وابن شاذان وابن السمان ودیلمی وخطیب وابن عساکر وحاکم از حضرات انس وجابر وابن عباس

زوجیت فاطمۃ الزہراؑ اس مخصوص شرف میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ہے۔ یہ وہ شرف ہے جس کی تمنا کا اظہار بزرگ بھی فرمایا کرتے تھے جن کی صاحبزادیاں مسلمانوں کی مائیں بن چکی تھیں۔ امام احمد ابن ابی شیبہ ابن مندہ ابو یعلیٰ حاکم وابن نجار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جناب امیرؑ کے تین شرف سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتا تو مجھے حمر نعم سے بھی محبوب تر ہوتا۔ ایک تو فاطمہؑ جیسی بی بی کا علیؑ کو ملنا مسجد میں صرف اُن کا دروازہ کھلا رہنا اور یوم خیبر کو رایت کا ملنا۔ یہ وہ شرف وافتخار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یا علیؑ اوتیت ثلاثا لم یوت احد ولا انا اوتیت صهرا مثلی ولم اوت انا مثلی واوتیت صدیقة مثل بنتی ولم اوت مثلها واوتیت الحسنؑ والحسینؑ من صلبک ولم اوت من صلبی مثلهما ولکنکم منی وانا منکم (اس کی روایت دیلمی نے ابن حجر عسقلانی ابو سعد نے شرف نبوت میں اور امام علی الرضاؑ نے اپنی مسند میں اور ابو الحسن ملا نے سیرت میں کی ہے) یعنی اے علیؑ تم کو تین باتیں ایسی حاصل ہیں جو مجھے بھی حاصل نہیں اور نہ کسی کو حاصل ہیں، تم کو مجھ جیسا خسر ملا۔ مجھ کو مجھ جیسا خسر نہیں ملا۔ تم کو میری بیٹی جیسی صدیقہ بی بی ملی مجھ کو ایسی نہ ملی۔ تم کو حسنینؑ جیسے بچے ملے مجھ کو [illegible] ملے مگر تم سب میرے اور میں تمہارا ہوں۔ یہ وہ شرف ہے [illegible] کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں لولم یخلق علی ما کان لفاطمة کفو۔ جامی نے اس کا ترجمہ خوب فرمایا ہے ؎

گر علیؑ خود نمی شدے مخلوق
ہم نمی داشت فاطمہؑ ہمسر

حضور نے ارشاد فرمایا۔ فاطمہ بنت محمد سیدۃ نساء العالمین، سیدۃ نساء المومنین سیدۃ نساء اہل الجنۃ (امام احمد از حضرت عائشہ) اور فرمایا۔ یا فاطمة الا ترضین ان تکونی سیدة نساء العالمین وسیدة نساء المومنین وسیدة نساء هذه الامة (از حضرت عائشہ) ذہبی نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۵۶ سیدۂ نساء عالمیان وسیدۂ نساء اُمت وسیدۂ نساء اہل جنت کے شوہر بننے کا شرف اسی کا حصہ تھا جو زبان رسالتؐ سے امیر المومنین سید المسلمین (حاکم۔ بزار۔ ابن مردویہ۔ ابو نعیم) سید دارین (احمد وحاکم) نبیوں اور رسولوں کے سوا باقی ساری اولاد آدم کا سردار (ابن مردویہ خوارزمی) امام البررہ (حاکم) نفس رسول اللہ (خوارزمی، ابن نجار والجویلی) نظیر رسول خدا (طبرانی ابو جعفر طبری ودیلمی وابن عساکر) خدا و رسولؐ کے محبوب ترین (نسائی حاکم امام احمد) ہونے کا شرف یاب تھا۔

انذار عشیرۃ الاقربین" جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے انذار کا آپ کو حکم ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان یعنی گوشت روٹی اور دودھ مہیا کر دوں اور بنو عبدالمطلب کو دعوت [illegible] تقریباً چالیس بنی عبدالمطلب جمع ہوئے آپ کے [illegible] ابو لہب، حمزہ اور عباس بھی تھے [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب فرمایا کہ خدا نے کل بنی آدم بالخصوص تم پر مجھے اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ کون تم میں سے میرا شریک کار اور حامی ہوتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میرا بھائی، میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوا جاتا ہے۔ تین مرتبہ کے بعد بھی کسی نے جواب نہ دیا تو میں نے کہا میں سب میں کمسن، کمزور اور ناتواں ہوں مگر میں تازیست آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کا ممد و معاون رہوں گا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیٹھ ٹھونکی اور قوم سے فرمایا (ھذا اخی ووصیی ووزیری وخلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا) "یہ میرا بھائی میرا وصی، میرا وزیر اور تم میں میرا خلیفہ ہے اس کی سنو اور اطاعت کرو" ہماری برادری نے اس کا مضحکہ اڑایا اور میرے باپ ابوطالب سے کہا کہ اب اپنے بیٹے کی اطاعت کرتے رہو۔ تقریباً انھیں لفظوں میں یا کم و بیش یہ واقعہ مسند امام احمد و مناقب امام احمد و مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ و خصائص نسائی و سیرت ابن اسحٰق و طبری تاریخ و تہذیب آثار طبری و دلائل بیہقی و ابونعیم و تاریخ ابوالفدا و تاریخ خمیس و تفاسیر ابن مردویہ و واحدی و ابن ابی حاتم و معالم بغوی میں موجود ہے ملاحظہ ہوں خصائص نسائی ص۱۸ مسند احمد ص۳۶ جلد سوم کنز العمال جلد ۶ ص۳۹۷ تفسیر معالم بغوی ص۶۶۳ مطبوعہ بمبئی تاریخ ابوجعفر طبری جرمن ص۱۱۷۲"۔

امام بخاری کی مصلحتوں کو وہی جانیں مگر آپ کے خلاف رائج انذار عشیرت اقربین اور اندراج واقعہ کوہ صفا و نزول تبت یدا اور باب انذر عشیرتک الاقربین سے آپ کے ہمنوا ابن خزیمہ و اسمٰعیلی بھی چکرا گئے اور آخر انھیں کہنا پڑا کہ انذار عشیرت والا معاملہ صدر اسلام کا ہے جب کہ نہ ابن عباس پیدا ہوئے تھے اور نہ ابوہریرہ کوئی واقف تھا۔

بخاری کی روایت انذار عشیرت کی اب کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ اس کے ایک راوی ابن عباس اس وقت پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور دوسرے راوی ابوہریرہ مشکل ڈھائی تین برس کے ہوں تو ہوں۔ انذار عشیرت والی حقیقی روایت کو ترک کر کے کوہ صفا والی روایت کو آیت وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت میں نقل کیا اور جناب علیؑ سے روایت نہ لے کر اسی ہستی سے اس کو مروی کرایا جو عالم وجود ہی میں نہ آیا تھا اور واقعہ کے وقت اس کے پیدا ہونے میں تین سال باقی تھے اور یہاں ہوں یقیناً اصح الکتب کے شایان شان ہے۔ بخاری کے چھپائے نہ چھپنے والے واقعہ انذار عشیرت کا تذکرہ تفسیر خازن تفسیر سراج منیر تفسیر ثعلبی تفسیر واحدی تفسیر ابن مردویہ تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر معالم التنزیل امام بغوی کنز العمال، دلائل بیہقی۔ دلائل ابونعیم حلیۃ الاولیاء۔ ذخیرۃ المآل عجلی مختارہ ضیاء مقدسی تہذیب الآثار طبری اکتفاء عاصمی کامل ابن اثیر تاریخ ابوالفدا تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر معارج النبوۃ مدارج النبوۃ۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے اس کا انکار اور اخفا ممکن نہیں علاوہ ازیں مؤرخین یورپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی میں لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے مخالفین کی دعوت کی اور اپنی تقریر اس پر ختم کی کہ کون میرا ساتھ دے گا اور میرا وزیر اور میرا خلیفہ بنے گا کسی نے جواب نہ دیا تو جوان علیؑ نے للکار کر کہا میں آپ کا ساتھ دوں گا اس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تو میرا بھائی، میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہے'

کارلائل اپنی کتاب ہیروز میں لکھتے ہیں اگرچہ یہ مجمع جن میں علیؑ کے والد ابوطالب بھی تھے کھلم کھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ابھی تک مخالف نہ تھا مگر سب کو اس کا اچنبھا

تھا کہ ایک ادھیڑ آدمی اور پندرہ سالہ لڑکا دنیا کو رام کریں گے مضحکہ خیز تھا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ دعویٰ درست تھا"
(منادی جولائی ۱۹۳۵ء علامہ علینی شاہ نظامی)

• جناب من حضرت علیؓ کا کاشانۂ نبوی میں رہنا بھی اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؓ کا حجرہ متصل حجرۂ حضرت عائشہ تھا (بخاری)

ریاض نضرہ طبری ناقل روایت ہے۔ اس کے اصل راوی جنھیں آپ جھوٹا کہہ رہے ہیں وہ امام احمد بن حنبلؒ امام نسائی، دارقطنی و حاکم ہیں آپ ان بزرگوں کو جو چاہیں کہیں۔ بخاری جو آپ کے عندیہ میں مضبوط ماخذ ہے اس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ ایک دیوار کی آڑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس حجرہ کے متصل رہتے تھے اور آپ کا حجرہ وسط بیوت ازواج مطہرات تھا بیٹی اور باپ کے سرھانے رات دن رہے اور داماد بلکہ بھائی اپنے بھائی کے آخری وقت قریب و جوار میں بھی نہ رہے۔ یہ آپ کے حد آ ہیں کوئی وحی یا واقعہ نہیں یہ تو تجاہل عارفانہ ہے کیونکہ مولانا نے سچ کہا آخر وہی علیؓ تھے نا! جنھوں نے پیغمبر کو نہلایا دُھلایا کفنایا اور دفنایا تھا کیا یہاں پر بھی علیؓ کا وجود آپ کے نزدیک موجود نہ تھا

آپ مانیں نہ مانیں حضور کے آخری وقت علیؓ ہی پاس تھے۔ حضور کی چادر میں علیؓ ہی تھے دست مبارک علیؓ ہی کی گردن میں حمائل تھا اور علیؓ کے سینہ پر ہی پیغمبر کا سر تھا آخر تھا حضرت ام سلمہ یہی کہتی ہیں اور حضرت عائشہ بھی فرماتی ہیں۔ امام احمد نے اس کو حضرت ام سلمہ سے بطریق متعددہ روایت کیا ہے اور نسائی و حاکم حضرت ام سلمہ سے یہی روایات ہیں دارقطنی حضرت عائشہ سے یہی نقل کرتے ہیں اور ابن عاری ابن عمر سے یہی روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد کئی طریقوں سے طبقات میں اور فخر رازی اربعین میں اس کا اثبات کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں آپ کی بائے دالے

فضول ہے: اگر یہ ترتی ہوئی بات ہوتی تو امام [illegible] شیخ دہلوی میں جمع ہیں۔ الرحاشین کی زحمت [illegible] نہ ہوتی" (زرقانی وفات النبی اندر مدارج جلد دوم صد ۸۸۲) (منادی ۳۵ء علامہ علینی شاہ نظامی)

• حضرت علیؓ کا جام صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ ضبط نہ کر سکے۔ انھوں نے مجمع کے سامنے ایک تقریر کی جو روضۃ الاحباب میں بالتفصیل موجود ہے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب فرما کر کہا۔ لوگو میں تم کو قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا شخص ہے جس سے رسول خدا صلعم نے عقد مواخاۃ کے موقعہ پر انت اخی فی الدنیا والآخرہ کہا ہے۔ کیا کوئی شخص ایسا ہے جس کے حق میں آنحضرت نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہا ہو۔ کیا میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کو سورۂ برات لے جانے کا امین قرار دے کر آنحضرت نے یہ کلمات فرمائے ہوں لا یؤدی عنی الا انا او رجل من عترتی۔ کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا شخص ہے کہ آنحضرت نے غزوات میں جب اُسے کہیں بھیجا ہو تو اُس کو تمام مہاجرین و انصار پر امیر بنایا ہو مگر اُس پر کبھی کسی کو امیر نہ بنایا ہو۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کے حق میں آنحضرت نے انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فرمایا ہو کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جو خطرات کے موقع پر اعدا کے رغنہ میں آنحضرت کے ساتھ ہمیشہ ثابت قدم رہا ہو کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوا ہو۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو سلسلۂ نسب میں رسول خدا صلعم سے مجھ سے قریب تر ہو — لوگوں نے خاموشی [illegible] سنی اور ہر ایک سوال پر حضرت علیؓ کی تائید کرتے ہوئے "کوئی نہیں"، "کوئی نہیں" کے نعرے لگائے۔"
(نگار فروری ۱۹۳۶ء علامہ [illegible])

• مستدرک میں حاکم نے عمران [illegible] کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا [illegible]

عبادۃ - علیؑ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے (مستدرک۔ حاکم ج۳ ص۱۴۱) اور عبداللہ ابن مسعود نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ
نزل الابرار میں علامہ بدخشی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ طبرانی حاکم ابن مسعود اور عمران بن حصین سے اور ابن عساکر ابوبکر صدیق اور عثمان بن عفان، معاذ بن جبل جابر ابن عبداللہ، انس، ثوبان اور ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ النظر الی وجہ علی عبادۃ (نزل الابرار ص۲۹)
مولوی عبیداللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ جناب ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے باپ ابوبکر کو دیکھا کہ حضرت علی ابن ابی طالب کے چہرہ مبارک کی طرف کثرت سے دیکھا کرتے تھے۔ میں نے کہا ابا جان میں دیکھتی ہوں کہ آپ جناب علی مرتضیٰ کے چہرہ مبارک کی طرف کثرت سے دیکھا کرتے ہیں فرمایا کہ اے بیٹی میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ علی علیہ السلام کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے (ارجح المطالب ص۱۳۵) اور جو صورت نہ دیکھ سکیں ان دوستوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ صادق آل محمدؑ نے فرمایا کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے النظر الی علی ابن ابی طالب عبادۃ وذکرہ عبادۃ ولا یقبل ایمان عبد الا بولایتہ والبراءۃ من اعدائہ یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے کسی شخص کا ایمان قبول نہیں کیا جا سکتا مگر ولایت علیؑ کے ساتھ اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کے ساتھ (جامع الاخبار ص۱)

"سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ ایست
برائے نساء اسلام"

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین
آں امام اولین و آخرین
بانوے آں تاجدار ہل اتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرگار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں
پشت پا زد بر سر تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرار جہاں
قوت بازوئے احرار جہاں
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودی چادر خود را فروخت
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بہ داماں نماز
اشک او برچید جبریل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں
رشتۂ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے"
(علامہ اقبالؒ)

علیٌ حُبُّہٗ جُنّہ
قسیم النار والجنہ
وصی المصطفیٰ حقاً
امام الانس والجنہ
(شافعیؒ)

آنرا کہ دوستی علیؑ نیست کافر است
گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
(حافظؒ)

امروز زندہ ام بولائے تو یا علیؑ
فردا بروح پاک اماماں گواہ باش
(علامہ عبدالرحمٰن ارشاد مرشد صـ۵۳)

"شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰ"

مسلم اول شہ مردان علیؑ — عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ
از ولائے دودمانش زندہ ام — در جہاں مثل گہر تابندہ ام
خاکم و از مہر او آئینہ ام — می تواں دیدن نوا در سینہ ام
از رخ او فال پیغمبر گرفت — ملت حق از شکوہش فر گرفت
قوت دین مبین فرمودہ اش — کائنات آئیں پذیر از دودہ اش
مرسل حق کرد نامش بوتراب — حق یداللہ خواند در ام الکتاب
ہر کہ دانائے رموز زندگی است — سر اسمائے علیؑ داند کہ چیست
شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد — ایں گل تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است — بوتراب از فتح اقلیم تن است
مرد کشور گیر از کراری است — گوہرش را آبرو خودداری است
ہر کہ در آفاق گردد بوتراب — باز گرداند ز مغرب آفتاب
ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ بست — چوں نگیں بر خاتم دولت نشست
زیر پاش اینجا شکوہ خیبر است — دست او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاہی یداللہی کند — از یداللہی شہنشاہی کند
ذات او دروازۂ شہر علوم — زیر فرمانش حجاز و چین و روم
(علامہ اقبال مرحوم)

گمراہوں کی اندھی تقلید کی مذمت

"خدا کے نزدیک اُس کی مخلوقات میں سب سے زیادہ دشمن دو ہی شخص ہیں ایک وہ شخص جسے خدا نے اُس کی حالت پر چھوڑ دیا ہے پس وہ حکم خدا کو نہیں مانتا اور سیدھی راہ سے پھرا ہوا اور کلامِ بدعت و دعوتِ گمراہی پر فریفتہ ہے۔ ایسا شخص فتنہ ہے بہ اُس کے دام کے لئے جو اُس سے فریب کھائے خود اپنے سے پہلے لوگوں کی راہِ راست سے ہٹا ہوا ہے اور گمراہ کرنے والا ہے ہر اُس شخص کا جو اُس کی زندگی میں اور اُس کے مرنے پر اُس کی پیروی کرے۔ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے والا اور اپنے گناہوں میں آپ گرد ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالتِ محض کو سمیٹ لیا ہے۔ جاہلانِ اُمت میں گمراہی کو تیزی سے پھیلاتا ہے۔ فتنہ و فساد کی تاریکیوں میں تیز دوڑتا ہے اور صلح و سکون میں جو نفع ہے اس سے اندھا ہے۔ ظاہر بیں لوگوں نے اُس کا نام عالم رکھا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔ اُس نے جلد جلد بہت کچھ ایسا توشہ سے جمع کر لیا کہ جس کا کم ہونا اس کی زیادتی سے بہتر تھا یہاں تک کہ جب وہ گندے پانی سے یعنی عقائدِ فاسدہ سے سیراب ہو گیا اور مہملات کو اپنے دماغ میں بھر لیا تو لوگوں میں قاضی ... ایسا جاہل ہے کہ اُسے گمان بھی نہیں کہ جس چیز سے انکار کرتا ہے دیا ...

قصیدہ در مدح مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام

جناب سکندر مرزا صاحب مانی لکھنوی، ۴/۳ ۲۱۹ پاٹا نالہ، لکھنؤ

ہوا چلی کلی کھلی گلوں پہ کیا نکھار ہے — چمن چمن بہار ہے دمن دمن بہار ہے
جو سبزہ محو خواب تھا وہ جاگ اُٹھا تو کیا عجب — فضا بھی عطر بیز ہے صبا بھی مشکبار ہے
کہیں ہیں نغمہ سنجیاں کہیں ہیں نغمہ ریزیاں — جہاں میں آج جو بھی ہے خوشی سے ہمکنار ہے
لدی ہے گل سے شاخ گل دلہن بنا ہوا چمن — ہیں رقص میں طیور گر تو نغمہ زن ہزار ہے
بجا رہا ہے جل ترنگ اچھل اچھل کے آبشار — ہر ایک چیز وجد میں خود آب پر نثار ہے

کھلی ہوئی ہے چاندنی ہوا بھی خوشگوار ہے
دلا کے بادہ مئے لئے ہر ایک میگسار ہے

صدا یہ آئی اس گھڑی خبر نہیں ہے بے خبر — یہ آنے والا آج کا ولیٔ کردگار ہے
علی ہے اس کا نام تو ابو تراب ہے لقب — برادر رسول ہے حرم کا ورثہ دار ہے
یہ ہاشمی وقار ہے یہ وارث خلیل حق — وصی ہے یہ رسول کا رضائے کردگار ہے
امام مومنوں کا ہے یہ راہبر ہے دین کا — یہ کفو ہے بتول کا یہ ایسا باوقار ہے
علی ہے باب علم کا رسول شہر علم ہیں — یقین ہے رسول کا خدا کا اعتبار ہے
مجال کس کی ہے بھلا ثنا جو اس کی کر سکے — یہاں بھی اس کی بات ہے وہاں بھی اقتدار ہے
غدیر خم کا واقعہ بتا رہا ہے صاف صاف — خلافت رسول کا علی ہی ذمہ دار ہے
یہی ہے شاہ شاہوں میں فقیروں میں یہ ہے فقیر — یہ ناز کردگار ہے یہ فخر روزگار ہے
دعا کو اس پہ ناز ہے خدا کا اس کی ذکر کیا — نثار اس پہ حق اگر تو حق پہ یہ نثار ہے
فضائل علی اگر خود نبی بیاں نہ کر سکے — فضیلت اس کی مومنو! اسی سے آشکار ہے
علی کی ذات پاک سے نبی کے بعد دیں بچا — اسی کی کوششیں ہیں یہ جو دین برقرار ہے
زہے مقام ایسا پا گیا ہو جس پہ مرتضیٰ تھا — کہ مانی اس کے واسطے بہت ہی بیقرار ہے

محسن زیدپوری اور اُن کی مرثیہ گوئی

سید سبط محمد نقوی صاحب اکبرپور

جونپور کی مرکزیت و اہمیت سے انکار نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ جب شاہ جہاں نے "پورب شیراز ماست" کہا ہوگا تو اس کے پیش نظر محض جونپور کا شہر اور ضلع ہی نہیں بلکہ قنوج سے لے کر پٹنہ کا وہ پورا علاقہ رہا ہوگا جو شرقی سلطنت کے مشرقی اور مغربی حدود کے اندر تھا اس سلطنت کی بہار علم و فضل مولانا ابو العرفان ندوی کے قلم سے دیکھئے۔

"گاؤں گاؤں شرفا کی آبادیاں قائم ہو رہی تھیں، قصبوں میں قاضیوں، مفتیوں اور شیوخ وقت کو جاگیریں اور معافیاں دی جا رہی تھیں اور ہر جگہ علم و فضل کی مسندیں بچھی تھیں اور طلبا کے قافلے اس سرے سے اس سرے تک علم کی طلب اور تحصیل میں آ جا رہے تھے آج بھی ان اطراف میں شرفا کے جو خاندان آباد ہیں ان کے بزرگ اُسی عہد کی یادگار ہیں اور جس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ انھیں شرقی بادشاہوں کا فیض ہے آخر میں سلطان عالمگیر کے عطیے ہیں، سادات اور صدیقی، فاروقی، انصاری شیوخ کی نوآبادیاں قنوج سے لے کر جونپور سے گزر کر غازی پور تک پھیلی ہوئی تھیں خانقاہیں اللہ والوں سے اور درسگاہیں علم کے طلبگاروں سے بھری پڑی تھیں۔ مشرقی سلطنت کے فروغ نے ظفرآباد اور جونپور کے در و دیوار کو پُرنور شاد کیا تھا۔ علما اور اہل ہنر دور دراز ملکوں سے کھنچے چلے آتے تھے۔"[1]

ان سطروں میں مولانا ابو العرفان ندوی نے سلطنت اودھ کے نواب وزیروں اور بادشاہوں [illegible] ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس مضمون میں اس بات کے اثبات کی کوشش کی ہے کہ بعض فرمانروایان اودھ جونپور کی علمی سرگرمیوں میں مزاحمت کرنے کے خطا[illegible] ہیں۔ اس الزام کا جائزہ لینے کا یہ مناسب محل نہیں [illegible] یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب الہ آباد اور جونپور کے علاقے انگریزوں کی ہوس ملک گیری کا شکار ہو [illegible] تھے اور یہ مثل "شہنشاہان ہند کی کمزوری کے باعث [illegible] واقعہ کی تصویر بن گئی تھی کہ "سلطنت شاہ عالم [illegible] تا پالم" تو جن مرکزوں نے علم کی پرورش اور [illegible] علم کی دستگیری کی تھی اُن میں اودھ کی اہمیت [illegible] زیادہ تھی اور اودھ کو علمی اعتبار سے [illegible] جنت بنا ہی دیر تک کرنے کی [illegible]

[1] ندوۃ [illegible] مضمون [illegible]

کو پروفیسر احتشام حسین کے لفظوں میں دیکھئے :۔

.. لکھنؤ جو لکھنؤ گرد ولیلاد کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اسکے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ علم و دولت اور علما پرور حاکم، سخن دان و سخن سنج امرا صاحب علم و تدبیر وزرا اور عمال حکومت دہلی سے آئے ہوئے شعرا، فن کار، ماہرین موسیقی اور ان سب پر بالا ایک رنگین تعیش پسند اور خوبصورت فضا۔ لکھنؤ پر ٹوٹ کر بہار آئی اور کل سو سال کے عرصے میں تہذیبی زندگی نے ایسے بال و پر پیدا کر لئے کہ دہلی تو دہلی شیراز و اصفہان کی رونق اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی"

لکھنؤ کی اس بہار نے اپنے دیہی قصبات کو بھی گلزار بنانے میں کسر نہیں چھوڑی۔ بلگرام۔ سندیلہ۔ کاکوری۔ محمود آباد زید پور اور ان کے علاوہ اور بہت سے قصبے اپنے مرکزی ہمعصر کی آواز پر آواز دے رہے تھے۔

ان قصبات میں زید پور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے لکھنؤ کی اصل نمائندگی کی اور ایرانی اثرات اور مذہبیت جو لکھنوی ثقافت کے سب سے مؤثر عنصر کہے جاتے ہیں ان کی جیسی نمائندگی زید پور سے ہوئی اسکی مثال کمیاب ہے۔ اس سرزمین نے جتنے مداحان اہلبیت اور مرثیہ نگار پیدا کئے ہیں اُن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس سرزمین کے فرزندوں میں خدا پرستی اور مستحکم مذہبیت کے جو نمونے دیکھنے میں آتے ہیں وہ بھی معمولی نہیں ہیں۔ لیکن میری حیرت اس وقت دُور ہو گئی جب میں نے زید پور کے نسبتگار کا یہ بیان پڑھا " (سید عبد اللہ) جب مشہد مقدس میں پہنچے تو حضرت امام رضا نے آپ کو اس طرح بشارت دی کہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا محل اقامت ہندوستان ہے۔ اس وقت حسب ارشاد اپنے جد بزرگوار کے آپ عازم سمت ہندوستان ہوئے۔

بعد سیر و سفر کے ۵۲۷ھ ہجری میں مقام شہر لاہور پہنچے کہ وہ زمانہ سلطنت سلطان ناصر الدین مسعود ولی عہد سلطان محمود غزنوی تھا۔

آپ نے چاہا کہ لاہور میں توطن اختیار کروں ایک شب عالم خواب میں جمال جہاں آرائے جناب رسالتمآب کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی جائے سکونت و اقامت ملک " شرق " ہے۔

موجب ارشاد حضرت نبوی آپ نے وہاں سے بھی مسافرت اختیار کی شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ جستجوئے جائے معہود کرتے ہوئے جب مقام ایرج میں پہونچے اور چاہا کہ اس مقام پر استقامت فرمائیں اس کے واسطے آپ نے جناب رسالتمآبؐ و حضرت علی مرتضیٰؑ سے رجوع کی دونوں حضرات کی زیارت سے خواب میں پھر مشرف ہوئے۔ جناب رسول خداؐ نے حضرت علی مرتضیٰؑ سے فرمایا کہ یا علی اس فرزند کو اپنے ہمراہ لے جاکر اس کی جائے سکونت کو کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے معین فرمائی ہے بتلا دو۔

حسب الارشاد نبویؐ جناب علی مرتضیٰؑ نے ہاتھ سید عبد اللہ کا اپنے دست مبارک میں لے کر چشم زدن میں اس سرزمین پر جہاں اب آبادی قصبۂ زید پور ہے پہونچا دیا اور فرمایا کہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی جائے سکونت یہی سرزمین ہے۔ تمہارے ایک پسر ہوگا اس کا نام امیر زید رکھنا اور اسی کے نام سے آبادی اس مقام کی موسوم کرنا خلاق عالم تمہاری اولاد و احفاد کی اس قدر کثرت عطا فرمائے گا۔ جس طرح آسمان پر ستاروں کی کثرت ہے۔[۱]

[۱] تذکرۃ الطیبات مولفہ سید ظہور الحسین فرزند سیا پوری مطبع ۱۳۱۶ھ ص ۲۴۔

یہ سید عبداللہ جو ایک اظہار کرامت کے بعد عبداللہ زربخش کے نام سے مشہور ہوئے تھے۔ جناب موسیٰ مبرقع فرزند امام محمد تقی کے واسطے سے سرور کائنات کی چودھویں پشت میں ہیں آپ کی ولادت قم میں ہوئی اور سن تمیز کو پہونچنے کے بعد آپ حا حرم تشریف لائے اظہار کرامت کے بعد خلیفہ ابو جعفر عباسی کے درپئے ہلاکت ہوجانے کے بعد مشہد مقدس میں تشریف لائے اور بشارت نبوی کی بنا پر موضع سلیمان آباد (سترکھ) کے سادات موسوی میں سید سالار داؤد کی صاحبزادی سے عقد کیا یہ سید سالار داؤد ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی[1] کے بیان کے موجب سلطان محمود غزنوی کے بہنوئی اور سید سالار مسعود غازی کے والد تھے۔ انھیں سید سالار داؤد کی صاحبزادی یادگار بانو سے سید زید کی ولادت ۲۶۲ھ میں ہوئی اور اسی وقت آپ نے زیدپور کی آبادی کی بنیاد ڈالی ؎

ست دو دو بار نام زید بخوان[2]

سے سید زید کا سال ولادت جو زیدپور کی آبادی کا سن آبادی بھی ہے مستفاد ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں سید زید کی اولاد روئے زمین پر اسی کثرت سے پھیلی جس طرح آسمان پر تارے۔ زیدپور کے علاوہ ان سادات کی مشہور بستیاں۔

امروہہ، سیتاپور، کراری الہ آباد، بلول، بہادرپور، الور، موہنہ، فخرپور، بہرائچ، فیض آباد، کڑاہ جہان آباد، کھیری۔ اجمیر، ماہل، محمود آباد، ماجی پور۔ لسودھی۔ سہارنپور۔ کرانہ۔ جھنجانہ۔ میوات۔ بیجاپور۔ کرت پور ضلع بجنور۔ درھنگہ۔ عظیم آباد۔ پنڈوا۔ کنور پور۔ مالوہ۔ کرکھلا۔ سفیدوں نواح دہلی۔ حیدرآباد دکن۔ باسرٹا۔ بنگال اور ضلع بارہ بنکی میں بھان مئو۔

چندواره۔ قصبہ دیوی۔ کسردہ۔ موتھری۔ رسول پور۔ سدھور وغیرہ اور تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں آباد ہیں۔

۱۸۵۷ء کی ناکام انقلابی جد وجہد کے زمانے میں جناب مفتی علامہ میر عباس شوستری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے زیدپور میں گوشۂ امن اختیار فرمایا تھا۔ جناب مفتی علامہ نے اس سفر کے حالات "رق منشور" نامی رسالہ میں قلم بند فرمائے ہیں جیسا کہ صاحب تجلیات کا بیان ہے۔ ۱۵ شوال ۱۲۷۴ھ کو جناب مفتی صاحب نے حالات زیدپور میں ایک نظم کہی تین شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں ؎

چو در لکھنؤ شد فساد و فتور
اقامت گزیدیم در زیدپور
در آنجاست پانصد نفر پور زید
نہ ماند تو زید بر مکر و شید
کہ اہل سیارا اند و مہماں نواز
ہمہ پاک دین و ہمہ پاک باز[1]

حضرات زیدپور پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے کہ انھوں نے ایسے علامہ اجل کی مہمان نوازی کی اور ان کے قلم حقیقت رقم سے نہ صرف "نیازمندی و مہمان نوازی" بلکہ "پاک دینی و پاک بازی" کی بھی سند پائی یہ سند ایک دو کے لئے نہیں جناب مفتی صاحب نے "ہمہ" کی وسعت میں ان کا احاطہ کیا ہے۔

اس مومن خیز بستی نے علماء، وافاضل، شعراء و مداحان اہلبیت کی بڑی تعداد پیدا کی بلا خوف تردید عرض کیا جا سکتا ہے کہ روساء علماء اور مداحان اہلبیت کی ایسی مسلسل روایت کسی دوسری بستی نے کبھی پیش کی ہوگی۔ چند دانش وروں کے نام ملاحظہ فرمائیے

---

[1] و [2] داستان دبیر ص ۳۲۹

[1] تجلیات (تاریخ عباس) ص ۲۸ ج ۱ ادل

مولانا مفتی نقی۔ حافظ الدولہ مولوی سید مہدی حسین۔ سید جلال الدین غالب۔ حکیم سید مرتضیٰ محمد۔ مولوی عبدالاول شارح بخاری۔ حاجی سید محمد علی زائر۔ سید فضل علی دلدار مولوی سید علی ضامن۔ مولوی یونس حسین یونس۔ مولوی مہدی حسین عبرت۔ میر فراست حسین فراست۔ حکیم سید امداد حسین۔ حکیم سید محمد ہاشم ہاشم۔ مولوی فوا د حسین مولانا سید حیدر مہدی مولانا سید محمد مہدی۔ میر فرزند حسن اثر۔ میر محمد محسن محسن۔ سید نوحسن حسن ایک دو نہیں بہت سے نام۔ مگر یہاں ہم دبستان دبیر کے نامور مرثیہ گو فراست زید پوری کے شاگرد رشید جناب محسن زید پوری کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کرتے ہیں۔

جناب سید محمد محسن صاحب محسن کی ولادت ۹ رجب ۱۳۱۶ھ کو میر سجاد حسین صاحب تعلقدار کے منجھلے فرزند میر مستفاد حسین صاحب مرحوم کے گھر میں ہوئی آپ اپنے والد ماجد کے منجھلے صاحبزادے تھے، بڑے الحاج سید عابد رضا صاحب ریٹائرڈ جج کا انتقال ہو چکا ہے چھوٹے سید محمد حسین صاحب بحمد اللہ حیات ہیں۔

محسن زید پوری کی مکتبی تعلیم اُس وقت کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ مولوی ریاست حسین صاحب مرحوم سے قرآن مجید اور حضرت یونس زید پوری سے اُردو، فارسی کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول بارہ بنکی میں پڑھتے رہے۔ تعلیم ترک کرنے کے بعد میر اقبال حسین صاحب مرحوم تعلقدار کی فرمائش پر انتظام ریاست میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلہ خاتمۂ زمینداری تک رہا۔

تین مرتبہ زیارت عتبات عالیات سے شرفیاب و مشرف ہوئے اور چوتھے سفر کی تمنا میں ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

ہوا ہے زمزمۂ غم بقدر رنج و غم کا اثر
دو نیم ہو گیا محسن ہر ایک قلب و جگر
دعا یہ کرو تم یہ مرثیہ پڑھ کر
الٰہی بار چہارم ہو کربلا کا سفر
ملے جو قرب حرم دل شعور کیوں آؤں
در حسینؑ سے پھر زید پور کیوں آؤں

ان مقامات متبرکہ پر حاضری کے دوران بھی مرثیہ گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ غریب الغربا، ثامن الائمہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضۂ مقدس کی زیارت کے تاثرات نظم فرمائے ہیں۔ وفور عقیدت ہی نہیں حسن نظم بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

بجا ہے جتنا کرے افتخار میرا نصیب
کہ پہونچا تا بہ در دولت امام غریب
عجی فقیر ہوا پائیں دولتیں وہ عجیب
ضریح شاہ تھا میں اور جناں بھی میرے قریب
نظر کے سامنے تھا اوج پایۂ طوبیٰ
تھا سر پہ گنبد اقدس کا سایۂ طوبیٰ

ہے جتنا روضۂ دلبند بوتراب میں نور
نہ ماہ میں ہے نہ اُتنا ہے آفتاب میں نور
بھرا ہوا ہے ضریح ملک جناب میں نور
لحد میں ہے وہ رُخِ پاک پا نقاب میں نور
کسی میں تاب نہیں ہے اُسے جو دیکھ سکے
یہ نور وہ ہے کہ موسیٰ نہ اس کو دیکھ سکے

محسن مرثیہ نگاری میں دبستان دبیر کے سربرآوردہ اوستاد فراست زید پوری کے شاگرد ہیں۔ یہ سلسلہ تلمذ بچپنے عمر میں شروع ہوا اور اُستاد محترم کی حیات تک جاری رہا۔ شاگرد کے مذاق شعری اور جوہر قابل کو دیکھ کر اُستاد نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ حقیقی جواہر پارے تھے جو فراست مرحوم نے رموز فن اس طرح تعلیم کئے

جیسے کبوتر اپنے بچوں کو دانا بھراتا ہے۔ مختصر ہی مدّت میں آپ کو مستغنی عن الاصلاح قرار دے کے اپنے دوسرے تلامذہ کو محسنؔ صاحب کی طرف رجوع کی ہدایت کی محسنؔ نے بھی حقِ شاگردی ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا تفصیل آپ آگے ملاحظہ فرمائیگے۔

جناب محسنؔ ایک اچھے خطّاط بھی ہیں۔ تقریباً تین سال کی مدت میں قرآن مجید کے ایک نسخہ کی کتابت کی مجھے تو اُس کی زیارت سے محظوظ ومتاب ہونے کا موقع نہیں ملا لیکن جن حضرات کو یہ ثواب میسّر ہوا وہ بہت تعریف کرتے ہیں۔ حضرت محسنؔ قصر ریاست میں پیدا ہوئے عنفوان شباب سے انصرام واہتمام بھی ہاتھ میں رہا۔ علمی مذاق شاعری وخطاطی نے فنکارانہ انہماک نے زندگی کو جادۂ وقار واعتدال سے ہٹنے نہ دیا لیکن پھر بھی سیر وشکار سے دلچسپی رہی۔ ایک بار ریوالور کی خریداری کی ایسی دُھن سمائی کہ اپنے قریبی رشتے کے پوتے مولوی دلشاد حسین صاحب کو لیکے ہوائی جہاز سے کانپور پہونچے۔ شاعری وریاست کے امتزاج کو دیکھتے ہوئے یہ نہ مقام حیرت ہے نہ محل اعتراض۔

محسنؔ صاحب کی شادی خانہ آبادی خاندان ہی میں میر احمد حسین مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی ایک فرزند سید شہزاد حسین اور دو صاحبزادیاں خداوند کریم نے عطا کیں۔ لڑکیوں کے بار سے سبکدوش ہو چکے ہیں اور وہ اپنے گھروں میں اطمینان کی زندگی بحمداللہ بسر کر رہی ہیں۔ فرزند شہزاد حسین نے تعلیم کی تکمیل کی ہے۔ آپ کو بھی ذوق شعر وسخن ورثہ میں ملا ہے معلوم نہیں کہ مرثیہ گوئی کے خاص میدان میں باپ کے جانشین ہو سکیں گے یا نہیں۔

ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ فراستؔ نے اپنے اس زیدپوری جانشین کی تربیت میں استادانہ ریاض کیا

شاگرد نے بھی پورا حق ادا کیا استاد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

ادنیٰ ہوں ایک خادم سلطان ارجمند
بہر ثواب کہتا ہوں منقل بے چند بند
پایہ تھا فنِ شعر میں اُستاد کیا بلند
جن کا کلام ہر کس وناکس کو ہے پسند
اپنے زمانے کے وہی حسانِ نظم تھے
گویا مدرّسِ ادبستانِ نظم تھے

ہے اسقدر کلام کہ جس کا نہیں حساب
سارا یہ اُن کا دفترِ مدحت ہے انتخاب
جلدیں ہوں تیس ۳۰ طبع ہو گر نظم لاجواب
جس طرح تیس ۳۰ پاروں میں ہے ایزدی کتاب
جنکی ثنا ومدح میں قرآں تمام ہے
مدحت میں اُن کی یہ بھی سخن کا کلام ہے

نو سو برس ہوئے کہ ہے آباد زیدپور
شاعر جو گذرے یاں وہ ہیں مشہور دور دور
حاصل تھا فنِ شعر میں بیشک انھیں شعور
لیکن نہ بحرِ نظم کو یوں کر سکے عبور
بے جا نہیں سبھوں سے جو بہتر کہوں انھیں
حق ہے سرآمدِ شعرا گر کہوں انھیں

مضموں بڑھے ہوئے ہیں مضامین قیر سے
پایا وہ اوج مدح جناب امیرؑ سے
چھوٹا نہ وہ فراستِ روشن ضمیر سے
کہنا جو رہ گیا تھا انیس و دبیر سے
شہرت ہے شہر شہر جہاں میں مقام ہے
کیا لکھنؤ عراق تلک اُن کا نام ہے

بدنصیبی ہے فراستؔ کے اعقاب اُن کے کلام کو [illegible] نگہداشت کرنے رہے کہ وہ کلام تقریباً نایاب [illegible] سا ہو گیا تھا گو اب صورتِ حال [illegible]

اب بھی آسان نہیں اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس مرثیہ میں بھی استاد کی ستائش خوب کی ہے ایک بند ستائش کا اور ایک احتجاج کا بھی ملاحظہ فرمایئے دیکھئے شاعر نے کس لطافت و کامیابی سے شرح دل مصرع اُرداحنا فداکا کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

حال جس ناصر حضرت کا نظر سے گزرا
اُسی موضوع پہ اک مرثیہ تصنیف ہوا
رات کو نظم کیا صبح کو مجلس میں پڑھا
دوسرا ہم نے نہ دیکھا ہنر آرا ایسا
زود گوئی کے ہنر کس نے کب ایسے پائے
کوئی اس ذہن خداداد کو کیسے پائے

ہے مگر اسلئے سجدہ مرا دل رنجیدہ
منظر عام پہ کچھ سب ہے سخن پوشیدہ
مرثیے قید میں سب بستوں میں چیدہ چیدہ
کیسے ہو پردہ نشینوں پہ کوئی گرویدہ
مصلحت حق کی اگر ہے تو نقاب اُٹھے گی
حسن سب دیکھیں گے جب رُخ سے نقاب اُٹھے گی

صاحب العصر کا عالم میں جو ہوئے گا ظہور
سنیگے مرثیے مذراتے میں سب پیش حضور
داد اُن مرثیوں کی دینگے امام جمہور
بدلے ہر بیت کے جنت میں عطا ہونگے قصور
اس گلستاں عوض حب وگلستاں ہوگا
اپنی تقدیر پہ مداح بھی نازاں ہوگا

مرثیہ اپنی تمام وسعتوں و آفاقیتوں کے باوجود ایک مذہبی صنف سخن ہے اس لئے اصلاحی رجحانات کے ساتھ عصبیت پر مبنی اعتراضات کا بھی نشانہ بنتا ہے انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرثیہ میں غیر صحت واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ پروفیسر مسیح الزماں دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”مرثیہ گویوں نے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا۔ تاریخی اور نیم تاریخی باتوں کو

اپنی جگہ رہنے دیا صرف خالی جگہوں میں رنگ بھر کر ان مرقعوں کو حقیقت سے زیادہ قریب کیا ہے۔“ نظم روایات میں تاریخی صحت کی پابندی میر و مرزا مرحومین کے بعد ہی ملنے لگتی ہے۔ لیکن یہ عنصر محسن کے کلام میں قابل لحاظ حد تک نمایاں ہے۔ مگر یہ اندیشہ نہ ہو کہ اس تاریخیت سے مرثیت کو ٹھیس پہونچائی ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ مرثیہ مرثیہ ہی ہے، یہ منظوم تاریخ نہیں بن سکتا۔ بہر کیف یہ آپ ملاحظہ فرما کر دیکھیں کہ شاعر کس قدر تاریخی حالات کی جستجو میں ہے ؎

جو امامت کے سوا عہد کا ایسے ہو غلے
حیف ہے اُس کی مفصل نہیں تاریخ کوئی
شر میں جسکہ نمایاں نظر آتی ہے کمی
نظم میں کیسے لکھی جائے مسواعمری
اپنی دانست میں یہ کار اہم کرتا ہوں
حال طفلی و جوانی کا رقم کرتا ہوں

ہر چند کہ راقم کے پیش نظر محسن کا پورا سرمایہ سخن نہیں مراثی کی بڑی مختصر تعداد سامنے ہے لیکن اتنے میں ہی بکثرت ایسے مقامات اور گوشے ہیں جن کی طرف ارباب نظر کو خصوصیت سے متوجہ کرنا دلچسپی کا باعث ہوتا لیکن تحریر کو طول محل سے بچانا زیادہ ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ اسلئے مختلف مواقع کا نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے جب کلام منظر عام پر آئیگا تو بلاشبہ ارباب نظر داد دیں گے۔ سب سے پہلے آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ شاعر کو مرثیہ گوئی سے کس درجہ شغف ہے ؎

یا خدا مرثیہ گوئی کا چلن ختم نہ ہو
انقلابات زمانہ سے یہ فن ختم نہ ہو

رونقِ محفلِ اربابِ سخن ختم نہ ہو
ستمِ دستِ خزاں سے یہ چمن ختم نہ ہو

گلفشانی سے گلستاں نہ یہ مجبور رہے
واپس آجائے اور خزاں دُور رہے

پہلے کب حسنِ سخن میں یہ دل آویزی تھی
دامنِ نظم پہ کب ایسی گہر ریزی تھی
نہ یہ رنگینیاں تھیں اور نہ گل بیزی تھی
طبع میں ایسی روانی تھی نہ یہ تیزی تھی
یہ ترقی و عزا نظم کے کاموں سے ہوئی
کثرت ان مخلصوں کی اُن کے کلاموں سے ہوئی

واجب ایسے یہ سمجھتا ہوں جو میں صاحبِ آل
اس وظیفے کو کروں ترک نہیں میری مجال
یہ وہ نعمت ہے کہ جسکو نہیں ممکن ہے زوال
ایسے سر میں نہیں کبھی دنیا کا وبال
سیر کرتا ہی رہا گلشنِ لیسینی میں
عمر گذری ہے اسی مشغلہ دینی میں

نہ میں ہوں مرثیہ گو اور نہ میں محقق ہوں
نہ قدرِ شعر ہے مجھ کو ہے تمیزِ سخن
دعا ہے حق سے ہے ہر حسین تشنہ دہن
عزا کی زم سے اُٹھے نہ مرثیہ کا چلن
دل و دماغ فضائل سے باغ باغ رہیں
کبھی نہ مجلس ماتم کے گل چراغ رہیں

امام کا خطاب لشکر اعدا سے

قریب فوج مخالف جو پہنچے شاہِ انام
کئے یہ لطف پہ اعدائے دیں سے تشنہ نے کلام
کہ اے سپاہ رئے و روم و مصر و کوفہ و شام
میں تم سے آخری حجت یہ کر رہا ہوں تمام

پسر علی کا پیمبر کا نور عین ہوں میں
جو حق شناس ہوں پہچان لیں حسین ہوں میں

جہان و اہلِ جہاں خلد و کوثر و تسنیم
کواکب و مہ و خورشید اوجِ عرشِ عظیم
صبا و تختِ سلیماں ضیائے طور و کلیم
مسیح و چرخِ چہارم خلیل و ابراہیم
شریک حال ہے اِن سب کے فیض وجود مرا
ہر اک سے پہلے خدائی میں ہے وجود مرا

ایک اور دوسرے مرثیے کے بند دیکھئے

یہ ایسے کرتے ہوئے باوفا درس سے کلام
گئے حسین قریب سپاہ کوفہ و شام
کہا یہ تشنہ نے کہ میں ہوں امام ابن امام
میں ہوں نبی کا نواسہ حسین ہے مرا نامؑ
سرورِ جان و دل فاتحِ حنین ہوں میں
جناب فاطمہ زہراؑ کا نور عین ہوں میں

کتابِ حق کی بھی نازل ہوئی مرے گھر میں
وہ ہوں جو فرد ہے کون و مکاں کے دفتر میں
مرے ہی جود کی موجیں رواں ہیں کوثر میں
ہے میری ملک وہ جو کچھ ہے بحر میں بر میں
ازل سے مالک و مختار ہوں زمانے کا
خزانہ دار ہوں اللہ کے خزانے کا

مجھے یہ عہدہ امامت کا کبریا سے ملا
یہ تاجِ فخر سیادت کا مصطفیٰؐ سے ملا
علیؑ سے اوج تو شرف اشرف النساءؑ سے ملا
دعا نبیؐ سے ملی مدعا خدا سے ملا
پڑھو کتاب میں کیا ذکر میرا باب میں ہے
یہ روشنی ہے مری جو کہ آفتاب میں ہے

گھوڑے کی تعریف

فرس وہ ہے جس پہ رہا سوارِ دوشِ نبیؐ
سوار ہوتے تھے جس پر محمدؐ عربی
عرب کے ملک میں مشہور جس کی خوش نسبی
دمِ دغا ہیں عاجز تو جرأت لبی

مطیع شاہ کا دشمن سیاہ شام کا ہے
فرس نہیں ہے یہ اعجاز اک امام کا ہے
وہ اس کی چال جو آہو کی مست و تیز سے تیز
سبک روی میں ہے جو سو ہے منکیزے تیر

دمِ ستیز کہیں برق شعلہ ریز سے تیز
سمند مثلِ براق سی ہے تیر سے تیر
جہاں کا قصد ہو دم بھر میں یہ وہاں پہونچے
کوئی بتا نہیں سکتا فرس کہاں پہونچے
کتب میں گھوڑے کے بارے میں ہے یہی رقام
وہ ذوالجناح تھا اسپ پیمبرِ اسلام
رقم ہے یہ بھی وہ تھا دُلدلِ رسولِ انام
ہے ایک یہ بھی روایت کہ مرتجز تھا نام
تھا جس کتب کے مؤلف یہ بات صاف نہیں
نبی کا تھا وہ فرس اس میں اختلاف نہیں
تھا ایک خاص یہ اعجاز احمدِ مختارؐ
ہوئے وہ گر کسی مرکب پہ ایک بار سوار
مس بھی ہو کے نہ بیکار وہ ہوا زنہار
جواں رہا وہ سوارِ براق کا رہوار
حضورؐ کی جو سواری سے فیضیاب ہوا
نہ مرتے مرتے جدا اس سے پھر شباب ہوا

تلوار کی تعریف

عدو پہ جو لبِ ہنر سے جمائے ہوئے
تھا ذوالفقار کا پانی قسم پہ کھائے ہوئے
رہوں گا میں نہ سروں پر لعین آئے ہوئے
نہ چھوڑوں گا کسی ناری کو بے سہائے ہوئے

جو کام سیل کا ہے آپ تیغ کرتا تھا
سروں سے صورتِ آبِ رواں گزرتا تھا
دلوں میں تیغ سے پیدا کس طرح ہو کھٹک
وہ سیف ہے کہ رسائی ہے جس کی گردوں تک
نہ ابر میں یہ لپک ہے نہ برق میں یہ چمک
زمین کانپ رہی ہے تو ہل رہے ہیں فلک

یہ غل ہے رن میں کہ مسترقیں غیظ میں ہے
علی کی تیغ علم ہے حسین غیظ میں ہے

ساقی نامہ

ازل سے ہے مرا ساقی امیرِ میخانہ
شرف ملا ہے مجھے ہوں فقیرِ میخانہ
وہ پی رہے ہیں جو ہیں ہمصفیرِ میخانہ
ملے مجھے بھی مجھے مے بے نظیرِ میخانہ
ہوس کو رشک سے وہ اٹھا اٹھا کے پیوں
صراحی مے رنگیں گلے لگا کے پیوں
کہاں تلک سنوں افسانے ساغرِ جم کے
وہ جام دے جو نگاہوں میں دم بدم دمکے
جو ہاتھ آیا مسیح و خلیل و آدم کے
جو صورتِ یدِ بیضائے موسوی چمکے

حیات میں سبب افتخار بن جائے
پس فنا جو چراغ مزار بن جائے
اکیلا میں نہیں تیرے ہیں رند بہتیرے
شریکِ بزم جو ہیں منتظر ہیں سب تیرے
یہ خود ہے زمانے کی آفت آ گھیرے
ہیں آرزو ترے در کے کیا کریں پھیرے
ترے ہی جام میں ہے کائنات کی لذّت
بھری ہے شیشہ میں تیرے حیات کی لذت
بتا دے یہ کہ ترے میگسار جائیں کہاں
نہ عافیت کی ہے صورت کوئی یہاں نہ وہاں
یہ رند دیکھ رہے ہیں ترے قدم کے نشاں
تری شراب ہے کوثر تو میکدہ ہے جناں
ترے ہی میکدے کا در ہے بابِ آزادی
پئیں گے آکے وہیں ہم شرابِ آزادی

شہادت

اختصار کی زبردست سعی کے باوجود مثالوں سے مضمون گرانبار ہوگیا بس آخر میں شہادت کا سال ملاحظہ ہو اور شاعر کے کمال میں حسنِ عقیدت کی داد دیجئے

جو وقت عصر معین ہوا تھا بہرِ وصال
زمین سرخیٔ خونِ گلو سے ہوگئی لال
لہو کے آنسوؤں رویا فلک بحزن و ملال
تھا تیری جسم حقیقت نگر میں حق کا جمال

گہن میں آگیا خورشید بھی ترے غم میں
غروب ہونے پہ تیرا ہے نور عالم میں
تری طرح نہ ہوا کوئی درد مند حسینؑ
دبیج سے بھی ہے بالا ہزار چند حسینؑ
وہ عضو عضو جدا قطع بند بند حسینؑ
رہا نہ سر تو ہوا اور سر بلند حسینؑ
قدم سے تیرے شکست اور کفر و شر کو ہوئی
طویل نیزے پہ معراج تیرے سر کو ہوئی

قصیدہ

جناب عنبر امروہوی
صدر بزم کاربر لیڈر امروہہ

خواب میں مجھ کو نظر آئی تھیں زنجیریں دو — مل گئیں گیسوئے سرکار سے تعبیریں دو
عالمِ نور میں دیکھی تھیں جو تنویریں دو — بن کے تو آگئیں کعبہ میں وہ تصویریں دو
بادۂ خم غدیر اور شرابِ کوثر — میکشوں کے لئے مخصوص ہیں جاگیریں دو
ایک مومن تو نصیری کی طرح اِک کافر — میرے مولا کی محبت میں ہیں تاثیریں دو
روئے پُرنور کے سائے میں ہے گیسوئے دوتا — دیکھئے سورۂ والّیل کی تفسیریں دو
قسمتیں ذاکر و شاعر کی ہیں یکتا عنبر
خوش نصیبی کا نمونہ ہیں یہ تقدیریں دو

علیؑ پیدا

(شاعرِ ملت جناب ناصر رضوی امان جانی)

خدا چاہے تو ہو جائے بغیر فطرت پیدا
اُسی کے حکم سے ہو انقلاب [illegible] پیدا

اُگے پھر سے سبزہ سنگ [illegible]
بہار [illegible] میں شجر سوکھے ہوں ان میں ہو کلی پیدا

جو ٹپکے اشک شبنم مبتسم گُل سے صحن گلشن میں
تو [illegible] ہو جائے صحرا میں ہنسی پیدا

بنے گلشن میں خس کا آشیاں بجلی کی نہ [illegible]
کبھی آگ کے شعلوں میں ہو جائے نمی پیدا

ہو مغرب حملۂ مشرق جو دل ہو [illegible] ہو جائے
[illegible] نکلے مہر سے ہو چاندنی پیدا

اگر توفیق کے ہو ہم قدم [illegible]
[illegible] میں ہو [illegible] کی [illegible] پیدا

تمھیں آنکھوں میں آنسو [illegible] نظر [illegible]
[illegible] کے [illegible] سے ہی [illegible] پیدا

اگر توفیق اُس کی ہو طلبگار [illegible]
ہر اک سنگ سے [illegible] نعرۂ [illegible] پیدا

حرم کے پاس [illegible] دم [illegible]
تو ہو دلوار شوق [illegible] ہو [illegible] پیدا

دبستانِ علومِ مصطفےٰ کی [illegible]
خدا کے گھر میں [illegible] علیؑ پیدا

نظر آئے حرم [illegible] اللہ کا [illegible]
[illegible] علی [illegible] آر [illegible] پیدا

جنابِ مصطفےٰ کو یوں [illegible] دکھلے دیا
[illegible] کی شکل میں ہو [illegible] کی [illegible] پیدا

حدیث کُلّنا سے قبل ہی آپ [illegible] آ جائے
محمدؐ [illegible] کے ہو جائے محمدؐ کا وصی پیدا

خدا کے اسم کا مظہر کوئی ہوتا [illegible] لازم تھا
ہوا دنیا میں ہمنام خدا یعنی علیؑ پیدا

علیؑ ہیں [illegible] پیدا ہوئے با قدرہ کعبے میں
ہر جس کا گھر اسی کے نور کی ہو روشنی پیدا

آئینہ

جناب خسرو فیض آبادی، سدرہ منزل منصور نگر لکھنؤ

جب پردۂ عدم میں تھا قدرت کا آئینہ
مشہود خود تھا اپنی شہادت کا آئینہ

نہ وہم و گماں سے دور تھی نہ بزم کائنات / لیلیٰ لئے تھی وقت کی ظلمت کا آئینہ
ایماں کی مجلسیں تھیں نہ جلسے تھے کفر کے / دوزخ کا آئینہ تھا نہ جنت کا آئینہ
لہرائی تھی نہ دوش ہوا پر گھٹا کی زلف / وحدت کی بزم میں تھا جلالت کا آئینہ
بس ذات لاشریک تھی اس بزم میں شریک / ملک کا آئینہ تھا نہ کثرت کا آئینہ
یہ شاک جب حجاب تھا آدم میں جیسے / سارے کرہ پہ چمکا صورت کا آئینہ
آدم کو بار سجود کا جواب یہ سوال تھا / کس کو عطا ہو حق سے فضیلت کا آئینہ
انکار کر کے سجدے سے شیطاں ہوا ذلیل / آدم کو حق سے مل گیا عظمت کا آئینہ
فردوس سے زمیں پہ آئے ابوالبشر / ساتھ اپنے لے کے رنج و مصیبت کا آئینہ
قابیل اپنے بھائی کا دشمن بنا رہا / جب تک نہ توڑ ڈالا اخوت کا آئینہ
نمرود بت پرست نہ پھر کوئی بانی نہ چھوڑ سکا / ٹکرایا اس سے اس طرح خلّت کا آئینہ
فرعون خود تھا جس کے مقابل خلیل کی / شیطان خود غرض کی حماقت کا آئینہ
دانائی کا ہر زمانے میں بسا ہے / ننھا رہا ہمیشہ شرارت کا آئینہ
سینے کا اک محل تھی یہ دنیا لے سات / جس میں نہیں تھا مگر تو شرافت کا آئینہ
اب وقت آ گیا تھا دکھائے خدائے پاک / شکل بشر میں اپنی جلالت کا آئینہ
اللہ کا حبیب ہے یہ نور اقدس / قول و عمل ہیں اس کے مشیت کا آئینہ
یہ آخری رسول ہے اس کے ثبوت میں / تھا اس کے پاس مہر نبوت کا آئینہ
عترت سے اس نے اپنی سجا کے کسا کی بزم / ہم کو دکھایا اجر رسالت کا آئینہ
جینے کا اس نے ہم کو سلیقہ سکھا دیا / دکھلا کے اپنی صورت و سیرت کا آئینہ
دنیا نے پھر بھی چین نہ لینے دیا کبھی / زحمت ہی میں سدا رہا رحمت کا آئینہ
اپنے حبیب پاک کی نصرت کے واسطے / بھیجا زمیں پہ حق نے شجاعت کا آئینہ

محفل یہ ہے اسی کی محبت کا آئینہ
تھا جن کے پاس حق کی ولایت کا آئینہ

آنے کی اس کے سب کو خبر دینے کے لئے
موج نسیم لے اُڑی نکہت کا آئینہ

بارے خوشی کے بلبلیں نغمہ سرا ہوئیں
ہر ذرہ بن گیا ہے مسرت کا آئینہ

غنچے بڑھے شراب مودت لئے ہوئے
دنیا کے باغ بن گئے جنت کا آئینہ

رحمت کا ابر چھا گیا دنیا میں ہر طرف
راحت میں بدلا رنج و مصیبت کا آئینہ

دنیا میں اس کے آنے سے وحدت نکھر گئی
روشن ہوا کچھ اور نبوت کا آئینہ

بت خانے میں بدل گیا جس سے خدا کا گھر
توڑا ہے اس نے ان کی حکومت کا آئینہ

آنے سے اس کے جھکنے لگی بار کفر کی
دکھلا دیا اسی نے یہ قدرت کا آئینہ

اعجاز ہیں کہ رہ گئی باطل کی آب و تاب
حق آ گیا سامنے یہ حقیقت کا آئینہ

اس نے رُخ حیات سے پردہ ہٹا دیا
انساں کو پھر عطا کیا عظمت کا آئینہ

ہجرت کی رات بستروں میں سو کے خدا گواہ
اس نے دکھا دیا مرضیٔ قدرت کا آئینہ

ایماں کی بات یہ ہے کہ خیر البشر کے بعد
ہم کو ملا اسی سے شریعت کا آئینہ

مالک ہے ذوالفقار کا یہ اشجع عرب
جنگیں ہیں رن کی اس کی شجاعت کا آئینہ

ایسا خدا نے طیب و طاہر بنا دیا
کعبہ دکھا رہا ہے طہارت کا آئینہ

نان جویں غذا میں قناعت کا ہو ثبوت
حیدر کا در ہے جود و طاقت کا آئینہ

انساں کی بزم ہو کہ فرشتوں کی بزم ہو
ہر اک جگہ ہے اس کی سخاوت کا آئینہ

ہجرت کی شب امین بنا کے رسولؐ نے
روشن کیا ہے اس کی امانت کا آئینہ

دیکھا بصیرتوں نے اسے کہہ اُٹھے خدا
یعنی یہ تھا خدا کی جلالت کا آئینہ

ہوتا ہے وہ نمونۂ کردار متقی
دکھلا ہے جو بھی اس کی محبت کا آئینہ

اس آئینے سے اور سنور گیا وہ آئینے
ہر اک ہے جس میں عکس عصمت کا آئینہ

ہم کو تو فرق کوئی بھی آیا نہیں نظر
گو بارہ رُخ سے دیکھا امامت کا آئینہ

خالق بھی روک سکتا نہیں ان کو خلد سے
ہے جن کے پاس اس کی مودت کا آئینہ

محفل کو اس کی یاد سے آراستہ رکھو
اُلٹا دکھائی دے گا نحوست کا آئینہ

منزل عبادتوں کی بیاں کوئی کیا کرے
ضربت ہے اس کی جنگ عبادت کا آئینہ

نادِ علی رسولؐ نے پڑھ کے بتا دیا
ہوتا ہے چور اس سے مصیبت کا آئینہ

ناکامیاں قریب ہمارے نہ آئیں گی
جب تک رہے گا ہاتھ میں سیرت کا آئینہ

اس وقت تک خدا بھی ترے ساتھ ہے محمدؐ
جب تک ہے تیرے ہاتھ میں مدحت کا آئینہ

۱۳ رجب کی عید

جناب مہدی نظمی صاحب ہندوستان ٹیلی کمیونیکیشنز نزد ابو خان کا ہیٹا جستی پور غازی آباد

ہے آج کی سحر میں ازل کی سحر کا رنگ — جسم مجاز و جسم حقیقت نگر کا رنگ
پیمانِ عشق و عہد دل معتبر کا رنگ — محبوب اور حبیبؐ کے حسنِ نظر کا رنگ

تیرہ رجب کی صبح سحر آگہی کی ہے
کعبے میں دھوم ہے کہ ولادت علیؑ کی ہے

جلوہ نمائی شرِ عالی کی عید ہے — یہ اجتماعی خیر سگالی کی عید ہے
ہر احتیاج مند سوالی کی عید ہے — یہ عید آدمی کی بحالی کی عید ہے

عیدی میں آدمی کو عروج و شرف ملا
مٹی کو بوتراب سے دُرِ نجف ملا

یہ عید کائناتِ حقیقت کی عید ہے — یہ عید علم و عدل و ہدایت کی عید ہے
تصدیق مہر دوشِ رسالت کی عید ہے — قرآن و ذوالفقار و امامت کی عید ہے

بیت الحرم میں حق کی گواہی بنا ہوا
آیا ہے وہ دلیل الٰہی بنا ہوا

ہے فاطمہؑ کی گود میں مولائے کائنات — یعنی کلیدِ قفلِ طلسماتِ ممکنات
بے شک نہ ہو سکیں گی مجسّم صفاتِ ذات — لیکن علیؑ ہے عکسِ جمالِ الٰہیات

قرآں سمٹ کے نقطۂ "با" میں سما گیا
دریا لباسِ قطرۂ شبنم میں آگیا

وہ حسن ہے کہ پیار عروسِ عرب کرے — وہ شان ہے رسولؐ بھی اُٹھ کر ادب کرے
مختار ہے وہ رحم کرے یا غضب کرے — بیدار ہو تو دن کرے سوئے تو شب کرے

دنیا میں کون ہے جو مقابل علیؑ کا ہے
پرچھائیں حسنِ غیب کی سایہ نبیؐ کا ہے

سویا ادائے احمدِ مختار کی طرح　　　جاگا ہی کے دیدۂ بیدار کی طرح
بیٹھا نشستِ سرورِ ابرار کی طرح　　　بولا لبِ رسول کی گفتار کی طرح

خوب دلِ حبیب کی تعبیر ہے علی
یا دیدۂ حسنِ غیب کی تصویر ہے علی

عقدہ کشا خطاب ہے مشکل کشا لقب　　　حیدر ہے جس کا غضنفر تو شیرِ خدا لقب
مولا ہے جس کا اسم سرِ لا فتیٰ لقب　　　اسم اس کا اسمِ علی مرتضیٰ لقب

نقشِ خدا کے چہرے پہ انوار دیکھنا
انساں میں خدائی کے آثار دیکھنا

سالارِ خلد ساقیٔ کوثر ابو تراب　　　جو بت شکن ہے جو حسنِ انتخاب
یکتا اسی کو کہتے ہیں جس کا نہ ہو جواب　　　... ہے تجلّی میں آفتاب

جلوہ گری ہو یہ تو نصیری کو کیا کہیں
ہم بھی جو دیکھ لیں تو اُسے ہم خدا کہیں

حیدر کا عشق سیرتِ انساں کا ہے شرف　　　حیدر کی دید دیدۂ عرفاں کا ہے شرف
حیدر کا ذکر محفلِ ایماں کا ہے شرف　　　حیدر کی یاد قلبِ مسلماں کا ہے شرف

ہے اُلفتِ علی تو نمازیں قبول ہیں
ورنہ خدا کی راہ میں سجدے فضول ہیں

ہم پایہ جس نبی کے ہے وہ پایا علی کا ہے　　　اسلام میں شعور جو آیا علی کا ہے
شمشیر جس کو کہتے ہیں جایا علی کا ہے　　　جس ... ایک نام ہے سایا علی کا ہے

انداز قرأت ... کی شان میں
قرآن بولتا ہے علی کی زبان میں

ہجرت سے تا شہادتِ سلطانِ کربلا　　　نعمت ہے تا قیامتِ میدانِ نینوا
اسلام کس کی محنت و کاوش کا ہے صلا　　　یا کام ہے حسین کا یا کارِ مرتضیٰ

تلوار سے زمین کی تسخیر اور ہے
لیکن فتوحِ قلب کی شمشیر اور ہے

اس تیغِ کردگار کو کہتے ہیں ذوالفقار   مرضیٔ کبریا نے بنائی ہے جس کی دھار
اُٹھتا ہے صرف پنجۂ عصمت سے اس کا بار   چلتی ہے جب تو رک سکتا نہیں ہے کسی سے وار

چمکے تو تھرتھرائے فلک بھی زمین بھی
گھبرا کے پر سمیٹ لیں روح الامین بھی

وہ دین کا پیام بھی صبح البلاغ بھی   مہرِ ازل بھی شامِ ابد کا چراغ بھی
جوئے [illegible] حیات بھی جسم بھی ایاغ بھی   غنچہ بھی گل بھی نرگس بھی مالی بھی باغ بھی

[illegible] جس کے علم و عمل کی اساس ہے
معصومیتِ پیمبر کے پاس ہے

مقصودِ حق [illegible] ابو تراب   شہرِ خدا مدینۂ علمِ نبیؐ کا باب
سازِ دلِ رسولؐ کی [illegible] انقلاب   تہذیبِ کہنہ سال کا پلٹا دیا شباب

ہر شعبۂ حیات کی کایا پلٹ گئی
مذہب [illegible] اٹھا تو دنیا لپٹ گئی

کعبہ [illegible] شکن [illegible]   آیا ہے جس میں کھینچ کے محمدؐ کا بانکپن
وہ سلسبیلِ عمل تشنۂ علم [illegible]   [illegible] و رضا حسینؑ ہے جو دوستی حسنؑ

[illegible] میں روشنی [illegible] طور ہے
اس ایک کو [illegible] بارہ [illegible] اعوں کا نور ہے

[illegible] عبادت کا نام ہے   باقر کتابِ علمِ حقیقت کا نام ہے
جعفر ضیائے مہرِ صداقت کا نام ہے   کاظم جمالِ حلم و ریاضت کا نام ہے

حسن رضا میں جلوۂ شانِ رضا کو دیکھ
آئینہ میں صورتِ مشکل کشا کو دیکھ

تقوے کو دیکھنا ہے حسنِ تقی میں دیکھ   پاکیزگی کا نقشِ جمالِ نقی میں دیکھ
[illegible] و جلال و رعب حسن عسکری میں دیکھ   قائم کو روشنی حیاتِ علی میں دیکھ

یہ قالبِ جمال سراپا علیؑ کا ہے
غیبت کے آفتاب میں جلوہ علیؑ کا ہے

کلثوم قلبِ سرورِ عالی کی جان ہے — عزم و ثبات و صبر و تحمّل کی شان ہے
زینب کے منہ میں شیرِ خدا کی زبان ہے — باطل کی رد ہے سامنے حق کی چٹان ہے
اس کی جبیں میں عصمتِ زہراؑ کا نور ہے
قرآں کا مزاج علی کا شعور ہے

صغریٰ بھی ایک آئینہ نقشِ جلی کا ہے — خوشبو ہے پورے پھول کی پیکر کلی کا ہے
ہم صورتِ نبیؐ میں تحمل ولی کا ہے — حسنِ سخن رسولؐ کا لہجہ علیؑ کا ہے
سورج کی ضو ہے جوہرِ الماس دوستو
اس کی وفا کا نام ہے عباس دوستو

نام حبیبؑ حسنِ رفاقت کا نام ہے — اسمِ زہیر وصفِ شرافت کا نام ہے
مسلم خدا کے دین کی نصرت کا نام ہے — حُر راہِ حریت میں شہادت کا نام ہے
صد رنگ تا ستیں رُخِ سیرُ میں ایک ہیں
اس کی تجلیات بہتر میں ایک ہیں

واجب کا اک ثبوت علی کا کمال ہے — وہ آئینے میں عکس رُخِ ذوالجلال ہے
قائم ہیں جس حساب اسی کا جمال ہے — اس کو نہیں زوال کہ وہ لازوال ہے
ممکن نے اوج پایا ہے واجب کی حد تلک
وہ ہے ازل سے اور رہے گا ابد تلک

اس نے سجے لگائے ہوئے انبیا کے باغ — اسرارِ کائنات کا اس سے ملا سراغ
بیدار اس نے کر دیا سویا ہوا دماغ — اس نے حواسِ خمسہ کے روشن کیے چراغ
عقدہ کشا علوم کے در کھولنے لگا
قرآن کے لبوں سے خدا بولنے لگا

نقی، وصی ہے وہ سترِ عالم پناہ کا — وہ رد نما ہے منزلِ وحدت کی راہ کا
پردہ اُٹھا دیا ہے بشر کی نگاہ کا — اس سے ملا ثبوتِ وجودِ الٰہ کا
ہر دائرہ کو توڑ کے اس نے دلیل سے
انسان کو ملا دیا ربِّ جلیل سے

"علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ"

(نتیجۂ فکر جناب غلام صابر قدیری صاحب سندیلوی پاٹانالہ لکھنؤ)

کھلا دے اے مرے مولا مرے بھی دل کی کلی دکھا دے مجھ کو بھی یارب کبھی نجف کی گلی
کہوں میں اور کوئی بات کس لئے کہ مجھے ہر ایک بات سے لگتی ہو بس یہ بات بھلی
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

وہ مشکلاتِ خفی ہوں کہ مشکلاتِ جلی کسی کا ڈر نہیں، مشکل کشا ہیں میرے علیؑ
فرشتے مجھ سے مزاحم ہوئے نہ مرقد میں لکھا جو دیکھا جبیں پر مری بخطِ جلی
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

مری حیات عقیدت انھیں کے در پہ پلی تمام عمر رُخِ پاک سے نظر نہ ٹلی
ہوا جو ختم مری زندگی کا افسانہ بدن سے روح یہ کہتی ہوئی ارم کو چلی
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

ہر ایک شاخِ ولایت انھیں کے در سے ملی ملی ہے کس کو بزرگی بغیرِ حُبِّ علیؑ
سمجھ کے اس کو وظیفہ بصد خلوص و نیاز یہ ورد کرتے ہیں ہیم تمام قطب و ولی
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

لیا فرشتوں نے کعبہ میں آکے نام علیؑ جھکی جبین خلائق پئے سلام علیؑ
یہ شعر پڑھتے ہیں جن و بشر گلے مل کر ہزار جانِ گرامی فدائے نام علیؑ
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

سلام اُن پہ جو ہیں بارگاہِ حق کے ولی لقب ہے شیر خدا نام پاک اُن کا علیؑ
زبانِ صابر عاصی ہوا اور یہ مصرعہ نظر کے سامنے جس وقت ہو نجف کی گلی
علیؑ امام من است و منم غلام علیؑ

قصیدہ

در مدح جناب امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابیطالب صلوٰۃ اللہ علیہ

(نتیجہ فکر بلند جناب ڈاکٹر رفیق حسن صاحب رفیق [illegible])

مت ہر اک کو پاسبانِ دین و عمر [illegible] / [illegible] رہزن اگر رہبر بنا

صاحبِ ایماں ہے تو اور بس [illegible] آلِ رسولؐ / [illegible] کچھ بہتر بنا

تجھ کو قسمت سے ملی دولت ایماں شکر کر / [illegible] اور تقویٰ کو اپنے نفس کا زیور بنا

بن نہیں سکتا اگر سلمانؑ و بوذرؑ کی طرح / [illegible] کو غلام میثم و قنبر بنا

زور ہے تجھ میں تو کر اعداء پر کمر زور کی / [illegible] کے واسطے خنجر بنا

علم کچھ قانون قدرت کا حوادث کو مل گیا / [illegible] آدمی خود سر بنا

مانگ لے اسی صرورت [illegible] اللہ سے / [illegible] کا اس [illegible] بنا

اے رفیقؔ اک مطلع رندانہ لکھ آئی بہار / آج [illegible] اللہ [illegible] خانۂ حیدر بنا

دل سراب آلفت [illegible] کا [illegible] بنا

[illegible]

تو اگر چاہے کہ ہو ہم مشرب اہلِ ولا / [illegible] محفل آج کی دنیا سے کچھ ہٹ کر بنا

رند ہوں میں تیرے میخانے کا اے پیرِ مغاں / مجھ کو [illegible] بادۂ احمر بنا

غیر کے ہاتھوں سے کوئی جام لے لوں کیا مجال / [illegible] سے پیئے کا میں خوگر بنا

ساقیا مے نوش تیرا ہے پریشاں آج کل / جامِ مے کو وجہ تسکینِ دلِ مضطر بنا

اس پریشانی میں کوئی کہہ گیا دل سے رفیقؔ / جب پڑے مشکل علیؑ کو ناصر و یاور بنا

نورِ احمدؐ سے علیؑ کے نور کا پیکر بنا
بن کے انساں وہ شریکِ کارِ پیغمبرؐ بنا

بطن سے معجز نما نے گفتگو کی بار بار — قبل پیدائش بھی تسکینِ دلِ مادر بنا
جو بہادر رزم میں تھا تا بہ ادراک فنی — بزم میں آئینہ دارِ علمِ پیغمبرؐ بنا
یوں بنا کوثر مساں مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ — مالکِ کوثر نبیؐ یہ ساقیِ کوثر بنا
مرحبا فرشِ نبیؐ پر سونے والے چین سے — نفس تیرا قیمتِ خوشنودیِ داور بنا
کفر کے طوفاں میں جب آیا سفینہ دین کا — شیرِ حق ہی کشتیِ اسلام کا لنگر بنا
صاحبِ معراج کے ہاتھوں پہ حیدرؑ ہیں بلند — خانۂ کعبہ میں یہ معراج کا منظر بنا
پھر گیا حق بھی ادھر جس سمت کو حیدرؑ پھرے — رُوئے وجہ اللہ حق کے واسطے محور بنا
دیکھئے خیبر میں اُس کی قوتِ عہدِ شباب — عہد میں اک کھیل جس کا کلۂ اژدر بنا
کون ہے مشکل کشاؑ ئے خلق جز مثلِ علیؑ — مشکلوں میں انبیا کا مونس و یاور بنا
مجمع البحرین عصمت ہیں علیؑ و فاطمہؑ — جس سے اک مرجان نکلا اور اک گوہر بنا

وہ علیؑ جو بابِ شہرِ علمِ پیغمبرؐ بنا
کل علومِ دین و دنیا کا وہی مصدر بنا

آسمانی سب کتابیں بچپنے میں یاد تھیں — ہوتے ہی پیدا خدائی علم کا مظہر بنا
عالمِ کلؑ جز میں مسجد میں فخریہ کہہ گئی — میرا مولاؑ تو چراغِ مسجد و منبر بنا
کون کر سکتا ہے دعوائے سلونی جز علیؑ — علم میں جو رازدارِ خالقِ اکبر بنا

تو ہے شیدائے علیؑ کیا فکر تجھ کو اے رفیق
ان کا دامن تھام انھیں کو ضامنِ محشر بنا

منقبت مولائے کائنات

(جناب طاہر عابدی صاحب)

وقار و عظمتِ لوح و قلم علیؑ سے ہے
خدا گواہ خدا کا بھرم علیؑ سے ہے

حیات و موت کا مالک ہے وہ خدا کی قسم
یہ کاروبارِ وجود و عدم علیؑ سے ہے

نفس کی آمد و شد پر اُسی کا احساں ہے
کہ نبضِ دہر کا یہ زیر و بم علیؑ سے ہے

علیؑ ہے ساقیِ کوثر علیؑ قسیمِ جناں
بہارِ کوثر و باغِ ارم علیؑ سے ہے

سخی وہ جس نے سخاوت کو زندگی بخشی
وجودِ شہرتِ لطف و کرم علیؑ سے ہے

علیؑ ہے محرمِ رازِ نبیؐ و رازِ خدا
نیاز و نازِ حدوث و قدم علیؑ سے ہے

کلیمِ نہج بلاغت بھی لافتا بھی ہے وہ
جہاں میں عزتِ سیف و قلم علیؑ سے ہے

حکومتِ علوی کا وجود ہے قائم
یہ شان و شوکتِ طبل و علم علیؑ سے ہے

ارے وہ دشمنِ حق بچ کے جائے گا تو کہاں
کہ واسطہ تجھے ہر ہر قدم علیؑ سے ہے

علیؑ کی جائے ولادت پہ سر جھکاتا ہوں
خدا کا گھر بھی پر محترم علیؑ سے ہے

علیؑ کا نام ہے طاہر زباں پہ شام و سحر
کہ لو لگی ہوئی یوں دم بہ دم علیؑ سے ہے

تجلّیاتِ خورشید

(جناب سید خورشید حیدر صاحب خورشید جائسی بی اے نائب تحصیلدار کاسگنج ضلع ایٹہ)

اے دل و جانِ پیمبر السّلام — بو الحسن آقائے قنبر السّلام
اے امامِ پاک گوہر السّلام — اے مجسّم شانِ داور السّلام
اے شفیعِ روزِ محشر السّلام — اے جہازِ دیں کے لنگر السّلام
نفسِ حق، نفسِ پیمبر السّلام — ساقیٔ تسنیم و کوثر السّلام
ہمسرِ قرآنِ انور السّلام — رہبرِ شرعِ پیمبرؐ السّلام
اے ولیِ ربِّ اکبر السّلام — زینتِ محراب و منبر السّلام
بادشاہِ ہفت کشور السّلام — نورِ خورشیدِ منوّر السّلام
رکنِ دیں، جانِ جہاں، نورِ مبیں — ناصرِ دینِ پیمبر السّلام
خانۂ کعبہ بنا مولد ترا — اے ابو طالبؑ کے دلبر السّلام
پیکرِ دین و شریعت تیری ذات — بعدِ احمدؐ سب سے برتر السّلام
لختِ دل تیرے ہیں شبرؑ و حسینؑ — ہیں محب سلمان و بوذر السّلام
چشمۂ لطف و کرم، زوجِ بتولؑ — تو شرف میں سب سے بڑھ کر السّلام
ہر عمل تیرا مکمل درس ہے — نوعِ انسانی کے رہبر السّلام

اس کے غم کا بھی مداوا کیجئے
آج ہے خورشیدؔ مضطر السّلام

جملہ اوصاف خدا کا آئینہ ہیں بوتراب

[illegible]

کیا بتاؤں کیا نہیں [illegible] — [illegible] بوتراب
[illegible] ہیں بوتراب [illegible] — [illegible] مسئلہ ہیں بوتراب
[illegible] خضر ہیں آب [illegible] — [illegible] کوئی ابتدا ہیں بوتراب
کعبۂ دل قبلہ [illegible] ہیں بوتراب — [illegible] کی دوا ہیں بوتراب
دامنِ عرفاں کو ڈالے جو [illegible] — فکر [illegible] ماورا ہیں بوتراب
منزلِ شبیر [illegible] — [illegible] مسئلہ ہیں بوتراب
انبیائے سلف کو کر چکے ہیں [illegible] — [illegible] مشکل کشا ہیں بوتراب
آپ جس [illegible] — جملہ اوصاف خدا کا آئینہ ہیں بوتراب
دیکھنے والوں نے [illegible] — [illegible] ہیں بوتراب
میں نصیری تو نہیں [illegible] — [illegible] خدا ہیں بوتراب
عبد اور معبود [illegible] دونوں [illegible] — [illegible] معبود [illegible] ہیں بوتراب
حد سے [illegible] بندگی [illegible] — [illegible] ہیں بوتراب
مصرفِ نادِ علی سے صاف ظاہر [illegible] — [illegible] ہیں بوتراب
دونوں [illegible] قدرت کی [illegible] — [illegible] شمس الضحیٰ [illegible] ہیں بوتراب
ہیں یہی [illegible] — [illegible] ہیں بوتراب
لاکھ چھپنے [illegible] — [illegible] ہیں بوتراب
آپ کیسے [illegible] — [illegible] بوتراب

ساجد [illegible] سر جھکا کر [illegible]
بندگی کا لطف [illegible] ہیں بوتراب

ہیں محوِ خوابِ علیؑ اور نبیؐ کا بستر ہے

(جناب ریاضت علی صاحب شائق ایم اے سانکھنی ضلع بلند شہر)

یہ کس کے جشنِ ولادت کی عید گھر گھر ہے
یہ کس کا تذکرہ ہر شخص کی زباں پر ہے

یہ کون آیا ہے کعبے کی روشنی بن کر
یہ کس کے نور سے خالق کا گھر منور ہے

گھٹائیں خانۂ کعبہ کو کیوں ہیں گھیرے ہوئے
یہ کیوں ہواؤں میں تاثیرِ موجِ کوثر ہے

شرابِ ناب میں غلطاں ہیں کیوں در و دیوار
جدھر بھی دیکھئے اک بے خودی کا منظر ہے

چمن میں آج ہے فصلِ بہار جوبن پر
ہر اک چمن کا سماں آج کتنا سندر ہے

فلک سے اترا ہے بنتِ اسد کی گود میں چاند
وہ جس کے نور سے سارا جہاں منور ہے

دوبالا کر دیا کعبے کا مرتبہ جس نے
خدا کے گھر میں وہ اک نقشِ پائے حیدر ہے

جو جانثارِ پیمبرؐ ہے پاسبانِ حرم
جو بادشاہِ شجاعت ہے شیرِ داور ہے

زمانہ جس کو شہِ ذوالفقار کہتا ہے
ولیِ حق ہے پیمبرؐ کا سپرِ لشکر ہے

رسولؐ دیکھ کے کرتے ہیں شکر کے سجدے
خدا کے شیر کے ہاتھوں پہ بابِ خیبر ہے

علیؑ کا مرتبہ اللہ رے شبِ ہجرت
ہیں محوِ خوابِ علیؑ اور نبیؐ کا بستر ہے

نبیؐ نے خلق کو بتلا دیا بروزِ غدیر
کہ جانشینِ پیمبرؐ جہاں میں حیدرؑ ہے

خدا کے گھر میں ولادت خدا کے گھر میں وفات
سوا علیؑ کے کسے یہ شرف میسر ہے

بیاں ہو کیا شرفِ بوتراب اے شائق
کہ انبیاء کی زباں پر ثنائے حیدرؑ ہے

چراغِ کعبہ

قصیدہ در مدحِ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام

جنابِ جوّن رضی صاحب الہ آبادی موضع سمراپا۔ ڈاکخانہ پھولپور الہ آباد

آج سائنس کا دنیا میں ہے ہر سمت عمل — رنگ بدلے گا زمانہ نئی ایجاد سے کل
کبھی مشکل تھا کسی چیز کا آسان ہونا — حل مگر ہوتے ہیں اب عقدۂ ہائے لاینحل
تنزلِ اوج و ترقی کی طرف ہو کے رواں — تیز گاموں نے مچا دی ہے جہاں میں ہلچل
فلسفہ، حکمت و منطق کا سہارا لے کر — زندگی عالمِ امکاں میں ہے سرگرمِ عمل
ابنِ آدم نے لہو اپنا پسینہ کر کے — رشکِ فردوس بنا ڈالا ہے ہر دشت و جبل
اس زمیں پر ہی نہیں زورِ بشر کچھ موقوف — کرۂ باد و ہوا پر بھی ہے تسخیرِ عمل
برق نے آگ زمانے میں لگا رکھی ہے — سرد ہو جائے نہ یہ مہرِ فلک کی مشعل
بڑھ گئی حد سے سوا روئے تمدن کی چمک — کر دیا غازۂ تہذیب نے ایسا صیقل
عقل ہی عقل ہے اب اہلِ خرد کے نزدیک — سلسلہ روح سے رکھنا ہے دماغوں کا خلل
اپنی رفتارِ ترقی پہ ہے انساں مسرور — جنگ اندیشہ ہے ہر لمحہ، ہمہ وقت و محل
ایٹمی دَور میں ہو جائے نہ بم کی بارش — عالمی جنگ کے چھائے ہیں افق پر بادل
ایسے ماحول میں اور ایسی فضاؤں میں اگر — پھر امدادِ علیؑ آئیں تو ہوں مشکلیں حل

مطلعِ نور سے اے جوّن ہو پھر ذکرِ علیؑ
تیرھویں ماہِ رجب کی ہے مناسب ہے محل

مطلع دوم

یہ کون آیا کہ دنیا میں لرزنے لگے بُت — خوف سے ماروئے کونین ہوا جاتا ہے شل

ہوکے شق دیتی ہے آواز جدارِ کعبہ — کھل گیا آج محمدؐ کی امیدوں کا کنول
کھلتا ہے مسرت سے نبیؐ کا چہرہ — آگیا کاسرِ اصنام، گرے لات و ہبل
بارشِ نورِ علیؑ نے یہ دکھایا اعجاز — کفر کے چھٹ گئے دنیا کی افق سے بادل
آگیا قوتِ بازوئے رسولِؐ عربی — بڑھ گیا بانیٔ اسلام کا اب زورِ عمل
نشرِ حق مصحفِ رخسارِ علیؑ سے ہے عیاں — چشم و ابرو کے اشاروں سے ہے پیغامِ عمل
دستِ مولا سے ہویدا یدِ بیضا کی ضیا — نقشِ پائے علوی دینِ خدا کی مشعل
ان کی تعریف میں قرآں کے پارے ہیں گواہ — ہیں یہ مولودِ حرم، کعبۂ ایمان و عمل
مہرِ افلاکِ کرم، مہرِ سپہرِ اخلاق — نفسِ پیغمبرِ اسلام، امامِ اول
شمعِ آفاق، چراغِ رہِ دین و دنیا — خضرِ ایمان و یقیں، رہبرِ اقوام و ملل
قلزمِ علم امامت، درِ شہرِ حکمت — محرمِ ہر جز و کل، واقفِ اسباب و علل
رونقِ ہر دو جہاں، زینتِ بزمِ امکاں — آدمیت کا شرف، نوعِ بشر میں اکمل
دُرِ دریائے سخاوت، گہرِ بحرِ شرف — بعدِ محبوبِ خدا خلق میں سب سے افضل
اشجع الناس عرب، قاتلِ کفارِ قریش — صاحبِ جرأت و سرکردۂ ہر جنگ و جدل
مردِ میدانِ وغا، شیرِ نیستانِ جہاد — حاملِ سیفِ خدا، فاتحِ صفین و جمل
اللہ اللہ رے مولا کے فنِ حرب کی شان — لوہا منوا لیا کفار سے ہنگامِ جدل
درحقیقت یہ نمازی تھے انھیں کی تھی نماز — سقفِ کعبہ پہ اذاں دیتے نہ کیوں پہلے پہل
فاقہ پر فاقہ کئے، روزے پہ روزے رکھے — شکر مولا نے کیا آیا نہ پیشانی پہ بل
گر علیؑ چاہیں تو مردے کو بھی زندہ کردیں — حکم دے دیں تو دبے پاؤں پلٹ جائے اجل
اہلِ انصاف کے نزدیک علیؑ ہے بہتر — کرسکا کوئی نہ دنیا میں قضیئے فیصل

قطعہ بند

کوئی کس طرح کرے ذاتِ علیؑ کی توصیف — خلقتِ نور سے ثابت یہ ہوا بعدِ ازل
بعدِ احمدؐ ہیں علیؑ آپ ہی اپنی تمثیل — ہے یہ وہ ذات نہیں جس کا زمانے میں بدل
مدحتِ نفسِ نبیؐ اور زبانِ خامہ — ہے یہ منزل بڑی مشکل، بڑا دشوار محل

ترے کیا خوب قصیدہ یہ کہا ہے واللہ
جوؔن، مولا کی ہے یہ دین ہے فکر و عمل

یا علیؑ لب پہ جو تکبیر کے ہمراہ رہے

(جناب ڈاکٹر ابو الحسن صاحب رضوی از کان پور)

بزمِ امکاں ترے یکتا کو علیؑ کہتے ہیں   دین و ایماں تری دنیا کو علیؑ کہتے ہیں
قسمتِ فاطمہ زہراؑ کو علیؑ کہتے ہیں   حق کے اس آیۂ کبرا کو علیؑ کہتے ہیں

خاک میں نور کی تنویر لئے بیٹھا ہے
فرش پر عرش کی تقدیر لئے بیٹھا ہے

کاملِ و اکملِ تبلیغ پیمبرؐ ہے علیؑ   ذوالعشیرہ تری تصدیق کا جوہر ہے علیؑ
منزلِ خم ترے اعلاں کا پیکر ہے علیؑ   دینِ فطرت تری تکمیل کا منظر ہے علیؑ

اک نئے طرز سے منصوص ہدایت آئی
جب ہوئی ختم رسالت تو امامت آئی

نفسِ قرآں ہے علیؑ عصمتِ گفتار علیؑ   جادۂ دین و یقیں عفتِ رفتار علیؑ
حق کی نہضت کا ابھرا ہوا کردار علیؑ   قلمِ صلح علیؑ، جنگ کی تلوار علیؑ

جیسے تفہیم ہے الہام کی تاریخ کے ساتھ
یوں وہ وابستہ ہے اسلام کی تاریخ کے ساتھ

اشجع و اخطب و اعلم کو علیؑ کہتے ہیں   اکمل و اطہر و ارحم کو علیؑ کہتے ہیں
افضل و اشرف و اکرم کو علیؑ کہتے ہیں   اصدق، اطیب و اعظم کو علیؑ کہتے ہیں

جو ہر اک موڑ پہ حق کے نظر آیا تنہا
حد یہ ہے انفسنا میں بھی ہے تنہا تنہا

ذکر میں فکر میں قرآنِ مبیں ہو وہ علیؑ دعویٔ حق کی جو معراجِ یقیں ہو وہ علیؑ
دیں کے پیغام میں جو حاصلِ دیں ہو وہ علیؑ جو محمدؐ کی امانت کا امیں ہو وہ علیؑ

گرم اب تک شبِ ہجرت کا ہو بستر اُس سے
معتبر سلسلۂ نفسِ پیمبرؐ کا ہو بستر اُس سے

جس سے روشن ہیں اُجالے وہ اُجالا ہو علیؑ آبرو جس سے ہے کلمہ کی وہ کلمہ ہو علیؑ
بعد مُرسلؐ کے جو یکتا ہے وہ یکتا ہو علیؑ وہ جو اعلیٰ سے بھی اعلیٰ ہو وہ اعلیٰ ہو علیؑ

حد میں امکاں کے واجب کی امانت ہو علیؑ
دیں کی سیرت ہے علیؑ دیں کی علامت ہو علیؑ

دیکھو آیات میں قرآں کے علیؑ کی منزل پہلوئے زیست میں ہو جیسے دھڑکتا ہوا دل
چشمِ بیدار میں جس طرح نظر آتا ہو تل جیسے اک نقطہ ہو تفصیلِ بیاں کا حاصل

ایک نقطے سے اگر بے یہ سرافراز نہ ہو
بائے بسم اللہ قرآں میں پھر آوازہ نہ ہو

دمِ شمشیر نے پھر پایا نہ ہمدم ایسا پھر حقائق کو ملا حق کا نہ محرم ایسا
زخمِ دل کے لئے ذکر اُس کا ہو مرہم ایسا نام میں اُس کے ہو فیضان کا عالم ایسا

لڑکھڑاتے ہوئے قدموں نے صلابت پائی
یا علیؑ کہہ کے ہر اک درد میں راحت پائی

یا علیؑ دین میں ہے یوں نعرۂ تکبیر کے ساتھ جیسے اک ہوش عمل جوش کی تاثیر کے ساتھ
جیسے پس منظرِ تصویر ہو تصویر کے ساتھ جیسے وابستہ ہو تقدیر بھی تدبیر کے ساتھ

دین و ایمان کی تہذیب سے آگاہ رہو
یا علیؑ لب پہ جو تکبیر کے ہمراہ رہو

حیدرِ کرارؑ

(جناب سید اولاد اصغر صاحب رضوی ماہلی)

کیوں نہ دیکھے صورتِ خورشید ملت کی جبیں
ابنِ حیدرؑ کا لہو ہے شاملِ ذوقِ یقیں

تیرے در کا جبہ سا ہے مہر ہو یا ماہتاب
آسماں تجھ پر نچھاور ہے تصدق ہے زمیں

دیکھئے رُوئے علیؑ رُوئے پیمبرؐ دیکھ کر
ایک قرآنِ مُبیں ہے ایک ہی شرعِ مبیں

کون واقف ہے کہ یہ دیوارِ کعبہ کا شگاف
فطرتِ مشکلکشائیؑ کا ہے بابِ اوّلیں

کاش شہیدِ آرزو کا قیس بن سکتا یہ دل
منزلِ تخییل کے اے پیکرِ محفل نشیں

بستر و دوشِ نبیؐ دونوں کو جس پر ناز ہے
خلق نے اس طرح کا بھائی کہیں دیکھا نہیں

تو وہ ہے جس کے لئے پلٹا اُفق سے آفتاب
شاید اس خاطر کہ بڑھ کر رکھدے قدموں پر جبیں

منزلِ دشوار ہو کوئی کہ رزمِ خیبر و ستر
یا علیؑ کا نعرہ ہے سرمایۂ جانِ حزیں

داستاں ہونٹوں پہ ہے اس حیدرِ کرارؑ کی
خود نبیؐ نے جس کو فرمایا ہے اپنا جانشیں

ہے نبوت کی فضیلت نازشِ ایماں مگر
بازوئے حیدرؑ نے بھی اونچا کیا ہے نامِ دیں

اصغرؔ اُس کا حقِ مدحت کیا ادا ہو جو کہ ہے
شمعِ سوزاں عشق کی اور عِلم کا مہرِ مُبیں

قصیدہ

در مدحِ مولائے کائنات نازشِ موجودات امیر المومنین سیدنا علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ

(نتیجۂ فکرِ بلند جناب معراج شارق الوارثی صاحب مدظلہٗ)

عرش پیما ہے مری قوتِ خاصِ تخیل
طبع پر جوش ہے گنجینۂ الفاظ قلیل

میرے نزدیک ہے اک منزلِ دور افتادہ
جس جگہ کانپ اُٹھے تھے پر و بالِ جبریل

یوں مری طبع پہ روشن ہیں مضامینِ لطیف
جیسے آئینے کے آغوش میں ہو عکسِ جمیل

عالمِ کیف میں جب سیر کناں ہوتا ہوں
ساتھ ہوتا ہے مرے جذبۂ عشقِ جلیل

گر تعلّی نہ ہو یوں مصرعِ غالب پڑھ دوں
میری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

نہ ستائش کی تمنّا نہ صلے کی پروا
میرے اشعار ہیں خود اپنی لطافت کی دلیل

نہ سہی شعر میں اندازِ بیانِ غالب
ہمہ الہام ہیں پھر بھی مرے افکارِ جمیل

خوش نصیبی پہ بجا ہے میں اگر ناز کروں
مدحتِ آلِ نبیؐ ہو مری بخشش کی سبیل

کس طرح آلِ محمدؐ کے فضائل ہوں بیاں
بیکراں عظمتِ ممدوح مرا علم قلیل

جھوم اُٹھی روح قصیدے کا خیال آتے ہی
دل کے احکام کی لازم ہوئی مجھ پر تعمیل

بابِ علمِ نبویؐ جب ہیں مددگار مرے
کیوں نہ بے مثل قصیدے کی کروں میں تکمیل

عقل کہتی ہے سمجھ سوچ کے اشعار کہو
عشق کہتا ہے ضروری ہے بیاں پر تعجیل

کاروانِ لفظ و معانی کا بصد حسن بڑھے
کہ سرِ میرِ قلم اس وقت ہے گلبانگِ رحیل

پیش کرتا ہوں محبت کے جواہر پارے
وہ جواہر کہ جنھیں کہتے ہیں بے مثل و مثیل

میرے مولا اسد اللہ علیؑ شاہِ نجف | اک نظر مجھ پہ مرے عقدہ کشا میرے کفیل
دل کو میں شاد کروں مطلعِ ثانی کہہ کر | رطب افشاں ہو مرے خامۂ رنگیں کا نخیل

مرحبا کعبے سے آئی وہ صدائے تہلیل
شکلِ حیدر میں ہوئی نورِ خدا کی تشکیل

آفریں قوتِ بازوئے رسولِ اکرم | تیری ہستی ہے کہ ایماں کی ہے روشن قندیل
تیرے بازو کو ملی قوتِ خیبر شکنی | کفر کی تیری شجاعت سے ہوئی ہر تذلیل
تجھ کو اللہ نے بخشی ہے جو عظمت اس پر | نار میں جائے گا کچھ بھی جو کرے گا تقلیل
تیرے گلزار کے دو پھول جنابِ حسنینؑ | نہ کوئی حسن کا ہم ثانی نہ کوئی حسن کا عدیل
راکبِ دوشِ رسولِ مدنی العربی | پاک جاں پاک نظر صاحبِ اوصافِ جمیل
ایک ہے خلق میں ممتاز تو اک ہے صابر | ایک مسموم ہوا ایک شہید اور قتیل
تیرے انوار کا آئینہ جنابِ عباسؑ | دیکھ کر جن کو لرز جاتے تھے کفار ذلیل
تجھ پہ جو ہوتی ہے اس بارشِ رحمت کا حساب | جوڑ سکے ہی نہیں تا بہ ابد میکائیل
ان کی توصیف سے لبریز ہے قرآنِ مجید | مدح خواں ان کی تھی توریت و زبور و انجیل
ان کا جو نام سنے اور نہ بھیجے صلوٰۃ | اس سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی اور بخیل
رتبۂ آلِ محمدؐ میں ہے جن کو بھی کلام | دل ہیں تاریک اگر ان کے تو ہے روح علیل
آج بھی ملتے ہیں کچھ لوگ پرستارِ یزید | صور کو لب سے لگاتے نہیں کیوں اسرافیل
حق نے خود ٹھونک دی تابوتِ یزیدیت میں | آخری جس کو کہیں بندۂ مومن وہ کیل

نارِ نمرود ہو یا آتشِ دوزخ معرآج
ان کے مداحوں کو ہر آگ ہے گلزارِ خلیل

قصیدہ

در مدح امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام

جناب علامہ قمر جلالوی ایم، اے

ذرۂ خاک ہے آئینۂ حُسنِ تمکیں
دہر ہے عالم تصویر کہ بُت خانۂ چیں

حُسن ہے آج بھی پردے میں بقدرِ جلوہ
صورتِ حرفِ غلط ہیچ جمالِ تزئیں

خواہش جلوہ نمائی ہے کہ اللہ اللہ
اک طلسمات کا عالم ہے بہ فیضِ خود بیں

اعتبارات اضافی پہ ہے قائم سب کچھ
پستیٔ ملکِ زمیں رفعتِ افلاک بریں

موجِ گُل، موجِ ہوا، موجِ نگاہِ احساس
حسن زا، حرص فزا، جلوہ گہہ وہم و یقیں

نگہہ برق و نم ابرو خم زلفِ بہار
عارض و چشم زدہ قیدیٔ دامِ تمکیں

نالۂ سازِ طلب مطرب بزمِ حسرت
نفسِ دل ہے کہ ہے دودِ چراغِ رنگیں

قصرِ پرویز عزا خانۂ حُسن و الفت
غمِ فرہاد میں شامل غمِ مرگِ شیریں

روز و شب ضابطۂ فطرتِ اوّل کے ورق
کتنے دلچسپ ہیں یہ ہست و عدم کے آئیں

زلفِ تخئیل میں پیچیدگیٔ دیر و حرم
شغل مشاغلیٔ عقل یہ ذوقِ تسکیں

ساغرِ دل ہے کہ ہے میکدۂ احساسات
نغمۂ لغزشِ پا خوگرِ سازِ تحسیں

خوبیٔ بخت کہ ان پر ہے مدارِ تقدیر
یہ جو کاڑھ اک لکیریں ہیں سرِ لوحِ جبیں

نفع و نقصان ہیں ریاضیٔ ہوس کے اسباق
ایک جادے پہ نہیں پائے طلب کی رفتار
اللہ اللہ یہ یکرنگیٔ اوصافِ جمال
آئینہ خانۂ حسنِ ازلی ہے دنیا
عالم وصفِ خدا داد وجودِ حسرت
جو بھی اظہار کی حد میں تھے صفاتِ خالق
بابِ توصیفِ نبیؐ میں جو زباں کھلتی ہو
یا علیؑ دستِ خدا بازوئے پیغمبرؐ دیں
تفرقہ ذات و صفت میں جو ہوا روزِ ازل
تو نہ ہوتا تو تھے محتاج تعارف اوصاف
اس سے بڑھ کر کوئی عالم میں سعادت ہوگی
بعد پیغمبرؐ اسلام تو مولائے زماں
جھک گئے سجدۂ خالق میں سبھی کعبے کے
آستانے پہ ترے ناصیہ سا سورۂ دہر
وحدتِ ذات میں کثرت کی نمائش دیکھی
تجھ کو دنیائے ولایت میں محمدؐ سے وہ ہیں
وصل نوروز و سہ پیر ایک قرآن السعدین
شبِ معراج کا قصہ ہو زباں زد اب تک
تیرے ہی مکتبِ عرفاں میں رہا ابجد خواں

جنت و نار خیالات کے ہیں خواب حسیں
گاہ ہو سوئے یسار اور کبھی سوئے یمیں
ایک صورت ہو کہیں دوسری صورت ہے کہیں
لطف یہ ہے کہ فقط ایک ہی تصویر نہیں
پیکر احسن تقویم منقش بہ زمیں
ذات حیدر میں وہی کل صفتیں جمع ہوئیں
نطق ہو جاتا ہے مری فکر معلّی کا معیں
مصدر خلقت کونین دو عالم کے امیں
صفتیں ذات کی تیری منتخب نکلیں
تیرے آئینے میں اوصاف کی شکلیں ابھریں
ہے جو خانہ مرا کعبۂ ارباب یقیں
دونوں کے بیچ میں واللہ کوئی فصل نہیں
تو نے تبدیل کئے دیر و حرم کے آئیں
کھینچ لائی ہے فلک سے کشش بال حزیں
دعوے تو سے جو جالیں گھر دل میں کھائیں
نسبتیں حضرت موسیٰؑ سے جیسا ہارونؑ کو تھیں
عید کا دن ہے ہو ارضِ افلاک دو زمیں
ہاتھ تیرا ید قدرت ہے بقول یقیں
وہ جو سردار ملائک ہے بہ حسن تمکیں

تھے نہ بھلے بہ امینِ وحیٔ ربِ لاریب
تجھ سے جبرئیل نے قربت کی ادائیں سیکھیں

نفسِ حق نفسِ نبیؐ مظہرِ ذاتِ باری
تیری ہستی ہے کہ ایمان کا اک حصنِ حصیں

مرضیٔ خالقِ کونین خریدی سو کر
ایسا تاجر نظر آیا نہ خریدار کہیں

لحنِ داؤد ترے حسنِ بلاغت پہ نثار
لہجۂ گفتگوئے لب ہے کہ قندِ شیریں

حسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضا کی قسم
انبیاؑ و ملک مراتب میں ترے خوشہ چیں

وہ شجاعت درِ خیبر تری دو انگلی پر
وہ نزاکت کہ نہیں ٹوٹ سکی نانِ جویں

کعبۂ روح ہو دلِ نسیمِ ہدایت آثار
نورِ فانوسِ ازل شمعِ رہِ علم و یقیں

جب ہوا تیرا کرم مائلِ فیضانِ جہاں
دامنِ عفو میں عصیاں نے پناہیں ڈھونڈیں

مستیٔ لوحِ قدر مسند کلکِ قضا
تیرے دربارِ قضایا کے مددگار و معیں

مرحبا وہ تری اک ضربتِ یومِ خندق
جس پہ سو جاں سے فدا طاعتِ افلاک و زمیں

عنبتِ تیغ تری تیز ہے ماشاءاللہ
اس قدر تیز رم دیدۂ معشوق نہیں

نظرِ بد سے ہے محفوظ جو دلدل ہے ترا
اس کی پرواز براقِ نبوی کے ہے قریں

مدح خواں ہے تری انجیل و زبور و تورات
اک صحیفہ تری مدحت کا ہے قرآنِ مبیں

میثمؓ و قنبرؓ و سلمانؓ و بوذرؓ کا وقار
ان کے سر پر تری طاعت کا ہے تاجِ زریں

دوستوں کو ترے جنت کی بشارت دیا
دشمنوں پر ترے افلاک و زمیں کی نفریں

عقلِ دیدار فدا مدحتِ حیدرؑ ہے محال
بس اسی بات سے مجبور ہوئے کردہ بیں

یا علیؑ آپ کا بندہ ہے گنہ گار ثمرؔ
درِ مولا پہ یہ حاضر ہے بہ شکلِ مسکیں

دارِ ہستی میں رہے خوش تو رہے بعد اجل
اس پہ سایہ ترے الطاف کا اے خسروِ دیں

لطف تو جب ہے کہ ہو کلکِ مشیت جنباں
آستانہ ہو ترا اور مری لوحِ جبیں

قصیدہ

سید مہدی جعفر جعفرؔ۔ فوڈ اینڈ نیوٹریشن اسسٹنٹ آفیسر گورنمنٹ آف انڈیا ۹۹ ماڈل ٹاؤن سرگودھا/گرھیاں

آج ہم نے گلشن کا رنگ دوسرا پایا ۔۔۔ یہ زمیں نئی پائی آسماں نیا پایا
شاخ گل مچلتی ہے اور ہوا سنکتی ہے ۔۔۔ بادلوں کو لہراتے جھوم کر حابجا پایا
سیٹیاں سی بجتی ہیں سرے کی رباوں پر ۔۔۔ گویا پتے پتے نے نطق کا مزا پایا
درمیاں ہواؤں کے بوئے گل پریشاں ہے ۔۔۔ خوشبوؤں کا اک عالم یوں بسا ہوا پایا
کھو گیا تو ہوش آیا کیا بتاؤں کیا پایا ۔۔۔ اس حریم الفت میں دل کا مدعا پایا
شاید اُن سے پہلے عنبر جا و داں مکیں ۔۔۔ راہ دیکھتا تھا میں، وقت بھی تھما پایا
جلوہ حسن کا دیکھا دل کدھر گیا یارب ۔۔۔ اپنے ہوش کے بدلے ہوش دوسرا پایا
اور معجزہ کوئی اس سے بڑھ کے کیا ہوگا ۔۔۔ ہم نے دشت وحشت میں اُن کا آسرا پایا
مطلع
فیض ہائے قدرت کا ایک سلسلہ پایا ۔۔۔ ہم نے آج کعبہ میں در نیا سا پایا
شہر علم و حکمت کا ایک ہی تھا دروازہ ۔۔۔ یوں کہیں کہ رحمت کا در دوسرا پایا
چاک ہو کے دونوں ہی راہ حق بتاتے ہیں ۔۔۔ بیل دو کہ کعبہ ہو راستہ بنا پایا
دل بھی ایک کعبہ ہے مومنوں کی بستی میں ۔۔۔ آپ کا قدم مولا ہم نے جابجا پایا
رتبہ اُس امامت کا جانیے سورت سے ۔۔۔ دوش پر رسالت کے جس کا نقش پا پایا
مظہر العجائب کا جلوہ سامنے دیکھا ۔۔۔ ہو گیا نصیری گم منکر کو جدا پایا
دو کیا تھا اژدر کو دو کیا ہے مرحب کو ۔۔۔ طفلی یا جوانی ہو ہاتھ ایک سا پایا
محویت نمازی کی تیر جسم سے نکلے ۔۔۔ اور سوال سائل نے حل کیا ہوا پایا
دید کے لئے اُس کی تم رکو قیامت تک ۔۔۔ ہم نے تو امامت میں مظہر خدا پایا
باپ ہو کہ بیٹا ہو نینوا کہ بطحا ہو ۔۔۔ بھائی ہی نے بھائی میں مرکز وفا پایا
عرش کی بلندی تک فرش بوتراب آیا ۔۔۔ اوج مصطفےٰ پائی نطق ایلیا پایا

خستہ حال تھا جعفرؔ بزم میں چلا آیا
اُن کا یہ کرم دیکھا اس کو بھی رسا پایا

قدرت کی زباں پر ہیں ساقی ترے افسانے

از جناب سید یوسف علی صاحب یوسف سیتھل ضلع بریلی

ہر شاخ پہ گلشن کی ساقی کے ہیں میخانے
غنچوں کی صراحی ہے پھولوں کے ہیں پیمانے

قطروں سے ٹپکتی ہیں عرفان کی تصویریں
ساقی ترے ساغر ہیں وحدت کے جلو خانے

مجھ رند بلاکش کو حاجت نہیں ساغر کی
ساقی کی عنایت ہے یہ ہاتھ ہیں پیمانے

مستی میں مجھے ساقی آتی ہے نظر جنت
یہ خواب تو اچھا ہے تعبیر خدا جانے

کعبہ کی فضاؤں پر گھنگھور گھٹا چھائی
کیا ذکر ہے پانی کا رحمت لگی برسانے

وہ عبد ہے تو جس کو معبود سمجھ بیٹھا
دیکھا ہے نصیری نے کیا وصف خدا جانے

قرآن کی صورت میں سب تیرا سراپا ہے
قدرت کی زباں پر ہیں ساقی ترے افسانے

جب دم مرا نکلا ہے تھا نام علیؑ لب پر
آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے

معصوم تو چودہ ہیں کہنے کو مگر یوسف
یکساں نظر آتے ہیں تصویروں کے پیمانے

بہارِ مدحت

(جناب قائم جعفری صاحب)

کیا آج رنگ و بو کی دنیا میں کھلبلی ہے / شاید بہارِ فطرت دلہن بنی ہوئی ہے
حدِ نگاہ تک اک طوفانِ زندگی ہے / ہر گام پر مسرت پھولوں میں پل رہی ہے
گلشن بنا ہوا ہے سرمایۂ لطافت / نظارۂ چمن سے ہنگامہ جو سجا ہے
اب کے برس کچھ ایسی فصلِ بہار آئی / پھولوں کا ذکر کیا ہے کانٹوں میں دلکشی ہے
سبزہ لہک رہا ہے گلشن مہک رہا ہے / غنچوں کی مٹھیوں سے خوشبو نکل چکی ہے
گلشن پرست دل میں اک ولولہ ہے پیدا / حدِ نظر تک شاید حسنِ صنوبری ہے
فرطِ خوشی سے شاخیں سرو پہ لوٹتی ہیں / سایہ بھی چمن کا اندازِ بندگی ہے
فکر و نظر کے گوشے پُر نور ہو گئے ہیں / شاعر کے واسطے اک توفیقِ ایزدی ہے
میرے نفس نفس میں کیا شانِ آگہی ہے / اب صبح و شام میرا نغمہ علیؑ علیؑ ہے
باطل کی مرکزیت کفر آ کے رہ گئی ہے / کعبہ کی زندگی اب تیور بدل رہی ہے
آئے علیؑ جہاں میں دارائے سحر ہو کر / عظمت یہ حسن کی قدرت خود ناز کر رہی ہے
حکمت میں فلسفہ میں ہونے لگا اضافہ / افکار سے انہیں کے ہر سمت روشنی ہے
حل کی ہے جس ولی نے ہر اک نبی کی مشکل / اسلام کا مصطفیٰ مشکل کشا وہی ہے
واعظ تجھے بتاؤں منزل خدارسی کی / عرفانِ مرتضیٰ کا تکمیلِ بندگی ہے
اے منکرِ مودت اے ناشناسِ عظمت / تیری خرد کی دنیا تاریک ہو گئی ہے
کیا فائدہ الجھ کر قائم عدوِ حق سے / تم کو تو میکدہ کی تصویر کھینچنی ہے
اک شورِ ہاؤ ہو ہے میخانۂ ولا میں / ساغر کھنک رہے ہیں محفل جمی ہوئی ہے

سینوں میں ہیں لبالب پیمانۂ مودت
اک شور ہو رہا ہے ساقی بڑا سخی ہے

انداز تمکنت سے بیٹھے ہوئے ہیں میکش
گلرنگ ساغروں سے شوخی ٹپک رہی ہے

توبہ شکن فضا ہے طرفہ سماں بندھا ہے
واعظ چراغ پا ہے رندوں کی بن پڑی ہے

ناصح ہے کیا پریشاں صہبا کے تذکرہ سے
ضعفِ نظر سے پیدا اندازِ مفلسی ہے

اے مردِ بے خرد کچھ تجھ کو خبر ہے اس کی
جانِ حیات کیا ہے کیا رازِ میکشی ہے

ہر جرعۂ ولا میں نشہ ہے معرفت کا
احساسِ معرفت سے ذہنوں میں روشنی ہے

فطرت کی سرحدوں نے جرأت بہت بڑھا دی
پینا ہے عینِ فطرت پینے میں زندگی ہے

کتنی بدل گئی ہے اب میکشوں کی دنیا
ہر گام پہ بہاریں ہر گام پر خوشی ہے

جلوے بھی چل رہے ہیں ساغر کو بھی ہے گردش
تشنہ لبی کی منزل کوسوں چلی گئی ہے

سب ساتھ پی رہے ہیں سب ساتھ جی رہے ہیں
دربار ہے سخی کا رندوں میں یکدلی ہے

مستِ الست ہی کچھ اس راز سے ہیں واقف
تطہیر کی ردا میں یہ مے چھنی ہوئی ہے

اس مے کی منزلت کا قرآں ہے خود ثنا خواں
عترت کے میکدہ سے تقسیم ہو رہی ہے

اب جامِ جم ہماری نظروں میں کیا سمائے
ہم کو جو دل ملا ہے وہ جامِ کوثری ہے

قرآں کی زباں میں اب مدحتِ علیؑ ہے
سچ ہے کہ شاعری بھی جزوِ پیمبریؐ ہے

کچھ دل ہی جانتا ہے نامِ علیؑ کی لذت
اہلِ ولا کے لب پر ہر وقت یا علیؑ ہے

اس شاہکارِ حق کے اوصاف کیا بیاں ہوں
منبر کی زیب و زینت تلوار کا دھنی ہے

ذکرِ علیؑ کو کیونکر سمجھیں نہ ہم عبادت
یہ حکم ہے خدا کا یہ سنتِ نبیؐ ہے

بے معرفت نمازیں کیا کام دے سکیں گی
بیکار کوششیں ہیں ناکام بندگی ہے

اک عید بن گیا ہے ہنگامِ نزع قائم
مولا مرے سرہانے اور موت پائنتی ہے

ہفتہ وار سرفراز لکھنؤ

جلد ۵۴ ۹ جولائی ۱۹۷۶ء نمبر ۲۳ و ۲۴

سیرت علویہ پر عمل ہی ہمارے کردار کو سدھار سکتا ہے

اس زمانہ میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مولائے کائنات کے نام لیوا اور ان کی محبت و مودت کے بلند بانگ دعوے کرنے والے ایسی کمزوریوں میں مبتلا ہیں جن پر نظر ڈال کر ہمیں اپنے علوی ہونے کے دعوے میں کوئی سچائی نظر نہیں آتی۔ اگر ہم مولائے کائنات کے پیرو نہ ہوتے اور پھر ان کمزوریوں اور بدکرداریوں میں مبتلا ہوتے تو وہ اتنا برا نہ لگتا جتنا کہ حضرت علی کے پیرو ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد ناپسندیدہ نظر آتا ہے۔ ہمارے اندر نہ اتحاد و اتفاق ہے نہ مروت و محبت، نہ باہمی بھائی چارہ، نہ ہم دوسروں کے ساتھ ہمدردی و انصاف کا برتاؤ کرنا جانتے ہیں۔ ہمارے اندر ہر سطح پر انتشار ہی انتشار ہے۔ ہر جگہ فسادات "فسادات" "فسادات" کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ شیعوں کی کوئی چھوٹی بڑی بستی ایسی نہیں جہاں کے مومنین شیر و شکر ہوں اور باہمی اختلاف کو بڑھاوا نہ دے رہے ہوں۔ اگر کسی بستی میں دو گھر ہیں تو ان کے آپس میں بھی فساد و ظلم دکھائی دیتا اور اگر کسی بستی میں صرف دو سگے بھائی بستے ہیں تو وہ بھی آپس میں برادران یوسف سے ہوئے ہیں۔

ہمارے اتحاد کی جگہیں دو تھیں۔ ایک مساجد اور دوسرے محافل و مجالس۔ لیکن نہ ہمیں مساجد میں اتحاد نظر آتا ہے اور نہ مجالس میں۔ یہاں بھی اکھاڑے بازی ہی نظر آتی ہے۔ اول تو ہمارے جوانوں اور نوجوانوں کو نماز کی عادت ہی نہیں ہے اور اگر چند عمر رسیدہ بوڑھے لوگ مسجد میں نماز پڑھنے گئے بھی تو وہاں بھی نماز کے بعد تعقیبات کی جگہ غیبتیں، بدگمانیاں اور اعتراضات کی بوچھار شروع ہو جاتی ہے جو مسجد اور نماز کے احترام کے قطعی منافی ہیں اور افتراق بین المومنین کو بڑھاوا دیتی ہیں۔

ہر شیعہ بستی پر نظر ڈالی جائے ہر جگہ کی حالت قریب قریب یکساں نظر آئے گی۔ اختلاف ہماری رگ و پے میں رچ بس گیا ہے اور اس اختلاف کا اثر ان کے کردار، معاشی و معاشرتی حالت پر بہت برا پڑ رہا ہے۔ بے عملی عام ہو گئی۔ دوسروں پر اعتراضات کرنے کی جرأت اور اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لینے کی طرف سے توجہ بالکل ہٹ گئی ہے۔ اسی عدم اتحاد کا نتیجہ ہے کہ ہر جگہ آپس میں جھگڑے، دعوے داریاں اور مقدمہ بازیاں ہوتی رہتی ہیں اور مقدمہ بازی کے جائز و ناجائز مصارف پر فریقین کا جتنا روپیہ اٹھتا ہے وہ ایک طرح سے قومی سرمایہ کا ضیاع ہے۔ پھر دشمنی مفت میں مول لے لی جاتی ہے۔ دشمنی بھی ایسی جو آئندہ نسلوں تک چلتی رہتی ہے۔

اب رہے ہمارے مجالس و محافل، شیعوں کے پاس عزاداری کا شعبہ ایسا تھا جو ایک دوسرے کو متحد کر سکتا تھا اور ان کے کردار پر مفید اثر ڈال سکتا تھا مگر اب ہمارے لئے مجلس بھی غیر مفید ہو کر رہ گئی ہیں۔ نہ ہم ان میں اس جذبے کے ساتھ شرکت کرتے ہیں کہ وہاں سے کوئی سبق لے کر اٹھیں اور نہ ذاکر اور واعظین کے بیانات کرگر ثابت ہو سکتے ہیں بلکہ ہماری شرکت جلسوں میں عادتاً یا رواجاً ہوتی ہے۔ صرف اس لئے کہ ہمارے کسی

دوست نے اپنے یہاں کی مجلس میں ہم نے شرکت کا وعدہ لے لیا ہے اگر نہ جائیں گے تو دوست کو ناگواری محسوس ہوگی۔ پھر اگر کسی مجلس میں شریک ہوئے بھی تو اس بات پر نظر رہتی ہے کہ مقرر نے کہاں کہاں لغزش کی۔ کیا اس کے کسی فقرے سے ہماری پارٹی پر کسی قسم کا حملہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ مجالس میں بھی پارٹی بندی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے' ایک مولوی کے پیرو دوسرے مولوی کی مجلس میں جانے سے پرہیز کرنے لگا ہے

ہمیں اس سلسلے میں نصف درجن علماء اور مقررین سے بھی یہ شکوہ ہے کہ آپ نے بھی عزاداری کے اس شعبہ کے سدھار میں کوئی خاص رول ادا نہیں کیا اور اس مختصر سی قوم کو دو گروہوں میں بانٹ کر رکھ دیا جن کے آپس میں اتحاد کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی اور مجالس بھی گروہ بندی کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں ایک فریق دوسرے فریق کے یہاں کی مجالس میں شرکت کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ ہر ایک کو یہی شکایت رہی ہے کہ ہم مجلس میں جائیں گے تو ہم ذاکر کے اعتراضات کا شکار ہو کر رہ جائیں گے۔ اس قسم کے ایک دوسرے کے خلاف بیانات نے بھی ہماری مجالس کی افادیت کو کم کر کے رکھ دیا ہے بلکہ ان بیانات نے پوری قوم کو دو نظریوں والے گروہوں میں بانٹ دیا ہے اگر صرف مجلس میں فضائل و مصائب سننے کی خاطر کوئی غیر جانب دار شخص ہر نقطہ خیال کے ذاکر کی مجلس میں شرکت کرتا ہے تو اسے دونوں ہی نکو بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ غیر جانبداری کیا بلا ہے یا ادھر ہو جاؤ یا ادھر ہو جاؤ۔ یہ نہ ہیون ہیں، شیعوں میں کس چڑیا کا نام ہے۔ یعنی ہم جیسے ایک جانب دار شخص کے لیے جگہ نہ اس مجلس میں ملتی ہے اور نہ اس مجلس میں اور ہم پر وہی مثل صادق آتی ہے۔

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں تجھ کو

ہم نے پرانا زمانہ بھی دیکھا ہے جبکہ اسی لکھنؤ میں بڑے بڑے جید علماء موجود تھے اور جنہیں ان کے زہد و تقدس اور بلندی کردار کے لحاظ سے ہم فرشتہ تصور کرتے تھے۔ مولانا باقر العلوم' مولانا ہادی صاحب قبلہ' مولانا ناصر الملتہ' مولانا نجم الملتہ' مولانا ظہور الملتہ' مولانا قدوۃ العلماء' اور ان کے بعد ان کے سعید فرزند مولانا محمد' مولانا شمس العلماء ابن حسن صاحب' مولانا سبط حسین صاحب قبلہ اجتہادی جونپوری۔

ان حضرات کے آپس میں زبردست اتحاد و اتفاق تھا وہ خود درگزر کرنے کے عادی تھے اور ہر کام میں ایک دوسرے پر اعتماد تھا اور وہ ذہنی طور پر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو گئے تھے کہ جو رائے ایک کی ہوتی تھی جدا جدا ہر مجتہد کے پاس جائیے وہی رائے دوسرے مجتہدین کی بھی ہوگی۔ ہمارے سیاسی لیڈر بھی ہر کام میں ان سے مشورہ لینا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اتنے باوقار کم اور کم گو تھے کہ بے محل اور ضرورت سے زیادہ گفتگو بھی نہیں کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ کبھی ان کی گفتگو میں تضاد نہیں پایا جاتا تھا وہ کسی بڑے سے بڑے حاکم کے حضور میں اپنی کوئی حاجت لے کر نہیں گئے حتیٰ کہ کسی گورنر یا وائسرائے کے دربار میں بھی نہیں گئے جب کبھی دوسروں کو ضرورت ہوئی وہی ان کے شریعکدوں پر حاضر ہوئے ہمیں ۱۹۳۹ء کا زمانہ بھی یاد ہے جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد لکھنؤ میں سنی شیعہ مصالحت کرانے کے لیے مقیم تھے تو وہ ہی مولانا ناصر الملتہ اور مولانا نجم الملتہ سے ان کے چھپر کے نیچے بیٹھ کر گفتگوئے مصالحت کیا کرتے تھے مگر یہ حضرات ان کی کبھی بازدید کے لیے بھی نہیں گئے۔ مگر اب یہ سب باتیں خواب و خیال ہو گئی ہیں۔ اب تو ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہے اور ہر جائز ناجائز طریقے سے اپنے اقتدار کو بڑھانے اور برقرار رکھنے کے درپے رہتا ہے۔

بنی نوع انسان خدا کے نام پر متحد نہ ہوئے مسلمان رسول کے نام پر متحد نہ ہوئے۔ شیعہ علویت و حسینیت کے نام پر کیا متحد ہوں گے

تا کہ ایک آخری گروہ مخلص امام زمانہ کے نام پر جہاد ... [illegible]

[illegible] مومنوں کے پچاس ہزار بچوں اور نوجوانوں کی دینی تعلیم کے لئے ایک ہزار مکاتب قائم کرنے کا منصوبہ رکھنے والا

ادارہ تنظیم المکاتب

جو ۹ صوبوں میں ۱۸۰۷ مکاتب کے ۱۰ ہزار طلباء پر ½۱ لاکھ روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے

ارشادات علمائے کرام

اعلم وقت آقائے خوئی نجف
آقائے شریعتمدار، محمد کاظم قم
آقائے محمد باقر صدر نجف
آقائے سید محمد رضا گلپائیگانی
کی اجازت کے مطابق
خمس، زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی
امام ضامن اور دیگر شرعی رقوم
ادارے کو مرحمت فرمائیے

خدمات ادارہ

۱۔ دسمبر [illegible] تک ادارہ دینی تعلیم پر ۶۔۴، ۴۴۵ خرچ کر چکا ہے
۲۔ ادارہ کا خرچ ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔
۳۔ مستقل آمدنی صرف ½۱۷ ہزار روپیہ سالانہ ہے۔
۴۔ سرمایہ محفوظ ½۱ لاکھ ہے جس سے ½۱۴ ہزار روپیہ سالانہ ملتا ہے۔
۵۔ ہر سال سرمایہ محفوظ میں ۲۵ ہزار کا اضافہ کیا جاتا ہے
۶۔ لائف ممبری کی فیس ایک ہزار روپیہ ہے جو سو روپیہ سال کر کے بالاقساط بھی ادا ہو سکتی ہے
۷۔ عمومی ممبری کی فیس ۲۵ روپیہ سال ہے۔
۸۔ ہر مکتب کو ۳۰ روپے ماہوار سے سو روپے ماہوار تک امداد دی جاتی ہے۔
۹۔ ادارے کی تمام رقوم بینک میں ادارے کے نام سے جمع ہیں۔
۱۰۔ ہر سال چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آڈٹ کرایا جاتا ہے۔

مطبوعات ادارہ

مکمل کورس ۹۵ — ۱۳
وی پی سے
صرف دینیات ۶ حصے ۵ — ۶
تعلیم بالغان کے لئے مکمل دینیات
چراغ ہدایت اردو ۲ حصے ۵ —
چراغ ہدایت ہندی ۲ حصے ۵ — ۴
صلح حسن ۶ —
تدلیس شبلی ۶ — ۰
۷ دو صفحوں کے شاہکار
تصاویر کا سٹ ۱۰ —
تاجروں کے لئے کمیشن ۲۵ فیصدی
مکاتب کو کمیشن ۴۰ فیصدی

ہیڈ آفس:۔ قصبہ بجنور ضلع لکھنؤ
برانچ آفس:۔ ۴۷ جوہری محلہ لکھنؤ
پن نمبر:۔ ۲۲۶۰۰۳



سماحة آية الله العظمى والمرجع الديني الأكبر السيد محمد رضا الگلپايگاني

(زعيم حوزة علمية قم)

Phone 82184
Regd No L U NP 25

9th July 1976

Regd [illegible]
Paper No. [illegible]

THE SARFARAZ WEEKLY · LUCKNOW.

RAJAB NUMBER

علیؑ
محمدؐ
فاطمہؑ

سرفراز لکھنؤ

رجب ۱۳۹۷



ایڈیٹر
مصطفیٰ حسن رضوی

حسنؑ
حسینؑ

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا آرگن

سرفراز لکھنؤ

رجب نمبر

جلد ۵۵ | ۲/ اگست ۱۹۷۶ء مطابق ۱۶/ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ | شمارہ ۲۷، ۲۸، ۲۹

ایڈیٹر:
مصطفےٰ احسن رضوی
محمد سعید

سید انصار حسین پرنٹر و پبلشر نے برائے آل انڈیا شیعہ کانفرنس
سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر دفتر سرفراز قومی قیصر
ناداں محل روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

حضرت علی رض

ابن ابی طالب

اور اُن کے

سیاسی حریف

از جناب سید شاہد زعیم فاطمی

پیش لفظ

اپنی تمام تر روسیاہیوں کے باوجود اور اپنے گناہ گار ہونے کے اعتراف کے باوجود ایک راسخ العقیدہ مسلمان، ایک محبِ اہلبیتِ نبوت پر خانوادۂ بنی ہاشم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اُن بیہودہ الزامات اور بے سروپا اتہامات کی تردید کے لئے جو چند بدنہاد لوگ علی ابن ابی طالب اور اُن کی اولاد و امجاد کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اپنے قلم کو حرکت میں لاؤں۔

ایک عرصہ تک میں اس بیہودگی کے مظاہرہ کا بچشم خود مطالعہ کرتا رہا جو نام نہاد اہل سنت کی بعض ذمہ دار شخصیتوں کی جانب سے سرزد ہوتے رہے لیکن اب کے؟

اب جب کہ ان "احیاء رشدی" کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس میں بھی ایسے ذون نظرت لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو بدطینتی کے اس ناپاک کھیل کو سرِعام کھیلنے لگے ہیں اور تحقیق و تاریخ کے نام پر توہین اہل بیت کا ناموزوں سلسلہ چل نکلا ہے تو "بارِ دل سخت است" "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" کے مصداق ضرورت محسوس ہوئی کہ اُن کے چہروں سے نقاب سرکا دیا جائے خصوصاً اگر غور کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلے کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

اس کے بعد "پردہ اُٹھتا ہے" کے عنوان سے ایک اور کتاب کی ترتیب بھی ہمارے پیش نظر ہے جس میں ہم بعض نامور شخصیتوں اور اہل سنت کے بعض ایسی ہستیوں کے رُخ کردار سے پردہ اُٹھائیں گے جن کو آج تک عصمتِ انبیاء کا سا تقدس حاصل رہا ہے اور سب پتہ چلے گا کہ اہلسنت جہاں کھڑے ہیں وہاں اُن کے پاؤں کے نیچے زمین نہیں ہے۔

انا صخرة الوادی اذا ما زحمت
واذا نطقت فانی الجوزاء

قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَ
نِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ
نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

"(اے رسولؐ) کہئے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنی جانوں کو بلائیں اور تم اپنی جانوں کو اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ [1]

(آل عمران پارہ ۳ رکوع ۵ آیت ۶۱)

یہ اشعار فضل بن عباس رض بن عبدالمطلب نے خاندان بنی اُمیہ سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ آج بھی وہ لوگ ان اشعار سے مخاطب ہیں جو بنی اُمیہ کی حمایت کا دم بھرتے ہیں

مهلاً بني عمنا مهلاً موالينا
لا تنبشوا بيننا ما كان مدفونا
مهلاً بني عمنا عن نحت أثلتنا
سيروا رويداً كما كنتم تسيرونا
لا تطمعوا أن تهينونا ونكرمكم
وأن نكف الأذى عنكم وتؤذونا
والله يعلم أنا لا نحبكم
ولا نلومكم أن لا تحبونا
كل له نية في بغض صاحبه
بنعمة الله نقليكم وتقلونا

(کتاب الحماسہ)

"اے ہمارے بنی عم! اے ہمارے قرابتدارو! ہم پر کیچڑ مت اُچھالو۔ اپنی اس حرکت سے باز آجاؤ اور وہی جیسی چال چلو جو اس سے پہلے چلتے آئے ہو۔ ہم سے یہ توقع مت رکھو کہ تم ہماری توہین کے درپے ہوگے اور ہم تمہارا

---

[1] آپ اس شان سے برآمد ہوئے کہ امام حسینؑ کو گود میں لیا۔ امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑا۔ جناب فاطمہؑ کو پشت عقب میں کیا اور حضرت علیؑ کو اُن کے پیچھے بیٹوں کی جگہ نواسے، عورتوں کی جگہ اپنی بیٹی اپنی جان کی جگہ حضرت علیؑ کو لیا۔ بیٹے حسنؑ حسینؑ، عورت (بیٹی) فاطمہؑ، نفسِ رسولؐ علی قرار پائے۔ آگے آگے نبوت بیچ میں عصمت پیچھے امامت۔
نبوت اور امامت کے درمیان عصمت کیا شان فاطمہؑ کی ہے! علیؑ پیچھے تھے اور عصمت درمیان

[illegible] تم ہمیں اذیت پہنچاؤ گے
[illegible] دھرے بیٹھے رہیں گے اللہ
[illegible] کہ ہمیں تم سے قطعاً محبت نہیں ہے
[illegible] تم ہم سے محبت کا سلوک کیوں نہیں
کرتے۔ ہر شخص دوسرے شخص سے کسی خاص
مقصد کے تحت دشمنی رکھتا ہے ہماری تمہاری
دشمنی کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں اپنے
خصوصی انعامات سے کیوں نوازا "

راقم الحروف مسلکاً اہل سنت والجماعت کے
مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے میرے خاندان میں دور دور
تک شیعیت کا نشان نہیں ملتا۔ خاندانی ماحول اور ابتدائی
تربیت نے شیعہ مکتبِ فکر کے بارے میں بچپن ہی سے ذہن
وضمیر میں ایک گونہ عصبیت پیدا کر دی تھی
مطالعہ کی کمی اور تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر
دل و دماغ کا سانچہ اس انداز میں ڈھل چکا تھا کہ آج سے
چند برس پہلے تک "خلافت راشدہ" کے بارے میں میری
دیانت دارانہ رائے یہ تھی کہ "حاکم بدہن" حضرت علیؓ
ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی ہوسِ اقتدار نے ان تمام
فتنوں کو جنم دیا جن سے اسلام کی دامن تاریخ داغ داغ
ہے۔ بے تکلف دوستوں کی مجلس میں بارہا میں نے اپنے
اس تأثر کا برملا اظہار کیا اور اُن جیسا فکری قسم کے اہلسنت
حضرات سے اپنی بات کی داد وصول کی جو امیر معاویہ کی
ذات پر معمولی سی تنقید سُن کر چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں۔
یہی تعصب، تنگ نظری اور جہالت کی اُسی ڈگر
[illegible] رہا تھا کہ اسی دوران رسوائے زمانہ اور بدنام مصنف
[illegible] کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کا
[illegible] بڑے شوق سے اس کتاب کا مطالعہ
[illegible] کے باوجود یہ کتاب حلق
[illegible] نے محسوس کیا کہ کتاب کا

مصنف، واقعات کی ترتیب اور اُن کے تجزیہ میں
حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کر رہا ہے اور اپنے مزعومہ
و مفروضہ حقائق کو درست ثابت کرنے کے لئے عبارتوں
کے سیاق و سباق کو نظر انداز کرنے میں کوئی جھجک اور
ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تاریخی کتابوں کی ورق گردانی اور
واقعات کے بے لاگ تجزیہ سے یہ انکشاف ہوا کہ حضرت
علی ابن ابی طالب پر نقد و جرح کا یہ انداز نہ صرف جارحانہ
اور غیر منصفانہ ہے بلکہ تاریخی حقائق و شواہد کے سراسر
خلاف بھی ہے

اس کتاب کا ہمارے مذہبی طبقہ بالخصوص نوجوان علماء
ملاؤں پر جو اثر مرتب ہوا وہ حد درجہ حیران کن تھا یہ لوگ
اس بات پر تعلیل بگھارتے تھے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ علم و تحقیق
کے نام پر اہلبیت نبوت کی عظمت کو مجروح کرنے کی کوشش
کی گئی ہے

پھر اچانک یہ خبر ملی کہ ملتان میں "یوم معاویہ" منانے
کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک شر انگیز اشتہار
بھی نظر سے گزرا جس سے طبیعت میں سخت تکدر پیدا ہوا
یہ ذہنی اور فکری بدمعاشی ممکن ہے برداشت کر لی
جاتی لیکن مختلف حلقوں میں اس کے جو اثرات ظاہر ہوئے
اُن کے مطالعہ کا راقم الحروف کو تلخ تجربہ ہوا اور اندازہ
ہوا کہ فکری و نظری گمراہی اور اعتقادی بے راہ روی کی
یہ تحریک ملت اسلامیہ کے لئے کس درجہ مہلک اور
رسوا کن ہے۔

اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اُٹھتے
بیٹھتے علی ابن ابی طالب کے خلاف شکوہ بر لب ہیں اور
اُنھیں کوس رہے ہیں۔ حضرت علی ابن ابی طالب کا تھوڑا بہت
جو احترام دلوں میں پہلے تھا وہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہونے لگا
اور گھر گھر کی زبانیں اُن کے خلاف زہر اُگلنے لگیں [1]

[1] راقم الحروف نے اہلسنت کے بعض ذمہ دار حضرات سے

(باقی صفحہ ۹ پر)

ایک خاص فرقہ کی مخالفت میں اعتدال کی حدود سے بڑھا ہوا نہ صرف قرآنی تعلیمات کی رُو سے سراسر غلط تھا بلکہ اس سے احترام صحابہ کے اس عقیدے کی بھی نفی ہوتی تھی جس کی دہائی دے کر یہ لوگ دوسروں کا منہ بند کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے یعنی کہاں تو وہ شور اشوری کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب سے گزر جانے والوں کے بارے میں احتیاط اور زبان بندی کی تلقین اور کہاں یہ بے تکلفی کہ سیدنا علی ابن ابی طالب جیسی شخصیت کے خلاف جو جس کے منہ میں آیا اس نے بکنا شروع کر دیا اور علم و تحقیق کے نام پر ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا گیا۔

اس ناپاک حملے کی حوصلہ افزائی کا یہ عالم رہا کہ "خلافت معاویہ و یزید" کے بعد تاریخ اسلامی کے مدبرین کردار یزید پلید کی سوانح عمری مرتب کی گئی اور مذہبی حلقوں میں اسے بھی قبول عامہ کی سند عطا کی گئی اور یزید ملعون کو اسلامی تاریخ کا نامور ہیرو تسلیم کر لیا گیا۔

راسے گردش ایام دوبارہ فرمائے

ایک درد مند مسلمان جو تعصب سے بالاتر اور نیک نیتی اور دیانت داری سے یہ چاہتا ہو کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق کے حالات کو فروغ حاصل ہو تو

کبھی ان مذموم مساعی کو [illegible] اسی بنا پر خاموشی اختیار کی گئی کہ [illegible] سے کیا حاصل؟ لیکن اب تو [illegible] عصبیت کی بنا پر حقائق کو مسخ [illegible] میں تحریف کی جاتی رہی، تاریخ کا [illegible] کو ناخوب بنا کر ذہنوں میں [illegible] رتے پر کہ ایسا کرنے والے اکثریت میں [illegible] زیادہ تھی وہ تعداد میں بیشتر تھے۔

"لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث"

(ناپاک اور پاک کبھی برابر نہیں ہو سکتے خواہ [illegible] لوگوں کی تعداد کیسی ہی حیران کن نہ ہو جائے)

ارباب عقل و دانش اور اصحاب فکر و [illegible] اسلام دشمنی کا خطاب ملتا رہا اور امت محمدیہ [illegible] بہت بڑے حصہ کو یہ کہہ کر اس کے خلاف [illegible] جاتے رہے کہ یہ لوگ عبداللہ ابن سبا کی جماعت کے لوگ ہیں اور عبداللہ ابن سبا تو یہودی تھا کبھی [illegible] قاتلان حسینؓ کی پھبتی کسی گئی کہ یہ تو وہ لوگ [illegible] ہی حسینؓ کو قتل کرنے کے بعد اب خود ہی [illegible] سینہ کوبی کر رہے ہیں۔ کبھی انہیں یزیدیوں کی [illegible]

(بقیہ صفحہ ۸) اس بارے میں تذکرہ کیا کہ حضرت علی ابن ابی طالب کے بارے میں ان کے یہ "نقل کفر کفر نباشد" ہم یہاں محض اس لئے پیش کر رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ یہ لوگ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک صاحب نے کہا۔ "عثمان کا مرنے کے بعد جو حشر برپا ہوا وہی حضرت علی ابن ابی طالب کا ہونا چاہیے تھا"۔ دوسرے صاحب نے کہا۔ "تمام فتنوں کی جڑ علی ابن ابی طالب کی ذات تھی"۔ "ہوس اقتدار علیؓ ابن ابی طالب کی زندگی کا حاصل ہے" یہ تیسرے صاحب کی

رائے تھی۔ چوتھے نے کہا۔ علی ابن ابی طالب [illegible] اہل نہ تھے کیونکہ وہ مسخرے تھے اور یہ [illegible] بھی جس کا باپ تقریر میں مسخرگی [illegible] عمر قوم کی آنکھوں میں [illegible] اور انہوں نے بہت سے [illegible] کے [illegible] کے لئے [illegible]

[illegible]

[illegible] دشمن طاقتوں کا ایجنٹ ثابت کیا [illegible] ان لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت کی [illegible] نہیں پڑی تو اب اُن لوگوں کی تعریف میں کتابیں [illegible] کے بارے میں پوری اُمت کا ہمیشہ سے [illegible] ہے کہ وہ انتہائی بدکردار، ظالم اور [illegible] تھے۔ اس سلسلے میں کبھی آغا خان کی سند حاصل کی جاتی ہے اور کبھی مستشرقین یورپ کی لکھی ہوئی اُمیہ کی فتوحات کے سبز باغ دکھا کر لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ تھے وہ بنیچے اور سچے مسلمان جنھوں نے ساحلِ نیل سے لے کر خاک کاشغر تک کا علاقہ زیرِنگیں کر لیا تھا۔[1] اس لئے یہ مت دیکھو کہ انھوں نے اپنے عہدِ اقتدار میں ظلم و جبر کا کیسا کچھ بازار گرم کیا تھا اور کتنے لاکھ انسانوں کو محض سیاسی اختلافات کی بنیاد پر کس قدر بے رحمی اور سفاکی سے ذبح کر ڈالا ہے۔

تاریخِ اسلامی کا مطالعہ

اس کتاب کا مصنف تاریخ اسلامی کا ایک غیر جانبدار طالب علم ہے اس لئے زیرِ نظر کتاب میں جہاں کہیں تاریخی واقعات سے استفادہ کیا گیا ہے، وہ تمام تر سوادِ اعظم کی معتبر تاریخی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ مستند کتبِ تاریخ کے مطالعہ کا جب کبھی اتفاق ہوا ہے میں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔ میرے نزدیک اور ہر مسلمان کے اعتقاد میں اس کائنات کی مستند ترین کتاب قرآنِ مقدس ہے اس لئے استدلال و استنباط میں سب سے زیادہ اہمیت اسی کو دی گئی ہے یا پھر ان روایات کا حوالہ دیا گیا ہے جو اہلسنت والجماعت کے نزدیک مسلّمہ اور قابلِ اعتماد ہیں

تاریخ کے بارے میں ایک بات خاص طور پر ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مؤرخ ہماری آپ کی طرح کے انسان ہوتے ہیں اُن کے بھی اپنے مخصوص رجحانات و میلانات ہوتے ہیں اور کسی واقعہ کے بارے میں اُن کا تاثر ایک عام آدمی کے تاثر سے چنداں مختلف نہیں ہوتا اس لئے مؤرخ کی ہر بات کو نوشتۂ آسمانی سمجھ لینا اور اُسے حرفِ آخر کی حیثیت دے دینا مناسب اور معقول طریقہ نہیں ہے مصلحت کا تقاضا بھی ایک ناگزیر امر ہے جس کو ہر شخص کسی نہ کسی حد تک ملحوظ رکھتا ہے اور مؤرخ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا جان سب کو پیاری ہوتی ہے اور پیٹ ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

تاریخ نگاری ایک مشکل فن ہے اس فن کے حقیقی معیار پر بہت کم لوگ پورے اُتر سکے ہیں افراط و تفریط اکثر و بیشتر

---

[1] یہ ایک تباہ کن مغالطہ ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھوں اسلامی سلطنت میں توسیع [illegible] کے ذریعے فتوحات کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ انھیں ثُراست کہو خواہ [illegible] کیسے ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص عمر بن [illegible] [illegible] کے دوسرے حضرات جنھوں نے بعض علاقے فتح کئے لیکن محض سمندری ایسا کوئی امتیاز نہیں جس کی بنا پر ایک بڑے [illegible] کو نظرانداز کر دیا جائے حضور کا ارشادِ گرامی ہے۔

"[illegible] دین کی تائید و امداد بدکاروں کے ہاتھوں بھی کرائے گا، پھر کیا اس سے اُس کی بدکاری اور اُس کا فسق و فجور [illegible] بڑے سے چھپایا جاتا ہے"۔ (ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاسق)

مؤرخوں کے یہاں پائی جاتی ہے۔ ابن اثیر ہو یا ابن کثیر، ابن خلدون یا ابن خلکان، طبری ہو یا بلاذری، مسعودی ہو یا یعقوبی، سب نے اپنے زمانے کے سیاسی حالات کو ملحوظ رکھا ہے اور ہر مؤرخ کو بیرونی اور داخلی دباؤ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

تاریخ کا عمل ہر دور میں یکساں رہا ہے۔ موجودہ زمانے میں جب کہ مواصلات، رسل و رسائل، اخبارات و جرائد اور پیغام رسانی کے دیگر ذرائع بکثرت دستیاب ہیں کہ ان کا عشر عشیر بھی گزشتہ دور کے مؤرخوں کو حاصل نہ تھا اس دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی ملک کے ایک حصہ میں عوام پر تشدد کا بازار گرم کیا جاتا ہے اور حکومت کے ایماء پر ملک کے دوسرے حصوں کو کانوں کان خبر نہیں ہونے پاتی اور اخبارات اور ریڈیو اس خبر کا مکمل بلیک آؤٹ (Black out) کرتے ہیں۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ آج سے بارہ تیرہ سو برس پہلے جب کہ خبر و اطلاع کی ایسی سہولتیں نہ تھیں لوگوں کے پلے کیا پڑتا ہوگا اور بے چارے مؤرخین کو جانبداری کے لئے کیا کیا پاپڑ نہ بیلنے پڑے ہوں گے۔

کہنے کا مدعا یہ ہے کہ تاریخ کے مطالعہ کے دوران ایک دانشور انسان کے لئے موزوں طریقہ یہ ہے کہ وہ محض خبروں اور واقعات پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی ذاتی سوجھ بوجھ سے بھی کام لے اور کھرے کھوٹے اور جھوٹ سچ میں بطور خود بھی امتیاز کرنے کی کوشش کرے۔

ایک مؤرخ کو تاریخ نگاری کے دوران کس قسم کے خارجی اور داخلی اثرات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی ایک مثال "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہم یہاں پیش کرتے ہیں جس سے بآسانی واضح ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض نامور مؤرخ اس فن میں کس معیار پر تھے۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون جسے مسلمانوں میں فن تاریخ کا امام سمجھا جاتا ہے اور جس کے [illegible] اپنوں سے بڑھ کر بیگانوں میں ہے ان کی [illegible] اور مؤرخانہ قابلیت کا یہ حال ہے کہ اپنے [illegible] "مقدمہ" میں بنی امیہ کے حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کی مدافعت کرتے ہوئے جہاں اپنا مؤقف [illegible] لکھ دیا "چونکہ خلافت راشدہ کی تیس سالہ مدت ختم ہو چکی تھی اور "ملک عضوض" کا آغاز ہو چکا تھا اس لئے اس دور میں ظلم و تعدی کے واقعات عام تھے اور پر آشوب دور میں اس قسم کی زیادتیوں کا وقوع چنداں مستبعد نہیں ہے" (مقدمہ تاریخ ابن خلدون ص ۲۱۹)

لیکن تاریخ کی دوسری جلد میں معاویہ بن ابی سفیان کی منقبت سرائی کرتے ہوئے آپ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تکون ملکا عضوضا" (میرے بعد خلافت کا نظام تیس برس تک رہے گا پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہو جائے گی) کی حدیث صحیح ہے اور معاویہ کا شمار بھی خلفائے راشدین میں ہوگا۔

به سوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

کتب تاریخ کی قرار واقعی حیثیت

تاریخ کی قدیم ترین کتابیں جو دوسری [illegible] میں مرتب ہوئیں بنی امیہ کی بڑی زوردار حمایت [illegible] مختلف روایتوں کے ذریعے اور جھوٹے سچے [illegible] کے حوالہ سے بنی امیہ کی عظمت ثابت کرنے [illegible]

ے تاریخ ابن خلدون ج [illegible]

[illegible] ہر کرنے کا بطورِ خاص

[illegible] کے مؤرخوں میں الحلبی، ابن ہشام اور [illegible] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں بالخصوص ابوالفرج [illegible] تعصبات کا شکار ہے۔ اس شخص نے [illegible] مقاتل الطالبین" میں جو کچھ لکھا ہے اس سے [illegible] خباثتِ نفس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی [illegible] ایک مشہور کتاب "الاغانی" میں اُس کا یہ خبثِ باطن پوری طرح آشکار ہوتا ہے جس میں اُس نے حضرت سکینہؓ بنت حسینؓ کے بارے میں یہ غلط لکھا ہے کہ وہ اپنے دور کی بہترین [illegible] رقاصہ اور مغنیہ تھیں۔ معاذ اللہ! تو یہ یتیمہ حسینؓ معصوم بچی پر بہتانِ عظیم ہے۔ امام عالی مقامؓ کی شہادت [illegible] جرم کتنے سال زندانِ شام میں قید رہے؟ چھ [illegible] سن میں حضرت سکینہؓ یتیم ہو گئی تھیں سکینہؓ بنت [illegible] کا قید خانۂ شام میں انتقال ہو گیا تھا ع

یعنی سکینہؓ مر گئی یادِ امام میں

تیسری صدی ہجری میں البتہ بعض ایسی کتابیں تاریخ کے موضوع پر لکھی گئیں جو بہت حد تک قابلِ اعتماد ہیں اور جنھیں جرح و تعدیل کی رُو سے ایک حد تک مستند قرار دیا جا سکتا ہے ان میں سے زیادہ شہرت داستانِ طبری کے حصّہ میں آیا لیکن چونکہ طبری بنو امیہ کی تعریف سے قاصر رہا ہے [illegible] کے بارے میں صحیح واقعات کا اُس نے التزام کیا ہے اس لیے یار لوگوں نے اس پر رفض و شیعیت کا الزام عائد کر دیا حالانکہ تمام مؤرخین اس کی ثقاہت [illegible] خدمت کے معترف و مداح ہیں۔

[illegible] ندیم نے کتاب الفہرست میں ابوجعفر محمد بن [illegible] مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ ابن اثیر نے [illegible] میں انھیں "اوثق من نقل التاریخ" [illegible] (راجح قابلِ اعتماد) کے گرانقدر خطاب سے یاد کیا ہے اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اُن کے متعلق تصریح کی ہے کہ "وکان ثقة فی نقله وتاریخه هو اصح التواریخ واثبتها"۔ (روایت و نقل میں نہایت قابلِ اعتماد ہے اور اُن کی تاریخ سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہے) ابن کثیر ابن جزریہ اور ابن حجر عسقلانی نے انھیں "من کبار الائمۃ" بہت بڑا امام قرار دیا ہے۔ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ کی تیسری جلد میں تاریخ طبری کو انتہائی قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ طبری کے علاوہ دیگر کتبِ تاریخ میں بھی بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے خاندان بنی امیہ کی کردار واقعی حیثیت کی قلعی کھل جاتی ہے اور بعض ایسے نامور صحابہ کے عماموں کے پیچ ڈھیلے ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ انبیاء کی طرح ہر انسانی آلائش سے پاک، ہر غلطی سے مبرّا اور ہر گناہ سے معصوم تھے۔ یہ روایات صرف طبری ہی میں نہیں بلکہ اُن مؤرخوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں جنھیں اہلِ سنّت اپنے اسلاف میں شمار کرتے اور جن کی ثقاہت و دیانت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں

تاریخی کتب میں مشاجرات و منازعاتِ صحابہ کے باب میں جو مواد ملتا ہے اُس کے متعلق اہلِ سنّت کا عجیب اور متضاد رویّہ رہا ہے کہ جہاں کوئی بات صحابہ کے خلاف پڑتی ہو خواہ وہ درایت و روایت کے مسلمہ اصول کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ بلا تامل اُس کا انکار کر دیں گے یا پھر اُس کی ایسی توجیہہ کریں گے کہ

"من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید"

والی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ملک بھر کی درسگاہوں، دینی اداروں اور عربی مدرسوں میں مُروّجہ درسِ نظامی میں تاریخ جیسے اہم موضوع پر ایک بھی کتاب

داخلِ نصاب نہیں ہے، طلبہ کو تاریخ کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا تاکہ اُن پر حقیقتِ حال منکشف نہ ہو سکے اور مزعومہ عقائد کا بھرم نہ کھل سکے۔

ہماری کتبِ تاریخ کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مؤرخین نے عموماً محض تاریخی واقعات کے نقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے اور ان روایات کے تجزیے سے مطلقاً بے اعتنائی برتی ہے تاریخ کا ایک طالب علم ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ واقعات کے پس منظر کو دانستہ طور پر معرضِ اخفا میں رکھا گیا تاکہ کسی شخصیت کی عظمت پر حرف گیری کا امکان نہ رہے حالانکہ تاریخ اظہارِ عقیدت کا نام نہیں ہے۔ اس کا مقصد تو صرف حقائق کی نقاب کشائی ہوتا ہے مگر ہمارے مؤرخین کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے بہ استثنائے چند تاریخ کو قصیدۂ مدحیہ میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اور یوں اپنے ممدوحین کے حق میں وہ ہوا باندھی کہ بیچارے ناقدینِ تاریخ دم بخود ہو کر رہ گئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے زمانے کے بعض تجدد پسند لوگوں نے تاریخ اسلامی کے اس خلفشار اور صحابہ کی باہمی چپقلش سے نپٹنے کا بڑا آسان نسخہ دریافت کیا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ صحابہ کے باہمی تنازعات کے بارے میں جتنی روایتیں اور واقعات کتبِ تاریخ و سیر میں مذکور ہیں۔ سب کے سب اسلام دشمن طاقتوں کی ذہنی اختراعات ہیں جن کا مقصد مسلمانوں کو بدنام اور رسوا کرنے اور انھیں اپنے اسلاف سے بدظن کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا اس مؤقف کی تائید میں وہ قرآنِ مقدس کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور) جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے [illegible] سخت گیر مگر آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔ (سورۃ الفتح)

اس آیت سے جو غلط فہمی ان لوگوں میں پیدا ہوئی [illegible] اس غلط تصور کا کہ انھوں نے اس آیت کو ایک [illegible] سمجھ لیا حالانکہ اس میں محض یہ اصول پیش کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے لوگ "رحماء بینہم" کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔

ایک اور غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ "والذین معہٗ" میں کس قسم کی معیت مراد ہے۔ کیا اُن لوگوں کی جو جسمانی حضورؐ کے اردگرد موجود رہتے تھے یا اس آیت میں ان لوگوں کا تذکرہ مقصود ہے جو صدقِ دل سے ایمان لائے اور عملی طور پر حضورؐ کے ساتھی، معاون اور مددگار رہے۔ اس آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ اس معیت سے مراد غیر متزلزل، پائیدار، غیر مشروط اور شب و روز کی ایسی رفاقت ہے جو صحبت و تربیتِ نبوت سے براہِ راست فیض یاب ہوتی رہی اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس قسم کے حضرات کبھی ایک دوسرے کے خلاف صف آرا اور برسرِ پیکار نہیں ہوئے اور اگر کبھی ان میں کوئی اختلاف ہوا بھی تو اُن کا باہمی معاملہ شفقت و رحمت اور رافت و کرم کا رہا اور یہ بھی ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس قسم کی معیت سے بہرہ ور لوگ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں حضرت علی ابن ابی طالب کی فوجِ ظفر موج میں شریک تھے اور مخالفین کے خلاف جنگ میں انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا۔

(الاخبار [illegible]

[illegible])

[illegible] زوال کہ تماشا کہیں جسے

مسلمان اپنے ماضی پر بڑا فخر کرتے ہیں اور اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ عظیم الشان شخصیتیں تھیں کہ چشم فلک نے آج تک اُن کی نظیر نہیں دیکھی اور آئندہ کے لئے تو اُن کے خیال میں مادر گیتی ہمیشہ کے لئے بانجھ ہو کر رہ گئی۔

اول تو یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ مسلمانوں کا عہد ماضی تابناک ہے اور اُن کے اسلاف مثالی کردار کے لوگ تھے۔ عہد صحابہ سے لے کر صلاح الدین ایوبی تک کے دور کے حالات کا جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوگا کہ جس دور کو انسانیت کا عہد زریں کہا جاتا ہے اُس میں عوام کو چھوڑیئے خواص کی اخلاقی پستی اور فکری و علمی زبوں حالی کا کیسا عالم تھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد صحابہ میں جس چپقلش کا آغاز ہوا تاریخ آج تک اُس کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئی۔ انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں جو ہنگامہ کھڑا کیا گیا وہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس طرح حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا گیا اور اُس موقع پر جس قسم کی دھاندلی روا رکھی گئی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اُس کا ادنیٰ ثبوت سعد بن عبادہ کا قصہ ہے جنہیں صرف اس جرم میں کہ وہ علیؓ ابن ابی طالب کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے اس بے دردی سے مارا پیٹا اور پاؤں تلے روندا گیا کہ [illegible] کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ یہ سعد بن عبادہ اصحاب بدر میں سے اور انصار مدینہ کے معزز و محترم [illegible]

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو حضور کے ورثے سے جس طرح محروم کیا گیا وہ بذات خود ایک المیہ ہے اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جانشینان پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اُن کی ذات گرامی سے کیسا کچھ تعلق تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ان حالات میں منعقد ہوئی کہ اہل بیتؓ نبوت پیغمبرؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ نہ اُن سے اس بارے میں مشورہ لیا گیا۔ اُن کی رائے کو کوئی اہمیت دی گئی نہ یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ورثاء میں سے کسی ذمہ دار فرد کو اس انتخاب کے مسئلہ میں شریک کیا جائے حالانکہ اہل بیت نبوت کی دینی خدمات کسی سے کم نہیں تھیں۔ ان میں اصحاب علم و رائے موجود تھے اور اُن کو تو اس سے بڑا گراں مایہ شرف بھی حاصل تھا اور وہ حضور کے جائز اور حقیقی وارث تھے لیکن اُن کے اس حق وراثت کو یہ کہہ کر باطل کرنے کی کوشش کی گئی کہ "پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔"

پھر جس شخص نے بھی اس ظلم اور صریحاً زیادتی کے خلاف آواز اٹھائی اُسے ختم کرنے اور بزور شمشیر چپ کرانے کی کوشش کی گئی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس دعوائے باطل کی بنا پر باغ فدک کے اس قطعہ اراضی کو غصب کر لیا گیا جو حضورؐ نے اپنی حین حیات میں اپنے اہلبیت کے لئے مخصوص فرما دیا تھا[1] اور جب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اس ناانصافی پر احتجاج کیا تو انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا کہ "پیغمبر کے مال پر وراثت کا قانون لاگو نہیں ہوتا" تاریخ و حدیث کی معتبر کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت محمد علیہما السلام نے باقاعدہ اس حق کا مطالبہ فرمایا

[illegible] ایک فرضی اور سراسر جعلی حدیث کا سہارا [illegible] و آلہ وسلم کی اکلوتی اور چہیتی صاحبزادی

[1] اہل بیت نبوت اس حدیث کو سراسر جھوٹ تصور کرتے تھے اُس کا احساس عمر ابن خطاب کو بھی تھا (مسلم ج ۲ ص ۱)

(بخاری کتاب الفرائض ص۹۹۵ ایضاً بخاری کتاب الخمس ص۴۳۵ ایضاً مسلم ج ۲ ص۹۱) جن لوگوں کے سامنے سیرت فاطمہؓ کے زہد و ورع اور فقر و قناعت کا پہلو موجود ہے۔ وہ بھی یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ سیّدہ فاطمہؓ کا یہ مطالبہ کسی لالچ، خود غرضی یا حرص و آز کی بنا پر تھا، جس معصومہ و عفیفہ کے فقر و توکل کا یہ عالم رہا ہو کہ اس کے نازک نسوانی ہاتھ چکی پیس پیس کر سخت اور کھُردرے ہو گئے ہوں اور بقول اقبالؔ ؎

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآں سرا

وہ محض ایک قطعۂ زمین کے لئے اس بے تابی کا مظاہرہ کریں عقل کبھی اسے باور نہیں کرسکتی، یہ وہی فاطمہؓ بنت محمدؐ ہیں جن کے بارے میں اُن کے مقدس باپ نے ارشاد فرمایا تھا:۔

فاطمة بضعة جسدی یریبنی ما ارادبھا ویؤذینی ما آزاھا۔

(فاطمہؓ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ اُس کی پریشانی اور اس کا دُکھ میرا دُکھ ہے) ایک دوسری روایت میں ہے:۔

فاطمة بضعة منی فمن اغضبھا فقد اغضبنی

(ترجمہ) "فاطمہؓ میرا ٹکڑا ہے جس نے اُسے ناراض کیا اُس نے مجھ کو ناراض کیا"[1]

حضرت فاطمہؓ سے حضورؐ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ اذا دخلت علی النبی قام الیھا فقبلھا واجلسھا فی مجلسہ (جب حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو حضورؐ کھڑے ہو جاتے انھیں چومتے اور اپنی جگہ انھیں بٹھاتے

(ترمذی ج ۲ ص [illegible])

پانچ فدک کے معاملہ میں حضرت [illegible] سلوک روا رکھا گیا۔ بخاری کی روایت [illegible] اس پر حضرت ابوبکر سے ارشاد ہوتا ہے [illegible]

فوجدت فی ذلک فاطمة [illegible] تکلمہ حتی توفیت۔

(حضرت فاطمہؓ اس فیصلہ سے دل گیر ہو گئیں [illegible] نے ابوبکرؓ سے قطع تعلق فرمالیا اور پھر زندگی بھر اُن سے ہمکلام نہ ہوئیں۔)

اور چلئے ایک لمحہ کے لئے یہ بات تسلیم کر لی جائے [illegible] کے باب میں وہ حدیث جو بڑے شد و مد کے ساتھ [illegible] کی جاتی ہے اپنی جگہ صحیح تھی۔ جب بھی [illegible] نہیں کرنی چاہیے تھی کہ مروّت انسانی صفات کا [illegible] اعلیٰ جوہر ہے جسے اخلاق عالیہ کا ماحصل اور [illegible] دیا جاسکتا ہے۔ سوچئے مروّت کا تقاضا کیا تھا۔

جس پیغمبرؐ کی مروّت کا یہ عالم رہا ہو کہ [illegible] عبداللہ ابن ابی جیسے شخص کے جنازہ میں آپ نے [illegible] ہو اُس کی تکفین و تدفین میں آخر تک شریک رہے [illegible] جس کی عمر بھر کی دشمنی خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا [illegible] مُبارک اُس کے کفن کے لئے عطا فرمایا ہو [illegible] اُس کی قبر پر کھڑے رہے ہوں، خود اُس کی [illegible] بیٹی کے ساتھ اُس کی اُمت اتنی مروت بھی [illegible] جیسی کچھ مروّت وہ اپنے دشمنوں کے [illegible] رہے۔

سیّدہ فاطمہؓ اپنا جائز حق [illegible] کے حق سے محروم کرنے کے [illegible] صحیح حدیث [illegible]

[1] بخاری ج ۱ باب مناقب فاطمہؓ ص ۵۳۲ ایضاً ترمذی ۲ ص [illegible]

...شیا۔ انھوں نے اہل بیتؓ نبوت کو ورثہ سے محروم رکھنے کے لئے ایک ایسی حدیث وضع کی ... آیات قرآنیہ اور نصوص قطعیہ کے سراسر خلاف ... کے نام پڑھ اور یہ تسلیمں کو یہ کہہ کر اپنا ہمنوا بنایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو حضورؐ کی نبوت معرض خطر میں پڑ جائے گی کیونکہ انبیاء کے یہاں وراثت کا اصول نہیں چلتا حالانکہ معاشرۂ انبیاء میں وراثت ایک سنّت جاریہ رہا ہے

یہ واقعہ بھی عہد ابوبکرؓ کے دوران پیش آیا کہ اُن کی افواج کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ نے علیٰ میدان جنگ میں ایک مسلمان مالک بن نویرہ پر کفر و ارتداد کا فتویٰ عائد کرکے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اُس کی خوبرو بیوی سلمیٰ سے ایام عدت ہی میں شادی رچا لی، عربوں میں اس عورت کے حسن و جمال کا بڑا چرچا تھا مالک بن نویرہ کی مظلومانہ موت پر اُس کے بھائی متمم بن نویرہ نے جو مرثیے لکھے وہ عربی ادب میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر یہ تین شعر تو بہت مشہور ہوئے ہیں[1]

لقد لامنی عند القبور علی البکا
رفیقی لتذراف الدموع السوافک

میرے ساتھی نے مجھے قبروں کو دیکھ کر رونے اور آنسو بہانے پر ملامت کی

فقال اتبکی کل قبر رایتہ
لقبر ثوی بین اللوی فالدکادک

اور کہا کہ اس ایک قبر کو یاد کرکے جو مقام لوی اور دکادک کے وسط میں واقع ہے تم ہر قبر کو دیکھ کر رونے لگتے ہو۔

فقلت لہ ان الشجا یبعث الشجا
فدعنی فھذا کلہ قبر مالک

میں نے اُس سے کہا کہ ایک غم دوسرے غم کو انگیز کرتا ہے۔ یہ سب میرے بھائی مالک ہی کی قبریں ہیں اس لئے مجھے رونے دو کہ ان قبروں کو دیکھ کر میرا غم تازہ ہو گیا ہے"

جب خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بعد اُس کی بیوی کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا تو بہت سے لوگوں نے جن میں حضرت عمرؓ پیش پیش تھے حضرت ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ اس جرم کی پاداش میں سپہ سالاری کے عہدے سے ہٹا کر اُن کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے لیکن خلیفۂ وقت نے یہ کہہ کر سب کا منہ بند کر دیا کہ خالد کی فوجی خدمات کی بنا پر ان کے خلاف تادیبی کارروائی میرے نزدیک نامناسب ہے تعجب ہے کہ خالد بن ولید کے معاملہ میں اس قدر مروّت برتنے والا شخص فاطمہؓ بنت محمدؐ کے معاملہ میں اس کے عشر عشیر مروّت کا ثبوت بھی نہیں دیتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص مروّت سے خالی ہو اُس کی عبادت بھی اللہ کے یہاں قابل قبول نہیں" نیز فرمایا ان صدق العہد من الایمان (تعلق کی پاسداری ملحوظ رکھنا ایمان کا ناگزیر تقاضا ہے)۔

شیخین

ooooooo

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنانے میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ تھا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد جو ڈرامہ کھیلا گیا اُس کا مرکزی کردار حضرت عمرؓ ابن خطاب کی ذات تھی

حضرت ابوبکرؓ کی عمر نے زناری کی اور وہ زیادہ زیر

---

[1] کتاب الحماسہ۔ باب المراثی۔

تک دادِ خلافت نہ دے سکے لیکن اپنی وفات سے قبل وہ حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد فرما گئے۔

پیغمبر اسلام اور مہبط وحی و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تو یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ وہ اپنی خلافت جیسے اہم مسئلہ کو اُمت کی صوابدید پر چھوڑ گئے تھے پھر یہ نامزدگی بیچ میں کہاں سے آگئی؟ جو کام حضورؐ سے نہ ہو سکا اُس کی جرأت ابوبکرؓ کو کیوں کر ہوئی انھیں اس کی سند جواز کہاں سے مل گئی؟

مسئلۂ وراثت میں حضورؐ کا فرمان" یاد رہا لیکن نامزدگی کے معاملہ میں حضورؐ کے طرزِ عمل اور اُسوۂ حسنہ کا بھولے سے بھی خیال نہ آیا۔ یہ فلسفہ و منطق کی گتھیاں نہیں ہیں کہ انھیں سلجھانے کے لئے کسی ارسطو اور بقراط کی ضرورت پیش آئے سیدھی سادی باتیں ہیں جن سے ایک موٹی عقل کا آدمی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ ہماری تاریخ کن مراحل سے گزری ہے اور کن داخلی عوامل اور خارجی اثرات کا اس کی ترتیب و تدوین میں ہاتھ ہے

قتلِ عثمانؓ کو یہودیوں کی سازش قرار دینے والے اس فکری و عملی تضاد کو نہ جانے کس نام سے تعبیر کریں گے[1]

حضرت عمرؓ ابن خطاب کا دَور اگرچہ فتوحات کا دَور ہے لیکن اُن کے عہدِ خلافت میں اسلام کے دشمن ابوسفیان کے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے مملکتِ اسلامیہ کے سب سے زرخیز اور شاداب خطہ کی گورنری سے سرفراز کیا گیا حالانکہ قرآن مقدس کی تصریح کے مطابق اگر یہ [illegible] سے مسلمان ہوتے تب بھی ان کی حیثیت "السابقون الاولون" سے کہیں فروتر تھی۔ قرآن کہتا ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا۔

(فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے اور راہِ حق میں اپنا سب کچھ لٹا دینے والے اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے کبھی ایک برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ بعد میں ایمان لانے والوں سے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے بہت بلند ہیں) لیکن ہوا یہ کہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں ابوسفیان کے بیٹے یزید کو دمشق کا گورنر بنایا گیا اور جب وہ مر گیا تو اُس کے چھوٹے بھائی معاویہ کو اس عہدہ پر متمکن کر دیا گیا۔

یہاں کسی کی اسلامی حمیت بیدار نہیں ہوتی، کسی کی غیرت دینی میں اشتعال پیدا نہیں ہوتا اور کسی کو یہ اعتراض نہیں سوجھتا کہ ایک ہی خاندان کے دو افراد کو جو سگے بھائی ہیں اس اعزاز سے کیوں نوازا گیا؟ جب کہ یہ دونوں نہ اصحابِ بدر میں سے ہیں نہ بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے نہ ہجرت کا اعزاز اُن کو نصیب ہوا۔ بلکہ اُن کا اسلام فتح مکہ کا رہین منت ہے۔ اس موقعہ پر کسی کو اس کھلم کھلا "موروثیت"

---

[1] یہودیوں کی سازش کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے مگر نا سمجھ لوگ نہیں سوچتے کہ اسلامی مملکت کے جس عروج و کمال کے بارے میں لوگوں کو اب تک یہ باور کرایا جاتا رہا کہ چشم فلک نے اس جیسی شان و شوکت اور سطوت و حشمت والی حکومت کی نظیر نہیں دیکھی کیا وہ ایسی ہی بودی بے سر و پا شان و شوکت تھی جسے ایک یہودی عبداللہ بن سبا کی سازش نے تہس نہس کر کے رکھ دیا اور صحابہ بھی اس رَو میں بہہ گئے کیا مضبوط اور عوام کی پسندیدہ حکومتیں کسی بے اثر شخص کی سازش سے اس طرح انتشار کا شکار ہو جایا کرتی ہیں اور کیا وہ صحابہ جنھیں مافوق البشر اور معصوم عن الخطا اور نہایت زیرک و دانا ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے ہی سادہ لوح اور ناپختہ ذہن کے حامل تھے کہ ایک یہودی کی دسیسہ کاریوں میں ملوث ہو کر انھوں نے خلافت کا تیا پانچہ کر دیا اور خفیہ سازش کا اس آسانی سے شکار ہو گئے؟

[illegible] ت نہیں ہوئی اور کوئی شخص [illegible] نہیں تھا کہ اگر پیغمبرؐ کے اہلبیت [illegible] ممنوع ہے تو ابوسفیان کے بیٹوں کے [illegible] جواز کہاں سے مہیا ہوگیا ؟

ابوسفیان کے ان دونوں بیٹوں نے دمشق میں بیٹھ کر [illegible] منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ بنی امیہ کی حکومت کے قیام کے لئے راستہ ہموار کیا۔ سیاسی رشوت کا بازار گرم کیا اور شام کے پورے صوبہ میں ایک متوازی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس نے بعد میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے عہد خلافت میں سرگرمی سے بغاوت کی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس سیاسی اقدام کے لئے اخلاقی جواز مہیا نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے عرب کا سب سے زیادہ زرخیز صوبہ بنی امیہ کی تحویل میں دے دیا اور اس طرح ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت وہ ایک ایسے قبیلہ کو برسرِ اقتدار لانے میں ممد و معاون ثابت ہوئے جو خاندانِ نبوت و رسالت بلکہ خود رسالت و نبوت کا سب سے بڑا حریف قبیلہ تھا۔ اس طرح انھوں نے بنو ہاشم کے اقتدار کی راہیں مسدود کرنے، بنی امیہ کے لئے حکومت پر قبضہ جمانے اور عثمانؓ بن عفان کی خلافت کے لئے فضا سازگار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

حیرت ناک واقعہ

ooooooooooooo

حضرت عثمانؓ کا خلیفہ بننا تاریخ اسلامی کا وہ حیرت ناک واقعہ ہے جس کی کوئی معقول توجیہہ آج تک نہ کوئی موافق [illegible] کا ف، چونکہ وہ مدینہ کے اس بوڑھے سرمایہ دار [illegible] سازش کے تحت خلیفہ منتخب کیا گیا، حالانکہ [illegible] کے لئے صحابہ میں ان سے برتر

شخصیتیں موجود تھیں۔ ان حضرت کی تنک مزاجی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے انھیں ایک مرتبہ کسی بات پر ٹوک دیا تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور اپنے خاندان کے چند غنڈوں کے ذریعے انھیں اس قدر پٹوایا کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔
عثمانؓ بن عفان نے برسرِ اقتدار آتے ہی اپنے قبیلہ کے افراد کو مملکت اسلامیہ کے بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا اور اُس خبیث انسان کو جسے لسان نبوت نے "وزغ ابن وزغ و ملعون ابن ملعونؐ" (چھپکلی کی اولاد چھپکلی اور ملعون باپ کا ملعون بیٹا) قرار دے چکی تھی اپنا وزیر اعظم اور مشیر خاص نامزد فرمایا۔ ہماری مراد مروان بن الحکم سے ہے جو خلیفہ موصوف کا نہایت قریبی رشتہ دار تھا۔ عثمانؓ بن عفان پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلامی سلطنت کو بنی امیہ کی سلطنت میں تبدیل کرنے کا ایک واضح منصوبہ تیار کیا اور بنو ہاشم کے شرف و مجد پر پانی پھیرنے کی منظم سازش کی۔

محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مسندِ خلافت پر بیٹھ کر اگر عثمانؓ بن عفان اقربا نوازی کریں اور مروان بن الحکم جیسے بدقماش و دون نہاد انسان کو اپنا وزیر اور مقرب خصوصی بنالیں تو مجال دم زدن نہیں کیونکہ ذوی القربیٰ (قریبی رشتہ) کے ساتھ حسن سلوک عین اسلام ہے!

اور اگر معاملہ آل محمدؐ کا ہو تو محمدؐ کے ذوی القربیٰ کو اُن کے جائز حقوق سے محروم کردینا بھی عین اسلام ہی کا تقاضا ہے کیونکہ اگر ان کے ساتھ کوئی رعایت برتی گئی تو لوگ کیا کہیں گے کہ بیچارہ محمدؐ اقربا نواز اور خویش پرور تھے ؎

ازاں حساب کہ بر بزم تو تفاوتے دارد
کہ قد سرو نہ بینی و سایہ پیمائی

امیر معاویہ، یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کردیں اور اپنی زندگی ہی میں لوگوں کو اس کی بیعت پر مجبور کریں تو کیا مضائقہ ہے

ہ آپ زیادہ سے زیادہ اجتہادی غلطی کہہ لیجئے ؏

اس سے اگر بڑھو تو شکایت کی بات ہے

ے اگر سیدہ فاطمہؓ اپنے باپ کی میراث طلب کریں تو یہ سر غیر اسلامی مطالبہ تھا اس لئے خلیفۂ وقت اس مطالبہ ٹھکرانے میں بالکل حق بجانب تھے ؏

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

ریعت کیا ہوئی موم کی ناک ہوئی۔ جدھر چاہا گھمالی، طاقتور ہاتھ میں بھی شریعت ایک بے بس کھلونا بن جاتی ہے رکمزوروں کے حق میں اُس کا ہر حرف قہرمانی قوت کا مظہر بن تا ہے ؎

یہ لوگ بھی عجب ہیں کہ دل پر یہ اختیار
سب موم کر لیا، سحر آہن بنا دیا

ب بات ہو تو اُس کا ذکر کیا جائے اور ایک صدمہ ہو تو اُس ، ماتم سے فارغ ہوں۔ یہاں تو پوری اسلامی تاریخ ہی ے حادثوں سے بھری پڑی ہے۔ شکایت کریں تو کیا اور اد کریں تو کس سے ؟

ایک ملعون اصطلاح

قرآن مقدس نے کہا تھا۔

لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب
من یعمل سوء ا یجزبہ۔

(تمہاری اور اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق صلہ نہیں ہو گا جو شخص بھی کسی بُرائی کا ارتکاب کرے گا سے اس کا بدلہ مل کر رہے گا)

لیکن ہمارے علماء و فقہاء اور محدثین و مفسرین نے ب زبان ہو کر کہا کہ قرآن کی بات اپنی جگہ درست ہے مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابہ سے اگر کوئی بُرائی سرزد ہو تو اُسے [illegible] غلطی کہا جائے گا اور اجتہادی [illegible] ہے اور خدا کو اتنی بھول گئی ہے کہ [illegible] یہاں اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے [illegible] اجتہاد میں ٹھوکر کھائی اُس کی یہ بخشش [illegible] کہ اُس نے اجتہاد تو کیا۔ باقی رہا غلطی کا معاملہ تو غلطی سے کون بچ سکا ہے۔

یہ اجتہادی غلطی ایک ایسی ملعون اصطلاح ہے جس نے [illegible] گناہ کو نیکی اور ہر بُرائی کو بھلائی کا روپ دے دیا [illegible] بدنیت اور بدکردار شخص نے اس اصطلاح کی آڑ لے کر ان تمام خباثتوں کا ارتکاب کیا، جن سے اسلام کی روح کانپ جاتی ہے۔

خلیفۂ برحق کے خلاف خروج و بغاوت گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ پر اصرار کفر و ارتداد ہے لیکن اگر اس کفر [illegible] کا ظہور معاویہ بن ابی سفیان کی جانب سے ہو تو یہ اجتہادی غلطی کہلائے گی۔

علیؓ ابن ابی طالبؓ کرم اللہ وجہہ کی خلافت برحق ہے لیکن اگر صحابہ کا ایک گروہ اُن کے خلاف [illegible] اختیار کرے تو نوبت خون خرابہ تک پہنچ جائے سینکڑوں مسلمان شہید ہو جائیں ہزاروں خاندان تباہی کا شکار ہو جائیں تو حرف شکایت زبان پر مت لاؤ کیونکہ یہ سب کچھ اجتہادی غلطی کی بدولت ہوا اور اجتہادی غلطی پر خدا کے یہاں کوئی گرفت نہیں ہے بلکہ اجر و ثواب کی یقین دہانی موجود ہے۔

ان دماغ سوختگان عقل و دانش کی [illegible] معلوم نہیں کہ اجتہادی غلطی کا تعلق [illegible] سے ہوتا ہے جب اعمال [illegible] تو اسلام کی [illegible] سے تعبیر کیا [illegible]

[illegible] مسلمان یکساں طور پر مستحق تعزیر ہے۔ قاضی [illegible] پانی پتی فقہ حنفیہ کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں جنھوں نے قرآن کی ایک عمدہ تفسیر بھی تصنیف فرمائی ہے وہ اپنی مشہور کتاب "مالا بد منہ" میں رقم طراز ہیں:-

"اگرچہ ہر کہ با علیؓ منازعت کرد مخطی است لیکن سوء ظن با صحابہ نہ باید کرد و مشاجرات و منازعات ایشاں را بر محمل نیک فرود باید کرد"۔

(اگرچہ جس کسی نے بھی حضرت علیؓ کے ساتھ لڑائی جھگڑا کیا وہ غلطی پر ہے لیکن صحابہ کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہیئے اور ان کے آپس کے جھگڑوں اور قضیوں کو محمل نیک پر محمول کرنا چاہیئے۔)

اچھا صاحب! تسلیم ہے کہ صحابہ کے بارے میں سوء ظن ناروا ہے لیکن علیؓ ابن ابی طالب کے مقابلہ میں معاویہ کا کردار کوئی ظنی چیز تو نہیں ہے کہ بدگمانی کی گنجائش ہو۔ یہاں تو واقعات و حقائق کا ایک انبار ہے جو قدم قدم پر فریقین کے طرز عمل کی شہادت دے رہا ہے اور معاویہ کی غلط روش کو نمایاں کر رہا ہے اس کردار کے لئے آخر محمل نیک کہاں سے فراہم کیا جائے۔ اور بدگمانی سے بچنے کی کون سی راہ تلاش کی جائے؟

بہر حال ابوبکرؓ، عمرؓ ہوں یا عثمانؓ، معاویہؓ یا کوئی دوسری شخصیت محض صحابیت کا شرف کسی انسان کو قانون سے بالاتر نہیں کر سکتا۔

شرف صحابیت کے ضمن میں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ "ہر صحابی پاکباز اور نیک ہوتا ہے اور اس لئے نجات یافتہ اور مرحوم و مغفور ہے۔" یہ عجیب و غریب اصول نہ جانے کہاں سے گھڑ لیا گیا کہ محض صحابئ رسولؐ ہونا نجات اخروی کا ضامن ہے اور ایک صحابی کو یہ تحفظ کہاں سے مل گیا کہ وہ اس اعزاز کی بنا پر جرموں کی پاداش سے بچ جائے گا [illegible] قانون عدل کی گرفت میں نہیں آئے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اس قسم کے کسی حقوق یافتہ طبقہ کا کوئی وجود نہیں ہے اور اسلام کا اپنا مزاج ہرگز اس امتیاز کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جس کتاب مقدس میں خود پیغمبرؐ تک سے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ "قل لا ادری ما یفعل بی ولا بکم" (آپ کہہ دیجئے کہ مجھے کچھ خبر نہیں ہے کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے) اس کی رو سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کو جس کی پوری زندگی حق کے خلاف بغاوت میں گزری ہو یہ پروانۂ مغفرت عطا کر دیا جائے جس میں تعاون روا رکھا [illegible]۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ حضورؐ کے صحابہ بے شک قابل احترام اور لائق صد تکریم ہیں لیکن ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضورؐ کو دیکھا ہو وہ شرف صحابیت سے مشرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مفہوم نہ ازروئے لغت عرب صحیح ہے نہ ازروئے شرع۔ [illegible] عباس کے [illegible] فقہاء نے اگر کچھ اصطلاحیں وضع کر لی ہیں تو ہم اس کے پابند نہیں ہیں کہ انھیں درست مان لیں۔ برعکس اس کے صحابی کا اطلاق موزوں ہے[1] جن نفوس قدسیہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جن کی زندگی کا یہ انداز مرتے دم تک قائم رہا جنھوں نے حضورؐ کے وصال کے بعد آپ کے ارشادات و فرامین اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو حرز جاں بنا کر رکھا جو آپ کی اتباع کو سرمایۂ حیات سمجھتے رہے اور ہمیشہ اس راہ پر گامزن رہے جس کے خطوط خود حضورؐ نے متعین فرمائے تھے جو نہ کبھی وقت کے ساتھ بہے نہ وقتی اور ہنگامی مصلحتوں اور دنیاوی منفعتوں نے ان کے پائے عزیمت و استقامت میں کوئی لغزش پیدا کی۔ بلاشبہ ایسے لوگ اس کائنات میں سب سے زیادہ عزت و عظمت

[1] تلویح سعد الدین تفتازانی مطبوعہ مصر

کے مستحق ہیں اور اُن کا اجر اللہ کے یہاں محفوظ ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ، لیکن جن لوگوں نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو فراموش کرکے دنیا اور اُس کی لذتوں کے حصول کو اپنا پسندیدہ مشغلہ بنایا، عیش و عشرت کی ہنگامہ آرائیوں میں مبتلا ہوکر سُنّتِ نبوی سے منحرف ہو گئے اور تقویٰ و اطاعت کے جادۂ مستقیم سے دُور جا پڑے اُن کے لئے اجر و انعام کا وعدہ باقی نہیں رہا وہ بہر حال اپنی سزا کو پہنچیں گے اور کیفرِ کردار سے بچ نہیں سکیں گے کہ آئین و دستورِ خداوندی یہی ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (اور تم خدا کی عادت کو بدلتے نہیں دیکھو گے) بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلئون عن الحوض فاقول یا رب اصحابی فیقال لا علم لک بما احدثوا انہم ارتدوا۔ فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی")

(میرے صحابہ کا ایک گروہ قیامت کے دن میرے سامنے آئے گا مگر انھیں حوضِ کوثر سے دُور ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا خدایا یہ تو میرے صحابی ہیں جواب دیا جائے گا کہ تمھیں خبر نہیں کہ تمھارے ساتھ انھوں نے کیا کیا۔ وہ اپنے قول و قرار سے پھر گئے تھے تب میں کہوں گا کہ جس نے میرے بعد میرے راستے سے انحراف کیا ہے اُسے مجھ سے دُور لے جاؤ (بخاری کتاب الرقاق ص۹۷۴ سطر ۱۴ مطبوعہ بمبئی) نیک نفس اور پاک باطن صحابہ قابلِ احترام ضرور ہیں لیکن معیارِ حق وہ نہیں ہے بلکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضورؐ کے علاوہ کوئی شخصیت نہ معیارِ حق ہے نہ اُس کا کوئی قول و فعل حجت بن سکتا ہے۔ اسلام نے اس باب میں اس قدر احتیاط برتی ہے کہ پیغمبرؐ کی اطاعت کے لئے بھی "معروف" کی شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضورؐ جب کسی شخص سے بیعت لیتے تو فرماتے "الطاعۃ فی معروف" (تم پر میری اطاعت "معروف" کی حد تک واجب ہوگی)[1]

لیکن ہماری بدقسمتی کا یہ عالم ہے کہ ہم نے ایک حضورؐ کی ذات کو چھوڑ کر باقی سب کو حق و عدل کا معیار قرار دے لیا اور شخصیت پرستی کی لعنت میں اس حد تک مبتلا ہو گئے کہ جہاں کہیں واقعات و شواہد اور نصوصِ قطعیہ موجود ہوں وہاں بھی ہماری نظر سب سے پہلے کسی ایسی شخصیت کی طرف اٹھتی ہے جو ہماری عقیدتوں کا مرکز ہو اور ہم سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اُس کی رائے اس بارے میں کیا ہے، اور وہ اس معاملہ میں کیا موقف رکھتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی تھا "دوروا مع الکتاب حیث دار" (جس سمت کتابِ الٰہی کا رُخ ہو اُسی سمت گھوم جاؤ) یعنی قانونِ خداوندی کو مرکزی نقطہ قرار دے کر خود اس کے مطابق چلو لیکن ہم یا تو ہوا کے رُخ پر چلنے کے عادی ہیں یا "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" ہمارا معمول ہے اور یا پھر اندھا دھند تقلید کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں۔

مشہور محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں اس روش سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا ہے:

"واعلم ان عموم اصحاب المذاھب یعظم فی قلوبھم الشخص فیتبعون قولہ من غیر تدبر بما قال وھذا عین الضلال لان النظر ینبغی ان یکون الی القول لا الی القائل کما قال علی علیہ السلام لحارث بن حوط وقد

---

[1] کافی۔

... دالزبیرکا ناعلی باطل
... انہ ملبوس علیک ان
... بالرجال اعرف الحق
...

... ذہن نشین رہے کہ اصحاب مذاہب کا یہ
... جس کے معتقد ہوئے ہیں اُس کی بات
... بغیر قبول کر لیتے ہیں اور یہ صریحاً گمراہی
... قائل سے زیادہ قول پر نظر رکھنی چاہیئے جیسا کہ
... علیؑ نے حارث بن حوط کے اس بات کے جواب
... کہ آپ کا خیال کیا ہے، ہم طلحہ و زبیر کو غلطی پر سمجھنے
لگیں؟ یہ فرمایا تھا کہ حارث! تمہیں دھوکا ہوا ہے یاد
رکھو حق انسانوں کے ذریعہ نہیں پہچانا جاتا بلکہ حق کے ذریعے
اہل حق پہچانے جاتے ہیں (البیان والتبیین)

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

مسلمانوں کے عقائد و افکار اور نظریات و اعمال
کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ دُنیا کی ہر زوال پذیر قوم کی
طرح ان کے سوچنے کا ڈھنگ اور ان کے عمل کا اسلوب
بھی ضابطۂ عقل و دانش، قانون قدرت اور آئین فطرت
کے سراسر خلاف ہے۔ دُنیا جہاں کی بھلائیاں ان کے کشکول
گدائی میں موجود ہیں اور ہر بُرائی اور ہر خرابی ان کے ہاتھ
میں پناہ لے کر خوبی و رعنائی کا رُوپ دھار لیتی ہے۔

کہ بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

... یہودیوں نے کہا تھا "نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ" ہم
... کے بیٹے ہیں اور ہم اللہ کے پیارے ہیں ایسی ہی دعوی
... مسلمانوں کے نوک زبان پر ہے۔ خدا نے
... سے ذلیل و خوار کر کے نکالا لیکن
... میں فرق نہیں آیا۔ خدا نے ان کو
... لنعرتاک دشمن کی چیرہ دستیوں

کا نخچیر بنا دیا۔ لیکن یہ پھر بھی "خیر اُمتیہ" (بہترین اُمت)
کا طغرائے امتیاز گلے میں ڈال کر دندناتے پھر رہے ہیں ان
کی سلطنتوں کا شیرازہ درہم برہم کر دیا گیا ذلت و مسکنت
ان پر طاری کر دی گئی اور دنیا کی حقیر قومیں اُن کے ساتھ وہ
کھیل کھیلنے لگیں جو بلی چوہے کے ساتھ کھیلتی ہے مگر اُن
کی آن میں فرق نہیں آنے پایا۔

یار ما ایں دارد و آن نیز ہم

مسلمانوں کا سب سے بڑا ہتھیار نعرۂ تکبیر ہے ہلاکو خان نے
اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مگر اُن کے نعرۂ تکبیر کی گھن
گرج قائم رہی بنی اسرائیل کے لیئے تو ایک ہی بخت نصر کافی
ہوگیا تھا مگر ان کی ضیافت طبع کے لیئے بے شمار بخت نصر
اُٹھے صحنوں سے دل کھول کر اُن کی عزت و آبرو لوٹی مگر
صاحب نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں یہ لوگ اور
پتہ نہیں کس گارے سے ان کی فطرت کا خمیر اٹھا ہے
کہ ان کے دُم خم بدستور قائم ہیں
شکست کھا کر خود کو فاتح سمجھنا اور پٹ کر بھی احساس
فتح مندی کے نشہ میں بدمست رہنا جدا کے ان لاڈلوں کی
خاص ادا ہے۔ ریاکاری میں خود پسندی کا شعور اور محکومیت
کو محرومیت کا رنگ دینا کوئی ان حرماں نصیبوں سے سیکھے
کہ اسکندر کا نصیب ان لوگوں نے پایا ہے اور کاسۂ گدائی
ان کے حصّہ میں آیا ہے ؎

میں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

کسی قوم کی فطرت اس قدر مسخ نہیں ہوئی ہوگی جتنی
مسلمان قوم کی ہو چکی ہے اور شاید ہی کبھی کسی قوم کے
ساتھ قدرت نے ایسا ہولناک سلوک کیا ہوگا۔ جیسا مسلمانوں
کے ساتھ ہوا دنیا میں یہی ایک قوم ہے جس نے اپنے
عظیم المرتبت پیغمبرؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی ایسے ایسے گل
کھلائے کہ تاریخ آج تک سرگرداں ہے کہ وہ ان داستانوں

کو اس قوم کے محاسن کی فہرست میں جو لکھے یا اُس کی بدفطرتی کو ان ڈراموں کا عنوان بنائیے۔

بنی اسرائیل نے انبیاء کو قتل کیا ٹھیک ہے مگر حجاج تو بڑے پھلنے پھولے جس میں سو مجید' کیا مسلمانوں نے بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُن کی اس سُنّت کو زندہ رکھنے میں کچھ کم دقیقہ فروگذاشت کیا ہے۔ علیؑ ابن ابی طالب ہوں یا حسینؑ ابن علیؑ ان کی احسان فراموشی محسن کشی اور انصاف ناشناسی کا ہر باب اپنی جگہ مکمل ہے۔

پیغمبرؐ نے کہا تھا "جابر و ظالم حکمراں کے مُنہ پر کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔" لیکن جب اس جہاد کا ایک مردِ میدان دشتِ کربلا میں پہنچا تو یکایک اس اُمت پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اگر کوئی حکمراں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ظلم و ستم کا بازار گرم کرے تو اس سے تعرض کرنا جہاد نہیں فساد فی الارض ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنا تو غیر اسلامی حرکت ہے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کے پاس اپنا کوئی مستقل فلسفہ' افکار و اخلاق نہیں ہے' لوگ کہتے ہیں تو جھک مارتے ہیں مسلمانوں کے فلسفۂ اخلاق کا مُنھ لوٹنا تو بس تہمت کرنا ہے اور اُن کے فلسفۂ افکار کا عکسِ جمیل وہ لٹریچر ہے جس میں انھوں نے مستبد حکمرانوں اور سامراجی خداؤں کی' مدح سرائی کی ہے۔

آج معاویہ و یزید کی منقبت میں جو کتابیں لکھی جارہی ہیں اور خاندانِ بنی اُمیہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے جو قلابے ملائے جارہے ہیں وہ مسلمانوں کی سیزدہ صد سالہ روایات کا لازمی ردِّ عمل اور اُن کے فلسفۂ اخلاق و افکار کا ایک ناگزیر تقاضا ہے اس پر تعجب کیوں ہو؟

بڑے بڑے نامور اماموں نے جن میں ابن تیمیہ اور غزالی جیسے لوگ شامل ہیں، ظالم کی حمایت اور مظلوم کی مذمت کا کارنامہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے

اور گو بدترین خلائق [illegible] دور میں یہ کیسا ہی اُلٹا واقعہ [illegible] پوری تاریخ ایسے کا [illegible] امام حسینؑ کے قاتلوں کو [illegible] کہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان [illegible]

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا۔

اسلامی سیاست کے آداب

اسلامی تعلیمات سے جو لوگ واقف ہیں انھیں یہ بتانے کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ اسلامی سیاست کا خمیر شرافت و اخلاق کی پاکیزہ مٹی سے تیار ہوتا ہے مکارمِ اخلاق کی پاسداری اسلامی سیاست کا وہ طرۂ امتیاز ہے جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی، رحم و انصاف، صدق و راست بازی، دیانت و امانت، انکسار و تواضع، عدل و مساوات، ستغفر و ہمدردی، عفو و رحم اور تقویٰ و طہارت، یہ وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن کے بغیر اسلامی سیاست کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ [illegible] طبقاتی امتیاز، رشوت ستانی اور ظلم و جور [illegible] سیاسی جوڑ توڑ، خویش پروری، اقربا نوازی [illegible] کی دیگر خرافات اسلامی سیاست کی رُو سے قطعاً [illegible] ناقابلِ برداشت ہیں۔ خاندان [illegible] کے ساتھ سیاہ و سپید [illegible] طرح پامال ہوئی اور اسلام [illegible] جس سے کم قیمت [illegible] ممکن ہے جب [illegible] ہوا [illegible] اسے [illegible]

... کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ... کا انحطاط و ہندو مذہب قرار دیا جاتا ہے

اسلام کا ایک ضابطۂ حیات ہے، ایک نظام زندگی ہے، ایک دستورِ عمل ہے ایک جامع پروگرام اور ایک انقلاب آفریں منشور ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے سیاست ہو یا معیشت، تجارت ہو یا اقتصاد، صلح ہو یا جنگ، انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی مسائل، اسلام ان تمام امور میں عدل و مساوات کے ایک نئے اسلوب کا داعی ہے۔ یقیناً جب تک یہ اسلوب ہمارے پیش نظر نہیں ہو گا ہم بنی امیہ کی ترکتازیوں اور چیرہ دستیوں سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکتے

اسلام اور نظام سرمایہ داری، اسلام اور مغرب کا راہِ سیاست، اسلام اور تصورِ ملوکیت، اسلام اور جبر و استبداد اسلام اور استحصال دو متضاد راہیں ہیں کوئی شخص بیک وقت ان دونوں راہوں کا مسافر نہیں بن سکتا جب کہ بنی امیہ کے یہاں سرمایہ دارانہ طور طریقوں، غرب کا راہِ سیاسی بدقماشیوں، شاہانہ کروفر، جبر و استبداد اور استحصال کی تمام قباحتیں تمام و کمال موجود تھیں اور اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خاندان بنی امیہ اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں جیسے ظلمت و نور، مشرق و مغرب

سیرت مشرقہ، سیرت مغربا
شتان بین مشرق و مغرب

ان دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی

اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اسلام کا سچا وفادار ثابت ہو تو اسے بنی امیہ کے تمام نہاد خلفاء سے دست کش ہونا پڑے گا۔ حاشا و کلا مجھے کسی قبیلہ یا گروہ سے کوئی ذاتی لو نہیں نہ کسی خاندان کو صرف اس لئے مطعون اور مورد الزام ٹھہرا رہا ہوں کہ وہ خانوادۂ رسالت سے برسرِ پیکار ... اگرچہ یہ جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں ہے تاہم شخصیتوں اور گروہوں کے باہمی تصادم کو سرِ دست نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن اصول و نظریات کی باہمی آویزش میں حق و باطل کا پاس رکھنا ضروری ہے۔

عثمان بن عفان، معاویہ بن ابی سفیان، یزید پلید، مروان اور اُس کی ذریت کے بارے میں دیانت دارانہ رائے اور تاریخ کا غیر جانبدارانہ فیصلہ بھی یہی ہے اور تاریخ کا ہر طالب علم بھی اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے عہدِ اقتدار میں وہ سب کچھ کیا جس سے اسلام کی عالمگیر اور انقلاب انگیز تحریک کمزور پڑ گئی۔ اسلام کے بنیادی اصول بُری طرح پامال ہو کر رہ گئے اور اُس کا سارا فلسفۂ اخلاق و سیاست منتشر کر دیا گیا

جہاں تک بنو امیہ کی فتوحات کا معاملہ ہے یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ فتوحات اسلام کی اُبھرتی ہوئی تحریک کا منطقی نتیجہ تھیں اگر اُن کے بجائے کوئی اور قبیلہ برسرِ اقتدار ہوتا جب بھی اُس کی رفتار کا یہی عالم ہوتا اس میں بنی اُمیہ کی کوئی خصوصیت نہیں لیکن کوئی بتائے کہ وہ کیسی اسلامی حکومت تھی جس نے بلاشبہ افریقہ، یورپ اور وسط ایشیا تک یلغار کی مگر جس کی اپنی حدود سلطنت میں عوام ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے جس نے انفرادی و اجتماعی آزادیوں کا گلا گھونٹ دیا جس کے جبر و استبداد کے ہاتھوں حرم کعبہ تک محفوظ نہ رہا جس کی چیرہ دستیوں نے مدینۃ الرسولؐ کی عزت و ناموس کو لوٹا اور جس نے لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا اور اس ظلم و استبداد کے ساتھ یہ لوگ ایک عالم کو مسلمان بنانے نکلے تھے اور دنیا میں اسلام پھیلانا ان کا مطمع نظر تھا؟

سہ

تو دو زبان، دو رخہ کردی کہ روبِ جانِ آنی

اوّلیں افتاد

○○○○○○○○○○

حضرت عثمانؓ بن عفان کی خلافت اوّلیں اُفتاد ہے جس نے اسلام کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا اور اسلام کے نظامِ مملکت و حکومت میں وہ دُور رس تبدیلیاں پیدا کر دیں کہ اسلام کا وہ عظیم الشان اور انقلاب انگیز مشن جو نسلِ انسانی کو ہر قسم کے استحصال و استبداد سے نجات دلانے کا علمبردار تھا یکسر ناکام ہو کر رہ گیا اور اُس کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام کو پھلنے پھولنے اور رائج کرنے کے بہترین مواقع میسر آئے حالانکہ اسلام سرے سے نظامِ سرمایہ داری کا متحمل ہی نہیں بلکہ اُس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ طور طریقوں اور اُس کی مختلف صورتوں اور شکلوں کو دنیا سے مٹا دے اور ان زنجیروں کو ایک ایک کرکے توڑ دے جن میں انسان صدیوں سے جکڑا ہوا کراہ رہا تھا

" ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم " [۱]

لیکن یہ کیس سنگین حادثہ تھا جو اسلام پر گزرا کہ اسلامی مملکت کی باگ ڈور ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں چلی گئی جس کا اپنا مزاج اسلام سے ہم آہنگ نہ تھا اور جو دل و جان سے نظامِ سرمایہ داری کا حامی اور محافظ تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا دورِ حکومت نہ صرف اسلامی نقطۂ نگاہ سے بلکہ آج کے مروّجہ جمہوری اُصول کی رُو سے بھی چنداں خوشگوار نہ تھا۔ ظلم و زیادتی، ملکی خزانہ کا ناجائز استعمال، ذہن و ضمیر پر پابندی، حق و انصاف پر تدغن، سازش، فریب، سیاسی رشوت، خویش پروری، اقربا نوازی، دسیسہ کاری، دراسی نوع کی دیگر [illegible] حرکتیں اس دور کا طُرۂ امتیاز ہیں کہ ان کی توقع اسلامی مملکت اور نظامِ خلافت تو بجائے خود رہے، عام حکومتوں سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ اسلامی ریاست کے کلیدی [illegible] پر اپنے قریبی رشتہ داروں کو متعین کرنے کی جو پالیسی کو حضرت عثمانؓ بن عفان نے اختیار کیا اور جس کے ثبوت میں بہ کثرت تاریخی شہادتیں موجود ہیں نہ صرف یہ کہ اسلام کے خلاف تھی بلکہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کی آئینہ دار بھی تھی اس حکمتِ عملی نے اسلام کے پورے ڈھانچہ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ یہی وہ دور تھا جب طالع آزما لوگوں کو کھیل کھیلنے کا موقع ملا اور صحبتِ نبوی کے فیضیاب حضرات پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔

اس ضمن میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنے عہد کا سب سے زیادہ راست باز انسان تھا مگر جسے محض جرمِ حق گوئی کی پاداش میں دیارِ حبیب مدینۃ المنورہ کو چھوڑ کر جلا وطنی کی زندگی بسر کرنی پڑی اور ابوذر غفاریؓ کو رَبذہ کے علاقہ میں نظر بند کر دیا گیا ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ سرمایہ داری کے خلاف سرِ عام تبلیغ کرتے تھے۔

کیا اسلام ایک اُصولی تحریک ہے؟

○○○○○○○○○○

کسی اصولی اور منظّم تحریک کے بارے میں کبھی یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ اُس کا سربراہ ایک ایسا شخص بنا دیا [illegible] ہو جس کی واحد خصوصیت یہ تھی کہ وہ سرمایہ دار تھا [illegible]

---

[۱] پارہ نمبر ۹ سورۃ الاعراف [۲] طبقات ابن سعد [۳] اصابہ، اسد الغابہ، بخاری، استیعاب، مسلم، طبری، [illegible] از مناظر احسن گیلانی صفحہ ۲۲

... ثروت تھی۔
... قریب قریب ہندوستان کی تحریک
... حیثیت مذہبی اور سیاسی ہیں۔ ہر قسم کے لوگ شامل
... بحیثیت ادیب اور عالم بھی تھے، نامور فلسفی
... بھی تھے۔ منجھے ہوئے سیاست داں اور جذباتی قسم
کے نوجوان بھی تھے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پشت پناہی
بھی اس تحریک کو حاصل تھی ہندوستان کا ارب پتی سرمایہ دار سیٹھ
برلا بھی اس تحریک کا ہمنوا تھا اور اُس نے تحریک آزادی
میں لاکھوں روپے دان دیئے اور ہر آڑے وقت میں کانگرس
کی امداد بھی کرتا رہا۔ مگر کانگرس ہائی کمان کے حاشیہ خیال
میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ برلا یا اسی قماش کے کسی
دوسرے شخص کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائے اور
اُس کی اس مالی امداد کے صلے میں صدارت یا وزارت عظمیٰ
کا تاج اُس کے سر پر رکھ دیا جائے۔ یہ حال تو خالصتاً
ایک ایسی تحریک کا تھا جس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں
تھا لیکن چونکہ کانگرس ایک اصولی اور منظم جماعت تھی اس
لئے اُس نے لاکھوں روپے دان دینے والوں کو اُن رہنماؤں
کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دی جو آزادی کی جنگ
میں عملی حصہ لیتے رہے تھے جنہوں نے جیلیں کاٹی تھیں۔
مصیبتیں اُٹھائی تھیں۔ دُکھ جھیلے، ایثار و قربانی کی روایات
قائم کی تھیں اور اپنا سب کچھ تج کر اس تحریک کی بنیاد رکھی
تھی۔

مگر اسلام کی تحریک، جو ایک عالمگیر روحانی تحریک
تھی اُس میں یہ کیسی اعجوبہ بنائی ہے کہ قیادت و امارت کا
تاج ایک ایسے شخص کے سر پر رکھ دیا گیا جس کی حیثیت
... ایک سرمایہ دار تاجر کی تھی اور جس کی واحد
... یہ تھی کہ وہ اپنی لاکھوں کی آمدنی میں سے
... اسلام کے نام پر صرف کر دیتا تھا۔ جس
... ہو کر ہی اُسے مقصود تک

صحبت میں رہنے کا موقع نہیں ملا جو کبھی مرد میدان نہیں
رہا جسے اپنی پوری زندگی میں اسلام کی عظمت و ناموس
کے تحفظ کے لئے تلوار اُٹھانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی
نہ وہ اصحاب بدر میں سے تھا، نہ غزوہ اُحد کے مجاہدین
میں اُس کا نام ملتا ہے نہ بعد کی کسی جنگ میں اُس کی شرکت
درست طور پر ثابت ہے اچانک حضرت عمرؓ قتل کر دیئے
جاتے ہیں اور اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر عبدالرحمان ابن
عوف نے جو خود ایک کروڑ پتی سرمایہ دار تھا اور عثمانؓ بن
عفان کا بہنوئی بھی در پردہ ایسی گٹھ جوڑ کی کہ قرعۂ فال
حضرت عثمانؓ کے نام نکل آیا اور مملکت اسلامیہ
کی زمام کار ایک ایسے شخص کے ہاتھ آ گئی جس کا عمر بھر کا
مشغلہ لین دین، تجارت اور بہی کھاتوں کی دیکھ بھال
کے سوا کچھ نہ تھا۔

بیعت رضوان اور ذوالنورینؓ

oooooooooo

حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے باب میں بیعت رضوان
کا واقعہ بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ اُس میں
حضرت عثمانؓ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر ان کے
بجائے کوئی دوسرا معمولی شخص بھی سفارتی مشن پر گیا ہوتا
اور اُس کے قتل کی افواہ گرم ہوتی تو بلاشبہ حضورؐ کا ردعمل
وہی ہوتا جو حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں ہوا۔ باقی رہا ان کے
سفیر بنائے جانے کا مسئلہ تو یہ اُن کی فضیلت و عظمت کا
کوئی اضافی پہلو نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں وہی ایک ایسے
شخص تھے جن کے تجارتی روابط مشرکین مکہ کے ساتھ
استوار تھے۔ نمائندگی کے لئے حضرت عثمانؓ کی نامزدگی
کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مکہ کی سرداری ان کے قرابتداروں
کے ہاتھ میں تھی اس لئے اُن کے ہلاک ہونے یا مارے جانے

کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ ابوسفیان جو قریش مکہ کا سردار تھا آپ کے قبیلہ کا ایک فرد اور آپ کا ابنِ عم تھا۔ یہ تھیں وہ مصلحتیں جن کی بنا پر حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔

بنی امیہ کے عہدِ سلطنت کے مؤرخوں اور وقائع نگاروں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے حضرت عثمانؓ کے لئے "ذوالنورین" کا ایک خودساختہ خطاب ایجاد کرکے اُن کی مجروح عظمت کو بحال کرنے کی سعی ناکام کی ہے۔ اس "ایجادِ بندہ" کا پس منظر یہ بتایا گیا ہے کہ حضورؐ نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے اُن کے عقد میں دیں اور انھیں ایسا داماد ہونے کا شرف بخشا۔ یہ بات نہ صرف حضورؐ کی ذات پر بہتانِ عظیم ہے بلکہ عربوں کی قومی روایات اور قبائلی نظام کی خصوصیات سے ناواقفیت اور جہالت کی دلیل بھی ہے اور یہ روایت محض اس لئے اختراع کی گئی کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؑ کے مقابلہ میں افضل و اعلیٰ ثابت کیا جائے۔ بنی اُمیہ کو اس سے کیا غرض کہ اس سے حضورؐ کی ذات پر کیا حرف آتا ہے اور حضورؐ کی شان کس قدر کم ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ ساری دنیا جانتی ہے کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ شروع دن سے دو حریف قبیلے تھے اور ان میں رقیبانہ کشمکش پورے عروج پر تھی۔ مصلحتِ خداوندی کا تقاضا تھا کہ بنی ہاشم کے ایک ممتاز فرد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جائے۔ بنو ہاشم پر اس غیبی انعام و نوازش سے بنی اُمیہ کے دل میں حسد و رقابت کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں اور وہ کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آئے۔ تاریخ سے ایک بھی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی کہ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم میں کبھی رشتۂ مصاہرت قائم ہوا ہو الّا یہ کہ پہلی مرتبہ ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ حضورؐ کے حرم میں داخل ہوئیں۔[1]

حضرت [illegible] میں تین لڑکیاں، زینب [illegible] تھیں اور اُن کی شادیاں حضرت [illegible] میں طے پائیں۔ حضرت [illegible] رشتہ میں [illegible] بھانجے تھے۔ تاہم لوگ اس مسئلہ [illegible] حسب ذیل آیت سے استدلال کرتے [illegible] قل لازواجك وبناتك "[illegible] اور اپنی بیٹیوں سے کہہ دیجئے اگر [illegible] "بنت" کی اور عربی میں جمع کا اطلاق [illegible] پر ہوتا ہے۔ بنابریں ثابت ہوا کہ حضورؐ کی [illegible] چار تھیں۔

لیکن یہ لوگ اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں [illegible] "ربائب" پر مجازاً بنات کا اطلاق ہو سکتا ہے [illegible] چچا کے لئے "اَبْ (باپ)" کا لفظ قرآن پاک [illegible] ہوا ہے۔ بلکہ قرآن پاک نے حضرت لوطؑ کا قصہ بیان [illegible] ہوئے تمام قوم کی بیٹیوں کو پیغمبر کی جانب منسوب کیا [illegible] ہؤلاء بناتی هن اطهر لکم" (یہ میری بیٹیاں ہیں یہ اس مقصد کے لئے زیادہ موزوں ہیں)۔ یہاں "بناتی" سے مراد حضرت لوطؑ کی حقیقی بیٹیاں ہرگز نہیں [illegible] بلکہ وہ اپنی قوم کو جو خلافِ وضعِ فطری فعل کی [illegible] تھی یہ سمجھا رہے ہیں کہ پاکیزہ اور معقول بات [illegible] حفظِ نفس کے لئے جائز طور پر لڑکیوں سے [illegible] کیا جائے نہ کہ لڑکوں سے۔ اس اعتبار [illegible] پر بنات کا لفظ بدرجۂ اولیٰ بولا جا سکتا ہے۔

اور وہ فرض کر لیجئے کہ [illegible] کا رشتۂ مصاہرت قائم [illegible] کی ساتھی اور [illegible]

---

[1] طبری ج ۳۔ آپ راہبہ تھیں اور صرف رسولِ خدا سے شادی کی تھی۔ [illegible]

...محاذ قائم کرنے میں کوئی تامل نہیں ... آخر ایک عوامی شورش کے ذریعے اُن کے اقتدار کی ... ہوگئی اور اُنھیں باغیوں کے ایک ہجوم نے قتل کیا۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف عوامی ردِ عمل اس قدر شدید تھا کہ تین روز تک ان کی میت بے گور و کفن پڑی رہی اُن کی لاش کی بے حرمتی کا یہ عالم رہا کہ معتبر روایات کے مطابق قبرستان بقیع میں اُن کا جسد بے روح لاوارث پڑا رہا اور ایک روایت کے، جب اُن کی ایک ٹانگ کو کتا گھسیٹ کرلے گیا۔ تین چار روز کے بعد جب عوام کا اشتعال قدرے کم ہوا تو انھیں بڑی رواداری بنا بغیر کسی اعزاز و اکرام کے دفن کر دیا گیا۔

کیا عوام کے کسی پسندیدہ حکمراں کا یہ حشر ممکن تھا؟ اور کیا، جبکہ یہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے باشندوں نے اُن کی مدافعت نہ کی اور اس بے بسی کے عالم میں اُن کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ان کی موت کا یہ دردناک پہلو اس امر کا غماز ہے کہ ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو اُمتِ محمدیہ کے لیے بدرجۂ غایت ناخوشگوار اور سخت ناپسندیدہ تھیں۔

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

قتلِ عثمانؓ کے محرکات

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو ہنگامہ برپا ہوا اُس کا سب سے بڑا محرک خود اُن کا اپنا طرزِ عمل تھا اور اس میں اُن کی بے تدبیریوں کا بڑا دخل ہے ورنہ وہ شاید اس انجام سے دوچار نہ ہوتے۔

اُنھوں نے بعض ایسی سنتوں کو نظرانداز کیا جن پر لوگ حضورؐ کے زمانے سے عمل پیرا تھے اور بعض بدعتوں کو رواج دیا اور بعض ایسے ناپسندیدہ عناصر کو اپنا مقرب اور معتمد خاص بنایا جنھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے باہر دھکیل رکھا تھا۔ آپ نے ان بدنہاد لوگوں کو نہ صرف انعام و اکرام سے نوازا بلکہ انھیں خلافت کی ذمہ داریوں میں اپنا شریک و معاون بھی بنایا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے خاندان کے اکثر و بیشتر افراد کو صوبوں کی گورنریاں بخش دیں۔[1] ان گورنروں میں بعض ایسے بدکار قسم کے لوگ بھی تھے جو شراب پی کر نشہ کی حالت میں امامت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اس عم الوسفیان کو بیت المال میں سے دو لاکھ درہم دلوائے اور اپنی بیٹی عائشہ کے شوہر حارث بن حکم کو ایک لاکھ درہم عطا کیے۔ اپنے محلات اور اپنی جاگیروں میں توسیع کی اور اپنے خاندان کے بعض نااہل افراد کو جاگیریں بخشیں اور اُس کے مقابلے میں بعض نامور صحابہ کو بیت المال میں اُن کے جائز حق سے محروم کر دیا، اُنھوں نے بعض جلیل القدر صحابہ کو سرعام زد و کوب کیا۔ اُن کی بے عزتی اور توہین کی اور کبھی

---

[1] تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی ص ۲۵۹ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

(بقیہ صفحہ) [1] یہ جو کہا جا رہا ہے کہ چونکہ بعض کتب شیعہ ... کی چار صاحبزادیوں کا ذکر آتا ہے اس لیے یہ تعداد ... ہے تو "غلط العام" صرف لغت ہی میں نہیں ہوتا ... میں بھی اس کا وقوع عام ہے بالخصوص جب کہ اس "غلط العام" کی سرکاری سطح پر تشہیر کی گئی ہو تو اس غلطی سے ... نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

مانند صحابہ کو معمولی اختلافات کی بنا پر جلا وطن یا نظر بند کر دیا
حضرت عثمانؓ کی اس استبدادانہ روش سے مسلمانوں میں طبقاتی کشمکش کا آغاز ہوا اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں تعصب و عداوت اور نفرت و کدورت کی فضا پیدا ہو گئی[1]

حضرت عثمانؓ کے خلاف جن لوگوں کے جذبات بہت زیادہ مشتعل ہوئے وہ زیادہ تر دور افتادہ علاقوں کے رہنے والے تھے [illegible] عوام اسلامی حکومت کے [illegible] تنگ آئے ہوئے [illegible] کسان اور کاشت کار تھے یہ لوگ اسلامی ریاست کے برابر کے شہری ہونے کے باوجود ان بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھے گئے تھے جو اسلام کی کتاب دستور نے انہیں عطا کئے تھے بالخصوص [illegible] مسائل پر حضرت عثمانؓ اور ان کے عاملوں اور والیوں سے سخت طور پر یہ گلہ تھا کہ مال غنیمت اور جاہ و منصب میں بنی اُمیہ کو زیادہ حصہ مل رہا ہے دانشمندی کا یہ تقاضا تھا کہ خلیفۂ وقت اُن کی جائز شکایات کا ازالہ کرتا اور اُن کے اس تلخ احساس کو زائل کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا لیکن اس کے برعکس حضرت عثمانؓ نے اُن کی کسی بات کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور اُن کے کسی مطالبہ کا نوٹس لینا بھی گوارا نہ کیا بنی اُمیہ کے لوگ اقتدار کے نشہ میں مدہوش ہو کر شکایات کرنے والوں کے درپئے آزار ہو جاتے اُنھیں طرح طرح سے ستاتے اُن سے اہانت آمیز سلوک کرتے اور برملا کہتے کہ "سوادی خطے تو ہماری تفریح گاہیں ہیں اور یہاں کے لوگ ہمارے نوکر ہیں"[2]

اس رویہ پر ان علاقوں کا وہ گروہ تھا جو محض اسلام کے قانون مساوات کی دلکشی کے باعث حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا یہ لوگ جب دیکھتے کہ اُن کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے تو اُن کے جذبات میں بھی اشتعال پیدا ہوتا اور وہ اس بارے میں حق بجانب تھے کیونکہ [illegible] اسلام ہی تھا جس نے انھیں پہلی مرتبہ غلامی کے طوق سے نجات دلا کر سرداران قریش کی صف میں لا کھڑا کیا تھا اور انھیں شہریت کے مساویانہ حقوق سے بہرہ ور کیا تھا

غرضیکہ حضرت عثمانؓ اور اُن کے عاملوں کے رویے سے چند ایک سرمایہ داروں اور حکومت کے منصب داروں کو چھوڑ کر باقی تمام لوگ نالاں تھے اور ان کے گلے شکوے بڑھتے جا رہے تھے جب لوگ حضرت عثمانؓ کے اس رویے کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے تو اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تاہم ابتدا میں وفود کے ذریعے ان کے اس تغافل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی اور بعض بزرگ صحابہ کو نمائندہ بنا کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجا گیا اور لمبے چوڑے محضر ناموں پر عام مسلمانوں کے دستخط ثبت کر کے ان کی خدمت میں پیش کئے گئے لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا

ایک مرتبہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسرؓ اس قسم کا ایک محضر نامہ لے کر بارگاہِ خلافت میں گئے تو مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کو یہ مشورہ دیا کہ "اس کالے غلام نے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا ہے۔ آپ اسے قتل کر دیں تاکہ شورش پسندوں کے حوصلے پست ہو کر رہ جائیں" حضرت عمار بن یاسرؓ قتل ہونے سے تو بچ گئے لیکن انھیں اس موقعہ پر اس بے دردی سے مارا گیا کہ وہ بیہوش ہو گئے اسی طرح جب کبھی صوبائی وفود مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ سے اُن کے بھائی بند گورنروں کی شکایت کرتے تو اُن کی دادرسی کے بجائے متعلقہ صوبہ کے گورنر کو ان شکایت کرنے والوں کے خلاف انتقامی کارروائی کا حکم [illegible]

---

[1] [illegible] Politics in Islam by Kremers.

[2] العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۳۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۳۲ ، وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ صفحہ [illegible]

[illegible] آیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس [illegible] شکایات کی بناء پر گورنر کو معزول [illegible] جب یہ وفد مطمئن ہو کر واپس لوٹا تو راستے [illegible] عثمانؓ کا قاصد ملا جس کو ایک فرمان کے ذریعے [illegible] یہ ہدایت دے کر بھیجا تھا کہ یہ لوگ مصر پہنچیں تو [illegible] انہیں قتل کر دے۔ اس پر یہ لوگ بے حد برافروختہ ہوئے اور اصلاحِ احوال کے بارے میں حضرت عثمان کے رویّے سے مایوس ہو گئے۔

کچھ لوگ ان تمام باتوں کی ذمہ داری مروان بن الحکم کے سر ڈال کر حضرت عثمانؓ کو اس صورت حال سے بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن [illegible] حضرت عثمانؓ اس الزام سے بچ نہیں سکتے کہ وہ انتہائی نااہل خلیفہ تھے اگر وہ یہ سب کچھ اپنے مشیروں کے ایما پر کرتے تھے۔ جب بھی اُن کی بے دانشی اور بے تدبیری واضح ہوتی ہے اور اگر وہ کسی دباؤ کے بغیر از خود یہ رویّہ کو اختیار کیے ہوئے تھے تب بھی اسلامی نظامِ سیاست و حکومت کی رو سے وہ اس قابل نہیں تھے کہ مسندِ خلافت پر براجمان رہیں۔

یہ کہنا کہ حضرت عثمان مسلمانوں میں خونریزی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور اُن کے درمیان امن و صلح کی فضا برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے اُنھوں نے اپنے حامیوں کو جوابی کارروائی سے روک دیا تھا، ان کی زندگی کا عام انداز اس کی بالکل نفی کرتا ہے۔ مصالحت کی بہترین صورت یہ تھی کہ وہ اپنے مشیر خاص اور معتمد خصوصی مروان بن الحکم کو اپنے سے [illegible] اس صورت میں عوام کے جذبات جو اُن کے خلاف [illegible] بہت حد تک ٹھنڈے پڑ جاتے اور عمومی [illegible] کا خطرہ باقی نہ رہتا مگر انھوں نے بس کی اس کا [illegible]

کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے پاس سے دُور نہ کیا۔ نہ اُسے اس کے منصب سے ہٹایا۔ ایسی صورت میں امن و صلح کی فضا کیونکر قائم رہ سکتی تھی فریقین میں جب کشمکش کا آغاز ہوتا ہے تو اُسے ختم کرنے کی واحد صورت یہ ہوتی ہے کہ "کچھ دو اور کچھ لو" کی پالیسی اختیار کی جائے۔ باغیوں کا سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ اپنے اس منہ چڑھے مصاحب کو اس کے عہدے سے برطرف کریں لیکن انھوں نے اس عوامی مطالبہ کی جانب سے کان بند کر لیے اور یہی بات زیادہ تر فتنہ انگیزی کا باعث بنی۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کے قتل کی سب سے زیادہ ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوتی ہے اس بدنہاد، بد فطرت اور بدزبان صفت انسان نے حضرت عثمانؓ کے راستے میں ایسے کانٹے بچھا دیئے جنھیں حضرت عثمانؓ کو پلکوں سے چننا پڑا۔

جس دن سے مدینۃ المنورہ میں اس ناپاک وجود نے قدم رکھا اس سرزمین سے خیر و برکت امن و اماں رخصت ہو گیا۔ اس کے نحس وجود کے سائے نے صرف قصرِ خلافت ہی کو آسیب زدہ نہیں کیا بلکہ مدینہ مقدسہ کی پوری بستی کا سکون اس کی بھینٹ چڑھ گیا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ نے ایک موقعہ پر اپنے شوہر کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپ مروان کو اپنے سے دور کر دیں لیکن انھوں نے ایک عورت کی رائے پر چلنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ مروان کو جب نائلہ کے اس مشورے کا علم ہوا تو اس نے کہا: "ڈر کر پیچھے ہٹنے سے کہیں بہتر ہے کہ انسان اپنے غلط موقف پر سختی سے قائم رہے۔"

شروع شروع میں جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُن سے استعفیٰ طلب کیا تو حضرت عثمانؓ نے مروان سے کہا کہ وہ جا کر لوگوں کو

رمی سے سمجھانے بجھانے لیکن وہ بالاخانہ کی ایک کھڑکی میں سے منہ باہر نکال کر انھیں ڈرانے دھمکانے لگا اور کہا تو یہ کہا ۔

"لعنت ہو تم لوگوں پر کیا یہاں ڈاکہ ڈالنے
آئے ہو ہم سے حکومت چھیننا چاہتے ہو۔ اس
خام خیالی میں مت رہو کہ ہم تم سے ڈر کر
حکومت کی باگ ڈور تمھارے سپرد کر دیں گے
اور خود خانہ نسین ہو جائیں گے ۔"

مروان کی یہی روش بالآخر حضرت عثمانؓ کے قتل کا باعث ہی اور اس اعتبار سے وہ بدترین مجرم تھا ۔ افسوس کہ قتل عثمانؓ کے واقعہ کو مسلمانوں نے اس کے حقیقی رنگ میں کبھی نہیں دیکھا ورنہ یہ بات مسلمان قوم کی شاندار اور تابندہ روایات میں شمار ہونے کے قابل تھی کہ مملکت کا سب سے بڑا حاکم بھی اگر شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال دے تو اُس کا حشر وہ ہوا کرتا ہے جو عثمانؓ بن عفان کا ہوا۔

ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خطبہ کا ذکر ہے جس میں حضورؐ نے انتہائی تاکید کے انداز میں اُمت مسلمہ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ " ولتاخذن علی ید الظالم ولتاطرنه اطرا " (تم ضرور ظالم کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دو) خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، جن کی زبان بوحی وحی سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون الٰہی کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے آپ کا دستور تھا کہ جب آپ صحابہ سے اپنی اطاعت کی بیعت لیتے تو وضاحت فرمادیتے کہ " میری اطاعت صرف بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ہوگی۔" (الطاعة فی معروف)

قیصر روم کے دربار میں حضرت معاذ بن جبل نے امیر المومنینؓ کی مندرجہ کار کا تعارف کراتے ہوئے رومیوں کو بتایا تھا کہ امیرنا رجل مناان عمل فینا بکتاب دیننا وسنة نبینا قررناه علینا وان [illegible] عنا " (ہمارا امیر ہمیں میں سے ایک [illegible] مقدس اور سنت نبوی کے مطابق عمل کرے [illegible] برقرار رکھیں گے اور اگر اس کا [illegible] شریعت [illegible] تو ہم اُسے معزول کر دیں گے ۔"

ان تابندہ روایات کی حامل قوم [illegible] جیسے خودسر خلیفہ کو آخر کہاں تک برداشت [illegible] عثمانؓ کے لئے موزوں راستہ یہی تھا کہ وہ خود [illegible] سے کنارہ کش ہو جاتے مگر چونکہ انھوں نے اقتدار [illegible] رہنے کو ترجیح دی اس لئے اُمت کے پاس [illegible] چارہ کار تھا کہ وہ ہر قیمت پر ان [illegible]

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

" خذوا العطاء ما دام [illegible]
فاذا صار رشوة علی الدین فلا
تاخذوه ولستم بتارکیه [illegible]
الفقر والحاجة الا ان رحا [illegible]
قد دارت وقتل [illegible]
وحا الاسلام دائرة [illegible]
الکتاب الا ان الکتاب والسلطان
سیفترقان فلا تفارقوا [illegible]
(وانه سیکون [illegible]
امراء ان اطعتموهم اضلوکم
وان عصیتموهم [illegible]
فکیف نصنع یا رسول اللہ [illegible]
کما صنع اصحاب [illegible]
نشروا بالمناشیر [illegible]
موت فی طاعة [illegible]
حیاة فی معصیة [illegible]

[illegible] معاملے میں تمہیں ... جب تک اُن کی حیثیت [illegible] جب وہ دین کے معاملہ میں رشوت بن جائے تو [illegible] کو قبول کرنے سے انکار کر دو لیکن تم اس رشوت [illegible] سے بچ نہیں سکو گے۔ تمہاری ضرورتیں تمہیں ان کے قبول کرنے پر مجبور کریں گی۔ یاد رکھو کبر و نخوت والے لوگوں کا دور ختم ہو گیا۔ اب اسلام کا دور انتشار شروع ہوا ہے اس لئے کتاب الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرو یاد رکھو ایک دور آنے والا ہے جب حکمران خود خدا کی کتاب کے خلاف عمل پیرا ہوگا ایسے پُر آشوب دور میں تم کتاب الٰہی کی اطاعت کرتے رہنا۔ کتاب خداوندی کی اطاعت سے ہرگز انحراف کی راہ اختیار نہ کرنا، تم پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے کہ اگر تم اُن کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں غلط راستے پر ڈال دیں گے اور اگر تم اُن کی نافرمانی کرو گے تو تمہیں ذلیل و رسوا کریں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تم عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی مانند اپنے دین پر قائم رہنا کہ انھیں آروں سے چیر دیا گیا اور سولیوں پر لٹکا دیا گیا مگر اُن کے پائے عزیمت و ثبات میں لغزش نہیں آئی اللہ کے راستے میں مر جانا اُس کی نافرمانی کرتے ہوئے زندہ رہنے سے ہزار گنا بہتر ہے)

اسلامی تاریخ سیاست کا میکیاولی

oooooooooooo

پندرھویں صدی کے آغاز میں میکیاولی (Machiavelli) نے سیاست کے جو آداب مرتب کئے اور سیاست کے حدود میں سے اخلاقی قدروں کی جس طرح نفی اور قوت و فریب (Force and fraud) کے اصولی نظریہ کا جس طرح پرچار کیا، امر واقعہ یہ ہے کہ وہ [illegible] سے منسوب ہو کر بدنام ہوا۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس باب میں اولیت کا شرف امیر معاویہ کو حاصل ہوا انھوں نے اس سے بہت پہلے ساتویں صدی عیسوی یا پہلی صدی ہجری میں اس نظریہ کو عملاً اختیار کیا

امیر معاویہ میکیاولی فلسفہ سیاست کے اس اُصول پر عمر بھر کاربند رہے کہ مقاصد کے حصول کی راہ میں غلط ذرائع اور ناجائز وسائل کا استعمال کچھ بُرا نہیں ہے بشرطیکہ مقاصد حاصل ہو جائیں۔

"Means are justified by the ends achieved"

امیر معاویہ نے اقتدار و منصب حاصل کرنے کے لئے اُن تمام قیود کو توڑا جو اُن پر مذہب کی طرف سے عائد ہوتی تھیں اور اُن حدود سے ہمیشہ تجاوز کیا جو اسلام نے متعین کی تھیں۔

امیر معاویہ کے اخلاقی اور سیاسی جرائم میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے باکمال انسان کے سیاسی حریف ہے امیر معاویہ نے سیاست میں حسن فریب، دھاندلی عیاری اور مکر و زور سے کام لیا۔ علیؓ ابن ابی طالب جیسا راست باز انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے معاویہ کامیاب رہا اور حضرت علیؓ بظاہر ناکام ہو گئے۔ معاویہ کے مقابلہ میں علیؓ ابن ابی طالب کی شکست ہی علیؓ کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے مشہور فلسفی وال پول (Walpole) نے ٹھیک کہا تھا کہ "نیک انسان کسی بڑی سلطنت کو زیر نگیں رکھنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہمیشہ اخلاقی حدود کے اندر رہ کر کام کرتا ہے دنیاوی سیاست میں ایسے شخص کی کامیابی معلوم ہے۔

تمام کتب تاریخ و سیر اس امر پر متفق ہیں کہ امیر معاویہ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے مقابلہ میں ہر وہ حربہ استعمال کیا جو شرافت و اخلاق کی رُو سے قطعاً ناروا تھا اور جس کی توقع ایک مسلمان اور صحابیٔ رسول تو کجا، ایک شریف آدمی سے بھی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

امیر معاویہ نے زمامِ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ہر وہ حربہ استعمال کیا جو اسلامی ضابطۂ اخلاق کی رُو سے قطعاً ناروا اور نامناسب تھا اور اُن کے مقابلہ میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ کہیں کسی موقعہ پر بھی حدود اللہ سے متجاوز نہیں ہوئے اور اُنھوں نے ضابطۂ اخلاق کا دامن کو کسی مرحلہ پر بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ایک موقعہ پر انھوں نے خود فرمایا۔

"لَوْلَا الدِّيْنُ لَكُنْتُ اَدْهَى الْعَرَبُ"

(اگر مجھے دین کا پاس نہ ہوتا تو میں عرب کا سب سے بڑا سیاست دان ہوتا)

دراصل حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کی باہمی کشمکش تقویٰ و دیانت اور ہوسِ اقتدار کی جنگ تھی اس میں کامیابی اسی کا مقدر تھی جو "یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی" کے مصداق جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر تمام حدود اللہ کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھ جاتا۔

معرکۂ صفین میں معاویہ کی فوجوں نے علیؓ ابن ابی طالب کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے امیر معاویہؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ پانی چونکہ ضروریاتِ زندگی میں سے ہے اس لئے انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں اور ہماری فوج کو پانی سے محروم نہ کیا جائے۔ امیر معاویہ شرافت و اخلاق کی زبان کہاں سمجھتے تھے اُنھوں نے بڑی حقارت سے مطالبہ کو ٹھکرا دیا مجبوراً حضرت علیؓ کو فوجی کارروائی کے ذریعہ معاویہ کے لشکر کو پیچھے دھکیلنا پڑا۔ اور پانی پر حضرت علیؓ کی فوج قابض ہو گئی اس پر نوجوانوں کی ایک جماعت نے انتقامی کارروائی کے طور پر معاویہ کے لشکر کو پانی سے محروم کرنا چاہا جب حضرت علیؓ نے اس ارادے کی اطلاع سُنی تو آپ نے اُن نوجوانوں کو بلا کر ڈانٹا اور فرمایا:۔

"خذوا من الماء حاجتكم وارجعوا الی عسکرکم وخلّوا عنهم فان الله عزوجل قد نصرکم علیهم بظلمهم وبغیهم"

(اپنی ضرورت کے مطابق پانی لے کر واپس لشکر میں پہنچ جاؤ اور دشمنوں کے پانی لینے یا پینے میں رکاوٹ پیدا نہ کرو کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے تمھیں ان کے مقابلہ میں کامیاب فرمایا ہے اور اُن کے ظلم و سرکشی کے مقابلہ میں تمھاری امداد فرمائی ہے۔)

یہ تھا وہ اسلامی حد و اخلاق جو علیؓ ابن ابی طالب کی طبیعت کا خاص جوہر تھا اور جس نے اُنھیں اپنے بلند اُصول اور انسانیت کے معیار سے کہیں نیچے آ کر حریفوں کے مقابلہ میں ناکام کر دیا

وسیع النظر مؤرخ عطا حسنی کہ جو مصر کی انجمن علمی و جغرافیائی کے رکن رکین تھے۔ اپنی معرکۃ الآراء کتاب "خواطر الاسلام" میں حضرت علیؓ اور معاویہ کی سیاست کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"ان الامام علیا لم یکن متوکلا علی الحیلة بل علی الحق ولم یکن یستنصر الخداع بل کان نصیره الصدق وما کان ینقصه ذلک عن تقصیر وعجز بل تدینا وتهجد الا انه یأبی الا الحق الصراح والخدمة النصوحة اذن کان الناس یضرطون من حوله ستة ونه ینفرون حول معاوية السامحه وکرمه ومتاعه ورغد العیش فی قربه وشتان بین من یعمل لدینه وبین من

[illegible] رکھا۔"

[illegible] طالب مکر و فریب کا سہارا لینے [illegible] صداقت پر اعتماد کرتے تھے۔ انھوں [illegible] میابی کے لئے کبھی دھوکہ بازی سے کام [illegible] ہمیشہ سچائی کی مدد کے طلب گار رہے۔ اُن کا یہ [illegible] ان کی خامی نہیں ہے کہ انھوں نے بے بسی اور عجز [illegible] کی بنا پر اسے اختیار کیا ہو بلکہ اُس کا اصل باعث ان کی دین داری اور تقویٰ شعاری تھی وہ طبعاً اور [illegible] نفسانیت سے پاک اور بے لوث انسان تھے ہمیشہ حق کے حامی اور صداقت کے خواہاں رہے اور خدمت محض و خالصہ ان کا مطمح نظر تھا۔ اُن کی اس دینداری کے باعث اور دین میں شدت پسندی کی وجہ سے لوگ ان سے ہٹ کر معاویہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے کیونکہ معاویہ کے یہاں دین کے معاملہ میں تساہل بھی تھا اور فیاضی اور سخاوت بھی کرتے تھے اور اُن کے یہاں عیش و عشرت کا سامان لوگوں کے لئے بافراغت مہیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جو محض دنیا طلبی کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہو اُس کے مقابلہ میں وہ شخص کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے جس کا ہر عمل خدا کی رضا جوئی اور آخرت کی سرخروئی کے لئے ہو۔ تاریخ کی معتبر و مستند اور قابلِ وثوق و اعتماد کتابوں میں یہ بات مذکور و مسطور ہے کہ امیر معاویہ شام اور اُس کے ملحقہ علاقوں میں بڑی حکمت عملی اور ہوش مندی کے ساتھ حکومت پر قبضہ کرنے کی کوششوں میں سرگرم کار تھے۔ مسعودی نے "مروج الذہب" میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے فیاضی اور [illegible] سے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کی ہر ممکن تدبیر کی اور [illegible] و حمایت کے لئے بیت المال کا منہ کھول دیا۔ دو [illegible] وہ اپنے دشمنوں اور سیاسی حریفوں کو بھی [illegible] قابو میں کر لیتے تھے اس سلسلہ میں عقیل ابن [illegible] عمر، عبداللہ بن زمعہ، عمرو بن العاص،

حسان بن مالک اور ایسے دوسرے بہت سے لوگ پیش کئے جا سکتے ہیں جو ابتداء میں اُن کے مخالف تھے مگر انھوں نے پیسے کے زور سے انھیں رام کر لیا اور یہ لوگ انہی کے پاس جا کر آباد ہو گئے۔ عقیل نے اپنے بھائی سیدنا علیؓ ابن ابی طالب سے بیت المال میں اپنے جائز حق سے زیادہ کا مطالبہ کیا مگر حضرت علیؓ نے ان کا مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ "میں تمھیں تمھارے حصّہ سے زیادہ ایک درہم بھی نہیں دوں گا"۔ اس پر عقیل بگڑ گئے اور حق و صداقت کے پرستار بھائی سے ناراض ہو کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور مستقل طور پر معاویہ کے پاس رہنے لگے وہ کہا کرتے تھے۔۔

"میرا بھائی میرے دین کا بھلا چاہتا تھا
مگر معاویہ نے میری دنیا سنواری" سلہ

حسان بن مالک جو شام میں قبائل قحطان کا سردار تھا اُس کو معاویہ نے اس شرط پر اپنا حامی بنا لیا کہ وہ اُس کے زیر اثر قبیلوں کے دو ہزار اشخاص کو فی کس دو ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ دیں گے اور یہ رقم نسلاً قائم رہے گی مزید برآں اُس کو یہ لالچ دیا گیا کہ سرکاری دربار میں وہ خصوصی اعزاز و مراعات کا حق دار ہو گا۔

غیر ملکی سامراج اور جبر و استبداد کے بل پر قائم ہونے والی قومی حکومتوں کے بارے میں کبھی یہ بات سننے میں نہیں آئی کہ وہ ضمیر فروشی کا ایسا تھوک کا روبار کرتی ہوں جیسا کہ امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں کیا۔

پاکستان کے سرحدی قبائل کے متعلق مشہور تھا کہ انگریزی استعمار نے اُن کی شورش پسندی سے تنگ آ کر اپنے بجٹ کی ایک خطیر رقم اُن کے لئے مخصوص کر دی تھی تاکہ ملک میں امن و امان کی فضا برقرار رہ سکے لیکن یہ امیر

سلہ ابن ابی الحدید۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ الاستیعاب لابن عبدالبر

معاویہ خود اپنی ہی قوم کو بڑی بڑی رقمیں دے کر کس لئے خرید رہے تھے؟

سیاسی رشوت دینے کی رسم کا آغاز اگرچہ حضرت عثمان نے کیا لیکن امیر معاویہ نے تو اُسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ لوگوں کو ایسا بخیال اور حامی سانے کا اُنھیں اس حد تک جنون تھا کہ غلط و صحیح کا امتیاز بھی انھوں نے اُٹھا دیا تھا۔

کوفہ کا ایک شخص اپنی اونٹنی پر سوار دمشق آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے ایک شامی نے گھیر لیا اور کہا یہ اونٹ تو میرا ہے اور یہ تیری اونٹ ہے جو تم نے مجھ سے جنگِ صفین کے موقعہ پر مستعار لیا تھا۔ جب جھگڑا بڑھا تو شامی اونٹ کے مالک کو لے کر امیر معاویہ کے پاس پہنچا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں پچاس گواہ پیش کئے۔ امیر معاویہ نے فیصلہ شامی کے حق میں دیا اور کوفی سے اونٹ چھین لیا گیا۔ اونٹ کے مالک نے جب یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگے۔ "خدا تمھاری اصلاح کرے یہ اونٹ نہیں اونٹنی ہے۔" امیر معاویہ کہنے لگے: "اب جو فیصلہ ہو چکا ہے اُسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا" جب مجلس برخاست ہوئی تو معاویہ نے اُس شخص کو تنہائی میں اپنے پاس بلا کر اونٹنی کی قیمت ادا کی اور اُس سے کہا "علیؓ ابن ابی طالب سے جا کر کہنا کہ معاویہ آپ کے مقابلہ میں ایک لاکھ فوج لے کر آ رہا ہے۔ جس میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو اونٹ اور اونٹنی کا فرق تک نہیں جانتے۔"

تبرّا کی رسمِ بد

امیر معاویہ نے امام برحق حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو برسرِ عام سبّ و شتم کا نشانہ بنانے کی جس رسمِ بد کا آغاز کیا۔ اُن کے نامۂ عمل کی سیاہی کے لئے یہی ایک چیز کافی ہے

کیا اسلامی تعزیرات کی رُو سے یہ [illegible] ہر بات میں اجتہادی غلطی کا عذر [illegible] کو نہ جانے کس طرح سندِ جواز بخشیں گے اور [illegible] سی انوکھی اور نرالی قسم ہے[1]

اگر اجتہاد اسے کہتے ہیں کہ اپنے عہد کے [illegible] انسان ابن عم پیغمبرؐ، دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوہر اور بقول اقبالؔ "تاجدارِ هل اتیٰ" [illegible] شیرِ خدا اور مسلمِ اوّل، شہِ مرداں علیؓ پر لعن و طعن کی باقاعدہ مجالس منعقد کی جائیں اور تبرّا [illegible] سے نوازا جائے تو خدا را ہمیں بتائیے کہ یہ اجتہاد [illegible] اور کیا یہ اجتہادی غلطی ہے یا کفر و ارتداد؟

حضرت علیؓ ابن ابی طالب پر یہ سبّ و شتم صرف دمشق تک محدود نہ تھا بلکہ امیر معاویہ خود بھی اور ان کے تمام گورنر خطبۂ جمعہ میں بڑے التزام کے ساتھ دشنام کی یہ رسم ادا کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں عین روضۂ اطہر کے سامنے حضورؐ ہی کے منبر سے حضورؐ کے محبوب [illegible] صحابی کو مغلظات کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

جس پیغمبرؐ نے "سباب المومن فسوق" (مومن کو گالی دینا گناہِ عظیم ہے) کی تعلیم دی ہو اور جس نے اذکروا موتاکم بالخیر (اپنے مرے ہوؤں کو بھلائی سے یاد کیا کرو) کا سبق دیا ہو، خود اُسی کے آستانہ [illegible] میں کھڑا ہو کر اُس کی اُمت کا ایک فرد اُس کے [illegible] اور عزیز ترین ساتھیوں کو گالیوں سے نوازے [illegible] بے غیرتی اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہم [illegible] کی تعریف میں قصیدے لکھتے اور [illegible] آسمان پھٹ نہیں پڑتا اور زمین کا [illegible]

---

[1] طبری ج ۴ ص [illegible]
البدایہ ج [illegible]

اگر حقیقت اسلام در جہاں این است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

سب و شتم کی اس ملعون رسم کے علاوہ انہی کے دور میں امت ایک اور سنگین گناہ سے دوچار ہوئی۔ اسلامی تاریخ کے مشہور صحابی حضرت حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو محض اس قصور پر قتل کر دیا گیا کہ علی پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے۔ قتل گاہ میں بھی ان سے یہی مطالبہ کیا گیا کہ اگر وہ اس مرحلہ پر حضرت علیؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ دیں تو ان کی جان بچ سکتی ہے، اس پر حضرت حجر بن عدی نے فرمایا:

"میں ایسی کوئی بات زبان سے نہیں نکالوں گا
جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہے"

حضرت حجر کے ایک ساتھی عبدالرحمٰن بن حسان کو امیر معاویہ نے زیاد کو لکھ بھیجا اور زیاد کو لکھا کہ

"انہیں بدترین طریقے سے قتل کرو"

اس پر اس حرامی بچہ[1] نے انہیں زندہ درگور کر دیا[2]

علاوہ ازیں کے علاوہ جو روح فرسا بات امیر معاویہ کے اس گھناؤنے کردار کا ایک نمایاں پہلو ہے جس پر ان کا بڑے سے بڑا معتقد بھی پردہ نہیں ڈال سکتا وہ ایک صحابی کے گورنر ہوتے ہوئے علی ابن ابی طالب جیسے خلیفہ راشد سے برسرپیکار رہنے اور امام عصر کے مقابلے میں سرکشی اور طغیان کی راہ اختیار کی اور یہ وہ جرم ہے کہ خواہ کسی صحابی سے سرزد ہو یا کسی ولی اللہ سے اسے اجتہادی غلطی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت "فساد فی الارض" ہے معاویہ بن ابی سفیان دیدہ و دانستہ اس جرم کے مرتکب ہوئے اس لئے قرآن حکیم کی اس آیت کی وعید کے بجا طور پر مستحق ہوئے

"انما جزاء الذین یحاربون اللہ
ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا
ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم
وارجلھم من خلاف او ینفوا من
الارض ذلک لھم خزی فی الدنیا و
لھم فی الآخرۃ عذاب عظیم"

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسرپیکار ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک جانب اور دوسری جانب کاٹ دیئے جائیں یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے یہ تو دنیا کی رسوائی کا عذاب ہے اور آخرت کی سزا تو بڑی ہی سخت ہوگی"

خلیفہ عادل کے خلاف آمادہ پیکار ہونا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہے اور امیر معاویہ کا یہ زندگی بھر کا سرمایہ افتخار ہے۔ دنیا کی ذلت و رسوائی سے تو کسی طور پر بچ گئے تاہم دنیا میں بھی ان کی رسوائی و خواری کی سزا قیامت تک ملتی رہے گی اور آخرت کی گرفت میں تو وہ جکڑے ہی جا چکے ہیں۔

"وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب
ینقلبون"

---

[1] زیاد بن سمیہ کی والدہ سے ابوسفیان کے ناجائز تعلقات تھے جس کے نتیجہ میں زیاد پیدا ہوا حوالہ کے لئے دیکھئے الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۰ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۲ ۔ البدایۃ النہایۃ ج ۸ ص ۲۸
[2] طبری ج ۴ ص ۱۹۰ تا ص ۲۰۷ الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۱ ص ۱۳۵ ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۳۴ تا ص ۲۴۲ ، البدایۃ ج ۸ ص ۵۰

دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

ooooooooooooo

"معاویہ بن ابی سفیان اور اُس کے وارثِ تخت یزید پلید کے بارے میں نام نہاد اعیانِ علم و شیخت کا ایک طبقہ اس ناپاک کوشش میں مصروف ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو اسلام کے نامور ہیرو بنا کر اُمت کے سامنے پیش کیا جائے اور اُن کی قرارِ واقعی حیثیت کے بارے میں عوام میں غلط تصوّرات پھیلائے جائیں۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی "یوم معاویہ" کا انعقاد ہے جو اب بڑی باقاعدگی کے ساتھ سال بہ سال منایا جا رہا ہے اور یوں ایک ایسے فتنے کو ہوا دی جا رہی ہے جس کی ستعد سامانی اس اُمت کی رہی سہی ساکھ کو بھسم کر کے رکھ دے گی۔

ملتان میں ایک نامور مذہبی اور سیاسی خطیب کے فرزند ناخلف نے اس قضیۂ نامرضیہ کی ابتداء کی اور اس فتنہ کو اپنے دامن سے ہوا دی ہے۔ پہلے پہل ملتان ہی میں "یوم معاویہ" منایا گیا اس سلسلہ میں جو اشتہار شائع کیا گیا وہ خبثِ باطن کا شاہکار ہے اس میں امیر معاویہ جیسے تاریخ اسلامی کے سب سے بڑے مجرم کے لیئے جو خطابات بے دریغ استعمال کیئے گئے وہ حسب ذیل تھے :۔

" امیر المومنین' امام المتقین' خلیفۂ عادل' قائد السیاستہ والمدبرین' فاتح روم و یورپ و افریقہ' حاکم و پیشوائے انام' امیر الشام' معتمد و محبوب ابوبکرؓ و عمرؓ ہادی اہل سُنّت محسن و مہدی اُمت منبع جود و سخا' پیکر علم و وفا' خال المسلمین' برادر نسبتی رسولؐ صحابی مقبول کاتب الوحی' سیدنا و مولانا ابو عبدالرحمان معاویہ بن ابی سفیان"

[illegible] اشتہار یوم معاویہ [illegible]

یہ الفاظ اپنے ظاہری مفہوم [illegible] اور بے وزن ہیں اور ان کی حیثیت [illegible] کی سکتی ہے۔ اے عقل بلند بانگ [illegible] تقاضوں سے اگر انسان کے مرتبہ و مقام کی [illegible] جا سکتی تو فن تاریخ و روایت "عقل و [illegible] کی ضرورت ہی کیا ہے۔ الفاظ کے [illegible] بنا دیا۔ واقعات و حقائق کی پردہ پوشی [illegible] غنے سے نہیں ہوا کرتی۔ رات کو دن [illegible] اللہ نے انسان کو تمیز [illegible] اور [illegible] اول شب چراغ بجھنے والوں کا [illegible] دور بنایا جاتا ہے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی [illegible] ہے ورنہ غلاظت کے ڈھیر کو اگر [illegible] انبار کہہ کر اس کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے تو اس کی [illegible] اضافہ نہیں ہو گا اور مشام جان کو معطر کرنے کی [illegible] اس میں پیدا نہیں ہو سکے گی۔ دنیا الفاظ کے [illegible] میں پھنسنے کے بجائے عمل کی روداد دیکھ کر فیصلہ کیا کرتی ہے کہ کون کس قابل ہے ورنہ جہاں تک خطابات و القاب کا تعلق ہے اُن کا بیجا استعمال ہمیشہ [illegible] کل کی بات ہے اس برصغیر میں انگریز حکومت [illegible] ضمیر فروش مُلا کو شمس العلماء کا خطاب [illegible] جو شخص بھی اپنی متاع ایمان کو جنس [illegible] تھا اور اپنے سرمایۂ غیرت و قومی کی [illegible] تھا۔ اُسے سر، خان بہادر، [illegible] بھاری بھرکم خطابات سے [illegible] غریب شاعر احمق [illegible]

[illegible]

[illegible] جا چکے ہیں اور القاب کا طومار ملنے [illegible] قوم اُن کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی [illegible] معاویہ بن ابی سفیان کے امیر المومنین ہونے [illegible] تو مسلمانوں کی پرانی ریت ہے کہ وہ ہر اُس شخص [illegible] اُن کے ملک میں کبھی مسندِ اقتدار پر براجمان رہا ہو سیدنا [illegible] المومنین کہتے چلے آئے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے ظالم و جابر اور فاسق و فاجر حکمران ہو گزرے ہیں جنھیں بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ منبرِ رسولؐ پر کھڑے ہو کر امیر المومنین کہا جاتا رہا ہے، اور تو اور لکھنؤ کے واجد علی شاہ اور مصر کے شاہ فاروق تک اس خطاب سے نوازے جا چکے ہیں پھر اگر ان کے لئے یہ لقب شرف و مجد کا باعث نہیں بن سکا تو معاویہ بن ابی سفیان کے لئے اس میں امر لائقِ امتیاز کی کیا بات ہے؟

پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں اُس کے زیرِ اقتدار علاقے میں مسلمانوں کی تعداد دوسری قوموں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمان (چشمِ بد دُور) اُس کی غلامی کا طوق بھی اپنے گلے میں ڈال چکے ہیں اور اُسے اپنا بادشاہ مان کر اُس کی وفاداری کا حلف اُٹھاتے رہے ہیں، اس اعتبار سے وہ بھی حق رکھتا ہے کہ اُسے "امیر المومنین" کہا جائے اور ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ اُسے امیر المومنین کہا گیا۔

انگریز کے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کی کافی بڑی تعداد اور انگریز کے تنخواہ دار ٹوڈیوں ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر صرف کرتے رہے کہ انگریز کو "اولی الامر" ثابت کیا جا سکے اسی ضمن میں بعض خود فروش علماء و زعماء نے ایسی کتابیں لکھیں جن میں آیاتِ قرآنیہ سے انگریز کی وفاداری اور اُس کی [illegible] و اطاعت کی اہمیت واضح کی گئی تھی۔ اس [illegible] ہوتا ہے کہ ملکہ وکٹوریہ اور اُس کے جانشین بھی [illegible] ثابت ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں علماء و مشائخ کی ایک معتدبہ جماعت نے انگریز کے باغیوں کو غدارِ مفسد، وہابی اور گروہِ اشرار کے خطابات سے نوازا اور انگریز کی مخالفت کو مذہبی اور دینی اعتبار سے خروج و بغاوت سے تعبیر کیا۔ کسی گمنام مصنف کا لکھا ہوا ایک رسالہ جو انڈیا آفس لائبریری سے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے مستعار لیا تھا، راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے اس رسالہ میں قرآن و سنت سے ثابت کیا گیا تھا کہ حکومتِ وقت یعنی انگریز کی اطاعت مذہبی فریضہ ہے۔ اُس کی مخالفت کفر و فساد کے مترادف ہے۔ انگریزی اقتدار کے مخالفین کو اس رسالہ میں "ایں گروہ اشرار کہ فساد را جہاد نامند" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

جو قوم انگریز کو اولی الامر تسلیم کر سکتی ہے اور جس قوم کو عددی اکثریت کے باوجود مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی ہوسِ اقتدار کا تختۂ مشق بنا سکتا ہے، اگر معاویہ بن ابی سفیان اور یزید پلید کو امیر المومنین تسلیم کرے تو اس میں تعجب کیا ہے۔ یہ تو مسلمان قوم کی روایات کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے کہ وہ خود امیر معاویہ کے الفاظ میں "اُکلۃ الاکل" (ہر کھانے والے کے لئے لقمۂ نرم) بنتی چلی آئی ہے اور ہر بر سرِ اقتدار غلط حکمران کی تائید و حمایت میں مذہبی رہنماؤں اور سیاسی پیشواؤں نے قرآن و حدیث سے استفادہ کیا ہے اور اُس کی حکومت کو عین مقتضائے شریعت کر دکھایا ہے۔

لے جو حشر تک ہے لوں زماں داعتا کی
عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لئے

امیر معاویہ کو امام المتقین کہنا البتہ بہت بڑی جسارت ہے اور ایک ایسی بیہودگی ہے جس کے لئے کوئی تاریخی، عقلی اور مذہبی جواز موجود نہیں ہے۔ متقی وہ ہے جس کا دل خوفِ خدا سے معمور ہو اور جس کی زندگی کا ہر عمل تقویٰ کی حدود کا پابند ہو اگر معاویہ صرف متقی ہی نہیں بلکہ

امام المتقین تھے تو جس شخص سے وہ برسرِ پیکار رہتے وہ تو یقیناً تقویٰ کی صفت سے عاری ہوگا جبھی تو "امام المتقین" زندگی بھر اُس کی مخالفت کرتے رہے اور مرنے کے بعد بھی اس کو بُرا بھلا کہتے رہے، خدا سے ڈرنے والے دو شخص تو کبھی ایک دوسرے کے حریف نہیں بن سکتے۔ علیؓ ابن ابی طالب اور معاویہ ان دونوں میں سے کون تقویٰ کی راہ پر گامزن تھا اور کون خوفِ خدا سے بیگانہ وار اپنے اغراضِ مذمومہ کے حصول کے لئے سرگرمِ تگ و تاز تھا اس کا فیصلہ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ فیصلہ تاریخ کی روشنی میں اور کتاب و سنت کے مطابق صادر کیا جائے۔ معاویہ ابن ابی سفیان کو "خلیفۂ عادل" کہنا اُسی صورت میں درست اور قابلِ تسلیم ہوگا جب پہلے یہ بات ثابت ہو جائے کہ اُن کی خلافت عام مسلمہ اسلامی روایات کے عین مطابق وجود میں آئی تھی۔ اگر اُن کی خلافت کے لئے کوئی سندِ جواز مہیا نہ کیا جا سکے تو عدل تو ثانوی درجہ کی چیز ہے ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" میں خود امیر معاویہ کا ایک خطبہ روایت کیا ہے جس میں امیر معاویہ نے حکومت پر بزورِ شمشیر قبضہ کرنے کا صاف و صریح اعتراف کیا ہے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں یہ خطبہ دیا۔ اُنہوں نے کہا۔

"اما بعد فانی واللہ ما ولیت امرکم
حین ولیتہ وانا اعلم انکم لا تسرون
بولایتی ولا تحبونها وانی لعالم بما
فی نفوسکم من ذلک ولکنی خالستکم
بسیفی هذا مخالسة" [1]

(جب سے زمامِ حکومت میرے قبضہ و تصرف میں آئی ہے میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں کہ تمہیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی ہے اور تم میرے اقتدار سے خوش نہیں ہو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے مجھے اس کی خبر ہے مگر اس بات کو مت بھولو کہ میں نے تمہیں تلوار سے مغلوب کیا ہے اس لئے تمہیں میرا اقتدار تسلیم کرنا ہوگا۔"

کیا عدل اسی کا نام ہے کہ عوام کی مرضی کے بغیر اُن پر مسلط ہو کر دادِ حکمرانی دی جائے اگر یہ عدل ہے تو ظلم کس جانور کا نام ہے؟ یا امیر معاویہ کو محض اس لئے "عادل" مان لیا جائے کہ ہماری بدقسمتی سے اُن کا نام صحابہ کی فہرست میں شامل ہے اور وہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے پیدا ہوئے تھے؟ قرآن مقدس نے تو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل کی تلقین کی تھی کہ "ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی" (کسی قوم کی دشمنی تمہیں طریقِ عدل سے منحرف نہ کرنے پائے ہر حال میں ہر ایک سے عدل کرو۔ یہی تقویٰ کا قریب ترین راستہ ہے) عام مسلمانوں کو چھوڑیئے کیا علی ابن ابی طالب سے اُن کا معاملہ عدل کی بنیادوں پر استوار تھا؟

خطابات و القاب کی فہرست میں "قائد الساسۃ والمدبرین" کے بھاری بھرکم الفاظ بھی موجود ہیں۔ ہمیں تسلیم ہے کہ امیر معاویہ بڑے سیاستدان اور مدبر تھے اور اُن کے بعد جتنے بھی حکمران گزرے وہ انہیں کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، لیکن ان کی سیاست و تدبیر کا مزاج قطعاً غیر اسلامی تھا۔ ان کی سیاست بے خدا سیاست تھی۔ وہی جوڑ توڑ، وہی سازشیں، وہی ہتھکنڈے، وہی چالبازیاں اور دسیسہ کاریاں جو موجودہ دور کے سیاست دانوں کا طرۂ امتیاز ہیں، امیر معاویہ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں اور کوئی مؤرخ ان کی اُن خصوصیات سے انکار نہیں کر سکتا مگر کیا اسلام کے دستور و قانون میں ان خصوصیات کو بنظرِ استحسان [illegible]

[1] البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۸ ص ۱۳۲

[illegible] ہی اور جو بھی اقتدار کا شکار ہو شخص [illegible] کی رُو سے نیک اور پاکباز متصور [illegible] ایسے شخص پر لفظ "مسلم" کا اطلاق بھی [illegible] یا حاکم و پیشوائے انام، تو ایک بدطینت کافر [illegible] بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں امیر معاویہ کا کیا کمال ہے۔ ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں اقتدار کا ڈنڈا ہو اُسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ جس راہ پر چاہے، عوام کو چلائے لیکن جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہو اُس سے زیادہ پیشوائی کا حق اور کسے پہنچتا ہے؟

امیر معاویہ کو امیر الشام کہنا بھی اُسی قسم کی مہملیت ہے۔ کیا اسلامی شریعت کی رُو سے جو شخص شام کے علاقے کا امیر ہوا سے بخشش کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ یہ امیر معاویہ کی فضیلت کا کون سا اضافی پہلو ہے کہ اس پر بغلیں بجائی جائیں۔ "معتمد و محبوب ابوبکرؓ و عمرؓ" بھی ایک لفظی فریب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل چیز خدا و رسولؐ کا معتمد و محبوب ہونا ہے اور یہ شرف جس ذاتِ گرامی کو حاصل تھا امیر معاویہ ساری عمر اُس کے خلاف بغض کا اظہار کرتے رہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ خیبر میں یہودیوں کا ایک قلعہ جب کئی روز کی مسلسل جد و جہد کے بعد بھی فتح نہ ہو سکا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو بلا کر یہ مہم اُن کو تفویض فرمائی۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا

"لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا مَنْ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"

(کل میں علم جنگ اُس شخص کے سپرد کروں گا جسے [illegible] رسولؐ سے محبت ہے اور جو خود بھی خدا اور رسولؐ کا [illegible])

[illegible] اہل سُنت اگر امیر معاویہ ہیں تو علیؓ ابن [illegible] کہہ "ہادی اہل سنت صاحب

نہ صرف سُنت کی برابر مشق ملیدہ کرتے رہے بلکہ حضرت علیؓ کی مخالفت ان کا عمر بھر کا اثاثہ ہے۔ بہتر ہوگا اگر سب اہل سُنت مل کر اپنے ہادی کی اتباع کرتے ہوئے حضرت علیؓ کا نام اہل سُنت کی فہرست سے خارج کر دیں

چشم ما روشن دلِ ما شاد

امیر معاویہ کے لئے "محسن مہدی اُمت" کا خطاب بھی ایک لفظی بیہودگی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ البتہ اُنھیں محسن خاندانِ بنی اُمیہ اور مہدی اُمت ضالہ و باغیہ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ بنی اُمیہ کی کشتۂ نیراں کے لئے اُن کا وجود ابرِ باراں سے کسی طور کم نہ تھا اور ملتِ اسلامیہ کے باغیوں کے لئے ان کا راس حکومت ظلّ عاطفت ثابت ہوا۔

منبع جود و سخا امیر معاویہ تھے؟ کیا سیاسی رشوت کے طور پر دی جانے والی رقم اور جاگیر جُود و سخا ہے یا ملکی خزانہ کا استحصال، کیا یہ خیانت مجرمانہ نہیں ہے۔ "ان اللّٰہ لا یحب الخائنین" (اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) کیا یہ بات محتاج ثبوت ہے کہ امیر معاویہ نے سیاسی مطلب برآریوں کے لئے بیت المال کا بے دریغ استعمال کیا اور رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے کے لئے ملکی اور قومی دولت کو بے محابا ضائع کیا۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کا فاتحہ دلوانے کے لئے ایک بخیل سے بخیل شخص بھی فوراً آمادہ ہو جائے گا مگر اس سے وہ سخی نہیں بن جائے گا

پیکر حلم و وفا امیر معاویہ کا حلم اور اُن کی قوتِ برداشت سیاسی مصلحتوں کی پیداوار تھی جیسا کہ انھوں نے اس کا اظہار عائشہ بنت عثمان کے سامنے کیا۔ عائشہ نے امیر معاویہ سے اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ تو انھوں نے اس کے جواب میں کہا تھا۔ "یا ابنۃ اخی! ان الناس اعطونا طاعۃ واعطینا ھم امانا و اظھرنا لھم تحتہ غضب واظھروا لنا طاعۃ

حتیٰ حقد"

(طبری: لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کی اور ہم
نے انھیں جان کی امان بخشی ہم نے اُن سے نرمی کا برتاؤ
حالانکہ ہمارے دلوں میں اُن کے لئے غیظ و غضب کے
جذبات ہیں۔ لوگوں نے بھی بہ ظاہر ہماری حکومت کو تسلیم
لیا ہے مگر ان کے دل ہمارے ساتھ نہیں ہیں[۱])

یہ ہے امیر معاویہ کے حلم اور اُن کی بُردباری کی حقیقت
خود بھی اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں کہ اس حلم کی تہ میں
غیظ و غضب چھپا ہوا ہے امیر معاویہ کا حلم اُن کی طبیعت
جوہر نہ تھا کیونکہ وہ ایک بُزدل انسان تھے اور بُزدل
بھی حلیم نہیں ہوتا البتہ وہ ایک شاطر سیاست داں
در تھے جو مصلحت وقت کے مطابق پینترے بدلتا رہتا ہے
جہاں تک مخالفین سے انتقام لینے کا تعلق ہے۔ وہ
بے رحم اور قسی القلب واقع ہوئے تھے

حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں حضورؐ نے یہ
پیش گوئی فرمائی تھی کہ "ایک باغی جماعت اُنھیں قتل
کرے گی" جب صفین[۲] کی جنگ میں معاویہ کی فوج کے ہاتھوں
شہید ہوئے تو اُن کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس لایا گیا جاہلیت
کی اس وحشیانہ رسم کو امیر معاویہ نے اختیار کیا، کیا حلم ایسا
ہوتا ہے؟

خطابات کی اس فہرست میں ایک خطاب "خال المسلمین"
بھی ہے یعنی مسلمانوں کا ماموں، یہ کون سا عہدہ ہے؟ اور اگر
کوئی اعزاز ہے جو لوگ امیر معاویہ کو اپنا ماموں سمجھتے ہیں
ہاتھ کھڑا کریں!

جن تیرہ بختوں کے مقدر میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ
قیامت کے دن تبعیان معاویہ کی صف میں اُن کا حشر ہو

وہ امیر معاویہ کی منقبت [illegible]
اس قسم کی مذموم حرکتیں کرتے [illegible]
بات نہیں ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار [illegible]
عسقلانی نے فتح الباری میں [illegible]
یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ابن حنبل [illegible]
عبداللہ نے جواباً فرمایا کہ: حضرت علیؓ [illegible]
استفسار کیا اس پر احمد بن حنبل نے جواباً فرمایا۔

علیؓ ابن ابی طالب کے دوستوں کے مقابلے [illegible]
کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اُنھوں نے بہت [illegible]
پاؤں مارے کہ حدیث نبوی میں سے کوئی ایسی بات [illegible]
جس سے قوت علیؓ پر حرف گیری کر سکیں جب اُنھیں [illegible]
میں کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے حضرت علیؓ کے دشمنوں
کی تعریف میں مبالغہ آرائی شروع کر دی اور [illegible]
باتیں بیان کرنے لگے تاکہ اس ہتھیار سے حضرت علیؓ کی [illegible]
میں تنقیص کا پہلو نکال سکیں۔ بنا بریں ان [illegible]
کو تو چھوڑیے کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اگر کسی
حدیث میں امیر معاویہ کی فضیلت کا کہیں کوئی تذکرہ ملتا
ہے تو وہ بھی سراسر مصنوعی اور جعلی حدیث ہے۔ مشہور
محدث نسائی جن کی کتاب حدیث کا شمار صحاح ستہ میں
ہوتا ہے اُن کی وفات شہادت آیات کا واقعہ [illegible]
میں مذکور ہے کہ جب وہ دمشق پہنچے تو [illegible]
کچھ لوگوں نے اُن سے معاویہ کی فضیلت کے [illegible]
حدیث سنانے کی فرمائش کی۔ اُنھوں نے فرمایا [illegible]
کی بات کرتے ہو۔ اگر وہ برابر برابر [illegible]
بات ہے مگر لوگوں کا اصرار قائم رہا [illegible]
روایت بیان کی کہ "ایک مرتبہ [illegible]

---

[۱] طبری
[۲] ان واقعات کا تذکرہ حوالہ کتب کے ساتھ پچھلے اوراق میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

[illegible] کہا۔ انھوں نے کہا میں کھانا کھا رہا ہوں۔ [illegible] حضورؐ نے دوبارہ قاصد بھیجا۔ معاویہ نے وہی جواب دیا۔ سہ بارہ حضورؐ نے ان کو پیغام بھیجا تب بھی اُس نے یہی کہا کہ میں ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوا۔ یہ سن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا "لا اشبع اللہ بطن معاویة" (اللہ معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرے) بنو اُمیہ کے لوگوں نے امام نسائی کی زبان سے یہ حدیث سنی تو مشتعل ہو کر اُن پر پل پڑے۔ اُن پر سنگ باری کی اور انھیں اس قدر زدوکوب کیا کہ اسی صدمہ سے اُن کا انتقال ہو گیا۔[1]

ہمیں تو آج تک یہی تعجب ہے کہ امام نسائی کی اس روایت کے بعد جو اُنھوں نے "بانئ اہل سنت" کے بارے میں پیش کی۔ اہل سُنّت ان کی اس کتاب کو اپنے مدارس دینیہ کے نصاب نظامی میں شامل کرنے کے روادار ہوئے تو کیونکر ہوئے؟

امام نسائی کی یہ روایت ایک اور شہادت ہے اس امر واقعہ کی کہ معاویہ اور اُن کے خاندان کے دیگر افراد کا اسلام محض دفع الوقتی کے لئے تھا۔ اُن کے دلوں میں نہ حضورؐ کے لئے جذبات عقیدت و احترام تھے نہ اسلام ہی سے اُن کو کچھ واسطہ تھا۔ ایک نامور مسلمان مورخ ابوحنیفہ دینوری نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "الاخبار الطوال" میں حضرت علیؓ کے ایک خطبہ کا ذکر کیا ہے جو اُنھوں نے جنگ کے موقع پر دیا۔ آپ نے فرمایا تھا:

"ایھا الناس سیروا الی اعداء السنن والقرآن سیروا الی قتلة المھاجرین والانصار سیروا الی الجفاة الطغام الذین کان اسلامھم خوفاً وکرھاً سیروا الی المولفة قلوبھم لیکفوا عن المسلمین باسھم"

(لوگو! دشمنان قرآن و سُنّت کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مہاجرین و انصار کو قتل کیا۔ یہ وہ ظلم پیشہ اور بے کار لوگ ہیں جن کا اسلام دفع الوقتی کے لئے اور محض ڈر کی وجہ سے تھا۔ یہ ہمارے زمانے کے مسلمان ہیں تاکہ اُن کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہ سکیں اور اُن کے ظلم کا سدباب کیا جاسکے)

کیا امیر معاویہ حضرت علیؓ کے اس خطبہ کے مندرجات کے صحیح مصداق نہیں تھے؟ اس کا جواب ہر مسلمان کو پوری دیانتداری کے ساتھ دینا چاہیے۔ ایک عرب عیسائی مورخ جرجی زیدان نے اپنی کتاب "تاریخ التمدن الاسلامی" میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور لکھا ہے "ابوسفیان اور اُس کی اولاد نے اسلام اُس وقت قبول کیا جب وہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے۔ معاویہ کی خلافت کے لئے کوشش نری دنیا طلبی کے لئے تھی۔ اموی خلافت خالصتاً دنیاوی حکومت تھی خلیفہ مکر و سیاست سے حکومت کرتا تھا اور لوگوں کو دہشت سے اپنا ہمنوا بناتا تھا اور روپیہ صرف کر کے اپنی حکومت مضبوط کرتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بانی امیر معاویہ کا مقصد خلافت سے آخرت کی کامیابی نہ تھا

[1] [illegible] سنت از بدر عالم میرٹھی۔ نا ہید عن ذم معاویہ العبدالعزیز فرہاروی

امیر معاویہ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے نام ایک
تہائی گستاخانہ مکتوب ارسال کیا تھا جس میں اپنی فوجی
برتری اور سیاسی اہمیت کا بطور خاص تذکرہ کیا تھا۔ اس
کے جواب میں امیر المومنین سیدنا علیؑ نے جو مکتوب تحریر
فرمایا جرجی زیدان کی محولہ بالا عبارت جس کی تصدیق کرتا ہے
آپ نے لکھا تھا کہ

" ومتى كنتم يا معاوية سادة
الرعية وولاة امر الامة بغير
قدم سابق ولا شرف ونعوذ
بالله من لزوم سوابق الشقاء
واحذرك ان تكون متماديا في
عزة الامنية مختلف العلانية
والسريرة وقد دعوت الى الحرب
فدع الناس جانبا واخرج الى
واعف الفريقين من القتال ليعلم
اينا المرين على قلبه والمغطى على
بصره فانا ابو حسن قاتل جدك
وخالك واخيك شدخا يوم بدر
وذلك السيف معي وبذلك القلب
القى عدوى ما استبدلت دينا
ولا استحدثت نبيا واني لعلى منهاج
الذي تركتموه طائعين ودخلتم فيه
مكرهين"

("معاویہ! یہ تم لوگ کب سے رعایا کے حکمران اور اس
امت کے معاملات کے نگراں بن گئے ہو؟ جب کہ نہ
تمہارا نام سابقین کی فہرست میں شامل ہے، نہ تمھیں ہجرت
اور اعانت اسلام کا شرف حاصل ہے، پناہ بخدا دہی پرانی
بدبختی آج بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہے۔ میں تمھیں متنبہ
کرتا ہوں کہ خوش فہمیوں کی جنت میں رہنا چھوڑ دو اور
ظاہر و باطن کے نفاق سے باز آجاؤ اور [illegible]
جنگ کے لیے للکارا ہے اس کی بہتر صورت [illegible]
کہ عامۃ الناس کو ایک طرف کر دو، [illegible]
خود میرے مقابلہ میں آؤ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ [illegible]
کا دل زنگ آلود اور کس کی آنکھوں پہ پردہ پڑا ہے [illegible]
میں وہی ابو الحسن علیؓ ابن ابی طالب ہوں جس نے [illegible]
بدر کے دن تمہارے نانا، ماموں اور بھائی کو [illegible]
کی موت سے ہمکنار کیا تھا، وہی تلوار آج بھی میرے قبضہ
میں ہے اور وہی جرأت مند دل آج بھی میرے پہلو میں [illegible]
جس سے میں دشمنوں سے نپٹتا رہا ہوں۔ میں نے نہ تو اپنا
مذہب تبدیل کیا ہے نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
دامن ہاتھ سے چھوڑا ہے۔ میں آج بھی اس مسلک پر
گامزن ہوں جسے تم نے جب تک تمہارا بس چلا چھوڑے
رکھا اور جب مجبور ہو گئے تو با دل ناخواستہ اسے قبول کر لیا)

اس مکتوب گرامی میں ایسی کون سی بات ہے جو غلط
واقعہ ہو؟ کیا معاویہ اور اُن کے باپ فتح مکہ کے روز مسلمان
نہیں ہوئے؟ کیا ان لوگوں کی زندگیوں کا بیشتر حصہ اسلام
اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں بسر نہیں ہوا؟ کیا فتح مکہ سے
ایک دن پہلے تک ان لوگوں نے اپنی سی کوشش نہیں کی
کہ حضورؐ کو زک پہنچائیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دن کے
اندر ان کی ایسی کایا پلٹ جائے کہ اسلام ان کے دلوں کے
اندر رچ بس گیا؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب ان کے لئے
اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہا تو انہوں نے اسلام کا ڈھونگ
رچا لیا؟

یزید پلید

●●●●●●●●●●●

ہر گز بد گفت خواجہؒ ارا [illegible]

[illegible] ہیں کوئی غیرت مند اور [illegible] کر سکتا کہ اس شخص کا اسلام [illegible] تھا یا اُس کے دل میں خوفِ خدا اور [illegible] تک موجود تھا۔ اگر واقعۂ کربلا [illegible] کہ بعض بدنہاد و بدفطرت اور زود [illegible] اس حادثۂ فاجعہ کو ایک فرضی اور خود تراشیدہ [illegible] کیا ہے تاکہ یزید کے داغ دھبوں کو دُور [illegible] بے داغ انسان ثابت کیا جائے اور چاہتے ہیں [illegible] اسلامیہ عزیمت و جرأت اور ہمت و استقامت [illegible] اس تابناک روایت کو فراموش کر دے۔ جسے حسینؓ ابن علیؓ [illegible] اپنے اور اپنے خاندان کے خون سے تاریخ کے اوراق [illegible] کیا ہے۔ جب بھی یزید کی رُوسیاہی اور اُس کی [illegible] کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اُس کے حکم سے تین [illegible] مدینۃ الرسول ﷺ کی حرمت کو تاراج کیا جاتا رہا [illegible] قتل و غارت گری اور حرماتِ الٰہیہ کی پامالی [illegible] اس کے [illegible] روا رکھی گئی۔ اور لوٹ مار کا وہ بازار [illegible] کیا جس کی توقع کسی غیر مسلم سے بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔

اصحابِ ظواہر کے امام اور پانچویں صدی ہجری کے [illegible] زبردست عالم علامہ ابن حزم اندلسی جن کے بارے [illegible] شیعیت کا گمان تک نہیں کیا جا سکتا بلکہ جنہوں نے [illegible] مشہور کتاب "الملل والنحل" میں شیعہ عقائد کا بڑی [illegible] سے رَد کیا ہے، اور اصحابِ ثلاثہ کی عظمت و تفضیلت [illegible] دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "جمہرۃ النسب" [illegible] ملعون کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"وکان قبیح الآثار فی الاسلام [illegible] المدینۃ وافاضل الناس [illegible] الصحابۃ رضی اللہ [illegible] فی آخر دولتہ

وقتل الحسین رضی اللہ عنہ و
اھل بیتہ فی اول دولتہ وحاصر
ابن الزبیر رضی اللہ عنہ واھل
مکۃ فی المسجد الحرام واستخف
بحرمۃ الکعبۃ والاسلام
فاماتہ اللہ فی تلک الایام"

(اسلام میں وہ بہت بُرے آثار کا حامل شخص گزرا ہے اپنی حکومت کے آخری دَور میں اُس نے مدینہ منورہ کے لوگوں کا قتلِ عام کیا اور بڑے بڑے اہلِ علم و فضل اور بچے کھچے صحابہ کو شہید کروا دیا اور اپنے اقتدار کے ابتدائی ایام میں حضرت حسینؓ اور اُن کے خاندان کے افراد کو شہید کروا دیا۔ اُس نے حرمِ کعبہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ اور دیگر باشندگانِ مکہ کا محاصرہ کیا۔ کعبۃ اللہ کی توہین کا مرتکب ہوا۔ اسلام کی عظمت کو اُس نے بُری طرح پامال کیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے دنیا سے اُٹھا کر اس کے فتنہ سے لوگوں کو نجات دلائی)

اس ملعون انسان کے فسق و فجور اور اس کی کفر طرازیوں پر ہمیشہ سے اُمت کا اجماع چلا آ رہا ہے اور ملتِ اسلامیہ کا اُس کے بارے میں متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ ایک بدکردار اور ظالم و جابر حکمراں تھا تاریخی واقعات سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ اہلِ مدینہ کی جانب سے یزید کے فسق و فجور کی بنا پر جب اُس کی حکومت سے برأت کا اظہار کیا گیا تو یزید نے مسلم بن عقبۃ المری کو ۱۲ ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کا حکم دیا اور اُسے ہدایت کی کہ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد تین دن کے لئے فوج کو کھلی چھٹی دے دینا چنانچہ ان تین دنوں میں عوام کا قتلِ عام کیا گیا اور عورتوں کی عصمتیں بے دریغ لُوٹی گئیں۔ بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر دیواروں سے مارا گیا۔ بوڑھی صحابیات تک سے زنا بالجبر کیا گیا اور ہر وہ ظلم اہلِ مدینہ پر روا رکھا گیا جس کے تصوّر

سے انسانیت لرزہ براندام ہو جاتی ہے[1] معاذ اللہ!

یزید کی خاندانی روایات کا تصور کیجیے اور پھر عرب قوم کی ذہنی اور سیاسی کیفیت کا جائزہ لیجیے تو ایک بات واضح ہو کر آپ کے سامنے آئے گی کہ یزید نے اپنے عہد اقتدار میں جو ظالمانہ اقدامات کئے وہ اُس کے خاندان کا ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جسے یزید نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا یعنی جو کام یزید کے دادا ابوسفیان نہ کر سکے اور جس کی تکمیل کی حسرت لئے معاویہ دنیا سے رخصت ہو گئے اس کام کو ابوسفیان کے فرزند ارجمند نے پورا کیا

عرب کے شتر بانوں میں شتر کینگی کا جذبہ بڑی شدت کے ساتھ کارفرما تھا امتداد وقت اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ سرد نہیں پڑا تھا بلکہ روز افزوں اور سوا تیز ہوتا چلا جاتا تھا۔ معاویہ کی ماں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت ربیعہ نے جنگ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم گرامی قدر سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت کبریٰ کے بعد جس طرح اُن کے جسد اطہر کا مثلہ کیا ان کے اعضاء رئیسہ کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا، اُن کے جگر کو دانتوں سے چبایا اور ان کا خون پی کر اپنے انتقام کی آگ بجھائی وہ اس شتر کینگی کا ایک ادنیٰ مظاہرہ تھا

معاذ اللہ

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر سوچیے کہ ابوسفیان کو اس امر کا کتنا صدمہ تھا کہ بنو اُمیہ کے حریف سیدنا ہاشم کے ایک فرد فرید نے مدینۃ المنورہ جا کر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور اس قوت کے بل بوتے پر مکہ فتح کر لیا اور ابوسفیان کی سرداری حرف غلط کی طرح مٹ گئی، اُس کی رئیسانہ عظمت ملیا میٹ ہو گئی اور بنو اُمیہ کی شان و شوکت حضورؐ کے قدموں کی ٹھوکر کے سامنے ریت کا گھروندا ثابت ہوئی عرب کی بساطِ سیاست و اقتدار پر ابوسفیان نے [illegible] شکست کھائی اُس کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا تھا کہ [illegible] حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے [illegible] کو تہ تیغ نہ کیا جائے بلکہ مدینہ کے باسیوں کا قتل عام کیا جائے، اُن کی بہو بیٹیوں کی عصمت و ناموس کو بے دریغ لوٹا جائے اور آئندہ بنو ہاشم کے کسی فرد کو مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے تمام مواقع ختم کر دیئے جائیں۔

ابوسفیان کے اس ناپاک منصوبہ کو اُس کے پوتے یزید لعین نے عملی جامہ پہنایا اور ثابت کر دیا کہ بنو اُمیہ کا قبول اسلام محض ایک ڈھونگ تھا۔ تاریخ میں یہ واقعہ ملتا ہے اور اسی بناء پر ابوسفیان کا یہ منصوبہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے بلکہ ایک طے شدہ امر ہے کہ جب عثمانؓ بن عفان خلیفہ بنے تو ابوسفیان جو اُس وقت اندھا ہو چکا تھا عثمانؓ کے پاس آیا اور بڑی رازداری سے یہ کہا کہ اب جب کہ اللہ نے تمہیں مسند اقتدار پر متمکن کر دیا ہے تو تم بنی اُمیہ کے قدم اس قدر مضبوط کر دو کہ اگر کوئی شخص انہیں اقتدار سے ہٹانا بھی چاہے تو نہ ہٹا سکے ابوسفیان نے جو مشورہ عثمانؓ بن عفان کو دیا تھا اُس کے الفاظ یہ تھے۔

"اِجْعَلْ بَنِیْ اُمَیَّةَ اَوْتَادُ الْاَرْضِ"

(بنی اُمیہ کو اسلامی مملکت کی حدود میں میخوں کی طرح گاڑ دو)

ابوسفیان کا یہ مشورہ حضرت عثمان کے حلق سے نیچے اُتر کر اُن کے دل میں اس طرح پیوست ہو گیا کہ پھر وہ عمر بھر اس پر کاربند رہے۔ انہوں نے بنی اُمیہ کے ہر شخص کو بغیر اس امتیاز کے کہ کون لائق تھا اور کون نالائق، کون [illegible] اور کون بد، کون اُن کا قریبی عزیز تھا اور کس سے ان کی دور کی رشتہ داری تھی، کون اہل تھا اور کون [illegible]

[1] طبری ج ۴ ص ۲۲۷-۲۳۰، ص ۲۷۹۔ ابن الاثیر ج ۳ ص ۳۱۱ تا ص ۳۱۳ البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص [illegible]

[illegible] بڑے عہدے آنکھیں بند کر کے [illegible]

[illegible] کی گورنری سے سعد ابن ابی وقاص کو ہٹا کر [illegible] اپنے خالزاد بھائی عقبہ ابن ابی معیط کو اُنھوں [illegible] مقرر کیا تو سعد بن ابی وقاص نے حضرت عثمان [illegible] اپنی برطرفی کی شکایت کی۔ اس پر اسلام کے نظام خلافت و شورائیت کے اس مسند نشین نے جو "جواب باصواب" مرحمت فرمایا وہ اُن کے عزائم کا آئینہ دار ہے۔ اُنھوں نے کہا۔ "انما هو ملك يتغداه قوم ويتعشاه آخرون"

(فرماں روائی میں تو یہی کچھ ہوتا آیا ہے کہ بادشاہت صبح کو کسی کے قبضہ میں تھی اور شام کو کوئی اور اُس پر قابض ہو گیا)

اس پر سعد بن وقاص کا مُنھ کھلا کا کھلا رہ گیا آخر کہا تو یہ کہا: "أرأيتم جعلتموها ملكا" (اچھا تو تم نے اسے بادشاہت کی شکل دے دی ہے؟) (طبری اس سعد یاد رہے کہ سعد بن ابی وقاص "عشرہ مبشرہ" میں سے تھے اور اُن کی جگہ جسے گورنر بنایا گیا وہ ایک فاسق و فاجر اور بدکردار شخص تھا اس کے بارے میں مرقوم ہے کہ وہ شراب کے نشہ میں بے وضو امامت کراتا تھا اور کسی کو مجال دم زدن نہ تھی کہ امیر المومنین کے اس عامل راہ کا محاسبہ کر سکے۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

ooooooooo

[illegible] کربلا میں حضرت امام حسینؓ نے عزیمت و جرأت [illegible] استقامت اور ایثار و قربانی کا جو شاندار اور عبرتناک [illegible] تاریخ میں حق و صداقت کا ایک درخشاں باب ہے اور ایک ایسی ایمان افروز اور روح پرور داستانِ عبرت و موعظت ہے جس سے حق گوئی، بے باکی، جانفروشی، پامردی اور بے نفسی کی روایات ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں گی، اگر یہ واقعہ سرے سے وجود میں نہ آیا ہوتا اور اس کی حیثیت محض ایک لوک کہانی کی سی ہوتی جب بھی یہ دردناک واقعہ اس امر کا حق دار تھا کہ سال میں چند ایک مخصوص ایام اس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے وقف کر دیئے جائیں کہ یہ کہانی ایک ایسے شخص کی عظمت کا پتہ دیتی ہے جس نے اپنا گھر بار، اپنی عزت و آبرو، اپنا خاندان، اپنے اہل و عیال، اپنے خویش و اقارب، اپنی جان و مال غرضیکہ اپنا سب کچھ حق و صداقت کے لئے عزت نفس اور پاسِ ناموس کے لئے اور اسلام کے قانونِ عدل کے تحفظ کی خاطر قربان کر دیا۔ حق و صداقت کی سربلندی کے لئے کسی مظلوم کے حلق سے نکلی ہوئی ایک چیخ کسی ہزاروں ہزار برس کی عبادت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت سیدنا حسینؓ ابن علیؓ نے یزید کے مقابلہ میں جو موقف اختیار فرمایا وہ اسلام کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اسلام رخصت و عزیمت کے دوراہے پر اپنے حلقہ بگوشوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ رخصت کے آسان راستے کو چھوڑ کر عزیمت اور صبر و استقامت کی کٹھن و دشوار گزار راہ کے جادہ پیما ہوں گے، اسلام مداہنت اور مصلحت کوشی کا قائل نہیں ہے۔ وہ حق و باطل کی کشمکش میں اپنے ہر پیروکار سے علانیہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حق کا ساتھی ہے اور باطل کو ٹھکرا دے اس کے یہاں جاں سپردگی و جاں طلبی کی واضح ہدایات تو ملتی ہیں مگر وہ مصلحت کیشی کو گناہِ عظیم گردانتا ہے۔ حق سے غیر مشروط وفاداری اور باطل سے بیزاری کا یہی وہ سبق ہے جو حضرت امام حسینؓ کی زندگی اور اُن کی شہادتِ عظمیٰ کے واقعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ تاریخ بہت پہلے اپنا فیصلہ صادر کر چکی ہے کہ حسینؓ شہیدِ حق و صداقت ہے۔

مظلوم دست کربلا ہے، قتیلِ ظلم و جور ہے اور ان کا حریف یزید فاسق و فاجر تھا، بدکردار تھا، ظالم تھا اور اس لئے خدا کی دائمی لعنت کا مستحق ہے۔

ہر دور میں ملعون شقاوت ہے شمر کی
ہر عہد میں مسعود ہے قربانیٔ شبیرؓ

جو لوگ آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد تاریخ کے اس اٹل فیصلے کو بدلنے کے لئے اٹھے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کی یہ کوشش رائیگاں جائے گی۔

شاعرِ مشرق عظیم اسلامی مفکر اور مملکتِ عزیز پاکستان کے تصور کے خالق علامہ اقبالؒ نے "شہادتِ حسینؓ" کے فلسفہ اور ہماری تاریخِ ملی پر اُس کے دور رس اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اگر نا قدینِ حسینؓ صرف اُس کا مطالعہ کر لیں تو اُن کے لئے اس میں بصیرت کا کافی کچھ درس موجود ہے۔ اقبالؒ کہتا ہے اور خوب کہتا ہے:۔

ہر کہ پیماں با ھو الموجود بست
گردنش از بندِ ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما، ممکن است
عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگاں باز میدانِ عمل
عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است
عشق را آرام جاں حُریت است
ناقہ اش را ساربان حُریت است
آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آں امامِ عاشقاں، پورِ بتولؓ
سرو آزادے ز بستانِ رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر
بہرِ آں شہزادۂ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلینؐ نعم الجمل
سُرخرو عشقِ غیور از خونِ اُو
شوخیٔ ایں مصرعہ از مضمونِ او
در میانِ اُمت، آں کیواں جناب
ہمچو حرف "قل ھو اللہ" در کتاب
موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیریؓ است
باطل، آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حرّیت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ[1] گردیدہ است

---

[1] "بنائے لا الہ" سے اشارہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی اس رباعی کی جانب ہے کہ

شاہ است حسینؓ و بادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں سامان سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد
دوستان او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہر عزتِ دین است و بس
مقصد او حفظِ آئیں است و بس
ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد
تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگِ اربابِ باطل خوں کشید
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

○○○ ○○○

اسلام کا نظامِ حکومت

اسلام کے نظامِ سیاست میں فرمانروائی کا حق اللہ اور اُس کے رسولؐ کو حاصل ہے۔ اس کے بعد یہ حق پیغمبر کی اولاد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اولادِ نرینہ کی عدم موجودگی میں پیغمبر کا قریب ترین عزیز اس منصب سے سرفراز کیا جاتا رہا ہے بشرطیکہ وہ پیغمبر کی تعلیمات پر صدقِ دل سے یقین رکھتا ہو اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو۔ قرآن مقدس میں عترتِ انبیاء کا ذکر بیسیوں جگہ آیا ہے اور بے شمار آیات اس امر پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ منصبِ نبوت و امامت کی وراثت ہمیشہ اہلبیت نبوت میں مرتکز رہی ہے۔ نبوت و رسالت کی تاریخ بتاتی ہے کہ منصبِ رسالت نسلاً بعد نسلٍ ایک ہی خانوادۂ رشد و ہدایت میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ آدمؑ سے لے کر نوحؑ تک اور نوحؑ سے لے کر ابراہیمؑ تک کے واقعات پردۂ اخفا میں ہیں تاہم اس امرِ واقعہ سے انکار ممکن نہیں ہے کہ نبوت و امامت ایک ہی خاندان میں جاری و ساری رہی۔ قرآن مقدس کہتا ہے۔

"ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا و
آلِ ابراھیم و آلِ عمران علی العالمین
ذریۃ بعضہا من بعض"

(بلاشبہ اللہ نے آدمؑ کو، نوحؑ کو، ابراہیمؑ کے خاندان کو اور عمرانؑ کی اولاد کو تمام کائنات میں برگزیدہ فرمایا۔ یہ چاروں گھرانے ایک ہی سلسلۂ نسب کی مختلف شاخیں ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت تاریخ کی روشنی میں ہوئی۔ جن دنوں ان کے ہاں اولادِ نرینہ نہیں

تھی ان کے حوابرزادہ حضرت لوط علیہ السلام کو منصب نبوت عطا کیا گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دو بیٹے عطا فرمائے تو نبوت کی مسند پر دونوں بیٹوں کو فائز کیا گیا۔ ایک عہد خداوندی تھا جو ابراہیمؑ کی گرانقدر خدمات کے صلہ میں اُن کے ساتھ طے پایا تھا۔

"واذابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما۔ قال ومن ذریتی قال لاینال عھدی الظالمین" [1]

(یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابراہیمؑ کی اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمائش کی' وہ ہر امتحان سے کامیاب گزرے تب اُن کے پروردگار نے فرمایا " میں تجھے نسل انسانی کی امامت عطا کر رہا ہوں" ابراہیمؑ نے عرض کی۔ "کیا میری اولاد بھی اس اعزاز سے نوازی جائے گی ؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہاں! مگر ناانصاف لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ اس عہد کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند اسمٰعیلؑ کو بھی نبوت عطا ہوئی اور اسحٰقؑ کو بھی، پھر اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ اور یعقوبؑ کے فرزند یوسفؑ کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا گیا۔

فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکاً عظیماً [3]

تو ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان کو نبوت اور کتاب عطا فرمائی اور انھیں ایک عظیم الشان مملکت کی حکمرانی سے نوازا۔

حضرت یعقوبؑ جن کا دوسرا نام اسرائیل بھی ہے اُن کی اولاد میں سلسلہ وار انبیاء مبعوث ہوئے۔ اس موضوع پر سب سے جامع آیت جس میں تقریباً تمام مشاہیر انبیاء کا ذکر آگیا ہے کہ تمام پیغمبر ایک ہی خانوادہ ارشاد و ہدایت کے چشم و چراغ تھے۔ سورۂ انعام کی اس آیت میں ... کے نام گنوانے کے بعد فرمایا: "ومن آبائھم وذریاتھم واخوانھم واجتبیناھم وھدیناھم الیٰ صراط مستقیم" [2]

(ان انبیاء اور رسل کے آباؤاجداد' اُن کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو بھی ہم نے نبوت سے سرفراز کیا انھیں برگزیدگی کا شرف بخشا اور انھیں جادۂ مستقیم پہ گامزن کیا) ایک دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا۔ "اولٰئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین من ذریۃ آدم وممن حملنا مع نوح ومن ذریۃ ابراھیم واسرائیل وممن ھدینا واجتبینا" [4]

(یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے نبوت کے انعام سے بہرہ ور فرمایا۔ ان میں آدمؑ کی نسل کے لوگ اور نوحؑ کے ساتھی اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی اولاد شامل ہے ہم نے انھیں ہدایت دی اور انھیں برگزیدگی کا شرف بخشا) (سورۂ مریم پ۱۶)

حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں اولاد نرینہ نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے اُن کے داماد موسیٰ علیہ السلام کو خلعت نبوی سے سرفراز فرمایا۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارونؑ کے لئے بارگاہِ خداوندی میں استدعا کی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو شرف قبولیت عطا کیا گیا:۔

"واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیراً ونذکرک کثیراً انک کنت بنا بصیراً قال قد اوتیت سؤلک ...

---

[1] سورۂ آلِ عمران [2] سورۂ بقرہ پ۱ [3] سورۂ انعام پ۷ [4] سورۂ مریم پ۱۶

[illegible]! میرے خاندان میں سے میرے بھائی [illegible] کو مددگار اور معاون بنا تاکہ ہم دونوں مل [illegible] وقدوسیت کے ترانے گائیں اور تیری یاد [illegible] سے دلوں کو منور کریں۔ بے شک تو ہمارا نگراں ہے [illegible] قدوس نے فرمایا۔ اے موسیٰ! تمہاری درخواست [illegible] قبولیت سے نوازا گیا (سورۂ طٰہٰ ۱۶) حضرت [illegible] علیہ السلام کو نبوت وسلطنت بخشی گئی داؤد علیہ السلام کے بعد اُن کے وارث اُن کے فرزند گرامی حضرت [illegible] ہوئے:۔

"ولقد آتینا داؤد وسلیمان
علما وقال الحمد لله الذی
فضلنا علی کثیر من عبادہ المؤمنین
وورث سلیمان داؤد"

(بلاشبہ ہم نے داؤد اور سلیمانؑ کو علم کی دولت عطا فرمائی اور داؤد نے تحدیث نعمت کے طور پر کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر برتری عطا فرمائی پھر سلیمانؑ وارث ہوئے داؤدؑ کے)۔ (سورۂ سبا ۱۹)

حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں ایک وارث کی تمنا کی اور خدائے قدوس نے اُن کی اس تمنا کو پورا فرمادیا۔

"کھٰیٰعٓصٓ، ذکر رحمت ربک
عبدہ زکریا اذ نادی ربہ ندا
خفیا قال رب انی وھن العظم
منی واشتعل الراس شیبا ولم
اکن بدعائک رب شقیا وانی
خفت الموالی من ورائی وکانت
امرأتی عاقرا فھب لی من لدنک
ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب
واجعلہ رب رضیا یا زکریا انا
نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم
نجعل لہ من قبل سمیا"[1]

(یہ تذکرہ ہے اُس رحمت وعنایت کا جو تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔ جب اُس نے اپنے رب سے مناجات کی اور عرض کیا کہ بارالٰہا! میری ہڈیوں کا زور گھٹ گیا ہے اور میرے سر کے بال بڑھاپے کے سبب سفید ہو گئے ہیں تاہم میں تجھے پکارنے کے بعد بدنصیب نہیں رہ سکتا۔ مجھے اپنے بعد اپنے عزیز واقارب سے اندیشہ ہے اور میری بیوی بھی ناکارہ ہو چکی ہے، اس لئے اپنے خصوصی لطف وکرم سے مجھے ایک وارث عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کی عظمت کا امین ہو، اور تیرا مقبول بارگاہ ہو، حق تعالیٰ نے فرمایا اے زکریاؑ! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰؑ ہوگا اس سے پہلے اس نام کا کوئی بچہ نہیں گزرا۔)

مذکورۃ الصدر آیات میں ذریّتہ، آل، اہل آبا اور اخوان کے الفاظ جا بجا استعمال ہوئے ہیں قرآن مقدس میں ایسی کئی اور آیات بھی ہیں جن میں یہی مضمون انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ذریت کے لغوی معنی اولاد ہیں جب کہ آبا سے مراد باپ دادا ہیں آل اور اہل کا اطلاق، خاندان اور برادری پر ہوتا ہے اور اخوان سے بھائی بند مراد ہیں۔

---

[1] سورۂ مریم ۱۶

ان آیات کی رُو سے پیغمبر کی رُوحانی وراثت کا امین، اُسی کے اہل بیت میں سے کسی مستحق فرد کو ہونا چاہیئے، یہ قانون الٰہی اور سُنّت اللہ ہے لیکن حالات کی یہ عجیب انقلاب رُونما ہوئی کہ جب خدا کے آخری پیغمبرؐ کی وراثت کا سوال زیر بحث ہوا تو یہ عجیب و غریب اُصول وضع کر لیا گیا کہ نبوّت، وراثت کی متحمل نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ کی روایت نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث" (ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث بناتے ہیں) یہ اگر اجماعِ اُمّت بھی ہو جائے جب بھی ایک مسلمان کے اعتقاد کے بموجب اُمّت کا اجماع کسی قرآنی آیت کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ نہ حدیث میں یہ طاقت ہے کہ وہ قرآن کی کسی آیت کو معطل کر سکے قرآن مقدس ایسی آیات کے مفہوم کی وضاحت کے لئے نہ کسی ابوبکرؓ کا محتاج ہے نہ کسی عمرؓ کا، قرآن کی وہ کون سی آیت ہے جس کی رُو سے وراثت کے حق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوی القربیٰ اور اہل بیتِ نبوت کے لئے منسوخ کیا گیا ہے۔

یہاں بعض جاہل لوگوں کے اس اعتراض کا جواب (دینا) ضروری ہے کہ پیغمبر کا وارث پیغمبر تو ہو سکتا ہے لیکن جہاں کوئی پیغمبر موجود نہ ہو وہاں پیغمبر کی جانشینی کا مسئلہ اُمّت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جسے چاہے نامزد یا منتخب کرے۔ دراصل یہ بات ایک بے بنیاد حجّت بازی کے سوا کچھ نہیں۔ نبوّت بلاشبہ ختم ہو چکی ہے لیکن سلسلۂ امامت ختم نہیں ہوا اور جب تک دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت موجود ہے امامت کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ نبوت و امامت میں فرقِ مراتب ضرور ہے لیکن حقوق و فرائض میں چنداں فرق نہیں ہے۔ دونوں کا مدعا ایک ہے۔ ہر پیغمبر نبوّت اور امامت دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ نبوّت کی طرح، امامت کا سرچشمہ بھی مشیت الٰہی اور [illegible] ہے، نبوّت اکتسابی شے نہیں ہے اسی طرح امامت کا منصب بھی اکتسابی نہیں، وہی ہے قرآن میں کئی جگہ امامت کا تذکرہ ملتا ہے اور ہر جگہ [illegible] نے یہی تأثر دیا ہے کہ کسی کو امام بنانا یا نہ بنانا خدا کی مرضی اور صوابدید پر منحصر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہوا۔ "انی جاعلک للناس اماما" (میں تجھے نسلِ انسانی کا امام بنانے والا ہوں) [illegible] جگہ ارشاد ہوا: وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا صبروا" (ہم نے اُنھیں راہِ حق میں اُن کے صبر و استقامت کے صلے میں منصبِ امامت پر سرفراز کیا کہ لوگوں کو راہ راست کی طرف لائیں) ان آیات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ نبوّت کی طرح امامت کا منصب بھی کسی شخص کو خدا ہی کی جانب سے تفویض ہوتا ہے۔ اس پر لفظ "جعلنا" اور "جاعل" دلالت کرتے ہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا "الله اعلم حيث يجعل رسالة" (اللہ بہتر جانتا ہے جسے وہ اپنی رسالت کے لئے منتخب فرماتا ہے)۔

ایک غلط پروپیگنڈا

یہاں اس پروپیگنڈے کی تردید بھی ضروری ہے کہ "اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے اور جمہور کی [illegible] کے مطابق ابوبکر صدیقؓ کی خلافت برحق [illegible] اُنھیں جمہور نے بیعتِ عام کے ذریعے منتخب [illegible] آج کل مستشرقین اور مغرب زدہ حضرات [illegible] مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے کہ [illegible] حکومت کا داعی اور نقیب ہے [illegible]

[illegible] اسلام پایا کر لوگوں میں عام طور پر یہ غلط فہمی [illegible] کہ اسلام کا نظریۂ حکومت موجودہ دور کی مروجہ جمہوریت کے سر مطابق ہے حالانکہ یہ دعویٰ سفید جھوٹ [illegible] غلامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر جمہوریت سے انسانی حقوق کا تحفظ، رعایا کی نگہداشت اور سب کے ساتھ یکساں انصاف ہے تو بلا شبہ اسلام دنیا میں اس کا علمبردار ہے اور رعایا کے حقوق کی پاسداری کو فریضۂ دینی قرار دیتا ہے لیکن جمہوریت کی مروجہ قدروں کو حق میں اکثریت کو فیصلہ کن حیثیت دی گئی ہے۔ اسلام ہرگز تسلیم نہیں کرتا

"لا یستوی الخبیث والطیب
ولو اعجبک کثرۃ الخبیث"[1]
(پاک اور ناپاک کبھی برابر نہیں ہو سکتے
خواہ ناپاک لوگوں کی کثرت کتنی ہی حیران
کن حد تک کیوں نہ بڑھ جائے)

قرآن مقدس صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے۔ انسانوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کا شکار رہی ہے
"وقلیل من عبادی الشکور"[2] (میرے بہت ہی کم بندے ہیں جو شکر گزار ہیں) ولکن اکثر الناس لا یعقلون (لوگوں کی اکثریت عقل سے بے بہرہ ہوتی ہے) ایک اور جگہ فرماتا ہے "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین" (سورۂ بقرہ پ۲) بہت سی کم تعداد والی جماعتیں اکثریت والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں۔ اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ اسلام اقلیت اور اکثریت کی بحث میں نہیں پڑتا۔ اس کے یہاں فیصلہ کا معیار حق ہے۔ وہ جمہوریت

کی اس نوع کا جس میں بقول اقبال

"جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"[3]

ہرگز روادار نہیں۔ اسلام ہر شخص کو اور ہر جماعت کو حق و انصاف کی ترازو میں تولتا ہے۔ اسلام کا نظام حکومت جمہوریت حق کی اساس پر قائم ہے اور حق وہ ہے جو خدا اور رسولؐ کی رضا کے عین مطابق ہو۔ باطل خواہ اپنے ساتھ کیسی ہی عددی اکثریت کیوں نہ رکھتا ہو بہر حال باطل رہے گا اور حق بہر طور حق ہے خواہ اس کے علمبردار معدودے چند ہی کیوں نہ ہوں! اور یہ جو کہا جا رہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر امت کا اجماع ہوا تھا اور اجماع کا انکار کفر ہے تو یہ بھی ایک مذہبی اور تاریخی فریب کے سوا کچھ نہیں تمام کتب تاریخ اس امر کی شاہد ہیں کہ انصار تحقیقت [illegible] ابوبکرؓ کے حق میں نہیں تھے انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیں جبر و اکراہ کو اجماع کا نام نہیں دیا جا سکتا اور اگر یہ کہ امت کا اجماع اگر کسی [illegible] پر ہو جائے جو احکام قرآنی کے سراسر خلاف ہو [illegible] تو [illegible] اسلام میں اجماع سے مراد مسلمانوں کی اکثریت کا کسی امر پر متفق ہو جانا نہیں ہے بلکہ اجماع کا مفہوم [illegible] ہے کہ اہل الرائے [illegible] اور ارباب علم و فضل [illegible] متفق ہو جائیں لیکن [illegible] نہیں بھی اور [illegible] اجماع [illegible] کا نام دیا جا سکتا ہے لیکن جہاں قرآن و سنت کی تصریحات موجود ہوں وہاں اجماع خواہ پوری امت کا ہو یا کسی قبیلہ کا اس سے قرآن و حدیث کے اصول کو رد نہیں کیا جا سکتا
(نور الانوار، حسامی، توضیح تلویح)

---

[1] سورۂ مائدہ پ۷ [2] سورۂ بقرہ [3] گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو؛ کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید
اقبالؔ

سقیفہ بنی ساعدہ میں مہاجرین کے ایک گروہ
نے خلافت کے لئے جو بھاگ دوڑ کی۔ قرآن مقدس کی ان
آیات کے بعد جو ہم نے وراثتِ انبیاؑ کے قانون کے بارے
میں پیش کی ہیں۔ اس کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔
انصار مدینہ جب اپنے لئے سعد بن عبادہ کی سرکردگی
میں خلافت کا مطالبہ کر رہے تھے تو انھیں حضورؐ کی
اس حدیث سے چُپ کرایا گیا کہ "الائمۃ من
قریش" (حکمران قبیلۂ قریش میں سے ہوں گے)
جو لوگ اسلام کو جمہوریت کی مروجہ طرز کا علمبردار
سمجھتے ہیں انھوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ
جمہوریت کی یہ کون سی قسم ہے، جس میں حکومت کو
خاندان کے لئے مختص کر دیا جائے۔ بہرحال انصار نے
یہ حدیث سُنی تو فوراً ایک سچے مسلمان کی طرح اپنے
حق سے دستبردار ہو گئے۔ لیکن اس حدیث کا ردِ عمل
ان پر یہ ہوا کہ انھوں نے علیؑ ابن ابی طالب کے لئے
خلافت کا مطالبہ کیا اور اُن کا ردِ عمل بالکل صحیح اور
مبنی بر صداقت تھا (بخاری، مسلم، مسند احمد، طبری)۔
اگر قرابتِ نبویؐ استحقاقِ خلافت کا باعث ہے جیسا
کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے تو علیؑ ابن ابی طالب
سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ خلیفہ بنائے جاتے
اور اگر قرابتِ نبویؐ وجہ امتیاز نہیں ہے تو جمہوری
روایات کا تقاضا تھا کہ خلافت انصار کو ملتی کیونکہ
انصار تعداد میں زیادہ تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی جیسی خدمات انھوں نے سرانجام دی تھیں
اُن کا تقاضا بھی یہی تھا کہ منصبِ خلافت ان کی تحویل
میں جاتا لیکن قریش کے چند مُنہ زور افراد نے نہ حدیث
کو ملحوظ رکھا نہ انصار کے استحقاق کو درخورِ اعتنا سمجھا اور
دھاندلی اور جعلسازی سے ایک ایسا فیصلہ بروئے کار لانے
میں کامیاب ہو گئے جو قوانین الٰہی اور فرامینِ نبوتؐ کے
سراسر خلاف تھا۔ اور اب اس فیصلہ کو [illegible]
دے کر مسلمانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس فیصلہ کو [illegible]
تقدیر اور وحی خداوندی سمجھ کر اس کے آگے سرِ تسلیم خم
کریں ورنہ اُن کا ایمان معرضِ خطر میں پڑ جائے گا۔

پیغمبرؐ کی تمنا

تاریخ کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے اور
خلافت کے باب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی رائے کا پتہ چلایا جائے تو یہ جاننے میں کوئی اُلجھن پیش
نہیں آئے گی کہ حضورؐ کی دلی تمنا اور آپ کی خواہش یہی
تھی کہ آپ کے بعد علی ابن ابی طالب آپ کے جانشین
ہوں بے شمار روایات و احادیث اس دعوے کے ثبوت
میں پیش کی جا سکتی ہیں کہ حضورؐ کو اپنے اہلبیت میں سب
سے زیادہ تعلق خاطر حضرت علی ابن ابی طالب سے تھا۔
حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کے باب میں [illegible] احادیث
اس کثرت سے منقول ہیں کہ اہلِ سُنت کے ایک مقتدر امام
اور اہلِ حدیث کے سب سے بڑے عالم احمد بن حنبل کو
اعتراف کرنا پڑا کہ "ما ورد لاحد من اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل
ما ورد لعلی" [1]

وما ینطق عن الھوی ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ
"اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ [illegible]
تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے" (سورۃ النجم)
وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ
"اور جب تک خدا کو منظور نہ ہو تم [illegible]
نہیں سکتے" (سورۃ [illegible])

۱۔ مستدرک حاکم

[illegible] جتنا مواد علیؓ ابن ابی طالب [illegible] دوسرے صحابی کے لیے نہیں [illegible] امام نسائی فرماتے ہیں۔ "لم یرد فی [illegible] الصحابۃ بالاسانید الجیاد [illegible] ما جاء فی حق علی کرم اللہ وجہہ" [illegible] میں کسی صحابی کے بارے میں اس قدر مستند مواد نہیں ملتا۔ جتنا علیؓ ابن ابی طالبؓ کے فضائل کے باب میں موجود ہے) اس ضمن میں ایک حدیث ایسی بھی ہے جسے خبر متواتر کا درجہ حاصل ہے اور کم و بیش دس صحابہ نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد، طبرانی، حاکم، بغوی، ضیا، ابن ابی عاصم اور ابن ابی شیبہ نے مختلف اسناد کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "علی منی وانا من علی" (علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں) مسلم نے عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے اور اس کی تائید مختلف طرق سے دیگر محدثین نے کی ہے کہ "خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ ثم جاء الحسین فدخل معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلها ثم جاء علی فادخلہ ثم قال "انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا" (حضور نبی اکرم [illegible] وآلہ وسلم صبح کے وقت باہر تشریف لائے [illegible] کالا دھاری دار کمبل اوڑھا ہوا تھا آئے [illegible] آئے پھر حسینؓ آئے پھر فاطمہؓ تشریف [illegible] ابن ابی طالب حاضر ہوئے۔ آپ نے ان [illegible] کیا اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی [illegible] لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔[۱]

(اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت نبوت! وہ تمہیں ہر قسم کی آلائشوں سے پاک رکھے اور تمہیں پاکیزہ و پاکباز رکھے)"

حضرت ابوبکرؓ راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں حضورؐ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ خیمے میں اُس وقت علیؓ ابن ابی طالب، فاطمۃ الزہراؓ اور اُن کے دونوں بچے حسنؓ اور حسینؓ موجود تھے حضورؐ نے یکایک ارشاد فرمایا۔ "جو لوگ اہل خیمہ کے دوست ہیں میں بھی اُن کا دوست ہوں اور جو ان کے دشمن ہیں میری طرف سے اُن کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ نیک بخت اور باعظمت لوگ اُن سے پیار کریں گے اور بد بخت و فرومایہ لوگ ان سے بغض رکھیں گے۔"

(عبقریۃ الامام)

ایک مشہور روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ سے کسی نے پوچھا۔ "حضورؐ کی محبوب شخصیت کون تھی؟ فرمایا فاطمہؓ" اس نے دریافت کیا "مردوں میں کون سب سے زیادہ محبوب تھا؟ فرمایا فاطمہؓ کے شوہر علی ابن ابی طالب" اور وہ ایک صائم الدھر اور قائم اللیل شخص تھے۔ (ترمذی کتاب المناقب، فضل فاطمہ)

یہ روایت تاریخی ہے کہ علیؓ ابن ابی طالبؓ حضورؐ کی محبوب شخصیت تھے بلکہ محبوب ترین فرد آپ ہی تھے اور ایک معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں حضورؐ کے جذبات

---

[۱] سورۂ احزاب پ۲۲ آیت ۳۳۔ ترجمہ: اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت (نبوت) وہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں بھی پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔

وہ احساسات کا کیا عالم ہوگا۔ جو حضورؐ کا ابنِ عم، آپ کا پروردہ اور بچپن ہی سے آپ کا خدمت گزار اور دلدادہ تھا جس کی حیثیت آپ کی نگاہ میں حقیقی اولاد سے کسی طرح بھی کم نہ تھی۔ جو آپؐ کی چہیتی اور اکلوتی بیٹی کا شوہر تھا۔ شبِ ہجرت آپ کے بستر پر اس اندیشہ کے باوجود سویا کہ مشرکین کہیں اُسے محمدؐ کے بدلے موت کی گھاٹ اُتار سکتے تھے۔ جو ہر معرکہ جنگ میں آپ کا سپر جوشن اور مدد گار سپاہی ثابت ہوا تھا۔ جو آپ کا ہونہار شاگرد اور علومِ نبوّت کا سچا طالب تھا۔ اور جس کے باپ حضرت ابوطالبؓ نے آپ کی نہ صرف پرورش فرمائی تھی بلکہ آپؐ کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھا تھا۔

ان صفات کی حامل شخصیت کے ساتھ حضورؐ کی خصوصی محبت ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے کہ اُس کے لئے عقل و قیاس کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت ہے نہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی حاجت، ان احادیث سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضورؐ کی یہ آرزو تھی کہ لوگ حضرت علیؓ سے محبت کریں، چنانچہ جب کبھی کسی گوشے سے حضرت علیؓ کے خلاف آواز اُٹھتی تھی تو حضورؐ کو سخت ناگوار گزرتا تھا۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک فوجی دستہ علیؓ ابن ابی طالب کی سرکردگی میں مالِ خمس کی وصولی کے لئے غالباً یمن بھیجا۔ جب یہ فوجی دستہ واپس لوٹا تو دستور کے مطابق بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان میں سے چار آدمیوں نے حضورؐ کی خدمت میں حضرت علیؓ کی شکایت کی۔ حضورؐ نے بڑی بے رُخی سے اُن کی بات سُنی۔ حضورؐ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار ظاہر ہوگئے اور تین مرتبہ فرمایا "علیؓ ابن ابی طالبؓ کے بارے میں تم کیا کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ ایک دوسری روایت میں

ہے کہ حضورؐ نے اُن سے فرمایا [illegible] وہ تو محبت کرنے کے قابل [illegible] پر کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ [illegible] میں حضورؐ سے کوئی شکوہ کیا تو حضورؐ نے [illegible] کو بے بنیاد قرار دیا اور فرمایا "[illegible] ابن ابی طالب تو تنہا اللہ کا شکر ہے [illegible] فی ذات اللہ"!

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ سے اظہارِ محبت کے ساتھ ساتھ بعض ایسے اقدامات بھی فرمائے جن سے یہ واضح ہوتا تھا کہ [illegible] بعد علیؓ ابن ابی طالب کی خلافت کے لئے راستہ ہموار فرما رہے ہیں اور بعض مواقع پر آپ نے کھل کر [illegible] کا برملا اظہار بھی فرمایا۔ حضورؐ نے جہاں کہیں [illegible] کی ضرورت محسوس کی وہاں علیؓ ابن ابی طالبؓ کے سپرد یہ ذمہ داری کی۔ ہجرت کی رات ہو یا معرکۂ تبوک [illegible] کا معرکہ ہو یا آیتِ برات کے اعلان کا مرحلہ [illegible] پر حضورؐ کی نمائندگی اور جانشینی کا شرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ سے مدینہ کو واپس لوٹتے ہوئے اپنی وفات سے دو ڈھائی ماہ قبل حضورؐ نے خم غدیر کے مقام پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ کے عظیم الشان اجتماع میں حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ کے بارے میں ایک اہم خطبہ دیا [illegible] صراحۃً اپنی خلافت کا وارث علیؓ [illegible] قرار دیا۔ حضورؐ نے فرمایا

"من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ [illegible] وال من والاہ وعاد من عاداہ"

[illegible]

[illegible]

"... جو علیؓ سے دشمنی رکھے" اور اس طرح
... علیؓ ابن ابی طالبؑ کے ساتھ عہدِ موالات
استوار کرنا ہر اس شخص کے لئے مذہبی فریضہ قرار پایا جو
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لایا
ہو گویا حضورؐ نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی ولایت
کو اپنی ولایت کے لئے شرط لازم قرار دیا اور یوں خلافت
علیؓ پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔

اگر اس صاف اور صریح ارشادِ گرامی کا مفہوم
وہ نہیں ہے جو ظاہرِ حدیث سے واضح ہوتا ہے تو کوئی
صاحب ہی ہمیں یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں کہ اس
تکلیف کی کیا ضرورت تھی اور خطابِ عام کا مقصد کیا
تھا اور کیوں حضورؐ نے اتنے بڑے اجتماع میں بڑے
اہتمام کے ساتھ وہ الفاظ کہے اور کیا کسی اور صحابی کے
لئے حضورؐ نے کسی موقعہ پر اس کی ضرورت محسوس
فرمائی۔ آخر علیؓ ابن ابی طالب ہی کے لئے یہ خصوصیت
کیوں روا رکھی گئی؟

ایک شریف انسان
ایک راستباز سیاستدان

ooooooooo

خلافت سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی محرومی
کے جواز کے بارے میں کچھ لوگ یہ دلیل پیش کیا کرتے
ہیں کہ جب خود حضرت علیؓ نے اس صورتِ حال کے
خلاف لب کشائی نہیں کی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں
اپنے حق کی بازیابی کے لئے کوئی آواز نہیں اٹھائی اور
تغیرِ احوال کے لئے کوئی عملی اقدام نہیں فرمایا تو اب
پرانے گڑے مردے اکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے اور
کیوں نہ ہم ان کے اس فیصلہ کو درست اور برحق
تسلیم کریں جس کو خود صاحبِ معاملہ نے جوں کا توں قبول
کر لیا تھا۔

بظاہر یہ بات بڑی وزنی اور معقول نظر آتی ہے
لیکن یہاں معاملہ کی اس نوعیت سے مطلقاً بحث نہیں
ہے اور سوال یہ نہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت درست
تھی یا نادرست بلکہ اصل مسئلہ اصول کا ہے کہ اصولی
طور پر خلافت پر سب سے پہلا حق کس کا تھا؟ مسلمانوں
کا ایک بہت بڑا گروہ پچھلے چودہ سو برس سے اس
عقیدہ و اصول کا علمبردار رہا ہے کہ خلافت کے اوّلین
حقدار علیؓ ابن ابی طالب تھے اور یہ عقیدہ قرآن و
سنت کی رو سے مبنی برحق ہے لیکن جب اس حق
سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو محروم کر دیا گیا تو
ملکی اور مذہبی مصالح کا تقاضا تھا کہ اس وقت کوئی
ایسی ہنگامہ آرائی نہ کی جائے جس سے ملک میں داخلی
انتشار کو ہوا ملے اور دشمنانِ دین کے ناپاک عزائم کی
تکمیل کی راہ ہموار ہو، مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ، قبائل میں
ارتداد کی وبا، جھوٹے مدعیانِ نبوت کی شر انگیزی،
اس پر مستزاد ایران و روم کے حکمرانوں کی ریشہ کاری
یہ سب خطرات ایسے نہیں تھے کہ کوئی مخلص مسلمان ان
سے قطع نظر کر کے اپنے شخصی اور انفرادی حقوق کی بازیابی
کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس لئے حضرت علیؓ
ابن ابی طالب نے اسلام کے سچے بہی خواہ، اسلامی
ریاست کے مخلص کارکن اور ایک شریف انسان اور
راستباز سیاست داں کی طرح اس سارے قضیئہ نامرضیہ
سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور خاموشی کو ترجیح دی اور
اس طرح انہوں نے اسلام دوستی اور بے نفسی کا اعلیٰ
مظاہرہ فرمایا اور ایسی کوئی بات نہیں ہونے دی جس سے
اسلام کے کاز اور آدرش کو ضعف پہنچے اور مسلمانوں میں
سر پھٹول یا خانہ جنگی کی کیفیت نمودار ہو اور بہتی دنیا

تک مسلمانوں کی جنگ ہنسائی کا سامان ہوتا رہے۔

اور جب اسلام کے ایک دشمن نے جو بظاہر مسلمان ہو چکا تھا۔ ابوبکرؓ کے خلیفہ بننے پر حضرت علیؓ سے آ کر کہا کہ "لما بال هذا الامر فی اقل حی من قریش والله لئن شئت لاملأنها علیه خیلا ورجالا"

یہ کیا غضب ہوا کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلہ میں خلافت چلی گئی۔ بخدا اگر تم چاہو تو میں سواروں اور پیادوں کی فوج لے کر اس پر چڑھ دوڑوں) اس پر حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے یہ کہہ کر اُس کا منہ بند کر دیا۔ "یا ابا سفیان طالما عادیت الاسلام واهله فلم تضره بذلک شیئا انا وجدنا ابابکر لها اهلا"

(ابا سفیان! تم نے ہمیشہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا مگر اس طویل عرصہ کی اسلام دشمنی کے باوجود تم اسلام کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکے۔ مسند خلافت کے لئے ابوبکرؓ ہمارے نزدیک موزوں ہیں) اُن کے اس ارشاد سے ان کی وسعتِ قلب، ان کی عالی ظرفی، اُن کی اسلام دوستی، ان کی مروت و شرافت اور ان کی عظمت کردار نمایاں ہوتی ہے اور ثابت ہو گیا کہ وہ نہ موقعہ پرست تھے، نہ طالع آزما! حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا یہ ارشاد اس امر کا غماز ہے کہ وہ ایسا پُر آشوب دور تھا کہ اس میں ابوبکرؓ کی حکومت کے خلاف کوئی اقدام اسلام کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ البتہ ایک ابوسفیان تھا جسے حالات کی نزاکت کا ہرگز احساس نہیں تھا بلکہ وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی موقعہ ہاتھ لگے تو مسلمانوں کو زک پہنچانے اور اسلام کو کمزور کرنے کی سازش عمل میں لائی جائے اور یہی وہ نکتہ ہے جسے ہم ان اوراق میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خاندان بنی اُمیہ کے لئے اسلام ایک کڑوا گھونٹ تھا جسے چار و ناچار اُسے [illegible] پڑا ورنہ کہاں اسلام اور کہاں ابوسفیان اور [illegible] خاندان! "فشتان ما بینهما [illegible]" اس کے کہ صرف اسی ایک واقعہ سے حضرت علیؓ کی عظمت و شان کا اندازہ کیا جائے اُن کی خاموشی کو اُن کی بزدلی پر محمول کیا جاتا ہے اور اُن کے حریفوں کے معمولی سے معمولی واقعات کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہمارے ان کرم فرماؤں کا دستور بن گیا ہے۔

سچ پوچھئے تو پوری اسلامی تاریخ میں ایثار اور اپنے جائز حق سے دست برداری کی ایسی شریفانہ مثال دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص یہ جانتے ہوئے بھی کہ اُس کی حق تلفی ہو رہی ہے محض اسلام کے وسیع تر مفاد کی خاطر اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہے اور پھر اُن لوگوں کے خلاف جو اس حق کے غاصب تھے نہ انھوں نے کسی سازش میں حصہ لیا، نہ اُن کے خلاف دل میں بغض و حسد کے جذبات رکھے، نہ انھیں اپنے خیر خواہانہ مشوروں سے محروم کیا نہ کوئی ایسا اقدام فرمایا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ انھیں اپنے پیشروں سے عناد و کد ہے۔ علیؓ ابن ابی طالب جیسا بہادر اور شریف النفس انسان فرومایگی کے ہر عمل سے کوسوں دور رہا لیکن مقام کی اس عظمت کو وہ لوگ کیونکر سمجھ سکتے ہیں جن کی نگاہ میں معاویہ بن ابی سفیان ایک پسندیدہ شخصیت ہو کہ جس کی زندگی کا کل [illegible] سازش، جھل، فریب، سیاسی جوڑ توڑ، [illegible] خود غرضی اور مصلحت کیشی رہا ہو، شرافت [illegible] کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان [illegible] سے تہی دامن نہ ہو اور انسانی عظمت [illegible] نگاہ و دل کا پاکیزہ ہونا شرط ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] تو ہے نا پید
[illegible] جو عیب کو ایک ترازو میں تو تے
[illegible] محسوس کرکی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کی
[illegible] ہیں گے۔

[illegible] وہی خوب ہوا نظروں میں
[illegible] غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

یہاں جملۂ معترضہ کے طور پر اس دلچسپ امر واقعہ کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ آج جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وراثت کے منکر ہیں اور اسے سُنّتِ انبیاء کے خلاف سمجھتے ہیں۔ خود اُن کے یہاں ہدایت وارشاد کے تمام مناصب کا سلسلہ صدیوں سے قائم چلا آرہا ہے۔ مدارس عربیہ دینیہ میں یہ طریقہ آج بھی رائج ہے۔ دار العلوم دیوبند کے مہتمم وبانی قاسم نانوتوی تھے۔ ان کے بعد اُن کے بیٹے ابو البرکات محمد احمد صاحب آج کل بانیٔ مدرسہ کے پوتے قاری محمد طیب اس کے کرتا دھرتا ہیں۔ حزب الاحناف لاہور کے بانی مولوی دلدار علی تھے۔ ان کے بعد اُن کے بیٹے ابو البرکات محمد احمد صاحب اس ادارے کے مالک و مختار [illegible] مالک ہیں۔ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولوی خیر محمد صاحب بقید حیات ہیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لڑکے مولوی شریف کو نائب مہتمم بنا دیا ہے۔ مشہور [illegible] کی بنیاد مولوی الیاس کاندھلوی نے [illegible] کے بعد ان کا لڑکا مولوی یوسف ان [illegible] تبلیغی جماعت میں اُن سے [illegible] وارشاد کے سجادہ ہائے [illegible] یہاں تو اس رسم کا چلن بہت پرانا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے جانشین اُن کے فرزند سیف الدین عبد الوہاب ہوئے۔ بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے جانشین اُن کے لڑکے صدر الدین عارف بنے پھر شاہ رکن عالم اس گدّی پر بیٹھے۔ وہ صدر الدین عارف کے فرزند تھے۔ مجدد الفِ ثانیؒ شیخ احمد سرہندی کے جانشین اُن کے لڑکے محمد معصوم ہوئے لاہور کے ایک عالم اور پیر مولوی احمد علی صاحب کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اُنھوں نے مرتے وقت باقاعدہ وصیت کی کہ اُن کے دونوں بیٹوں کو کسی قدر فرقِ مراتب کے ساتھ اُن کی مسند کا متولی بنا دیا جائے حتیٰ کہ مساجد تک دونوں بھائیوں میں بانٹ دی گئیں اُنھوں نے باقاعدہ اخبارات کے ذریعے اس کا اعلان کیا۔ اُن کے لڑکے عبید اللہ انور صاحب جو واجبی سے علم کے آدمی ہیں آج کل جانشین شیخ التفسیر کہلاتے ہیں اگر انبیاء کی سُنّت اس کے برخلاف ہے اور اسی بنا پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا وارث علم وہبیں فرمایا تو یہ حضرات جو خود کو مسند نبوت کا وارث کہتے ہیں اس موقع پر حضورؐ کی سُنّت سے منحرف ہوئے۔

جہاں اپنے خاندان کی روزی اور اُس کے معاش کا سوال ہو وہاں تو سُنّتِ نبوی ایک لفظ بے معنی بن جاتی ہے اور آگے پیچھے حلوے کا شوق بھی صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس کا کھانا سُنّت ہے۔ اسے کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو، اب جا کر یہ عُقدہ وا ہوا کہ امیر معاویہ کے بارے میں یہ لوگ اتنے حسّاس کیوں ہیں۔ جس کی جاری کردہ سُنّت کے طفیل آج تک اُن کی مسندوں اور سجادوں کا بھرم قائم ہے اگر یہ اُس کی تعریف نہیں کریں گے تو اور کس کی کریں گے۔ ورنہ کل کلاں اگر کوئی پلٹ کر ان کا دو پیاز دے سے

پر مجبور ہے کہ آپ اپنے باپ دادا کی گدی پر کس طرح سے
براجمان ہیں تو معاویہ و یزید کے دامن کے سوا اور کون
سی منہ چھپانے کی جگہ ان کو مل سکے گی۔

وزیر باتدبیر

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ مرد میدان تو ضرور
تھے مگر سیاسی عقل و تدبر سے انھیں کچھ زیادہ حصہ
نہیں ملا تھا۔ اس لئے حضورؐ نے اُن کے بجائے ابوبکرؓ
و عمرؓ کو اپنا وزیر بنایا۔ اور چونکہ حضرت علیؓ ایک
دُور اندیش سیاست داں اور قابل مدبر نہیں تھے
بنا بریں حضورؐ کے بعد خلافت اُن کے بجائے ابوبکرؓ
و عمرؓ کے حصہ میں آئی لیکن روایت و درایت کے اعتبار
سے یہ سارا مفروضہ ہی بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ بخاری
و مسلم کی ایک متفق علیہ روایت حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ
سے مروی ہے کہ[1]

"ان رسول الله صلی الله علیه
وسلم خلف علیا رضی الله عنه
فی غزوة تبوك فقال یا رسول
الله اتخلفنی فی النساء والصبیان
اما ترضی ان تکون منی بمنزلة
هارون من موسی الا انه لا
نبی بعدی"

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے معرکۂ تبوک کے موقع پر حضرت علیؓ کو اپنا
نائب مقرر کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے عرض کیا
یا رسول اللہ! آپ مجھے [illegible]
میں چھوڑے جا رہے ہیں! [illegible]
پسند نہیں ہے کہ تم میرے [illegible]
جو موسیٰ کے لئے ہارون تھے [illegible]
یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں [illegible]
قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ہارون اپنے بھائی موسیٰ کے وزیر
مقرر کئے گئے تھے۔

"ولقد آتینا موسی الکتاب وجعلنا
معه اخاه هارون وزیرا" (ہم نے موسیٰ
کو کتاب عطا فرمائی اور اُن کے بھائی ہارون کو اُن کا
وزیر مقرر فرمایا) اس قدر واضح نص قطعی کی موجودگی میں
حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو وزارت کا نا اہل قرار دے کر
اس منصب پر کسی دوسرے صحابی کو لا کر بٹھانا اور سیاسی
تدبیروں سے حضرت علیؓ پر فوقیت دینا ہم کیا بد دیانتی
ہے اور اسے بجز بغض علیؓ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے
سلطنت بنو عباسیہ کے ایک مشہور خلیفہ معتصم باللہ
کے عہد حکومت میں اُس دور کے ایک زبردست عالم
شہاب الدین احمد بن ابی الربیع نے اُمور سلطنت کے
نظم و ضبط کے بارے میں ایک کتاب "سلوک المالک
فی تدبیر الممالک" تالیف کی تھی۔ اس میں وزارت کے
موضوع پر انھوں نے معتصم باللہ کو خطاب کرتے ہوئے
لکھا ہے۔ "اعلم انه لا بد لمن تقلد الملوکة
والملك من وزیر علی نظم الامور [illegible]
حوادث الدهور یکشف له صواب [illegible]
التدبیر الا تری ان نبینا [illegible]
مع ما خصه الله تعالیٰ [illegible]
واقاله من [illegible] بعد القتام [illegible]

---

[1] بخاری کتاب المناقب (مناقب علی)

[illegible] بالملائکة المقربین وهو مع
[illegible] الصواب مؤید بالرشاد اتخذ
[illegible] ابی طالب کرم اللہ وجھہ وزیرا فقال
[illegible] بمنزلة هارون من موسیٰ قال اللہ
[illegible] ولقد اتینا موسیٰ الکتاب وجعلنا
معہ اخاہ هارون وزیرا فلو استغنی احد
ممن ذکرنا عن المواسلة والمعاضدة برایہ
وتدبیرہ لاستغنیٰ نبینا محمدؐ وموسیٰ
صلوٰة اللہ علیہما وسلامہ" (یہ بات ذہن
نشین کر لیجئے کہ ہر ایک ذاتی ملک و خلافت کے لئے
وزیر کا ہونا لابدی ہے تاکہ ملکی نظم و نسق اور حوادث پیش
آیندہ میں اُس کا مددگار ثابت ہو اور حسن تدبیر سے
سیاسی معاملات سے حاکم وقت کو آگاہ کرتا رہے دیکھئے
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی عظمت و
جلالت شان کے باوصف اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے
اُنھیں آیات بیّنہ سے نوازا تھا اور غلبۂ اسلام کے وعدہ
سے اور ملائکہ مقربین کی تائید خصوصی سے سرفراز فرمایا تھا
وہ خود بھی وحی و الہام کی قوتوں سے بہرہ ور تھے، توفیق
الٰہی کی دستگیری اور رُشد و ہدایت کی تائید غیبی بھی اُن
کے شریک حال تھی۔ حضورؐ نے علی ابن ابی طالبؑ
کو اپنا وزیر مقرر کیا اور فرمایا "تم میرے وزیر ہو جیسے
ہارونؑ موسیٰؑ کے وزیر تھے اور قرآن نے بھی اس کا
ذکر کیا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب مرحمت فرمائی اور
اُن کے بھائی ہارونؑ کو اُن کا وزیر مقرر فرمایا۔" ظاہر
ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی رائے اور تدبیر کی بنا پر
[illegible] مستغنی ہوتا تو حضرت محمدؐ اور حضرت
[illegible] سب سے زیادہ اس کے اہل تھے
[illegible] ابن ابی طالب کی سیاسی بے تدبیری کے
[illegible] سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انھوں

نے خلیفہ بنتے ہی معاویہ کو شام کی گورنری سے معزول
کردیا حالانکہ مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ ابن عباس اور زیاد
بن حنظلہ تمیمی نے آپ کو اس سے باز رکھنے کی کوشش
کی تھی۔ آپ نے ان لوگوں کے مشورے کو مسترد کردیا
اور فرمایا "نہیں اللہ کی قسم میں معاویہ کو دو دن کے لیے
بھی گورنری کے منصب پر نہیں رہنے دوں گا" عثمانؓ
بن عفان کے زمانۂ حکومت میں حضرت علیؑ نے بارہا
حضرت عثمانؓ کو یہ مشورہ دیا کہ معاویہ کو اُن کی
بدعنوانیوں کی بنا پر اس منصب سے ہٹا دیا جائے۔ مگر
انھوں نے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ ایسے حالات
میں جب خلافت کی مسند پر حضرت علیؑ ابن ابی طالب
جلوہ فرما ہوئے تو وہ کیوں کر گوارا کر سکتے تھے کہ ایک
غلط اور بدعنوان شخص اُن کی قلمرو خلافت میں ایک
صوبہ کا گورنر سا رہے اور صرف وقتی مصلحت کی بنا پر
بد اُس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے اور اُس کی بدعنوانیوں
کو برداشت کیا جاتا رہے۔ علیؑ ابن ابی طالب جیسے کردار
اور مزاج کے انسان سے بدی سے مفاہمت اور مصلحت
کیشی کی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے۔ اُن کے مدرین تک
بھی اُن پر یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ وہ صداقت سے
عاری اور جھوٹے شخص تھے یا تصنع اور فریب کا اُن میں
شائبہ تک موجود تھا۔ حالانکہ اگر وہ اپنے حریفوں کا
سا وطیرہ اختیار کرتے تو اپنے دور کے کامیاب ترین
حکمران ثابت ہوتے۔ خصوصاً مدنیت لوگوں کے معاملہ
میں منافقانہ طرز عمل انھیں کامرانیوں سے ہمکنار کر سکتا
تھا لیکن اُنھوں نے جھوٹ کا ہتھیار نہ دوستوں پر
آزمایا نہ دشمنوں پر اور کسی حالت میں بھی سچائی سے دستکش
ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ خود اُن کے زمانہ میں اُن کے
اس طرز عمل کی بنا پر لوگوں نے اُن کے بارے میں
یہ کہا کہ وہ سیاست کی ابجد سے بھی ناواقف ہیں اور

انھیں سیاسی [illegible] کرنا نہیں آتا لیکن وہ ان تمام نکتہ چینیوں کے باوجود اپنے مؤقف پر سختی سے قائم رہے اور بال برابر اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ اُن کا مؤقف ایک سچے مسلمان کا سا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے :۔

"ایمان کی علامت یہ ہے کہ سچائی کو اُس موقع پر اختیار کیا جائے، جہاں اُس سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو اور جھوٹ سے ایسے مرحلہ پر گریز کیا جائے جہاں اُس کے ذریعے فائدہ پہنچے کا امکان ہو۔"

اگر یہ چیز غلط کارانِ سیاست کے نقطۂ نگاہ سے سیاسی بے تدبیری اور عدمِ تدبر کے مترادف ہے تو ہمیں تسلیم ہے کہ امام علیؑ ابن ابی طالب ان معنوں میں واقعتاً ایک کامیاب سیاست داں نہیں تھے !

مسئلۂ قصاص

ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ

قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لینے میں تساہل برتنے کا جو الزام حضرت علیؓ ابن ابی طالب پر عائد کیا جاتا ہے وہ بھی ایک سیاسی بہتان ہے۔ ہم نے بعض غیر ذمہ دار اور نام نہاد اہلِ علم سے یہ سنا ہے کہ وہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو "مانعینِ قصاص" کے زمرہ میں شامل کر کے اُن کو "مانعینِ زکواۃ" کی مانند مجرم قرار دیتے ہیں اور اس طرح امیر معاویہ کے خروج و بغاوت کو سندِ جواز بخشتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابوبکرؓ نے "مانعینِ زکواۃ" کے خلاف فوجی اقدامات کیے اور وہ از روئے شرع حق بجانب تھے اور قرآن میں جہاں زکواۃ کے وجوب کا حکم ملتا ہے وہاں قصاص کا وجوب بھی قرآن ہی سے ثابت ہے اس لیے قصاص کے منکر کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے بنا بریں حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ [illegible]

اور امیر معاویہ [illegible] خلاف خروج کر کے ایک [illegible] لوگوں کی رائے حضرت علیؓ [illegible] "مانعینِ زکواۃ" کا ارتداد [illegible] لوگ حضرت علیؓ کو منکرِ قصاص [illegible] اسلام ہی کو مشکوک اور محلِ نظر بنا [illegible]
"قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر" (اُن کی [illegible] کھلا اپنے بغض کا اظہار کرنے لگی ہیں اور جو کچھ [illegible] دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اُس سے کہیں زیادہ [illegible] ہے)۔ عثمان بن عفان کا قتل ایک فرد [illegible] سازش کا نتیجہ نہیں تھا کہ اس کے لئے [illegible] حقیر اقلیت کو چھوڑ کر پوری اُمت کی [illegible] کے سبب یہ حادثہ رونما ہوا۔ ایسی صورت میں [illegible] کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص [illegible] کے مسئلہ میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا موقف [illegible] بالکل درست تھا اور آپ اس معاملہ میں [illegible] بے قصور تھے۔ جن لوگوں نے حضرت علیؓ [illegible] کی بیعت سے انحراف کیا تھا وہی آپ سے [illegible] کرنے میں پیش پیش تھے۔ حالانکہ بیعت کے بعد [illegible] آپ سے اس کا مطالبہ کرتے تو ایک بات [illegible] ان کے رویہ کو کسی حد تک صحیح قرار [illegible] ایسے حالات میں جب کہ ہر شخص قتل [illegible] قبول کرنے کو تیار تھا حضرت علیؓ [illegible] میں پکڑتے ایک مرتبہ آپ [illegible] سزا دینے کا اعلان فرمایا [illegible] [illegible] کی زندگی [illegible]

... کے طور پر اس مطالبہ کو ہوا ... ہتھیار سے حضرت علیؓ کو زیر ... عثمان کے طور پر حضرت عائشہؓ حضرت ... نامزد کرتی تھیں اور رائے عامہ کو اُن ... کرنے میں حضرت عائشہؓ کا بڑا ہاتھ تھا لیکن اب ... خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ لے کر اُٹھ کھڑی ... حضرت علیؓ کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی تو وہ ... سے مدینہ واپس آ رہی تھیں۔ یہ خبر سُن کر اُنھوں نے اپنی ... سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ "اگر آسمان ... ٹ پڑتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس خبر سے ہوا۔ ... مظلوم شہید ہوئے ہیں، میں اُن کا بدلہ ضرور لوں ...۔" ایک شخص نے کہا۔ "ام المومنین آپ خون عثمانؓ ... انتقام لینے کی بات کر رہی ہیں۔ حالانکہ یہ آگ آپ ہی ... بھڑکائی ہوئی ہے۔" فرمایا۔ "اب میری رائے بدل ... ا ہے۔ میں کل تک جو کچھ کہتی رہی ہوں اُس سے میرا ... ع کا موقف زیادہ وزنی اور معقول ہے۔" یہ حال تو ... ئشہ صدیقہ کا تھا۔ غالباً حضرت عائشہ "واقعۂ افک" ... اُس تلخ یاد کو فراموش نہیں کر سکی تھیں کہ جب اُن ... ایک منافق نے تہمت لگائی اور بات پھیل گئی اور ... حضورؐ اُن کے معاملہ میں تذبذب کا شکار ہو گئے کہ ... نھیں اپنے عقد میں رکھیں یا اُن سے قطع تعلق فرمائیں تو ... علیؓ ابن ابی طالب نے حضورؐ کو مشورہ دیا کہ آپ عائشہؓ ... طلاق دے دیں۔

اس کے علاوہ حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے سے حضرت عائشہؓ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ طلحہؓ یا زبیرؓ ... میں سے کسی ایک کو خلیفہ دیکھنا چاہتی تھیں۔ ان دونوں ... شخصیتوں میں حضرت عائشہؓ کی دلچسپی کی بڑی وجہ ... حضرت طلحہ حضرت عائشہؓ کے ہم قبیلہ تھے۔ دونوں ... تیم سے تھا اور حضرت زبیرؓ بن العوام

حضرت عائشہؓ کے بہنوئی یعنی اُن کی بڑی بہن اسماء بنت ابی بکرؓ کے شوہر تھے۔ قتل عثمانؓ کے بعد جب قرعۂ فال ان دونوں میں سے کسی ایک کی بجائے حضرت علیؓ کے نام نکلا تو حضرت عائشہؓ اسے برداشت نہ کر سکیں اور قتل عثمانؓ کے قصاص کی آڑ میں حضرت علیؓ کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔[1]

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں خلافت کے پُرجوش امیدوار تھے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی جگہ یقین تھا کہ عثمانؓ بن عفان کے بعد خلافت ان کے حصے میں آئے گی کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حمایت اُنھیں حاصل تھی لیکن جب حالات کی رفتار نے ان کی آرزوؤں کو ناکام کر دیا تو اب یہ لوگ قتل عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے حالانکہ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں ان دونوں بزرگوں کی روش ان کے خلاف تھی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت عثمانؓ کے تعلقات کی کشیدگی کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے بارہا طلحہؓ کو اس قدر زر و مال دیا جو اُن کی ضروریات سے بہت زیادہ تھا پھر بھی اُن کی رستمی کو دیکھ کر یہ کہا کہ میں نے اُن کے ساتھ یہ سلوک کیا لیکن اب وہی طلحہؓ میری جان کے لاگو ہو رہا ہے خدایا اس کو اس کی دولت سے لطف نہ رکھ اور میرے ساتھ اس نے جو سلوک کیا ہے اسے اس کا بُرا بدلہ دے۔" انھی حضرت طلحہؓ کے بارے میں یہ تک بھی سننے میں آیا کہ جس روز حضرت عثمانؓ شہید ہوئے حضرت طلحہؓ نے باغیوں کو ایک قریبی مکان کا راستہ بتایا تاکہ وہ اس راستہ سے ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو سکیں لیکن

[1] طبری ج ۵ ص ۱۵۳ تا ص ۲۲۵۔ مروج الذہب ج ۲۔ الفخری لابن طباطبا ص ۸۳۔ العقد الفرید ج ۲ ص ۲۲۵

حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد یہی طلحہؓ یکا یک اُن کے خون کے قصاص کے درپے ہو گئے۔[1]

عمرو بن العاص کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ایک طرف حضرت عثمانؓ کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہا لیکن جب حالات نازک صورت اختیار کر گئے تو اُنھیں چھوڑ کر فلسطین چلا گیا۔ وہ کہا کرتا تھا "میں نے ایک ایک چرواہے کے دل میں عثمانؓ بن عفان کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے" لیکن بعد میں یہی عمرو بن العاص خونِ عثمانؓ کا قصاص طلب کرنے والوں میں پیش پیش تھا اور امیر معاویہ کا دست راست بن گیا۔

خود امیر معاویہ کا حال یہ تھا کہ اُنھوں نے بھی خونِ عثمانؓ ہی کی آڑ لے کر حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی لیکن جب حکومت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں آئی تو اُنھوں نے قاتلانِ عثمانؓ سے کوئی فوری تعرض نہیں کیا اور حضرت عثمانؓ کی بیٹی عائشہ نے ان سے اس تساہل پسندی کا شکوہ بھی کیا۔ اس پر امیر معاویہ نے اُنھیں ٹال دیا اور حالات کے روبہ اصلاح ہونے کے بعد قاتلانِ عثمانؓ سے نبٹنے کی اُمید دلائی لیکن حضرت علیؓ سے اُن کا مطالبہ فوری کارروائی کرنے کا تھا جب کہ عوامی شورش کا ہیجان بھی ابھی فرو نہیں ہوا تھا۔

یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ محض حضرت علیؓ کو زچ کرنے اور اُن کی حکومت کو ناکام کرنے کی غرض سے تھا اور ہر فریق اپنی جگہ ایک سیاسی نعرہ کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔ کسی کی نیت صحیح نہیں تھی اور کوئی بھی شخص ان ہنگامی حالات میں نہ تو قاتلانِ عثمانؓ کو اپنی گرفت میں لے کر کیفرِ کردار تک پہنچا سکتا تھا نہ شورش پسندوں کا زور توڑ سکتا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے [illegible] تھے اور جب وہ غلط روش کو اپنا [illegible] معاویہ اور یہی عمرو بن العاص اور اسی [illegible] لوگ اُن کے مددگار بنے ہوئے تھے اور جب وہ [illegible] کو پہنچ گئے تو اب یہی غلط کار مسئلہ اُن کی مظلومیت کے ماتم گسار بن گئے۔

مردِ میدان

• • • • • • • • • •

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی خلافت کی ناکامی کے بہت سے اسباب تھے۔ ایک بڑا سبب اُن کی شجاعت اور اسلامی غزوات میں اُن کی تیغ آزمائی اور اُن کے بہادرانہ کارنامے بھی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ ہمایوں میں کافروں کے خلاف جس قدر معرکے بپا ہوئے اُن میں حضرت علیؓ ایک پُرجوش اور جیالے سپاہی کی طرح شریک رہے۔ جنگ تبوک کے سوا باقی ہر غزوہ و سریہ میں اسلامی افواج کے علمبردار کا منصب جلیل حضرت علیؓ کو دیا جاتا رہا اور اُس زمانے میں یہ منصب سپہ سالارِ افواج کے بعد سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا:

طبقاتِ ابن سعد اور دیگر معتبر کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ "ان علی ابن ابی طالب کان صاحب لواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر فی کل مشهد"۔ جنگ بدر سے [illegible] میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب نبی صلی اللہ علیہ [illegible] کی فوج کے علمبردار رہے تھے [illegible] حضرت [illegible] شگاف نے کتنے ہی کافروں کو موت [illegible]

---

[1] عبقریۃ الامام العباس محمود العقاد

[illegible] ملا کر رکھ دیا مشرکین
[illegible] نہ تھا جس کے دو چار نامور
[illegible] کی شمشیر آبدار کا لقمہ نہ بنے
[illegible] نسلوں تک اس چیز کا اثر محسوس کیا جاتا
[illegible] علی کے معاملہ میں یہی چیز اثر انداز ہوئی اور
[illegible] اسلام قبول کر لینے کے باوجود اُن کے دلوں
[illegible] رنجش اور کدورت زائل نہ ہو سکی۔ خصوصاً بنی اُمیہ
کا نانا عتبہ بن ربیعہ، معاویہ کا ماموں ولید بن عتبہ اور
معاویہ کا بھائی حنظلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر
دونوں جنگ بدر میں آپ کی تلوار کے نخچیر ہوئے جب کہ
عتبہ کو آپ کے چچا حضرت حمزہؓ نے تہ تیغ کیا۔
بنو اُمیہ کے علاوہ دوسرے کئی ایک قبیلوں کے سردار
بھی آپ کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے اور یہ ایسی بات
ہے جسے لوگ بھلانا بھی چاہیں تو بھلا نہیں سکتے۔ حضرت
علیؓ کو اس امر کا احساس تھا کہ قریش کے لوگ اسی بنا پر
اُن کی مخالفت کر رہے ہیں چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے
فرمایا بھی کہ وہ قریش کے لوگ مجھے کیوں کر برداشت
کر سکتے ہیں۔ میں نے انھیں اُس وقت بھی قتل کیا جب
وہ کفر کی حالت میں تھے اور اب جب کہ وہ گمراہی کا شکار
ہو چکے ہیں۔ میری تلوار اُن کا تعاقب کرتی رہے گی۔"

سرمایہ داروں کا گٹھ جوڑ

ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی خلافت کی ناکامی
[illegible] سرمایہ داروں کا آپس کا گٹھ جوڑ بھی تھا اس
[illegible] شامل تھے۔ سرمایہ داروں کا ایک

مخصوص مزاج ہوتا ہے وہ کسی ایسی تبدیلی کو ٹھنڈے پیٹوں
برداشت نہیں کر سکتے جس سے اُن کی دولت و ثروت
پر زد پڑتی ہو جو انھیں اُن کے مال و زر سے دستبردار
ہونے پر مجبور کر دے اور جس سے انھیں عیش و عشرت کی
زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں[1]
مشہور مؤرخ مسعودی کی روایت کے مطابق حضرت
عثمان کے عہد خلافت میں صحابہ کی امارت و ثروت کا یہ عالم
تھا کہ زر و سیم کے ڈھیروں کے ڈھیر اُن کے پاس موجود تھے
اور انھوں نے ایسا ٹھاٹھ جما رکھا تھا کہ شاید بادشاہوں کو
بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ حضرت عثمان جب شہید ہوئے تو اُن
کا ذاتی اثاثہ جو اُن کے خزانچی کی تحویل میں تھا اُس کی
تفصیل یہ تھی
ڈیڑھ لاکھ طلائی دینار، دس لاکھ درہم، ایک لاکھ دینار
کی غیر منقولہ جائداد جو وادیٔ قریٰ، حنین اور دوسرے علاقوں
میں تھی اس کے علاوہ گھوڑوں اور اونٹوں کا تو کچھ شمار
نہ تھا (یاد رہے کہ ایک طلائی دینار مساوی ہوتا تھا پچاس
روپے کے)
زبیر بن العوام کی چھوڑی ہوئی جائداد کا آٹھواں
حصہ (⅛) پچاس ہزار دینار سے زیادہ تھا ایک ہزار عمدہ
نسل کے گھوڑے اور ایک ہزار لونڈیاں اس پر مستزاد
تھیں۔
حضرت طلحہؓ کو عراق کی سرزمین سے غلے کی پیداوار
سے ایک ہزار دینار یومیہ کی آمدنی تھی، وادیٔ سراۃ کی
زمین سے اُن کی آمدنی کا تناسب اس سے بھی زیادہ تھا
عبدالرحمان بن عوف کے اصطبل میں ایک ہزار
گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بھیڑ بکریاں تھیں
اُن کی جائداد کا چوتھا حصہ (¼) چھیالیس ہزار دینار

[1] [illegible] بلاذری ج ۵ ص ۶

ے تک بھگ تھا۔

زید بن ثابت نے سونے اور چاندی کے اتنے بڑے ے ٹکڑے ورثہ میں چھوڑے کہ انھیں پھاوڑوں ہتھوڑوں رکلھاڑوں سے توڑ توڑ کر اُن کے ورثاء میں تقسیم کیا گیا قولہ اور غیر منقولہ جائداد اس کے علاوہ تھی

حضرت زبیرؓ نے مصر، کوفہ، بصرہ اور اسکندریہ ،عالی شان محل تعمیر کرائے۔ حضرت طلحہ کی ایک کوٹھی ہ میں اور ایک مدینۂ منورہ میں تھی۔ سعد بن ابی وقاص عقیق میں اپنے لئے ایک نہایت شاندار، دو منزلہ محل ر کروایا۔ مقداد نے بھی مدینۂ منورہ میں اپنے لئے محل نما مکان بنوایا۔ یعلیٰ ابن منبہ پچاس ہزار دینار کے علاوہ ایک وسیع و عریض زمین کے مالک تھے ، کی قیمت تین لاکھ درہم سے زیادہ تھی (مروج الذہب مودی، طبقات ابن سعد، طبری، ابوحنیفہ دینوری ؒ ایہ داروں کا یہ گروہ علیؓ ابن ابی طالب کے مزاج کی افتاد بخوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ اب اُن کے وہ ٹھاٹھ ر نہیں رہ سکیں گے جو عثمانؓ بن عفان کے زمانہ میں اُنھیں تر تھے اور اب اُنھیں اس مال و دولت کا حساب دینا پڑے گا جس کے انبار اُنھوں نے جمع کر لئے تھے۔ حضرت ؓ ابن ابی طالب کی زندگی کھلی کتاب کی طرح اُن کے سے تھی اور وہ جانتے تھے کہ اگر خلافت پر علیؓ ابن ابی طالب ت ہو گئے تو اس باب میں اُن کا طرزِ عمل کیا ہو گا اس بھی وہ آپؑ کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور پورا

زور اس پر صرف کر رہے تھے کہ [illegible] خلافت ناکام ہو جائے

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی [illegible] سرمایہ داری کے سراسر خلاف تھی [illegible] مال و دولت دنیا کی رغبتیں تو [illegible] در پے ہوئے۔ اُن کے سامنے حضور کی حیات [illegible] حسنہ موجود تھا اس لئے اُنھیں ہمیشہ [illegible] کہ لوگوں نے حضورؐ کی سنت کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور ہر شخص دنیا طلبی کے چکر میں پھنس کر جادۂ حق سے [illegible] ہو چکا ہے۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی زندگی [illegible] اور فقر و استغنا کی زندگی تھی۔ وہ لوگوں میں [illegible] کے مجرا اور خواہاں تھے۔ دنیا کی لذتوں اور [illegible] کی طرف راغبوں سے وہ ہمیشہ کو دور دور رہے [illegible] میں نانِ شعیر پر اُن کا گزران تھا۔ دورِ بنی اُمیہ کے [illegible] خلیفہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اُن کے بارے میں کہا تھا۔

" دنیا سے بے رغبتی میں علیؓ ابن ابی طالب کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ " ([illegible])

ابوسفیان کہا کرتا تھا " علیؓ ابن ابی طالب [illegible] گھر تعمیر کیا " [illegible] جب آپ نے مدینۂ منورہ سے نقلِ مکانی فرمائی تو کوفہ کے قصرِ [illegible] میں اقامت گزیں ہونے سے انکار فرمایا اور ایک [illegible] جھونپڑی کو اپنی رہائش کے لئے منتخب کیا۔ [illegible]

ﮧ یہاں معاویہ بن ابی سفیان کی عیاشانہ زندگی کا ذکر محض اس لئے نہیں کیا گیا کہ خود اہلِ [illegible] رت عمرؓ کے قول کے مطابق "کسرائے عرب" کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ [illegible] سبب بھی یہ ہوا کہ وہ دمشق میں اپنے لئے لاکھوں روپے صرف کر کے " الخضرا " نامی ایک [illegible] اور سارا روپیہ بیت المال سے اُس پر صرف ہو رہا تھا اور یہ واقعہ [illegible] بارہ اس سے قائم کر لیجئے۔

آپ کو اپنی [illegible] کر خوراک اور لباس کا انتظام کرنا پڑا۔ [illegible] کہتے ہیں۔ "میں ایک بار علیؓ ابن ابی طالب کی بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوا اور اُن کے سامنے دودھ کا پیالہ اور روٹی کے چند سوکھے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ دودھ کا ذائقہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ مجھے اُس کا چکھنا بھی گوارا نہ ہوا۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ امیرالمومنینؑ کیا یہ آپ کی خوراک ہے؟ فرمایا اے ابوالجنوب! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے زیادہ خشک روٹی کھاتے تھے اور میرے اس لباس سے زیادہ گاڑھا پہنتے تھے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں حضورؐ کے نقشِ قدم پر نہ چلا تو آخرت میں کہیں اُن کے شرفِ صحبت سے محروم نہ ہو جاؤں۔"

ہارون بن عنترہ کہتے ہیں۔ "ایک مرتبہ میرے والد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اُس وقت کوفہ کے قصرِ نعمان میں تشریف فرما تھے۔ موسم سرما شباب پر تھا اور آپ ایک پُرانی سی چادر اوڑھے سردی سے کانپ رہے تھے۔ میرے والد نے عرض کیا امیرالمومنینؑ! بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے؟ فرمایا۔ "میں بیت المال کی کسی چیز کو چھونے تک کا روادار نہیں ہوں یہ چادر بھی میں مدینۂ منورہ سے ساتھ لے کر چلا تھا"؟

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی بھی زندگی کا اسلوب زہد و قناعت کا اسلوب تھا۔ اپنے لئے جو اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ سوکھے ٹکڑوں کو اپنے گھٹنے پر مار کر توڑتے اور پانی میں بھگو کر تناول فرماتے۔ لباس کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں پر [illegible] لگے ہوئے تھے۔ اسبابِ دنیا میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کا حصہ ایک معمولی فرد سے کمتر تھا۔

[illegible] تاریخِ اسلامی کا وہ پُر آشوب دور تھا جب لوگوں میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کا وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا تھا مال و دولت کا تو وہ ریلا تھا جو ممالکِ مفتوحہ کی سمت سے جزیرہ نمائے عرب کی طرف ان تمام فتنوں کو اپنے جلو میں لئے بڑھا چلا آ رہا تھا جن کی بیخ کنی کے لئے اسلام کی انقلاب انگیز تحریک کا ظہور ہوا تھا۔ تاریخِ اسلامی کا یہ کیسا الم انگیز سانحہ ہے کہ وہی لوگ اب ان فتنوں کا شکار ہو رہے تھے جو کل تک ان کے انسداد کے لئے سرگرمِ کار رہے تھے اور یوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وہ پیشین گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہو رہی تھی جس میں آپ نے مال و دولت کی فتنہ خیزیوں سے محتاط رہنے کی صحابہ کو تلقین فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا "لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتھلکم کما اھلکتھم"

(مجھے تمھارے فقر و فاقہ سے کوئی اندیشہ نہیں ہے البتہ اس بات کا خطرہ ہے کہ دنیا اپنے پُورے ساز و سامان کے ساتھ تم پر اُمڈ پڑے کہ جس طرح کہ تم سے پہلی قوموں کو اُس نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا اور پھر تم بھی اُنھیں کی طرح تباہ و برباد ہو کر رہ جاؤ)

اور یہی ہوا بھی کہ کل تک جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوتے رہے تھے اور برسہا برس تک حضورؐ کی زندگی کا انداز اپنی آنکھوں سے دیکھتے چلے آئے تھے آج وہ بھی متاعِ دنیا کی اس طغیانی کے اندر بہے چلے جا رہے تھے اور اُنھوں نے زہد و قناعت کا لبادہ اُتار کر امارت و ثروت کا جامہ زیبِ تن کر لیا تھا۔ ایسے میں ایک یکہ و تنہا مجاہد اس سیلاب کے راستے میں سد باندھ رہا تھا۔ علیؓ ابن ابی طالب ایک ایسے طوفان کا رُخ موڑنے چلے تھے جو تمام اخلاقی اور

روحانی حدود کو توڑتا اور پھاندتا ہوا پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی یہ ساری تگ و دو ایک کوشش ناکام کے سوا کچھ نہ تھی۔ مگر وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ ناکامی اُن کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ اُنھوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور ہمت کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور زندگی کے آخری لمحوں تک اس طوفانِ بلاخیز کے خلاف ڈٹے رہے۔

مصر کے نامور مؤرخ اور نقاد جناب احمد حسن زیات نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ الادب العربی" میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے عہدِ خلافت میں فتوحات کے باعث دین کی صحیح شکل و صورت باقی نہیں رہی تھی سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کا وہ پہلا سا انداز موجود نہیں تھا عامۃ الناس دین کی اس حقیقت سے انجان اور بے خبر تھے، جو عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے ابتدائی چند سالوں میں واضح تھی اس لئے یہ محض دینی سیاست کے بس سے باہر تھا کہ وہ شام میں معاویہ کے مال و دولت اور عراق میں سرمایہ داروں کی عشرت کوشیوں سے مسحور لوگوں کی بداعتدالیوں کو روک سکتی۔ چنانچہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی سیاست درہم برہم ہو کر رہ گئی اُن کی قبائے خلافت چاک ہو گئی وہ اپنے محرابِ عبادت میں ناحق شہید کر دیئے گئے اور اُن کی حیات و موت، ایک ستائی ہوئی فضیلت اور ایک شہید نفسِ مطمئنہ کی حزنی تاریخ بن گئی۔ پھر اُنھوں نے اپنا پُرجوش اور انقلابی عزم اور اپنا ہمت نارسا اپنے بیٹوں کو میراث میں دیا۔ چنانچہ حضرت حسنؓ کو خفیہ طور پر زہر کے گلاس نے موت کی نیند سلا دیا اور حضرت حسینؓ اس مظلومیت کے عالم میں نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے کہ زمانہ اس سانحہ کی المناکی اور دہشت ناکی سے ہمیشہ لرزہ براندام رہے گا۔"

ملوکیت و خلافت کی کشمکش

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی ناکامی کا ایک سبب ملوکیت و خلافت کی باہمی کشمکش بھی تھی۔ عثمانؓ بن عفان ملوکیت کے لئے فضا ہموار کر چکے تھے۔ اُنھوں نے اپنے طرزِ عمل سے خلافت کی قوت کو بہت حد تک کمزور کر دیا تھا۔ اس لئے اب یہ بات عملاً ممکن نہیں رہی تھی کہ خلافت کا نظام ملوکیت کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکے۔ بنو اُمیہ کے لئے ملوکیت کا تخیل نیا نہیں تھا۔ ابوسفیان نے فتح مکہ کے دن اسلامی فوج کی فتح مندیوں کو دیکھ کر حضورؐ کے چچا اور اپنے بے تکلف دوست عباس بن عبدالمطلب سے کہا۔ "تمہارا بھتیجا تو سچ مچ بادشاہ بن گیا ہے۔" گویا بنی اُمیہ کی نظر میں اسلام کی دعوت محض حصولِ اقتدار کا ایک ذریعہ تھی وہ سمجھتے تھے کہ اُن کے حریف قبیلہ بنو ہاشم نے [illegible] جیت لی ہے۔ اس ہاری ہوئی بازی کو جیتنے کے لئے بنی اُمیہ نے ہر کھیل کھیلا اور ہر حربہ سے کام لیا۔ علیؓ ابن ابی طالب اسلام کی چلتی پھرتی تصویر تھے اور معاویہؓ اپنی خاندانی روایات کا نمونہ تھا۔ علیؓ ابن ابی طالب حالات کے بہاؤ میں بہنے کے لئے تیار نہ تھے اور معاویہؓ بن ابوسفیان موقع پرستی اور [illegible] کو اپنی سیاست کا اصول بنا کر ایک خاص منزل کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے اور وہ منزل تھی [illegible] جس کا سنہرا سپنا ابوسفیان اُن کے [illegible] تھا اور جس کے شرمندۂ تعبیر ہونے [illegible]

...کے خواب سچا ثابت ہوا اور ملوکیت کا دیو استبداد ننگا ہو کر ... حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور عثمان و معاویہ ... صرف ایک خاندانی تنازعہ نہ تھا بلکہ دو نظریے ... کا تصادم تھے۔ ایک طرف بنی امیہ تھے جو ملوکیت کے علم بردار تھے، دوسری طرف امیر المومنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کی مقدس ذات تھی جو اسلام کے عطا کردہ نظریۂ خلافت کی حفاظت میں سرگرم عمل تھی۔

مشرق وسطیٰ کے ایک فاضل مؤرخ رفیق بیک نے اپنی دانشورانہ کتاب "اشہر مشاہیر الاسلام فی الحروب السیاسیہ" میں ملوکیت و خلافت کی اس آویزش کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

"الملك طرفان مطلق ومقيد
تنازعهما علي ومعاويه، فكان علي
آخر الامراء المقيدين ومعاوية
اول الامراء المطلقين ومع ما
عرف من الثاني من الحلم وحسن
السياسة وكف يد الظلم التي
يبطها عادة الرؤساء المطلقون
فان هذا المرغن الاته شيئاً
عن خلافة علي ابن ابي طالب التي
كانت احب الى الامة واسد سبيلا
في مستقبل الامر للخلافة الشرعية
وختم عقد الرعية كان في ملك
واحد تتوحد فيه مشاربهم
السياسية فينقطع دابر
الطامعين في الملك غير ذوي الاهلية
... حول النزع على السلطات
... على الرعية تسكون
الناس امة واحدة تخضع لقانون
واحد، وهيهات للمسلمين ذلك
بعد مكيدة عمرو وهيهات"

(فرماں روائی اور حکمرانی دو نوعیت کی ہوتی ہے "مطلق العنان" بادشاہت اور پاسدار شریعت حکومت، حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان باہمی کشمکش دراصل حکومت کی انہی دو قسموں کا باہمی تصادم تھا۔ علی ابن ابی طالبؓ پاسدار شریعت حکمرانوں میں آخری حکمران تھے اور معاویہ مطلق العنان بادشاہوں میں پہلے بادشاہ، لیکن باوجود ان خوبیوں کے جو معاویہ کے متعلق مشہور کی گئی ہیں مثلاً ان کا تحمل، ان کی سیاسی مہارت اور ان کا ان مظالم سے اجتناب جو مطلق العنان بادشاہوں کا معمول ہیں، با ایں ہمہ ان کی بادشاہت امت اسلامیہ کو امام علیؓ ابن ابی طالب کے خلافت سے مستغنی نہ کر سکی کیونکہ حضرت علیؓ کا طرز حکومت امت کا پسندیدہ طرز حکومت تھا اور ان کی خلافت ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لئے فال نیک تھی جس سے شریعت کے اقتدار اعلیٰ اور قانون الٰہی کی بالادستی قائم رہ سکتی تھی اور رعایا ایک ایسے رشتۂ وحدت میں منسلک ہو کر متحد ہو جاتی کہ اپنوں کی حکومت کا راستہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہو جاتا اور ملک و قوم پر غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے لئے جو ہتھکنڈے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان کی بیخ کنی ہو جاتی اور ملت اسلامیہ ایک

اُمت واحدہ کی اساس ایک ہی قانون
"اسلامی قانون" کی مطیع و منقاد ہوتی
لیکن افسوس اور صد ہزار افسوس کہ عمرو
بن العاص رض کی دسیسہ کاریوں کی بدولت
یہ اُمید بر نہ آسکی اور ملت اسلامیہ کی
عظمت کا خواب ادھورا رہ گیا)

چوتھی لڑائی

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

حضرت علی رض ابن ابی طالب رض کو اپنے عہد خلافت
میں بیک وقت کئی محاذوں پر جنگ لڑنا پڑی۔ ایک طرف
معاویہ اور اُس کی ذریت تھی جو اسلام کے خلاف صف آرا
ہے اور اسلام کے نظام عدل کو شہنشاہیت کے استبداد
میں بدل دینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف طالع آزماؤں
کا ایک ٹولہ تھا جو بظاہر بڑا حساب دار تھا مگر باطن
میں قیمت چکا رہا تھا اور اپنے مفاد کو ہر شے سے مقدم
سمجھتا تھا

تیسری طرف مذہبی جنون پسندوں کا ایک گروہ
لگا ہوا تھا جو یہ چاہتا تھا کہ علی رض ابن ابی
طالب جیسا امام مجتہد اکبر کا مقلد بن جائے۔ ان کی مثال
موجودہ دور کے اُن کٹھ ملاؤں کی سی تھی جو قرآن و سنت
کے مفہوم کو اپنے تنگ نظر تصورات میں محصور رکھنے کے
لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور علم و تحقیق کے لئے ...
کا وجود ہر دور میں فتنہ بنا رہا ہے۔

اوّل الذکر گروہ سے مصالحت کی کوئی صورت اس لئے
ممکن نہیں تھی کہ حضرت علی رض سے اُن کا اختلاف نظریاتی تھا
اور کفر و اسلام کی جنگ کی نوعیت اختیار کر چکا تھا۔ معاویہ
کی خواہش تھی کہ اسلام چونکہ اُن کے خاندان کے زوال
کا باعث بنا ہے اس لئے اسلام کے تصور حکومت کو
ملیا میٹ کر کے بنی اُمیہ کی بادشاہت کا نظام رائج کیا
جائے۔ چاہے اسلام رہے یا مسخ ہو کر رہ جائے اس کی
انھیں پرواہ نہ تھی۔ دوسرا گروہ جس میں عمرو بن العاص،
مغیرہ ابن شعبہ اور اسی قماش کے لوگ تھے۔ یہ بھی حضرت
علی رض ابن ابی طالب کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ حضرت
علی رض سیاسی رشوت دینے کے مطلقاً روادار نہیں تھے۔ ان
کے یہاں کسی شخص کے لئے خواہ وہ اُن کا حقیقی بھائی ہی
کیوں نہ ہو ناجائز مراعات کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی۔

تیسرے گروہ سے بھی حضرت علی رض کی نہیں بن سکتی
تھی اس لئے کہ لوگ حق و بصیرت سے یکسر محروم تھے۔ مذہبی
جنونیوں کا یہ انتہا پسند گروہ جہل مرکب کا شکار تھا اور دین
کی جیسی کچھ تعبیر ان کے ذہنوں میں تھی اسی کو برحق کہتا اور
اپنے سوا ہر شخص کو باطل پر سمجھتا تھا۔ اس طائفہ کی قیادت
اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو سنی سنائی باتوں کو عقائد کا

---

[1] اس مختصر سی کتاب میں عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ اور اسی قماش کے دوسرے لوگوں کا تذکرہ محض
اس لئے معرض التواء میں ڈال دیا کہ "صحابہ" کے حالات پر ایک علیحدہ کتاب مرتب کی جا رہی
ہے اس میں ان سب "اکابر بحرین" کا تذکرہ بڑی تفصیل سے آجائے گا جنھوں نے حضور اکرم
کی رحلت کے بعد حضور کے اہل بیت کے ساتھ اور خود حضور کے مشن کے ساتھ بد عہدی کی
اور نہایت ظالمانہ سلوک کیا اور اسلام کے مزاج تقوی و دیانت کو نفاق و خود غرضی میں تبدیل کر کے
دیا اور اُمت کو ایک ایسی راہ پر چلا دیا جو اسلامی تعلیمات کے بتائے ہوئے راستے سے یکسر مختلف تھا

[illegible] ح اُن کی پُوجا شروع کر دیتے ہیں
[illegible] جیری اور کم سوادی کی بدولت حضرت
[illegible] ابن ابی طالب کو بارہا نہایت نازک موقعوں پر
[illegible] پڑی اور اُن کی کامیابیاں ناکامیوں میں
تبدیل ہو کر رہ گئیں۔

ان تینوں گروہوں میں سے کوئی بھی ایسا گروہ نہیں تھا جو علیؓ ابن ابی طالب جیسے متقی، خدا ترس اور عابد و زاہد شخص کے معیارِ تقویٰ پر پورا اُتر سکتا اور مصالحت کی مطلوبہ شرائط کو پورا کرنے کا اہل ہوتا اس لیے ہر حریف کی فتنہ انگیزی کے انسداد کے لئے بجز جنگ کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا اور اس جنگی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام عالی مقام کو زبردست پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

مسندِ امامتِ کبریٰ کا صدر نشین

۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰ ۰

حضور ختمی مرتبت فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

"قدرتِ الٰہی کی کرشمہ زائیوں نے
میرے نور سے کائنات کی تخلیق کا آغاز
کیا۔ میں علیؓ ابن ابی طالب، فاطمہؓ
اور حسنؓ و حسینؓ ایک ہی سرچشمۂ وجود
سے ظہور پذیر ہوئے۔

(ابن ابی شیبہ، مسند ابی یعلیٰ، مستدرک حاکم)

[illegible] کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور امام علیؓ مرتضیٰ دونوں [illegible] الذہب کی دو کڑیاں ہیں۔ ایک منصبِ نبوت [illegible] مسندِ امامت پر جلوہ آرا! [illegible] علیہ وآلہ وسلم پر دورِ نبوت اختتام پذیر ہوا اور علیؓ ابن ابی طالبؓ سے امامتِ کبریٰ کا سلسلہ آغاز ہوا۔ دونوں کی تخلیق کا سرچشمہ ایک تھا۔ دونوں کی تربیت کا ماحول یکساں تھا۔ دونوں ایک ہی خانوادۂ عظمت کے چشم و چراغ تھے۔ اس لئے دونوں عظیم شخصیتوں کے درمیان کامل ہم آہنگی تھی۔

عظمتِ انبیا کے دائرۂ قدسیہ کا مرکزی نقطہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی ہے اور رسالتِ محمدیہ کے دائرۂ عظمت میں امامت کا اوّلین نقطہ علیؓ ابن ابی طالب کی شخصیت گرامی ہے۔

حضورؐ سرورِ کائنات (داناشاہو والہاتنا) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بابِ نبوت و رسالت ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا لیکن امامتِ کبریٰ کا منصبِ جلیل قائم رکھا گیا تاکہ نسلِ انسانی کی ہدایت کا سلسلہ برقرار رہے۔

ہجرتِ موسیٰؑ سے تیس برس قبل خدا کے مقدس گھر کی چہار دیواری کے اندر امام علیؓ ابن ابی طالب کی ولادت باسعادت ہوئی۔[1] وہ پہلے اور یقیناً آخری شخص ہیں جنہیں اس اعزاز سے قدرتِ خداوندی نے نوازا۔ حرم کعبہ کا معمارِ اوّل ابراہیمؑ پوری نسل انسانی کا اوّلین امام تھا اور خدا کا یہ مقدس گھر کائناتِ انسانی کی روحانی اور مذہبی پیشوائی کا اوّلین قبلہ قرار پایا اور اس گھر میں پیدا ہونے والا بچہ بڑا ہو کر ابراہیمؑ کی مسندِ امامتِ کبریٰ کا جانشین بنا۔

---

[1] کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

پیش ازیں بیت المقدس قبلہ بود
خلق و عالم می خود آمد بجا سجود
چوں تولد کرد در کعبہ علیؓ
کعبہ قبلہ گشت از فیضِ جلی

(مولانا رومی بوائے وقت جولائی ۱۹۷۵ء) اقبال

ابراہیم علیہ السلام کے فرزندِ گرامی اسماعیلؑ کی رسالت و نبوت کا وارث خاندان بنو ہاشم کا ایک معزز فرد بنا اور امامت ابراہیمی کے منصب کی وراثت بھی اسی محترم خاندان کے ایک فردِ فرید کے حصہ میں آئی

نسلِ بنی عدنان میں قبیلہ بنو ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور امامت دونوں کا اعزاز عطا فرمایا۔ محمدؐ امام الانبیاء ہے اور علیؓ امام اولیاء۔

توحید کے مرکزِ اول، کعبۃ اللہ کی بنیاد ابراہیم علیہ السلام نے رکھی لیکن جب اس حرمِ مطہر کو شرک و بت پرستی کی آلودگیوں سے ملوث کر دیا گیا تو حضور رحمتی مرتبت محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ وہ میرے دوش پر سوار ہو کر حرمِ مطہر کو شرک و بت پرستی کی آلائشوں سے پاک کریں۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی امامت کا یہ پہلا باضابطہ اعلان ہے جو لسانِ نبوت سے صادر ہوا یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اب نسلِ انسانی کی امامت علیؓ ابن ابی طالب اور اُس کی اولادِ امجاد کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔

یہ اعزاز بھی علیؓ ابن ابی طالب کے حصہ میں آیا کہ وہ خاندانِ بنو ہاشم کے پہلے فرد ہیں جو نجیب الطرفین ہاشمی تھے انھیں اپنے دادھیال اور ننھیال دونوں طرف سے اس معزز اور نامور خاندان کی شاندار روایات ورثہ میں ملی تھیں۔ شرافت، حسب ونسب، بہادری، جواں مردی، مروت اور دیانت و نظامت کے لحاظ سے بنو ہاشم عرب کا ایک ممتاز قبیلہ تھا اور جسمانی قوت کے اعتبار سے اس خاندان کے لوگ نمایاں عظمت کے حامل تھے۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے والد ماجد کا نام عبد مناف اور کنیت ابوطالب تھی۔ وہ عبد المطلب بن ہاشم کے فرزند تھے۔ حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔

علیؓ ابن ابی طالب کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک اُن کا سر [illegible] کبھی کسی کے سامنے خم نہیں ہوا اور اُن کی پیشانی [illegible] غیر سے کبھی آلودہ نہیں ہوئی وہ کاشانۂ نبوت [illegible] پڑھے اور آغوشِ نبوت کی تربیت ہی کا یہ فیضان [illegible] کہ وہ اپنی عمر کے بچوں سے کہیں زیادہ زیرک، سمجھدار اور ہوشیار تھے۔

ابھی ان کی عمر سولہ سترہ برس سے زیادہ نہ تھی کہ انھیں قریش کے ایک اجتماع میں شریک ہونے کا موقعہ ملا۔ یہ اجتماع حضورؐ کے پیغامِ نبوت کو سننے کے لیے منعقد ہوا تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اس مجلس میں موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دینِ حق کی دعوت دی اور فرمایا۔ "کوئی ہے جو اس مقدس پیغامِ حق کی تبلیغ و اشاعت میں میرا مددگار بنے۔" سب پر سکوتِ مرگ طاری ہو گیا۔ اچانک اس سناٹے کو چیرتی ہوئی علی ابن ابی طالب کی آواز بلند ہوئی۔ "انا نصیرک (میں آپ کا ساتھ دوں گا) ایک ایسے ماحول میں جہاں بڑے بڑوں کو لب کشائی کی جرأت نہ ہوئی علیؓ ابن ابی طالب کی ذہانت و فطانت اور بے مثال شجاعت و بسالت تھی جس نے اُن کے لبوں کو جنبشِ اضطراب بخشی اور انھوں نے پورے ماحول سے بے نیاز ہو کر حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔

اس جرأت کا جواب ایک "خندۂ استہزاء" کے سوا کچھ نہ تھا۔ سردارانِ قریش ایک نو عمر بچے کی اس جرأت پر طنز آمیز ہنسی ہنس رہے تھے لیکن [illegible] ابن ابی طالب کے حق میں تھا۔ [illegible] کہ اس بچے کی حمایت و نصرت اُن تمام [illegible] مخالفت پر بھاری رہی۔

حضرت علی ابن ابی طالب کے بارے میں اُن کے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اپنا کوئی حریف و ہمسر نہیں رکھتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کے جسمانی قویٰ نہایت مضبوط تھے۔ جوانی کی طرح بڑھاپے میں بھی اُن کے بدن میں دم خم قائم رہے۔ وہ بڑے تندرست، توانا اور مضبوط قد کاٹھ کے مالک تھے۔ ساٹھ سال کی عمر میں بھی اُن کی صحت و توانائی نوجوانوں کے لئے قابل رشک تھی۔ پہلوانی کے ہر داؤ پیچ سے واقف تھے۔ بڑے سے بڑا پہلوان اُنھیں زیر نہیں کر سکا۔ میدان جنگ میں حریف کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے اور زمین پر پٹخ دیتے۔ کسی شخص کی کلائی پکڑ لیتے تو اُس کا تنفس رکنے لگتا[1] وہ ہمیشہ اپنے حریف پر غالب رہے اور جس کسی نے بھی اُنھیں مبارزت کے لئے للکارا وہ ان کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ نہیں سکا۔ ایسے بھاری بھرکم پتھروں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے جنھیں بیک وقت کئی آدمی ہلا نہیں سکتے تھے۔ قلعوں کے بڑے بڑے دروازوں کو اپنے بازو کی قوت سے اکھاڑ پھینکتے تھے آواز کی گھن گرج کا یہ عالم تھا کہ جب نعرہ بلند کرتے تو بڑے بڑے سورماؤں کا زہرہ آب ہو جاتا تھا۔ اپنی جسمانی اور طبعی خصوصیات کے ساتھ ساتھ علی ابن ابی طالب دل کے بہادر بے اک اور نڈر بھی تھے اور طاقتور سے طاقتور حریف کا سامنا کرتے ہوئے مطلقاً گھبراہٹ محسوس نہیں کرتے تھے عرب کے بعض نامی گرامی شہسواروں کو جن میں ولید بن ربیعہ، عمرو بن عبدود اور مرحب جیسے لوگ شامل ہیں آپ نے نیچا دکھایا۔ اس باب میں اپنوں اور بیگانوں میں اُن کی عظمت مسلم تھی اور عربوں کے ذہن میں یہ تصور راسخ ہو کر رہ گیا تھا کہ علی ابن ابی طالب کی تلوار ایک قضائے مبرم ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں تھی گویا اُن کے ہاتھوں اُن کے حریف کا قتل ہونا ایسا یقینی امر تھا جیسے وہ طبعی موت مر گیا ہو۔

لافتیٰ الاّ علیؑ لاسیف الاّ ذوالفقار

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی بہادری اور اُن کی شجاعت محض سطحی قسم کا ایک جذبہ نہ تھا بلکہ وہ اُن کی فطرت کا ایک حُسن تھا اور اس کی ایک ایک ادا سے نمایاں تھا۔ وہ ان تمام خوبیوں سے بہرہ ور تھے جو شجاعت و جواں مردی کا لازمہ تصور کی جاتی ہیں۔ ہنگام جنگ ہو یا صلح کا ماحول وہ کبھی غیر انسانی طور طریقوں سے اپنے حریف پر غلبہ پانے کی کوشش نہیں کرتے تھے عمرو بن العاص جو حضرت علی ابن ابی طالب کا سب سے خطرناک دشمن تھا اور جس کی دسیسہ کاریوں کی بدولت آپ کو کافی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ جمل میں جب آپ کی تلوار کی زد پر آیا تو ڈر کے مارے بالکل ننگا ہو کر زمین پر لیٹ گیا عربوں میں یہ اعتراف شکست کے مرادف سمجھی جاتی تھی آپ نے اس کی ذلت کا یہ انداز دیکھا تو فوراً اپنا رُخ دوسری طرف پھیر لیا حالانکہ اگر اس موقع پر آپ اس مردود کا قصہ پاک کر دیتے تو آپ کو بہت سی اُلجھنوں سے نجات مل جاتی مگر شکست خوردہ حریف کو قتل کرنا ایک بہادر اور جواں مرد انسان کی شایان شان نہیں اس لئے آپ نے اسے موقع دیا کہ وہ چند روز زندگی کے کچھ اور مزے لوٹ لے[2]۔ جنگ صفین میں امیر معاویہ کے لشکر کا ایک حمیری جوان کریز بن الصباح

[1] مروج الذہب

[2] طبری ج ۱

زرہ بکتر پہنے ہوئے اور جنگ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں نکلا اور "ھل من مبارز" (کوئی ہے مقابل) کا آوازہ بلند کیا۔ یکے بعد دیگرے تین آدمی اُس کے مقابلہ پر نکلے اور مارے گئے۔ عنقریب تھا کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں بددلی پھیل جائے۔ اُس وقت امیر المؤمنین علیؓ ابن ابی طالب خود اُس نوجوان کے مقابلہ کے لئے میدان میں تشریف لائے۔ تیغ یداللّٰہی کے ایک ہی وار نے اس حمیری نوجوان کا سر تن سے جُدا کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا لیکن کون تھا جو علیؓ ابن ابی طالب کا حریف بننے کی جرأت کرتا۔ جنگِ جمل میں اُنھوں نے دیکھا کہ طلحہ و زبیر اُن کے حریف ہیں تو وہ پیدل ہو کر میدان میں تشریف لائے اور زبیر کو آواز دی۔ حضرت عائشہ نے یہ سنا تو چیخ اُٹھیں۔ "ہائے افسوس! زبیر کے دن پُورے ہو گئے۔"

حضرت عائشہؓ کو یقین تھا کہ علیؓ سے مقابلہ میں زندہ بچنا ممکن نہیں خواہ علیؓ ابن ابی طالب نہتے ہوں اور اُن کا حریف کیسا ہی بہادر، مسلح اور شہ زور کیوں نہ ہو۔

صافِ دل و پاک نہاد

oooooooooooooo

حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ، جذبۂ خود اعتمادی اور احساسِ برتری سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ میدان جنگ میں خود اعتمادی اور احساسِ برتری ایک بہادر سپاہی کا ایسا ہتھیار ہے جس کے بعد اسے کسی دوسرے ہتھیار کی ضرورت نہیں رہتی۔

ع مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(اقبالؔ)

حضرت علی ابن ابی طالب کی یہی خود اعتمادی [illegible] انھیں ہنگامہ جنگ کی رزم آرائی سے علم کے [illegible] میں لے گئی اور وہ اس میدان میں بھی اپنے ہم عصروں سے بازی لے گئی۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کسی بات کو راز نہیں رکھتے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا تھا وہی کچھ زبان پر تھا اس لئے وہ کسی سے بھی دل کی بات چھپاتے نہیں تھے اور اپنے نظریات کے اظہار میں مصلحت کوشی کو گناہ عظیم گردانتے تھے، ان کے اخلاق کریمہ کا درخشاں عنوان اور اُن کی سادگی، اُن کا خلوص اور اُن کی بے تکلّفی تھی۔ وہ اپنے مداحوں کے منہ سے کوئی ایسی بات سُننے کے روادار نہ تھے جس میں تصنّع کی آمیزش ہو اگر کبھی کوئی شخص اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا اور وہ محسوس فرماتے کہ یہ شخص تصنّع برت رہا ہے تو اُسے یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ۔

"میرے متعلق جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں اس سے فروتر ہوں اور میرے بارے میں جو تمھاری حقیقی رائے ہے اُس سے کہیں بہتر ہوں"

(عبقریۃ الامام لعباس محمود العقاد)

عُجب اور خود پسندی سے آپ کو سخت نفرت تھی اپنے دوستوں اور عزیزوں کو نصیحت فرماتے کہ "خود پسندی سے احتراز کریں کہ عقل و دانش کے لئے اُس کا وجود سب سے بڑا فتنہ ہے۔"

عزتِ نفس اور "پاسِ ناموس" کا احساس ان کی [illegible] پر غالب تھا اور یہی وہ جذبہ تھا جو انھیں اپنے [illegible] حریفوں کے اوچھے حربوں کا جواب دینے سے [illegible] حضرت حسنؓ کو جو نصیحتیں فرمائیں ان میں "[illegible] پر سب سے زیادہ زور دیا گیا۔ "[illegible] کل دینۃ وات ساحتۃ [illegible]

... سبٹ عوضا ولا تکن ... اللہ حرا وما خیر ... لا ینال الا بعسر"

(اپنی) شخصیت کو ہر گھٹیا حرکت سے بلند رکھو خواہ وہ حرکت کے ذریعے تمہیں اپنی پسندیدہ چیزوں کے حصول کا یقین ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اپنی عظمت سے دستبردار ہوکر جو کچھ بھی تم حاصل کرو گے وہ اس عظمت کا بدل نہیں بن سکے گا۔ کسی کے دست نگر اور محکوم نہ ہو کیونکہ اللہ نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے اور جو بھلائی شر کے ذریعے دستیاب ہو وہ کبھی بہتر ثابت نہیں ہوسکتی اور جو دولت تنگدستی کے ذریعے ملے اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(طبری ص۲۷ ج۱۲)

مثالی شخصیت

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

ان تمام صفات و محاسن کے باوصف حضرت علی ابن ابی طالب انتہائی متواضع اور منکسر المزاج شخص تھے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ "کان علی یمشی فی الاسواق وحده وهو خلیفة یرشد الضال ویمر بالبیاع والبقال فیفتح علیه القرآن ویقرأ "تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا" ثم یقول نزلت هذه الآیة فی اهل العدل والتواضع من الولاة واهل الاموال ومن سائر النّاس"[1]

(حضرت علی ابن ابی طالب اپنے عہد خلافت میں بازاروں میں تنہا گھومتے پھرتے تھے۔ راستہ بھولے ہوؤں کی راہنمائی فرماتے اور کمزوروں کی دستگیری فرماتے۔ دکانداروں اور کاروباری لوگوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں قرآنِ مقدس کی یہ آیت یاد دلاتے کہ "تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین" (وہ آخرت کا گھر ہم نے اُن لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو زمین پر نہ تو تکبر کا مظاہرہ کرتے ہیں نہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں اور انجام خوش اُنہی کے لئے ہے جو متقی ہوں۔ آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق وہ حاکم وہ دولت مند اور وہ سب لوگ ہیں جو تواضع اختیار کرتے ہیں اور عدل و انصاف کی راہ پر گامزن ہیں۔

غلط کار مشیروں، خوشامدیوں اور جی حضوریوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اپنے عمّال کو بھی ایسے لوگوں سے بچنے کی ہدایت فرماتے۔ محمد بن ابوبکر کو وصیت فرمائی کہ:

"کسی کنجوس، بزدل اور لالچی شخص کو کبھی اپنا مشیر مت بناؤ کنجوس شخص تمھیں فیاضی سے روک دے گا، بزدل تمھارا حوصلہ پست کردے گا اور لالچی تمھاری برائیوں کو بھی خوبیاں بنا کر پیش کرے گا۔"

اور پھر آخر میں ان تینوں خصلتوں کے بارے میں ایک جامع تبصرہ فرمایا جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ارشاد ہوا "ان البخل والجبن والحرص غرائز شتی یجمعها سوء الظن باللہ" (کنجوسی، بزدلی اور لالچ تین مختلف خصلتیں ایک ہی فکری گمراہی کی پیداوار ہیں اور وہ ہے اللہ کی ذات پر

بے اعتمادی اور اس کے بارے میں بدگمانی۔ یہی ایک ارشادِ گرامی، حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی پوری زندگی کا آئینہ دار ہے اور ان کی پاکیزہ حیات مستعار کا ایک ایک واقعہ اس امر کی شہادت دے گا کہ ان تینوں برائیوں میں سے کسی ایک برائی کی ان کی شخصیت پر ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی۔

عظمتِ کردار

○○○○○○○○○○○○○○

امیر المومنین سیدنا علیؓ ابن ابی طالب کا نظامِ حکومت، عدل و مساوات اور مروت و انصاف کے اسلامی اصولوں پر استوار تھا۔ وہ اسلام کی مقامی ریاست کے بے مثال حلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنی حکومت کی بنیاد اعلیٰ اسلامی اخلاق پر رکھی تھی۔ اس بارے میں ان کے بدترین ناقد بھی ان کی راست بازی اور حسن نیت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے۔ حضرت علیؓ نے ان گورنروں کو ایک ایک کر کے ان کے عہدہ و منصب سے علیحدہ کر دیا۔ جن کے بارے میں لوگوں کو شکایت تھی کہ وہ بیت المال میں بد دیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں اُن جاگیروں کو واپس لے لیا جو عثمان بن عفانؓ نے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کی تھیں اور جن کی وجہ سے مسلمان حضرت عثمانؓ سے نالاں ہوئے تھے۔

حضرت امام عالی مقام سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی عظمتِ کردار کے لئے یہی ایک واقعہ بطورِ ثبوت کافی ہے کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں فدک کی اس زمین کو جو خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلِ بیت کے لئے مخصوص فرمائی تھی اور جسے

[illegible] عمر کے عہد میں [illegible] لینے کے لئے کوئی اقدام نہیں [illegible] بعد دورِ بنی امیہ کے خلیفۂ عادل حضرت [illegible] نے اس قطعۂ زمین کو اس کے اصلی وارثوں [illegible] سیدنا علی ابن ابی طالب نے اپنے گورنروں [illegible] کو وقتاً فوقتاً جو ہدایات جاری فرمائیں اُن سے [illegible] ہوتا ہے کہ وہ شریعتِ الٰہیہ کے خود بھی پابند [illegible] ماتحتوں کو بھی اس پر کاربند ہونے کی تاکید [illegible] ایک موقعہ پر آپ نے گورنروں کو لکھا کہ:

"لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آؤ۔ اُن کے ساتھ برابری کا سلوک اور شفقت آمیز برتاؤ کرو۔ ہر شخص کی جائز مانگ پوری کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ لوگوں سے محاصل وصول کرتے وقت اُن پر سختی نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محاصل کی ادائیگی کے لئے اُن کو اپنا گھریلو سامان یا سواری کے جانور فروخت کرنے پڑ جائیں۔ کسی شخص کو خراج کی رقم ادا نہ کرنے پر کوڑوں کی سزا مت دو۔"

محصلین اور عاملین زکواۃ (مالیہ اور زکواۃ وصول کرنے والے عملے) کو تاکید کی تھی کہ:

"مالیہ اور زکوٰۃ وصول کرتے وقت اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھو کہ تمہارے [illegible] سے کسی شخص کو شکایت [illegible] لے۔ [illegible] وصول [illegible] اور فصل کی نوعیت [illegible] دیکھو کہ [illegible] اور [illegible]

[illegible] کا اس قدر پاس تھا کہ گورنروں کو ہدایت [illegible] حکمران اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنی رعایا پر حکومت کرے یا اُن کی بے عزتی اور رسوائی میں [illegible] اُس کا کام تو پردہ پوشی اور اصلاحِ خلق ہے۔"
اپنے معتمد اور وفادار ساتھی "اشتر نخعی" کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا:

"اپنے مقرر کردہ حکام پر کڑی نگرانی رکھو
تاکہ وہ بے راہرو نہ ہو جائیں۔ باحیا اور پاک
گھرانوں کے نیک افراد کو حاکم بناؤ کیونکہ اس
قسم کے لوگوں میں سیر چشمی، حسن اخلاق
اور بلند ظرفی موجود ہوتی ہے"

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کا اپنے گورنروں پر احتساب بڑا سخت تھا اس لئے آپ کے عہد میں گورنری پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بستر بن گئی اور لوگ گورنر بنتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کے متعلق اُنھیں پتہ چلا کہ وہ کسی شخص کی دعوت میں شریک ہوئے ہیں اس پر آپ نے انھیں ایک دردناک تہدیدی مراسلہ تحریر فرمایا کہ:

"جس طعام میں غریبوں کو نظر انداز کیا
جاتا ہو اور امیروں کی پرستش ہو وہاں
ایسی دعوتوں میں کسی گورنر کی شرکت کا
کوئی جواز نہیں ہے۔ آیندہ محتاط رہو۔"[۵]

بیت المال کی رقوم و املاک کی دیکھ بھال کا بڑا اہتمام فرماتے تھے اور عمال کو اُس کے حساب کی درستگی کے بارے میں خاص طور پر تاکید فرماتے۔ حضرت علیؑ کے عہدِ حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاملات حکومت میں ہر بات کو دین کے پیمانے سے ناپتے تھے اور سچائی کے مقابلہ میں اپنی یا لوگوں کی پسند و ناپسند کو مطلقاً خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اُن کی زرہ گم ہو گئی۔ اُنھوں نے وہی زرہ ایک عیسائی کے پاس دیکھی تو اُسے پکڑ کر قاضی شریح کی عدالت میں لے گئے۔ عیسائی کا اصرار تھا کہ زرہ اُس کی ہے۔ قاضی شریح نے ضابطہ کے مطابق امیر المومنین سے زرہ کی ملکیت کا ثبوت مانگا۔ آپ نے اپنے بیٹے حسنؑ اور اپنے غلام قنبر کی شہادت پیش کی جسے عدالت نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فیصلہ عیسائی کے حق میں ہوا۔ عیسائی نے وقت کے سب سے بڑے حاکم کو اپنے مقابلہ میں بے بس پایا تو اسلام کی صداقت و عدل سے متاثر ہوا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کیا امیر المومنین یہ زرہ آپ ہی کی ہے میں نے جنگ صفین میں اسے آپ کے خاکستری اونٹ سے چرایا تھا۔ فرمایا "اب جب کہ تم مسلمان ہو گئے ہو یہ زرہ تمھاری ہو گئی" اور اس طرح ایک عیسائی حضرت علیؑ کے جاں نثاروں کی صف میں شامل ہو گیا۔[۶]

انسانی صفاتِ کمال کا جامع

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

حضرت علی ابن ابی طالب فنِ حرب کے ماہر تھے ان کی فوجی صلاحیتیں اور عسکری مہارت ان کی عظمت کا امتیازی پہلو ہے۔ جنگِ جمل میں جب آپ نے دیکھا کہ لوگ حضرت عائشہ کے اونٹ کے اردگرد مردانہ وار جانیں قربان کر رہے ہیں تو آپ نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس طرح چشم زدن میں جنگ جیت لی۔

---

[۵] [illegible] الامام لعباس محمود العقاد
[۶] [illegible] ابن سعد، اصابہ، الاستیعاب لابن عبد البر، مسعودی۔ مروج الذہب۔

جنگ میں غیر انسانی طور طریقوں سے حریف کو زیر
رنے اور اُس پر غلبہ پانے کی کوشش کو سخت ناپسند
ماتے تھے۔ اپنی بے مثال شجاعت و بسالت کے
صف آپ نے کبھی جنگ میں پہل نہیں کی۔ اپنے
بیٹے حسنؓ کو نصیحت فرمائی۔
• کبھی کسی کو از خود جنگ کے لئے مت للکارو
لین اگر دشمن تمھیں دعوتِ مبارزت دے تو ایک لمحہ
توقف کئے بغیر اس کے مقابلہ میں نکل آؤ کیونکہ جو
خص جنگ کی طرح ڈالتا ہے وہ حد سے تجاوز کرنے
الا ہمیشہ منہ کے بل گرتا ہے "۔ ایک شخص علم ہوا کہ خوارج
ا گروہ اُن کے لشکر سے کٹ کر جو اُن کے مقابلہ میں
صف آرائی کے لئے پر تول رہا ہے تو آپ نے اُن کے
خلاف کوئی اقدام نہ فرمایا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس فتنہ
و آغاز ہی میں کچل دینا ضروری ہے۔ ورنہ اجلاس میں
سخت دشواری پیش آئے گی تو آپ نے فرمایا۔
• لڑائی میں پہل میری طرف سے نہیں ہو گی لیکن
ر یہ لوگ اپنی جارحانہ سرگرمیوں سے باز نہ آئے تو
پھر میں ان سے نبٹ لوں گا۔ آپ لڑائی سے ہمیشہ ہمیشہ
شمن کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور صلح و امن
کے لئے اپنی سی کوششوں سے دریغ نہ فرماتے لیکن امن
و آشتی کے لئے بڑھا ہوا ہاتھ جب خود سر حریف کی
طرف سے جھٹک دیا جاتا تو شمشیر آبدار پر اُس ہاتھ
کی گرفت بڑی مضبوط ہوتی۔

حضرت علیؓ ابن ابی طالب اپنے لشکر کو عموماً پانچ
حصوں میں تقسیم کرتے اور میدان جنگ میں فوجوں کی
ترتیب کا خاص خیال رکھتے تھے اُنھوں نے کبھی جنگ
میں شکست نہیں کھائی اور ہر معرکہ میں ہمیشہ کامیاب رہے
اپنے سپہ سالاروں کو آپ نے وقتاً فوقتاً آپ نے جو
ہدایات جاری فرمائیں۔ اُن سے بھی آپ کی عسکری مہارت

کا اندازہ ہوتا ہے۔ فوجی کمانڈروں کو محاذ [illegible]
روانہ کرتے وقت انھیں ہدایات فرماتے کہ
" جب کسی جگہ پڑاؤ کرو تو اونچی جگہ کا انتخاب کرو
پہاڑ کے دامن میں یا ایسی سمت جہاں دریا [illegible]
عقب میں ہو تاکہ تم پوری طرح اپنا دفاع کر سکو [illegible]
ایک یا دو سمت سے حملہ کرو۔ لشکر کے عقب [illegible]
نگراں مقرر کرو جو تمھیں اچانک حملہ سے خبردار کر سکیں
فوج کا ہراول دستہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے [illegible]
فوج کی کامیابی یا ناکامی کا سارا دار و مدار اُسی پر [illegible]
ہے اس لئے اس کے لئے ایسے سپاہی منتخب کرو جو تمھیں
اچانک حملہ سے خبردار کر سکیں۔ فوج میں نظم و ضبط [illegible]
کا خاص خیال رکھو۔ پڑاؤ کرتے وقت یا [illegible]
حالت میں تمھاری صفوں میں انتشار اور پراگندگی نہیں
ہونی چاہئے۔ رات کو سوتے وقت تیروں کو اپنے پاس
رکھو تاکہ اچانک حملے یا شب خون کی صورت میں تم
اپنا دفاع کر سکو۔ سونے سے پہلے کلی اغرارہ کر لیا کرو۔
رات کے پہلے حصہ میں سفر سے گریز کرو کیونکہ یہ وقت آرام
کا ہے اور رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے۔

علم و عمل کا واحد سنگم

• • • • • •

حضرت علی کرم اللہ وجہہ صرف عمل کے اعتبار سے
ایک مثالی مسلمان نہ تھے بلکہ علم و بصیرت کے لحاظ سے
بھی وہ نمونہ کے آدمی تھے۔ فقہا و متکلمین اسلام [illegible]
میں علی ابن ابی طالب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ [illegible]
دین کو محض عبادات تک محدود نہیں رکھا [illegible]
اور سوجھ بوجھ کا ایک جاندار اور [illegible]
اُن کے زمانہ میں تا حد معاصر [illegible]

[illegible] نے خالص علمی اور منطقی طرزِ استدلال
[illegible] مذہب کے رنگ میں [illegible] کو اُجاگر اور نکھارا اور اسلامی
تعلیمات کی [illegible] میں ڈوب کر اُس کے فلسفیانہ اور
حکیمانہ اسرار و رموز سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ اُمورِ
دینیہ میں بہت کم مسائل ایسے ہوں گے جن میں حضرت علیؑ
کے افکار کو ترجیحی مقام حاصل نہ ہو، ہر مکتبِ فکر کے
علماء نے اُن کی ذات سے استفادہ کیا ہے اور اُنھیں
علم و نظریات کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ علمِ توحید و رسالت
ہو یا علمِ عقائد و کلام، اُمورِ فقہیہ ہوں یا مسائلِ شرعیہ
اصول، فصاحت و بلاغت ہو یا فنِ شعر و ادب، اُن
کی ذات ہر جگہ امام کی حیثیت سے جلوہ گر ہے۔ خارجی ہوں
یا رافضی، شیعہ ہوں یا سنی، ناصبی ہوں یا قاطبی، صوفیا
ہوں یا فلسفی، فوجوں کے سپہ سالار رہے ہوں یا حکومت و سلطنت
کے اربابِ حل و عقد، سب نے اپنے افکار و نظریات کی
تائید کے لئے اُن سے اکتسابِ فیض کیا ہے اور سب کی
نگاہیں انہی کی بھاری بھرکم شخصیت کی طرف اُٹھتی ہیں۔
اس اعتبار سے وہ نہ صرف امام بلکہ امام الائمہ ہیں اور
اسی بنا پر **باب مدینۃ العلم** کا خطاب اُن کی
قامتِ موزوں پر راست آتا ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب اسلام میں علمِ کلام کے
مؤسسِ اوّل ہیں۔ بعد میں آنے والے تمام متکلمین نے انہی
کی استوار کی ہوئی بنیادوں پر اپنے اپنے فکری مکاتب کی
عمارتیں قائم کیں۔ ابن ابی الحدید نے نہج البلاغۃ کی شرح
میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمام قابلِ
ذکر علماء نے علی ابن ابی طالب کے خوانِ علم و فضل سے
خوشہ چینی کی ہے۔

واصل بن عطاء کو جو متکلمینِ اسلام کے گروہ کا
سرخیل ہے، ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کے توسط سے
حضرت علی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اشاعرہ کا امام
ابوالحسن علی بن ابی بشر الاشعری، ابو علی الجبائی کا شاگرد
تھا اور جبائی جو معتزلہ کے امام ہیں واصل بن عطاء کے شاگرد
تھے۔ فقہ میں ابو حنیفہ کی نسبت امام جعفر صادق کے واسطے
سے حضرت علی ابن ابی طالب کے ساتھ قائم ہے۔ اس توسط
سے شافعی، ابو یوسف، محمد اور احمد بن حنبل کا سلسلہ بھی
آپ پر منتہی ہوتا ہے۔ امام دار الہجرہ مالک بن انس،
ربیعۃ الرائے کے شاگرد ہیں۔ ربیعہ کے استاذ عکرمہ تھے
عکرمہ نے عبداللہ بن عباس سے استفادہ کیا اور عبداللہ بن
عباس حضرت علی کے شاگردِ رشید تھے۔ عبداللہ بن عباس
سے کسی نے پوچھا۔ آپ کے علم کو آپ کے ابن عم کے علم
سے کیا نسبت ہے؟ فرمایا جیسے سمندر کے مقابلہ میں بارش کا
ایک حقیر قطرہ! یہی حال دیگر ائمہ اجتہاد کا ہے کہ ان سب
نے اپنی اپنی حیثیت و ظرف کے مطابق علم کے اس بحرِ ذخار
سے سیرابی حاصل کی۔ مسائلِ فقہیہ میں حضرت علیؓ ابن
ابی طالب کو مجتہدانہ دسترس حاصل تھی۔ حضرت عمرؓ کو
جب کسی فیصلہ میں کوئی دشواری پیش آتی تو بے اختیار آپ
کی طرف رجوع فرماتے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک
عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور
اُس کے نتیجہ میں حاملہ ہو گئی تھی۔ حضرت عمر نے اُس پر حد
نافذ کرنی چاہی۔ حضرت علی نے اُنھیں روک دیا اور فرمایا۔
"وضعِ حمل کے بعد عورت پر حد قائم کی جائے کیونکہ اُس کے
پیٹ میں جو معصوم جان پرورش پا رہی ہے اُس کا اس
گناہ میں کوئی حصہ نہیں ہے" غالباً یہی وہ موقعہ تھا جب
حضرت عمرؓ نے بے ساختہ وہ فقرہ کہا جو حضرت علیؓ کی وجاہت
علمی پر زبردست شہادت ہے کہ "**لولا علی لھلک
عمر**" اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ اپنے غلط فیصلے کے ہاتھوں
تباہ ہو جاتے[۵]

ومليحة شهدت بها ضراتها
والفضل ما شهدت به الاعداء[۱]

(ایک خوبصورت عورت جس کے حسن کا اعتراف اس کی سوکنوں تک کو ہے اور جو فی رہی ہے جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف ہو)

علم فرائض و میراث میں حضرت امام عالی مقام کو مجتہدانہ ملکہ اور ماہرانہ مہارت حاصل تھی۔ فقہ کی مشکل ترین صنف فرائض یا میراث میں اُن کی فطانت و ذہانت ضرب المثل ہے بالخصوص ایک ایسے زمانہ میں جب کہ اس علم کو گورکھ دھندے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ وہ وراثت کے مسائل کو برجستہ اور بلا تامل حل فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے اُن سے شکایت کی کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے لیکن میرے حصہ میں صرف ایک دینار آیا ہے آپ نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے پیچھے ایک بیوی، دو بیٹیاں، بارہ بھائی، ایک بہن اور والدہ چھوڑ کر مرا ہے۔ عورت نے تسلیم کیا کہ صورت واقعہ یہی ہے ایک مرتبہ دوران خطبہ میں کسی شخص نے آپ سے وراثت کا ایک مسئلہ دریافت کیا کہ "ایک شخص مر گیا ہے، اس کے بعد اس کی بیوی، اس کے والدین اور دو بیٹیاں اُس کی چار وارث ہیں۔ ایسی صورت میں اُس کی بیوی کو کیا حصہ ملے گا۔ آپ نے فوراً جواب دیا۔ نواں ($\frac{1}{9}$) حصہ۔ اس مسئلہ کو فریضہ منبریہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ جب آپ نے یہ مسئلہ بتایا تو آپ کوفہ میں مسجد کے منبر پر خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔

غرضیکہ حضرت علی کی قوت فیصلہ بڑی تیز تھی اور یہ نتیجہ تھا علم کے استحضار کا اسی بنا پر حضورؐ نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا کہ "اقضاھم علیؑ"

اور یہ بات ضرب المثل بن گئی کہ جب کوئی مسئلہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو لوگ بے ساختہ کہہ اُٹھیں کہ قضیۃ ولا ابا حسن لہا، (ایک مسئلہ درپیش ہے لیکن اُس کے حل کرنے کے لئے علیؑ ابن ابی طالب جیسا کوئی شخص موجود نہیں ہے)۔

سلونی عما شئتم

جو چاہو مجھ سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر لو!

• • • • • • • • •

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا علم بڑا تازہ تھا، وہ دنیا بھر کے نظریات و افکار سے پوری طرح باخبر تھے حضرت امام کو کم و بیش پچیس برس کا فرصت کا طویل دور میسر آیا اس پورے عرصہ میں آپ کی توجہ حصول علم کی طرف مبذول رہی اور آپ نے ایک سچے طالب علم کی طرح ہر علم سے آشنائی پیدا کی۔ عربی زبان کی گرامر کی ایجاد کا سہرا بھی انہی کے سر ہے اگرچہ سریانی اور یونانی زبانوں کا علم النحو وجود میں آ چکا تھا لیکن عربی میں اس علم کو پہلے پہل علیؑ ابن ابی طالب کے نکتہ رس دماغ نے ایجاد فرمایا۔ تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے شاگرد ابوالاسود دوئلی کو اسم و فعل و حرف کی ترکیب بتائی۔ اس علم کا نام آپ ہی کا تجویز کردہ ہے[1] علی ابن ابی طالب نفسیات انسانی سے خوب واقف تھے۔ لوگوں کے جذبات و احساسات پر اُن کی نظر بڑی گہری تھی اور عوامی خیالات اُن کی دسترس سے باہر نہ تھے۔ وہ وقار الکلام خطیب تھے اور حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد بالاتفاق عرب کے سب سے فصیح و بلیغ انسان تھے۔ علوم الٰہیہ [illegible] علم تصوف و طریقت میں دنیا بھر کے صوفیا و مشائخ [illegible] حضرت علی ابن ابی طالب کی ذات گرامی سے نسبت [illegible] حاصل ہے۔ شبلی، جنید بغدادی، سری سقطی [illegible]

[1] فہرست ابن ندیم

[illegible] معروف کرخی، حکیم ترمذی اور اسی [illegible] نے اس نسبت کو
[illegible] است بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

[illegible] قرار دے کر اس پر فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے۔ نہج البلاغہ میں علم طریقت و تصوف، مسلک سلوک اور دیگر علوم الٰہیہ کے بارے میں حضرت علی ابن ابی طالب کے ارشادات بکثرت موجود ہیں اور ان سے آپ کے علم کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں بیعت و ارشاد کے جو چار سلسلے قائم ہیں میری مراد چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں سے ہے ان کا مرکزی نقطہ امامِ عالی مقام کی ذات گرامی ہے۔ ان چار سلسلہ ہائے تصوف سے جو شاخیں پھوٹیں یا ان کے علاوہ جہاں کہیں دیگر مکاتیبِ تصوف قائم ہیں ان سب کی نسبت بھی اسی آستانۂ رشد و ہدایت سے استوار ہے[1]

اگرچہ بعض لوگوں نے سلسلۂ نقشبندیہ کا تعلق حضرت سلمان فارسی کے توسط سے حضرت ابوبکر سے قائم کیا ہے مگر یہ بے جا تعصب ہی کا ایک مظاہرہ ہے تاکہ حضرت علی ابن ابی طالب کی اس خصوصیت میں دوسروں کو بھی ان کا شریک و سہیم قرار دیا جا سکے جب کہ سلمان فارسی اور ابوبکر صدیق کے درمیان کسی رابطہ کا تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے۔ البتہ حضرت علی سے ان کے روابط کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ بہر حال تمام افراد ہائے تصوف کی حضرت [illegible] اس بات کا اعتراف ہے کہ اُمت [illegible] ابن ابی طالب کو ہر دور میں علوم نبوت کا وارث [illegible] ہے اور نسلاً بعد نسلٍ ان کی امامت پر اُمت کا اجماع رہا ہے۔

میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے بارے میں تجسس کیا تو کسی کو علیؑ سے بڑھ کر عالم نہیں پایا۔ (عبداللہ بن عمرؓ) حضرت علی ابن ابی طالب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں علمی تحقیق و تجسس اور فکری تلاش و جستجو کی راہ ہموار کی اور تقلید کے بجائے تنقید کی حوصلہ افزائی کی۔ انھوں نے مقدور بھر تقلید سے اپنا دامن بچایا اور مسلکِ اجتہاد کو فروغ دیا۔ انھوں نے امورِ خلافت میں اپنے پیشرو خلفاء کی اتباع کو غیر ضروری قرار دیا اور اُن کی تقلید سے برسرِ عام انکار فرمایا۔ عمر ابن خطاب کے بعد جب انتخاب خلیفہ کا مسئلہ درپیش تھا عبدالرحمن بن عوف نے جو عثمان بن عفان کے قریبی رشتہ دار اور بہت بڑے سرمایہ دار تھے حضرت علی کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے ایک سیاسی اُڑچن پیدا کر دی جو حضرت علی جیسے صاحب علم و فضل کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھی۔ ایک شرط تھی جو عبدالرحمان بن عوف کے سازشی دماغ کی پیداوار تھی۔ انھوں نے حضرت کو خلافت کی پیش کش کی اور کہا کہ وہ یہ اقرار فرمائیں کہ وہ ابوبکر و عمر کی سنت کی اتباع کریں گے۔ یہ ایک ناواجب اور گستاخانہ شرط تھی جسے ایک سیاسی سٹنٹ کے طور پر چھوڑا گیا حضرت علی ابن ابی طالب کا اپنا علم و فضل مقدم الذکر دونوں خلیفوں سے کہیں بڑھا ہوا تھا اور اُن کو خود بھی اس امر کا اعتراف تھا اور عبدالرحمان بن عوف بھی اس سے ناواقف نہ تھے اور جانتے تھے کہ حضرت علیؑ اس غیر معقول شرط کو کبھی منظور نہ فرمائیں گے، اس موقع پر اگر حضرت علیؑ اپنے علم و اجتہاد کی یہ برملا توہین گوارا کر لیتے تو خلافت ان کے حصہ میں آتی مگر انھوں نے اس ناپسندیدہ شرط کو ماننے سے اعلانیہ

انکار فرمایا اور خلافت سے محرومی کو اُس اہانت پر ترجیح دی۔ جبکہ اُن کے مدِ مقابل عثمان بن عفان نے بسر و چشم اسے منظور کر لیا۔ (یہ الگ بات ہے کہ شیخین کی سُنّت سے سب سے زیادہ انحراف اُنھوں نے ہی کیا) حضرت علی ابن ابی طالب نے اپنی عمر کے آخری دَور میں اپنے ملند مرتبت صاحبزادے حضرت حسنؑ کو جو وصیت فرمائی اس میں کلی تقلید سے بچنے اور دوسروں کی اندھا دھند پیروی سے احتراز کرنے کی تلقین موجود ہے آپ نے فرمایا

"تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ یہ سب سے بہتر متاع ہے جو تم اپنے لئے فراہم کر سکتے ہو۔ خدا کے احکام کی اتباع کرو اور اپنے جدِ محترم اور اپنے اسلافِ کرام کے نقشِ قدم پر چلو۔ اپنے خاندان کی پاکیزہ روایات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اگر اپنے بزرگوں کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو بغیر سوچے سمجھے اُسے اپنانے کی کوشش مت کرو جب تک کہ اُس کی اچھائی اور بُرائی کے تمام پہلوؤں سے واقف نہ ہو جاؤ۔ کسی معاملہ پر غور و فکر کرتے وقت خدا سے طلبِ نصرت و اعانت کرو۔ توفیقِ الٰہی کو اپنا راہنما بناؤ اور اپنے طرزِ عمل کی جو توجیہہ تم پیش کرنا چاہتے ہو اُس کے درست و نادرست ہونے پر پہلے خود اچھی طرح غور کر لیا کرو۔"

صرف یہی ایک وصیت امام برحق علی ابن ابی طالب کے اندازِ فکر کی ترجمانی کے لئے کافی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علی ابن ابی طالب کا اسلام تقلید کا رہینِ منت نہیں تھا بلکہ وجدان و شعور اور فہم و ادراک کی پوری قوتوں کے ساتھ آپ نے اسے قبول کیا تھا اگر اسلام میں کسی خامی کا وجود ہوتا تو علیؑ ابن ابی طالب کے بارے میں کسی حد تک یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ وہ اسے کبھی قبول نہ کرتے۔

(ترجمہ) وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسولؐ اُس سے محبت کرتے [illegible] دوسرے [illegible] کائنات [illegible]

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی شخصیت [illegible] اور رسولؐ کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ [illegible] علیا ماریوں سے اُن کی رُوح کا ایک ایک گوشہ [illegible] اُن کے نفس کا ایک ایک تار جگمگا رہا تھا۔ اسلام اُن کے لئے ایک مذہب اور ایک دین سے بڑھ کر ایک ایسی [illegible] بن چکا تھا جس کے بغیر اُنھیں چین نہیں پڑتا تھا۔ اُن کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اسلام کی محبت اس طرح پیوست ہو چکی تھی کہ اگر وہ چاہتے بھی کہ اُس سے سرِ مو انحراف کریں تو نہ کر سکتے۔ ان کی رگ و پے میں اسلامی تعلیمات رچ بس گئی تھیں اور اُن کے جسم میں خون کے بجائے اسلام کی محبت گردش کرتی تھی۔ وہ مجسّم اسلام اور سرتا پا ایمان و یقین تھے اور یہ خصوصیت اُن کو بچپن ہی میں حاصل ہو گئی تھی اس لئے کہ اُن کا بچپن اور اُن کی جوانی براہِ راست حضورؐ کی نگرانی میں پروان چڑھی اور اس عظیم الشان درسگاہ [illegible] سے اسلام کی تعلیمات کا سبق از بر کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل"

(میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مانند ہیں) اس حدیثِ گرامی کا اوّلین مصداق علی ابن ابی طالب تھے۔ ان کی علمی جامعیت میں [illegible] ہے۔ اُن کی زندگی میں ایک [illegible] پر اُن کے سیرت نگاروں کو [illegible]

وہ ادیب تھے، شاعر [illegible] تھے۔ علمِ کلام کے [illegible] معانی و مطالب کے [illegible] اور موت کی حقیقتوں [illegible] دستِ قدرت [illegible]

لہ من یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ

...شجاعت و جرأت، فارس و شہسوار، عابد و زاہد، ...غرض کہ یہ تمام ساری خوبیاں اس ایک انسان میں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، ایسے عظیم اور گوناگوں صفات کمال کا حامل شخص انسانی تاریخ میں شاید ہی کوئی دوسرا ہوا ہو۔ یہی وہ جامعیت تھی جس کی بنا پر انھیں "انا مدینۃ العلم و علی بابھا" اور "اسد اللہ" (وہ جس نے کہا اللہ کا ایک لشکر ہے) کا خطاب بارگاہ نبوت سے عطا ہوا۔ اُن کا علم و فضل، اُن کا زہد و تقویٰ، اُن کی نیکی اور پارسائی، اُن کی صداقت و امانت، اُن کی شجاعت و جوانمردی، اُن کی ذہانت و فطانت، اُن کی غیرت و حمیت، اُن کی بے نفسی اور ... کا استغنا، ان کی بصیرت و فراست، ان کی فصاحت و بلاغت، ان کے دستِ کرم کا فیاضی اور اُن کے اخلاق کی بلندی ایسی خوبیاں ہیں جن سے اُن کے بدترین دشمن کو بھی مجال انکار نہیں۔ ان کے ماننے والے سرگرداں ہیں کہ وہ بیک وقت اتنی صفات کے جامع اور ان اوصاف کے حامل کیوں کر ہوئے۔ علی ابن ابی طالب کی جلالتِ شان کے لیے تحسین کا ایک بیش بہا خراج وہ ہے جو دوسری صدی ہجری کے ایک عظیم نابغۂ روزگار نے اُن کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے کہ اعترافِ عظمت کے لیے باعظمت ہونا ضروری ہے۔ امام شافعی نے حضرت علی ابن ابی طالب کی صفاتِ عالیہ کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ "اجتمع فی علی ابن ابی طالب فضائل لم تجتمع فی غیرہ الا نادرا اجتمع فیہ العلم والعمل بالکمال فقل ما یکون العالم عاملا واجتمع فیہ الفقر والسخاء وقل ما یکون الفقیر سخیا، واجتمع فیہ الشجاعۃ ورقۃ القلب بالکمال وقل ما یکون الشجاع رقیق القلب واجتمع فیہ الزھد وحسن الخلق وقل ما یکون الزاھد حسن الخلق واجتمع فیہ ... التواضع وقل ما یکون الحسیب متواضعا"۱؎

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی ذات گرامی میں ایسی خصلتیں جمع ہو گئی تھیں کہ شاید ہی کسی اور شخصیت میں یکجا ہوئی ہوں۔ وہ علم و عمل کا سنگم تھے حالانکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عالم، عامل بھی ہو، وہ فقیر تھے لیکن سخی بھی تھے اور دل کے غنی بھی، حالانکہ یہ دونوں خوبیاں بہت کم کسی میں ملیں گی۔ وہ بہادر بھی تھے اور نہایت رحم دل بھی جب کہ بہادر نہایت کم رحم دل ہوتے ہیں۔ وہ زاہد بھی تھے اور خوش اخلاق بھی، حالانکہ زاہد عموماً خوش اخلاق نہیں ہوتے۔ ان میں خاندانی عظمت کے ساتھ ساتھ تواضع بھی تھی حالانکہ لوگ کم ہی متواضع ہوتے ہیں۔"

یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی بنا پر حضرت علیؓ ابن ابی طالب مخصوص اقران اور معتوب روزگار ہوئے۔ اُن کی اس شانِ انفرادیت نے انھیں پورے ماحول میں اجنبی بنا کر رکھ دیا۔ وہ صحیح معنوں میں یکتائے زمانہ اور یگانۂ روزگار تھے۔

مشہور مغربی مؤرخ اور نقاد کارلائل نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی گوناگوں صفات کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "حضرت علیؓ ابن ابی طالب ایسے جوان مرد انسان سے ہم محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بچپن ہی سے اُن کی طبیعت میں شرافت کا جوہر ودیعت ہوا تھا۔ وہ ایک مخلص، سچے اور رحم دل انسان تھے۔ اُن کی فطرت کا خمیر قوتِ عمل اور اولوالعزمی، بے باکی اور جواں ہمتی سے تیار ہوا تھا۔ وہ ایک بہترین شہسوار، بہادر اور شیر کی سی جرأت و بسالت کے حامل تھے۔ ان محاسن کے ساتھ ساتھ اُن میں رقتِ قلب، سوز و گداز، صدق و ایمان اور نیکی و پاکبازی کی خوبیاں مستزاد تھیں۔ وہ دل کے صاف اور نہایت دیانت دار شخص تھے۔ اسی چیز نے ان کی عظمت کو چار چاند لگا دیے اور پورے ماحول میں اُن کی بے داغ شخصیت کو ممتاز و معزز

۱؎ الریاض النضرة

کردیا: "حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی سی خوبیوں کا حامل شخص اگر خلیفہ نہ منتخب بھی ہوتا اُس کی عظمت میں ذرہ بھر کمی نہ آتی۔ اور اگر وہ خلیفہ بن گئے تو اس سے اُن کی شان میں کچھ بھی تو اضافہ نہیں ہوا۔ خلافت راشدہ کو اس امر پہ ناز ہے کہ علی ابن ابی طالب جیسا مقدس انسان اس کی مسند پر متمکن ہوا۔"

ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" میں احمد بن حنبل اور ابو یعلی کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:- "ولما دخل علی الکوفة دخل علیه حکیم من العرب فقال والله یا امیر المومنین لقد زینت الخلافة وما زینتک ورفعتها وما رفعتک وهی کانت احوج الیک منک الیها۔"

(جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں تشریف لے گئے تو عرب کا ایک دانشور اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا امیر المومنینؓ! بخدا مسندِ خلافت کو آپ سے عزت حاصل ہوئی ہے آپ کی عظمت میں اس نے کوئی اضافہ نہیں کیا مقام خلافت آپ کی وجہ سے سرفراز ہوا ہے آپ کی شان خلیفہ بننے سے کچھ بھی تو نہیں بڑھی منصبِ خلافت کو آپ جیسی عظیم شخصیت کی احتیاج تھی۔ آپ کو اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔)

اور خلافت کا یہ وہ منصب حقیر تھا جس کے لئے آج بدزبان بے ادب اور گستاخ لوگوں کا ایک گروہ حضرت سیدنا علیؓ ابن ابی طالب پر یہ الزام دھرتا ہے کہ وہ ساری عمر اس منصب کے ملنے سرگرداں اور اسی مقصد کے لئے جوڑ توڑ اور سازشوں میں سرگرم عمل رہے۔ حالانکہ اگر امیر المومنین سیدنا علی پہلے دن یہ تہیہ فرما لیتے کہ خلافت ان کے زیر تصرف آ جائے تو نہ ابوبکرؓ کی اہلیت کام دے سکتی تھی نہ عمرؓ کی شخصیت کا جادو چل سکتا تھا نہ عثمانؓ کی قرابت اُن کے کام آ سکتی تھی لیکن وہ اس منصب پر شرعاً اپنا حق سمجھتے ہوئے بھی اس سے یوں بے نیاز رہے کہ ان کی پوری زندگی میں کسی ایک واقعہ کی نشاندہی بھی نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے کوئی ایسا قدم اٹھایا ہو جو طلبِ خلافت کے لئے اُن کی بے چینی کا غماز ہو۔

شاعر کا یہ شعر پڑھ کے کس قدر حسب حال ہے کہ
نگاہ بھی نہیں اُٹھتی مسندوں کی طرف طلب کا ذکر نہیں استغنا کی ...

اقبالؔ ایشیا کا عظیم مفکر، سرزمین مشرق کا فلسفی شاعر جس کی نظر اسلامی تاریخ، اسلامی فلسفہ اور اسلامی علوم پر نہایت گہری تھی اور جس کے بدترین نقاد بھی اُس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ رفض و تشیع کی جانب ادنیٰ میلان بھی رکھتا تھا۔ اُس نے امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کی شان کو جن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنی اس کتاب کا اختتام ان اشعار پر کر دوں کہ اس سے بہتر اور بلیغ تعریف میری نظر سے نہیں گزری

مسلم اول شہ مردان علیؓ
عشق را سرمایۂ ایمان علیؓ
از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہان مثل گہر تابندہ ام
نرگسم وارفتۂ نظارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام
زمزم از جوشد ز خاک من ازوست
مے اگر ریزد ز تاک من ازوست
خاکم و از مہر او آئینہ ام
می توان دیدن نوا در سینہ ام
از رخ او فال پیغمبرؐ گرفت
ملت حق از شکوہش فر گرفت
قوت دین مبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش
مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
ہر کہ دانائے رموز زندگیست
سر اسمائے علیؓ داند کہ چیست
خاک تاریکے کہ نام او تن است

عقل از بیدادِ او در شیون است
[illegible] دین پیدا ازو
چشم کور و گوش ناشنوا ازو
[illegible] دو رُو دارد بدست
رہروان را دل بدیں رہزن شکست
شیرِ حق این خاک را تسخیر کرد
این گلِ تاریک را اکسیر کرد
مرتضیٰ کز تیغِ او حق روشن است
بوتراب از فتحِ اقلیمِ تن است
مردِ کشورگیر از کرّاری است
گوہرش را آبرو خودداری است
ہر کہ در آفاقِ گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب
ہر کہ زین بر مرکبِ تن تنگ بست
چون نگین بر خاتمِ دولت نشست
زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است
[illegible] خود آگاہی ید اللّٰہی کند
از ید اللّٰہی شہنشاہی کند
[illegible] او دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و رُوم
حکمران باید شدن بر خاکِ خویش
تا مئے روشن خوری از خاکِ خویش
[illegible] گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ این مردانگی است

مردِ خودداری کہ باشد پختہ کار
با مزاجِ او بسازد روزگار
گر نسازد با مزاجِ او جہان
می شود جنگ آزما با آسمان
بر کَنَد بنیادِ موجودات را
می دہد ترکیبِ نو ذرّات را
گردشِ ایام را برہم زند
چرخِ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوتِ خود آشکار
روزگارِ نو کہ باشد سازگار
در جہان نتوان اگر مردانہ زیست
ہمچو مردان جان سپردن زندگیست
آزماید صاحبِ قلبِ سلیم
زورِ خود را از مہماتِ عظیم
عشق با دشوار ورزیدن خوش است
چون خلیل از شعلہ گل چیدن خوش است
ممکنات قوتِ مردانِ کار
گردد از مشکل پسندی آشکار
حربۂ دون ہمتان کین است و بس
زندگی را این یک آئین است و بس
زندگانی قوت پیدا ستے
اصل او از ذوقِ استیلا ستے

[illegible] "اسرارِ خودی" اقبال ص۴۹

نہج البلاغہ کیا ہے؟

از:- ڈاکٹر سید مہدی حسن جعفری۔ F.R.C P. ایڈیشنل ڈائریکٹر ہیلتھ حیدرآباد

نہج البلاغہ مولائے کائنات حضرت امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے منتخب خطبات تحریرات۔ مکتوبات۔ کلمات اور ارشادات کا مجموعہ ہے۔ علامہ سید رضی رحمتہ اللہ علیہ نے سنہ ھ میں انمول بکھرے ہوئے جواہر کو ایک گلدستہ کی شکل میں ترتیب دیا اور اس انمول و نادر گلدستہ کا نام نہج البلاغہ رکھا۔ محمد عبدہ سابق مفتی اعظم مصر۔ شارح نہج البلاغہ نے اپنی شرح کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ اس نام سے بہتر اس کتاب کی حقیقت کو ظاہر کرنے والا کوئی دوسرا نام ممکن نہیں۔ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے لئے ناممکن ہے کہ اس نام سے بہتر کوئی دوسرا نام تجویز کریں۔

علامہ سید رضی سے قبل اصحاب امیرالمومنینؑ و اصحاب آئمہ طاہرینؑ اور علماء اسلام نے مولا کے خطبات۔ رسائل۔ مکتوبات۔ اقوال اور دیگر آثار علمیہ کو جمع اور محفوظ کیا۔ علامہ نے مولائے کائنات کے مکمل کلام کا احصا نہیں فرمایا بلکہ جو کچھ کلام علامہ کو دستیاب ہوا اس سے انتخاب فرماکر تین ابواب پر (۱) خطبات۔ (۲) مکتوبات۔ (۳) اقوال یا کلمات۔ شائع فرمایا۔ علامہ نے اپنے مقدمہ نہج البلاغہ میں اس کا ذکر فرما دیا ہے کہ انھوں نے مولائے کائنات کے کل محاسن کلام کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ موصوف نے یہ تحریر کردیا ہے کہ جو کچھ وہ منتخب کرکے جمع کئے ہیں وہ اس کلام کے مقابلہ میں بہت کم ہے جس کو وہ جمع نہ کرسکے۔ مشہور مورخ مسعودی جنھوں نے علامہ کی پیدائش سے کئی سال قبل ہی رحلت کی اپنی کتاب "مروج الذہب" میں تحریر کیا ہے کہ مولائے کائنات نے چار سو اسی خطبات انشا فرمائے۔ (مروج الذہب حال ہی میں مصر میں طبع ہوئی ہے) سنہ ۲۵۵ھ سے دانشوراور مسلم دوست حضرات نے اپنی اپنی تصانیف میں اُن جواہرات کو محفوظ کرنے کا طریقہ شروع کردیا تھا۔

نہج البلاغہ کی تالیف کے [illegible]

علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے [illegible] مجموعے اور تصانیف تالیف [illegible] حاصل نہ کرسکے جو علامہ سید رضی [illegible] کردہ نہج البلاغہ [illegible] تصانیف [illegible]

...مسائل۔ کلمات اور اقوال درج ہیں جو نہج البلاغہ میں جمع نہ ہو سکے۔ ان کتب کا کوئی اُردو ترجمہ دستیاب نہیں ہے مجھے اس کا بھی اندازہ نہیں ہے کہ علم و دانش کے کون سے ذخائر ان مجموعات میں پوشیدہ ہیں۔ کوئی عالم اس جانب توجہ فرما کر ان مجموعات کو اُردو میں منتقل فرما دے تو ہم سب مستفید ہو سکتے ہیں۔ ان مجموعات سے مشترک اور غیر مشترک کلام کو علیحدہ کر کے ان کے اُردو ترجمے شائع کئے جائیں تو یہ بہت عظیم دینی خدمت ہو گی۔

ان چار مجموعات کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ نہج التقویم فی کلام امیر المومنینؑ۔ مؤلف علامہ بن مطلب بن حیدر بن محسن ازموانی آل مشعشع سید رسید علی والی حویزہ معاصر شیخ بہاء الدین عاملی۔

۲۔ خطب اور مواعظ:۔ شیخ احمد رضا العاملی۔ مجلہ العرفان صید جلد ۱۳ سنہ ۱۹۲۳ء میں یہ کلام شائع ہوا ہے۔

۳۔ مستدرک نہج البلاغہ:۔ علامہ شیخ ہادی النجفی آل کاشف الغطا۔ یہ مجموعہ سنہ ۱۳۵۴ھ میں نجف اشرف سے طبع ہوا۔

۴۔ مستدرک نہج البلاغہ:۔ (مکاتیب و رسائل) مولوی حکیم نبی احمد حنفی افسر دواخانہ یونانی اور آیورویدک رامپور۔

محمد بشارت علی صاحب مولف اُمت اور امامت نے بھی ایسے خطبات جمع کئے ہیں جس کا انتخاب نہج البلاغہ میں نہ ہو سکا۔ یہ زیر طبع ہے۔

ہر وہ شخص جس نے اس علم کے ذخائر اور انمول خزانے سے استفادہ کیا شہرت اور نام پایا۔ یہ کہا ... تک دنیا کی کوئی تالیف کردہ کتاب وہ مقام حاصل نہ کر سکی جو نہج البلاغہ کو حاصل ہوا ہے۔

ہر فکر و نظر۔ اعتقاد اور عقیدے رکھنے والے مفکرین۔ دانشور اور علم دوست حضرات نے اپنی خراج عقیدت پیش کی ہے۔ مشہور شارحین علامہ علی ابن ناصر۔ علامہ قطب الدین راوندی۔ ابن میثم۔ ابن ابی الحدید۔ محمد عبدہ۔ مفتی اعظم مصر۔ اور کئی شارحین نے باب العلم کے ان انمول جواہر پاروں کے بارے میں مشہور عیسائی مورخین جرجی زیدان، فواد جسرام جارج جورداق۔ مشہور اور معروف اکابر نقد و ادب۔ عمر فروخ احمد حسین زیات محمد حسین نائل المرصفی۔ محمد بک دیاب اور طہٰ حسین سب نے مولائے کائنات کے کلام کا لوہا مانا۔

ان تمام حضرات کے خراجِ عقیدت کو کسی دانشور نے ایک جملہ میں سمیٹا ہے جو قابلِ غور و فکر ہے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ "اگر کتاب نہج البلاغہ نہ ہوتی تو ہم اعجازِ قرآن کا معیار نہ سمجھ سکتے۔"

نہج البلاغہ تاریخ تالیف سے بیحد مقبول رہی۔ ہر علم دوست نے اس کی خدمت کی کوشش فرمائی۔ محمد عبدہؒ (۱۳۲۳ھ) مفتی اعظم مصر کی مساعی سے جامعہ مصر کے عربی ادب کے اعلیٰ کورس کے نصاب میں نہج البلاغہ کو شریک نصاب کر لیا گیا۔ محمد عبدہ نے ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کی ہے "آج تک عربی ادب میں اس معیار کی کوئی کتاب نہ تحریر ہوئی اور نہ شائع ہوئی ہے" اور نہج البلاغہ کو عربی زبان کی ایک معرکتہ آرا کتاب تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے تحریر کیا ہے کہ نہج البلاغہ عربی زبان کی وہ کتاب اول ہے جس میں قرآن مجید کا اسلوب ہے۔ اس کا لب و لہجہ چھوٹے چھوٹے فقرے۔ سادہ سادہ جملے۔ شستہ عبارت۔ زبان کی لطافت یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ اس کتاب میں

خدائی کلام کی جھلک قرآن شریف کے بعد ہی نظر آتی ہے۔

بعض مفکرین نے ان معجزنما خطبات کے مطالعہ سے متاثر ہوکر یہ کہدیا کہ "نہج البلاغہ قرآن کی جھلک اور نور حدیث کا عکس ہے۔

شیخ مصطفےٰ گھالہ (بیروت)۔ یہ تفسیر قرآن کریم کے ماہر اور عربی ادب کے استاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "عریض الظاہر" میں تحریر فرمایا ہے کہ "نہج البلاغہ میں علم کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ اسکے الفاظ عمیق معنی رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں مذہب کی گہری تعلیمات ہیں۔ اس کا مسلسل مطالعہ انسان کو نیک بناتا ہے۔ اس کے اخلاق اعلیٰ اور ارفع ہوتے ہیں۔ اس کا مطالعہ روح کو وہ لطافت دیتا ہے جس سے وہ شخص ہمیشہ محظوظ ہوتا رہتا ہے۔

پروفیسر محمد محی الدین۔ پروفیسر عربی ہندوستان نے کہا کہ نہج البلاغہ کو قرآن پاک ہی کے بعد ہی کتاب تسلیم کیا ہے۔ اور یہ مانا ہے کہ یہ خطبات اور ارشادات سوائے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے کوئی دوسری شخصیت انشا نہیں فرما سکتی ہے،، انھوں نے یہ تحریر کیا ہے کہ "حضرت علیؑ ابن ابی طالب ایک ایسے فلسفی گذرے ہیں جس نے علم کے دریا بہا دیے۔ آپ اسلام کے لئے ایک فیض اور درست راہ نما ہیں۔

عبدالمسیح انطاکی۔ مدیر اخبار العمران نے ان الفاظ میں نذر عقیدت پیش کی ہے کہ نہج البلاغہ کا کلام انسانی کلام سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اور کہا کہ قرآن شریف کے بعد ہی اس کتاب کو تسلیم کر سکتے ہیں۔ انھوں نے ان مصنفین اور مقررین کو مشورہ دیا ہے جو اپنی تصانیف اور تقاریر میں اعلیٰ معیار قائم و حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ قرآن شریف یا نہج البلاغہ کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

فواد فرام۔ پروفیسر عربی ادب [illegible] کالج بیروت نے عربی ادب کے مشہور اور معروف قابل احترام مصنفین کے سوانح حیات شائع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان سوانح حیات کو ایک کتابی شکل دی۔ اپنی اس کتاب کو نہج البلاغہ سے اقتباسات اور ارشادات اخذ کرکے اس سے اپنی کتاب کو زینت دی اور سنوارا۔ پروفیسر نے تحریر فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے آپسی جھگڑوں نے اس ذات عالی مقام کو اور زیادہ منور اور روشن کیا۔

پولس سلامہ (POLOS SALAMAH)

ایک مشہور ادیب ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "اوّل ملحمات عربیہ" میں تحریر کیا ہے کہ نہج البلاغہ کے کلام سے کوئی کلام اعلیٰ نہیں ہے۔ قرآن کے بعد ہی اس کلام کو اولیت حاصل ہے انھوں نے تحریر کیا ہے کہ نہج البلاغہ میں علوم کے موتی اور نورتن بڑے عمدگی سے نگین ہیں۔ اس کلام کی خوبی اور خوشبو سے دماغ معطر ہوتا ہے اس کے مطالعہ سے دماغ پاک اور نیک ہوتا ہے اس کی چاشنی دماغ کو تروتازگی بخشتی ہے۔ کئی تشنگان ادب اس کے مطالعہ سے سیراب ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔

محمد حسن نائل المرصفی کہتے ہیں کہ نہج البلاغہ کو خدائے قدوس نے اس بات کی روشن دلیل بنائی ہے کہ علیؑ نور خدا کی زندہ مثال ہیں۔

بعض مفکرین نے نہج البلاغہ کے مطالعہ کے بعد یہ تسلیم کر لیا کہ نہج البلاغہ اور قرآن کریم کے معنی ایک ہی ہیں اور یہ مان لیا کہ نہج البلاغہ قرآن شریف کی جھلک ہے۔

نہج البلاغہ میں تقریباً [illegible] مطالعہ کیا جاسکتا ہے [illegible]

[illegible] کے مطالعہ سے اپنا در مقصود حاصل [illegible] فلسفی۔ ماہر نفسیات۔ سائنس دان۔ مسلم [illegible] زاہد و عابد۔ حکمران۔ شہری۔ سپاہی۔ سپہ سالار اور دیگر علوم کے دلدادہ اپنی اپنی دلچسپی کے مضامین نہج البلاغہ کے مطالعہ سے حاصل کر سکتے ہیں نہج البلاغہ ایک بہترین سرچشمہ ہدایت ہے۔ ان خطبات اور ارشادات میں حقائق و معارف بھی ہیں۔ فلسفہ اور منطق بھی ہے تاریخی جھلکیاں بھی دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کی کہانی موت کی سنگین داستان اور آخرت کی منظر کشی۔ اسلام پر حکیمانہ ارشادات و تشریحات پند و نصائح اور واعظ کی جھلکیاں۔ سائنسی انکشافات۔ علوم کے دریا ایک کوزہ میں بند ہیں۔ ایک مطالعہ کنندہ اس کے عمیق معنوں اور عبارت پر اپنی گہری نظر رکھے تو ہر شیدائی علم کو وہ دُرِ مقصود مل جائیگا جس سے وہ محظوظ ہوتا رہیگا۔

نہج البلاغہ کے ہر موضوع پر غور کرنا اس مضمون کے دائرہ سے باہر ہے چند موضوعات پر مختصراً نہج البلاغہ سے اقتباسات اخذ کرتے ہوئے غور کیا جائے گا۔

اسلام:۔ اسلام پر بسیط ارشادات ہیں۔ نہج البلاغہ اسلام کا ایک چراغ ہدایت ہے۔ اسلام کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ خدا وند عالم کا محبوب ترین دین ہے۔ یہ صلح و آشتی اور امن کا نام ہے اسلام کے اصول و فروع عقل و علم پر مبنی ہیں۔ فرمایا کہ اسلام انسان کے لئے ایک نور اور روشنی ہے اور اس کے لئے ایک سرچشمہ ہدایت ہے۔ اسلام کے برکات کو بیان فرمایا ہے۔ [illegible] فکر۔ سوچ بچار۔ بصیرت رکھنے والوں اور نصیحت [illegible] والوں کے لئے مختلف زاویوں سے اس کے [illegible] روشنی ڈالی ہے۔ اس کی نعمتوں کے تذکرے فرمائے [illegible] ایک روشن چراغ ہے [illegible] پر روشنی ڈالی ہے۔ مسلمان مومن اور شہید کون ہے بتلایا ہے۔ مسلمان کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ "جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ اور آسودہ رہیں۔" فرمایا کہ مرد مومن وہ ہے جو خدا اور رسول کی پیروی کرے۔ نبی اور امام (آئمۂ اطہار) کو پہچانتا ہو خواہشات نفس کو کچل دیتا ہو۔ ریاضت اور بندگی سے اپنے نفس کو پاک رکھتا ہو اور اپنی عقل کو پرہیزگار بناتا ہو

میدانِ جہاد ہی میں شہادت نہیں بلکہ "شہادت اس کو بھی نصیب ہو سکتی ہے جو خدا۔ رسول۔ اہلبیت (آل محمدؐ) کا حق جاننے کے بعد اپنے بستر پر مر جائے۔"

ان اُصولوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جن کے احساس پر دین۔ ایمان اور اعتقاد مکمل ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کی حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے۔ متقی کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ ان راہروؤں کی رہبری فرمائی ہے جس سے ایک مسلم ایمان اور یقان حاصل کر سکتا ہے۔

الٰہیات:۔ ان خطبات میں معرفت خداوندی کے علوم بند ہیں۔ مولائے کائنات نے یہ خطبات اس عہد میں انشا فرمائے جبکہ عرب اور دنیا پروردگار عالم کے صحیح تصورات اور فلسفہ الوہیت سے ناآشنا تھی۔ ان خطبات کے ذریعہ مولائے کائنات نے خدائے قدوس کا صحیح تصوّر پیش کیا۔ اور ان غلط فہمیوں اور غلط تصوّرات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ فرما دیا۔

ہر خطبہ حمد و ثنائے پروردگار سے شروع فرمایا ہے۔ ان خطبات میں اللہ کی تعریف۔ توصیف۔ مدح سرائی و ستائش فرمائی ہے۔ اس کے صفات جمالیہ و جلالیہ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ان خطبات میں ہر صفت خالق عالم پر وسیع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ بہت ہی سادہ اور فلسفیانہ انداز میں صفات خداوندی کا ذکر فرمایا ہے۔ مولائے کائنات کا ارشاد ہے کہ کلمہ توحید فطرت

کی آواز ہے۔ ہمیں ہدایت ہے کہ توحید کا صحیح مفہوم سمجھیں ہر بندہ کو ہدایت ہے کہ خدا کو یکتا جانے اور یکتائی کے صحیح مفہوم سے روشناس ہو ۔ ان خطبات میں توحید پر وہ محکمانہ اور حکیمانہ دلیلیں پیش فرمائی ہیں کہ مفکرین کو کہنا پڑا کہیں اور ایسی مدلل دلیلیں نہیں ملتی ہیں۔ توحید پر آپ کے ارشادات علم اور معرفت کی بنیادی باتوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ صحیح معرفت باری تعالےٰ پیدا کر سکتا ہے۔ آپ کے ارشادات اور کلمات ہمارے لئے روشن راہ نما ہیں۔ ان خطبات میں مولائے کائنات نے خلق کائنات سے خالق کا[illegible]ات کے وجود پر استدلال فرمایا ہے اور خلقت کی متا[illegible] سے خالقِ عالم کی وحدت و یکتائی پر دلیل فرمائی ہے۔ شرک کو نا قابل معافی گناہ بتایا ہے۔ شرک سے محفوظ رہنے کی سخت تاکید ہے۔

عبد اور معبود کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ بندہ سے خدا کا کیا تعلق ہے اسکو واضح فرمایا ہے۔ ہماری رہبری فرمائی ہے کہ اس تعلق کو کس طرح مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہے کہ بندہ اور معبود کے درمیان کوئی شے مشترک نہیں ہے۔ اسلئے بندہ کو حق نہیں ہے کہ اپنی تصویر سامنے رکھ کر خداوند عالم کا تصور کریں۔ آپنے ہدایت فرمائی ہے کہ ہم خدا کے برکات کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور خداوند عالم سے تقرب حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ وہ طریقے بھی تعلیم فرمائے ہیں جس سے بندہ خدائے قدوس کی حفظ و امان میں رہ سکتا ہے۔ بندہ کے خدا کے تعلق سے کیا فرائض ہیں اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

عدم رویت خدا پر ایک بسیط خطبہ ارشاد فرمایا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ اپنی مخلوقات کی وجہ سے مخلوقات کے سامنے عیاں ہے۔

ان خطبات کے مطالعہ سے متاثر ہو کر ایک دانشور نے ان الفاظ میں نذرِ عقیدت پیش کی ہے "جس طرح قرآن شریف میں خدا کی معرفت کے [illegible] اور بڑی بڑی چیزوں کی طرف متوجہ کیا [illegible] طرح مولائے کائنات نے اپنے خطبات میں [illegible] اور بڑی بڑی چیزوں کی مثالوں سے [illegible] خدا کے یکتائی کے تصور کو اتنا واضح [illegible] کہ بات دل میں اتر جائے۔ اور کوئی [illegible] متزلزل نہ کر سکے اور خدا کی یکتائی [illegible]

ابن ابی الحدید نے ان الفاظ میں اقرار [illegible] کہ "عشلے کا یہی احسان کیا کم ہے کہ آپ نے [illegible] توحید کے وہ تصورات عطا فرما دیئے ہیں جن سے [illegible] نا آشنا تھے۔ اگر عشلے توحید کے اسرار تعلیم نہ [illegible] مسلمان فلسفۂ الہیات سے بے بہرہ رہ جاتے"۔

ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اسکے فرائض [illegible] کرم کی وسیع نوازشوں۔ بخشش اور عطا کے فضل اور احسانات کے پیش نظر اس کی بکثرت حمد و ستائش کریں اور اپنے مالک کے ہمیشہ شکر گذار رہیں۔ ہمیں [illegible] حمد بھی تعلیم فرمایا ہے جو اُسے پسند اور محبوب ہے [illegible] کس معیار کی حمد ہونا چاہیئے اسکی رہبری فرمائی ہے ہمیں خوفِ خدا کو اپنا شعار بنانے کی ہدایت [illegible]

ان خطبات کا مطالعہ لوگوں کے دلوں میں [illegible] الٰہی کی عظمت اور قلب میں منزلت [illegible] رفعت پیدا کرتا ہے۔

رسالت :- (محمد مصطفےٰؐ) [illegible]

ورسالت کے [illegible]

ان خطبات کے مطالعہ سے رسولِ اکرمؐ کے [illegible] زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے [illegible] گرامی۔ مقدس سیرت۔ کردار [illegible] ارفع اخلاق۔ [illegible] تصویریں سامنے [illegible]

[illegible] لہانہ انداز میں ان سب پر [illegible] ڈالی ہے۔ آپ نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح [illegible] کے مبعوث ہونے کے بعد خصوصاً عرب کو [illegible] عالم کو قعرِ مذلت سے باہر نکالا۔ اور کس طرح [illegible] مقام دلایا جو اُن کے ذہن اور خیال میں [illegible] نہ تھا۔ آپ نے روشنی ڈالی ہے کہ رسول اکرمؐ کا خداوندِ عالم کے ساتھ کیا ربط تھا اور اُمت کے ساتھ کیا اندازِ معاشرت تھی اور فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے انسان کو انسان سمجھنے کی تعلیم دی ہے۔

مولائے کائنات نے اپنی اس زندگی پر بھی روشنی ڈالی ہے جو آپ نے رسول اکرمؐ کے ساتھ بسر کی ہے۔ اور فرمایا کہ آپ ہی وہ اول ہیں جنہوں نے رسول اکرمؐ کی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور کس طرح آپ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں رسول اکرمؐ کے ساتھ ساتھ رہے۔

آپ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ہم نبی اکرم کی سیرت کی پیروی کریں کہ آپ کی سیرت بہترین سیرت ہے۔ اور فرمایا کہ ہم رسول اکرمؐ کی زندگی کے ہر پہلو کو پیشِ نظر رکھیں اور ان کی سیرت کو دنیا راہ نما بنائے۔ ہمیں وہ طریقہ بھی تعلیم فرمایا ہے کہ کس طرح ہم اپنے رسول صلعم پر درود و سلام بھیجیں۔

امامت:- نہج البلاغہ میں صاف صاف الفاظ میں یہ اعلان ہے کہ امامت اور خلافت خاندانِ قریش میں ہاشمیوں کا حق ہے۔ فرمایا کہ یہ حق کسی اور کو نہیں ہے کہ وہ خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور کسی کے لئے سزاوار نہیں ہے۔ فرمایا [illegible] کے سوائے کوئی اور ولایت کی صلاحیت نہیں

:

ان خطبات میں امام کی ضرورت اور امام کے فرائض پر روشنی ڈالی ہے۔ امام کے صفات بیان فرمائے ہیں۔ آئمہ اطہار کے فضائل اور مناقب کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امام تعلیماتِ الٰہی اور تبلیغِ رسول اکرمؐ کے نگہبان ہیں اسلئے ہر مسلمان پر ان کی پیروی فرض اور واجب ہے۔ (تاکہ دنیا اور آخرت ٹھیک رہے)۔

اھلبیت (آلِ محمدؐ) کے متعلق ارشادات ہیں۔ آلِ محمدؐ ہی دین کے بنیاد اور یقین کے ستون ہیں دین کی یہ اہم پناہ گاہ ہیں۔ دین کے مضبوط قلعے اور پہاڑ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اھلبیتؑ (آلِ محمدؐ) ہی کی وجہ سے دین کا ضعف و اضمحلال دور ہوا (تاریخ شاہد ہے جب کبھی دین پر آفت آئی اہلبیت ہی اُسکے نگہبان رہے اور اُسے محفوظ کیا) آپ نے فرمایا کہ اھلبیت نے ہی ہمیشہ دین کو بچایا۔

آپ نے فرمایا کہ اھلبیت علمِ الٰہی کے مخزن اور رسولؐ کے علم و دانش کے سرمائے حکمت و علوم کے دروازے ہیں۔ آپ نے رہبری فرمائی ہے کہ دروازے ہی سے داخل ہونا چاہیئے۔ اور فرمایا کہ جو دروازہ چھوڑ کر آئے اُسے چور کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُمت میں کوئی آلِ محمدؐ کے برابر نہیں ہے کسی کو اُن کے برابر نہ سمجھا جائے اور نہ کسی کو ان پر قیاس کیا جائے۔ رسولؐ کی وراثت اور خلافت کے یہی حقدار ہیں۔ کوئی آلِ محمدؐ کے بلند مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ آلِ محمدؐ سے محبت ہر ایک پر فرض ہے۔ ارشاد ہے کہ جو ان سے محبت کرتا ہے۔ ان کو پہچانتا ہے اور جس کو یہ پہچانتے ہوں اسکے لئے رحمتِ الٰہی بے چین ہے۔ اور وہ جنت میں جائیگا۔ فرمایا کہ اھلبیت کے منکر اور بدخواہ کے لئے عذابِ الٰہی ہے اور وہ جہنم میں جائیں گے۔

ان خطبات میں امام آخرالزماں کا بھی ذکر ہے ان حالات کو بیان فرمایا ہے جس وقت امام منتظر ظہور فرمائیں گے اور دُنیا کو ظلم و زیادتی سے نجات دلائیں گے۔

امام اول کے عہد کے حالات، واقعات اور مولائے کائنات کے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ایکسو سے زائد خطبات میں روشنی ڈالی ہے اگر ان خطبات سے اقتباسات ترتیب دیے جائیں تو سوانح حیات مولائے کائنات بزبان مولائے کائنات تالیف ہو سکتی ہے۔

مولائے کائنات نے اپنے عہد طفلی کا زمانہ یاد دلایا ہے اور اس کا ذکر ہے کہ کس طرح آپ بچپن ہی سے رسول اکرمؐ کے ساتھ رہے اور تبلیغ اسلام میں آپ کا ساتھ دیا۔ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں آپ نے جوکارہائے نمایاں انجام دیئے اور جو حصہ لیا اس کے تذکرے موجود ہیں۔ اپنے دیگر اسلامی خدمات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان ناسازگار حالات کا جو رسول اکرمؐ کے وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور ارشاد ہے کہ کس طرح فتنہ انگیز جماعتوں نے آپ کو خلافت سے دُور رکھا اور فرمایا کہ اس منصب کو اُن کے حوالے کیا جہاں اس کا مقام نہیں تھا۔ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ دوسرے کس نہ آپ سے برتر تھے اور نہ حقدار تھے۔

رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد۔ خاموشی۔ اپنے صبر اور ظلم و ستم کو اپنی ذات پر برداشت کرنے کے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خاموشی کی یہ وجہ تھی کہ کہیں پیغمبر اسلام کا لگایا ہوا نوخیز پودا اسلام اور وہ اسلام کا باغ اُجڑ نہ جائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خاموشی اسلام کی بقا کے لئے تھی اور کوئی دوسرا خوف و تصور نہ تھا۔

ان حالات کا ذکر ہے کہ بعد وفات رسول [illegible] جب ابوسفیان ابن حرب اپنے ہمراہ عباس [illegible] کو لے کر آپ کی بیعت کے لئے حاضر ہوا تو آپ [illegible] کے ارادوں کو بھانپ گئے اور اپنا ہاتھ نہ بڑھا کر اسلام کو ایک بہت بڑے فتنے سے بچا لیا۔ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جب خلیفہ سوم کے قتل کے بعد آپ پر مسلمانوں نے ہجوم کیا اور آپ کی بیعت کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے آمادگی ظاہر نہیں کی۔ جب مسلمانوں نے آپ کو بیحد مجبور کر دیا کہ آپ ہی ان کی رہبری فرمائیں اور وہ آپ کو اپنا خلیفہ بنائیں تو آپ نے یہ صاف کہدیا کہ آپ قرآن اور سیرت رسولؐ اکرم کو پیش نظر رکھیں گے۔ جب وہ راضی ہو گئے تو انھیں بیعت کرنے کی اجازت دی۔ آپ نے فرمایا کہ حق کا قیام اور باطل کو ختم کرنا نہ ہوتا تو آپ راضی نہ ہوتے کیونکہ حکومت کرنا آپ کے لئے جوتے سے زیادہ حقیر تھی۔ خطبات میں قبولِ خلافت کے پسِ منظر اور اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔

مولائے کائنات نے خلیفہ سوم کے قاتلین کو بے نقاب کیا ہے یہ وہی افراد ہیں جنھوں نے مولا سے بغاوت کر کے قصاص کا نعرہ لگایا تھا۔ (تاریخ نے بھی قاتلین کے وہی نام محفوظ کئے ہیں جن کی نشاندہی مولائے کائنات نے کی تھی)۔ ان خطبات میں جنگ جمل۔ صفین اور نہروان کے پس منظر اور وجوہات پر تفصیلی روشنی ہے۔ بنی اُمیہ کے غلط [illegible] تبصرہ فرمایا ہے۔ خوارج اور تحکیم پر تفصیلی [illegible]

ان خطبات میں اشارہ فرمایا [illegible] ہوں"۔ فرمایا کہ "قیامت کے دن [illegible] کے گواہ اور ہماری طرف سے [illegible]

[illegible] تیں کی ہیں جس طرح [illegible] اور فرمایا کہ ان چیزوں [illegible] ہے۔ جو اوصیائے بعد والوں تک [illegible] وہ الفاظ۔ "تم جو چاہو پوچھ لو"۔ [illegible] اور نہج البلاغہ میں یہ خطبہ موجود ہے [illegible] افسوس اس عہد کے لوگ اس علم و حکمت و [illegible] کے مخزن سے فیضیاب نہ ہو سکے۔

قیامت:- کے علامات اور آثار بیان فرمائے ہیں۔ عقیدہ قیامت پر تفصیلی ارشادات ہیں۔ قیامت کے فائدے کو ظاہر فرمایا ہے قیامت کے روز کی منظر کشی فرمائی ہے۔ اس روز نیکوکار اور گنہگار کا کیا حال ہوگا اس کا ذکر فرمایا ہے۔ کائنات کی فنا اور پھر سے اس کے تجدید حیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ہدایت ہے کہ ہم موت سے قبل اس روز کے لئے توشۂ آخرت مہیا کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر جاندار کے لئے فنا ہے۔ ہر ایک پر موت کا تیر چلے گا۔ ان خطبات میں جان کنی سے لیکر گوشۂ وحشت اور مسافرت کے تنہا مقام تک کی تفصیلی منظر کشی فرمائی ہے اور سپرد لحد ہونے کے بعد اس جسم پر کیا گذرتی ہے اس کا تذکرہ ہے۔ فرمایا کہ میت حسابات کے وقت تک قبر میں پڑی رہے گی۔ حساب کے دن یہ مُردہ انسان قبر سے نکالا جائے گا اور اپنی آخری منزل بہشت یا دوزخ کی طرف روانہ ہوگا۔ ان تمام دردناک [illegible] پر روشنی ڈالی ہے۔ جنت کی تفصیلات اور جہنمی [illegible] بیان فرمایا ہے۔ ہدایت فرمائی ہے کہ موت [illegible] ہو جائیں۔ توبہ۔ استغفار اور تائب [illegible] ایمان لا کر اچھے کام کریں اور آخرت [illegible] ذخیرہ جمع کریں۔

[illegible] اقتباسات نہج البلاغہ

قابلِ غور و فکر ہیں اور ہر مسلم کا فرض ہے کہ ان ارکان اسلام کو جو حدِ استطاعت ہے پابندی سے بجا لائیں۔

نماز:- نماز کی سخت تاکید ہے اور پابندی سے بجا لانے کا حکم ہے۔ فرمایا کہ نماز عین دین ہے۔ ہدایت ہے کہ ہمیشہ نماز کا خیال رکھیں۔ اور کثرت سے نماز پڑھیں۔ فرمایا کہ یہ خدا سے تقرب حاصل کرنے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔ فرمایا کہ ہر مسلمان پر نماز فرض ہے۔ فرمایا کہ نماز میں چہروں کو عجز اور نیازمندی کی سایہ خاک آلود کیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے مجمع سے دریافت کیا کہ کیا انھیں معلوم ہے کہ جب اہلِ جہنم سے یہ پوچھا گیا کہ وہ کس وجہ سے گرفتارِ دوزخ ہوئے۔ مجمع ساکت تھا تو آپ نے فرمایا کہ اہلِ دوزخ کا یہ جواب تھا کہ "ہم نماز گذاروں میں نہیں تھے"۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ کو جنت کا مژدہ ملنے کے باوجود پابندی سے نماز ادا کرتے تھے ہدایت اور حکم ہے "تم خود پابندی سے نماز پڑھو اور اپنے اہل کو بھی نماز پڑھنے کی تلقین کرو"۔ آپ نے ہدایت فرمائی ہے کہ نماز وقت پر پڑھیں۔ کسی مصروفیت کے پیشِ نظر وقت سے پہلے ادا کرنی نہ چاہیئے اور نہ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مشغول کر دیر سے ادا کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ تمہارا ہر کام نماز کے ماتحت ہے۔ مولائے کائنات نے اپنے دورِ حکومت میں نماز کے اوقات پر ایک فرمان جاری فرمایا۔ یہ فرمان نہج البلاغہ میں محفوظ ہے۔ فرمایا کہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ واجب کی گئی ہے۔

روزہ و زکوٰۃ:- نماز کی طرح یہ اعمال بھی ضروری ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ اعمال تکبر کو توڑتے ہیں اور خودستائی کو مٹاتے ہیں۔ روزہ میں بھوک کا احساس دوسروں کی بھوک کو یاد دلاتا ہے

روزہ عذاب کے لئے ایک سپر ہے زکوٰۃ واجب ہے اور یہ تقرب الٰہی کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے انسان دنیا میں جو فائدے حاصل کرتا ہے یا منافع کماتا ہے اپنے اس منافع کو وہ غربا۔ فقرا۔ محتاجین اور مساکین تک پہونچاتا ہے۔ زکوٰۃ دینے کے طریقے بتلائے ہیں۔ ان تحصیلداروں کے نام بھی تفصیلی احکام ہیں جو زکوٰۃ وصول کرتے ہیں

حج: مولائے کائنات نے فرمایا کہ پروردگار نے ہر مسلمان پر اپنے گھر کا حج واجب کیا ہے۔ فرمایا کہ حج کو جانا انسان کے فروتنی اور عاجزی کی علامت ہے۔ اور خداوند عالم کی عظمت۔ عزت اور احترام کی تعظیم ہے۔ فلسفہ حج پر ارشادات ہیں۔ فرمایا کہ حج کرنا یا عمرہ بجالانا فقر کو دور کرتا ہے اور گناہوں کو دھوتا ہے حج کو جانا بندہ کا ایک امتحان ہے سعی اور طواف کی سطر کشی فرمائی ہے۔

کعبہ موجودہ مقام پر کیوں ہے اور اس کی عمارت اتنی سادہ کیوں ہے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

جہاد: ارشاد فرمایا کہ جہاد حق تعالیٰ کی ایک محکم زرہ ہے جو بندہ کو پروردگار عالم بے عطا فرماتی ہے۔ فرمایا کہ جہاد جنت کا ایک دروازہ ہے جو اللہ کے خاص دوستوں کے لئے کھلا ہوا ہے یہ پرہیزگاری اور تقویٰ کا محکم لباس ہے اور ایک مضبوط سپر ہے فرمایا کہ جو جہاد کی آواز پر لبیک نہیں کہتے ہیں وہ ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ مصیبت اور ابتلا میں گھر جاتے ہیں

مولائے کائنات کے اس عہد کے لوگوں کے تذکرے ہیں۔ جس نے دعوت جہاد پر عذر تراشیاں کیں اور تساہل برتا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر: بیشتر خطبوں میں ان اعمال کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کی تعلیمات کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

ہدایت فرمائی ہے کہ زندگی میں اچھا عمل کریں اور نیک رہیں برے افعال سے پرہیز کریں۔ آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہ صفات ہیں جو خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں ان اعمال کی بجا آوری کی وجہ سے انسان برکات حاصل کرتا ہے۔

تولا و تبرا: ائمہ اطہار سے محبت کی تعلیم ہے محبت کرنے والوں کو جنت کا مژدہ ہے۔ غاصبین حق ائمہ اطہار تھے جو آل محمدؐ پر ظلم و ستم کیا ان پر تبرا کی تعلیم ملتی ہیں۔ سب و شتم کو رد کیا ہے لیکن فرمایا کہ ان کے ظلم کی داستان بیان کریں۔ ان کے کرتوت کو ظاہر کریں۔ اور صحیح حالات پیش کریں۔

اسلام کے اصول و فروع کے علاوہ مزید چند موضوعات زیر غور ہیں۔

قرآن: قرآن کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے اور ہدایت فرمائی ہے کہ قرآن کا علم حاصل کریں کیونکہ یہ بہترین کلام ہے۔ فرمایا کہ قرآن میں ہر چیز کا علم ہے۔ ہر چیز کا کھلا۔ کھلا بیان ہے۔ فرمایا کہ قرآن اچھائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اور برائیوں سے روکتا ہے فرمایا کہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس میں گزشتہ کے واقعات اور آئندہ کے معلومات ہیں فرمایا کہ یہ ہماری بیماریوں کا علاج ہے۔ ہم تمام روحانی امراض کا مداوا اسی سے چاہیں۔ قرآن حکیم کے جمال و جلال پر روشنی ڈالی ہے اور ہدایت فرمائی ہے کہ اس سے تمسک رکھیں رشتہ منقطع نہ کریں اور فرمایا کہ اللہ کی اس رسی کو (قرآن ناطق) کو مضبوطی سے پکڑیں [illegible] کہ قرآن کے پورے علم کو بتلانے والے حضرت [illegible] ہی ہیں کیونکہ قرآن صامت ہے۔ قرآن [illegible] کی تفسیر بھی فرمائی ہے فرمایا کہ قرآن [illegible] ہے اور احکام پر غور و فکر کریں

[illegible] کا تذکرہ ہے فرمایا کہ
[illegible] خطبات کو بھلا دیں گے۔

[illegible] نے مولائے کائنات کے قرآن
[illegible] کے مطالعہ سے متاثر ہو کر ان الفاظ میں خراج
[illegible] پیش کیا ہے کہ "خطبات کے مضامین مشتمل ہیں
[illegible] علوم قرآن۔ تفسیر و تشریح۔ استعمال اور
[illegible] پر۔ قرآن کی افادیت ظاہر فرمائی ہے تنزیل
[illegible] ترتیب۔ رموز و نکات کا بیان ہے۔ مختلف پہلوؤں پر
غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

حدیث

فن حدیث اور روایت کے مدوّن اصول پر روشنی ڈالی ہے
حدیث کا مرتبہ اور راویوں کی حیثیت بیان فرمائی
ہے۔ غلط حدیث کسے کہتے ہیں اس کا ذکر ہے کسی علم دوست
نے یہ تحریر فرمایا کہ "مولائے کائنات کے ارشادات اور
کلمات ان افراد کے لئے جو فن اور حدیث کے ماہر ہیں۔
[illegible] ثابت ہوئے"

دُنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی

دنیا وی زندگی کی نقشہ کشی فرمائی ہے۔ فرمایا کہ
[illegible] ابتدا رنج اور انتہا فنا ہے اس کی ابتدا مشقت
اور انتہا ہلاکت ہے دنیا کی صعوبتوں کے تذکرے فرمائے
[illegible] فرمایا ہے کہ اس دنیا میں سکون و قرار نہیں ہے دنیا
[illegible] سایہ سے تشبیہ دی ہے فرمایا کہ اس کی طرف بڑھو
[illegible] بھاگتی ہے۔ اس کے پیچھے بھاگو تو وہ پیچھے دوڑتی

[illegible] کا آئینہ فرمایا ہے دنیا اور دنیا دلو
[illegible] پر روشنی ڈالی ہے دنیا والوں کی
[illegible] ہے دنیا کا تعارف فرمایا ہے۔
[illegible] دنیا کی رنگینوں اور اس کی

آرائش و زیبائش پر فریفتہ ہونے سے روکا ہے اور فرمایا
کہ یہ اپنی آرائشوں سے دھوکہ دیتی ہے ارشاد ہے کہ
دنیا کی نعمتیں کامل ہیں لیکن یہ آخرت کی نعمتوں کے
سامنے حقیر اور پست ہیں۔ دنیا کو ترجیح نہ دینے کی ہدایت
ہے کیونکہ یہ نگار فی ہے اور بہت جلد یہ اجنبی بن جاتی
ہے۔ دنیا کو ترک کرنے کی تعلیم ہے لیکن رہبانیت سے
روکا ہے اور ترک علائق سے منع فرمایا ہے۔ ان خطبات
کا مطالعہ انسان کو نیک بنا سکتا ہے اور دماغ کو
پاک کر سکتا ہے۔

پند و نصائح

بیشتر خطبات میں پند و نصائح اور اخلاقی تعلیمات کے درس
ہیں ان تمام ارشادات کو اس مضمون میں ضبط کرنا ممکن
نہیں ہے چند ارشادات پیش ہیں فرمایا کہ دوسروں
کے اعمال کو اچھالنے کے قبل خود کا جائزہ لیں۔
عیب جوئی اور غیبت کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ افواہی
باتوں پر کان نہ دیں فرمایا کہ بات وہی کہنی چاہیئے جو
مشاہدے میں آچکی ہو۔ موت سے عبرت حاصل کرنے
کی تعلیمات ہیں۔ ارشاد ہے کہ موعظت اور عبرت دلانے
والے کلمات سے زیادہ موت پند و نصیحت کا
دفتر ہے ہدایت فرمائی ہے کہ انسان اپنی زبان کو قابو میں
رکھے اس لئے کہ یہ ایسے مالک سے منہ زوری کرنے والی ہے
دنیا میں وسیع گھر رکھنے سے منع فرمایا ہے۔
آخرت کی فراہمی کے لئے وسیع گھر فراہم کر دیں ان لوگوں
کو ہدایت ہے جو وسیع گھر رکھتے ہیں۔ موقع و محل کے مطابق
حقوق کی ادائیگی کریں مہمانوں کی مہمان نوازی کریں۔
غریبوں سے اچھا برتاؤ کریں۔ نہج البلاغہ میں پند و نصائح
کے دریا بند ہیں ایسے نفسیاتی نکتے اور جملے ہیں جن پر ایک
ماہر نفسیات وجد کر سکتا ہے۔ کسی مفکر نے ان الفاظ میں
خراج عقیدت پیش کیا ہے "امیر المومنین کے مواعظ حسنہ

غلوص ، سراپا قرآن، سراپا تقویٰ۔ سراپا صداقت اور عبدیت ہیں!"

مال اور دولت :- مولائے کائنات نے فرمایا کہ انسان کے مال اور دولت میں دوسروں کا حصہ ہوتا ہے سرمایہ داروں کو حکم ہے کہ غریب کی مدد کریں اور ان پر رحم کریں۔ فرمایا کہ خدا نے جو مال و متاع عطا کیا ہے اس کو راہِ خدا میں خرچ کریں۔ ایسے مال سے اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کریں غریبوں حاجتمندوں۔ محتاجوں۔ مسکینوں فقیروں معذوروں یتیموں اور بیواؤں کی مدد کریں فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والا تحسین اور آفرین حاصل کرتا ہے اور نیک نام رہتا ہے۔ فرمایا کہ یہ نیک نامی بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ مال اور دولت چھوڑ جائے اور اس کا کوئی احسان مند نہ ہو فرمایا کہ انسان اپنے مال سے حقوق کی ادائی کرے۔ فرمایا کہ مال اور دولت کی فراوانی سے انسان اپنا سکون کھو بیٹھتا ہے مالدار کو تفصیلی ہدایات ہیں کہ وہ اپنا مال کس طرح خرچ کرے دولت کے صحیح مصرف کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ فرمایا کہ دولت کو داد و شہرت حاصل کرنے کے لئے استعمال نہ کریں۔ بلکہ رضاء الٰہی پیش نظر رکھے۔

تقسیم زر میں مساوات کی تعلیم دی ہے۔ خاندان شرافت۔ عہدہ۔ نسلی۔ مذہبی۔ ملی۔ اور فرقہ وارانہ تصورات کو نظر انداز کرنے کی تعلیم ہے۔ فرمایا کہ حکومت کے بیت المال اور خزانے سے ہر حصہ دار کو اس کا جائز حصہ دیا جائے کسی قسم کے تصورات کو سامنے رکھ کر مال کی تقسیم نہ ہو مولائے کائنات نے اپنے اس مساویانہ نظریہ کے عملی اقدام کے تذکرے بھی فرمائے ہیں۔

مولائے کائنات نے جاگیری نظام کو ختم کیا تیسرے خلیفہ کی عطا کردہ جاگیرات اور اضافہ اپنے

دورِ حکومت میں مسلمانوں [illegible]

حاکم اور رعایا :- مولائے [illegible] عہدیت [illegible] کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔ حاکم اور محکوم کے [illegible] روشنی ڈالی ہے دونوں کے فرائض [illegible] حقوق کو واضح فرمایا ہے ملکی اصلاح کس طرح [illegible] اس کی رہبری فرمائی ہے۔ حکومت کے طریقہ [illegible] طریقہ جہانبانی پر ایک مکمل فرمان ہے جو ایک مکمل [illegible] دستور ہے اس دستور میں آپ وہ احکام [illegible] ہیں۔ جہاں غریب اور پس ماندہ طبقات کا خاص [illegible] سے خیال رکھنے کا حکم ہے ہر محکمے کے فرائض [illegible] کار پر روشنی ڈالی ہے اس کے مطالعہ سے آج کی دنیا بھی رہنمائی حاصل کر سکتی ہے۔

انبیا کا سبق اور تاریخ :- بعض انبیاء کی سیرت [illegible] بیان فرمائی ہے [illegible] تاریخی جھلکیاں بھی ان خطبات میں موجود ہیں [illegible] حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان ابن داؤد علیہ السلام اور [illegible] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت [illegible] بیان فرمائی ہیں حضرت آدم کا تذکرہ بھی ہے [illegible] عصبیت کی بنیاد رکھی اس کی مذمت کی ہے۔ ان [illegible] ذکر فرمایا ہے جنہوں نے انبیاء کو قتل کیا اور [illegible] طریقوں کو مٹانا چاہا۔

عرب کے دورِ جاہلیت کا نقشہ [illegible] کی وفات کے بعد تاریخ نے جو [illegible] موجود ہیں۔ مولائے کائنات [illegible] نے جو پیشین گوئیاں [illegible] ان سب واقعات [illegible] مطالعہ [illegible]

سائنسی انکشافات :- مولائے کائنات

یہ واضح ہے کہ مولائے کائنات نے حقیقت اس مجمع کے سامنے ارشاد فرمائے جو جاہل اور کسی بھی علم سے نابلد تھا اس لئے آپ مطالعہ فرمائیں گے کہ سیدھے سادے الفاظ میں کئی سائنسی رموز کا انکشاف فرما دیا ان ہی انکشافات کو ترقی یافتہ سائنسی دنیا نے بڑی محنت اور کاوش سے معلوم کیا

نہج البلاغہ میں خلقت ارض و سما۔ آسمانوں۔ ہواؤں کی پیدائش۔ ابر کی کیفیات۔ پانی اور بارش کا تذکرہ۔ بادل کی کیفیات اور بارش کا باہمی تعلق ان سب پر حکیمانہ ارشادات موجود ہیں فلکیات کے کئی راز خلقت افشا فرمائے ہیں آسمان اور ستاروں کا ذکر ہے آپ کا یہ ارشاد کہ ہمارے کرہ زمین کے اطراف ہوا ہے۔ قابل تسلیم ہے پہاڑوں کی وجہ خلقت بیان فرمائی ہے آپ کا یہ ارشاد کہ پہاڑ کی جڑیں ہوتی ہیں جو پانی میں اتار دی گئی ہیں ایک سائنس داں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے جب کہ آج سے ایک سو پچاس سال قبل تک بھی سائنس ناواقف تھی کہ پہاڑ کی جڑیں ہوتی ہیں۔

عوالم کا ذکر ہے۔ ان عوالم میں ہماری اس دنیا کی حقیر حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

انسان اول کی تخلیق کا ذکر ہے انسان کی خلقت کے ان تمام مراحل کو جو رحم مادر سے لیکر طفلی و جوانی تک ہوتے ہیں ان پر ارشادات ہیں اور ہمارے اعضا کے افعال کا بھی ذکر ہے آپ نے انسان کے باطنی اعضا کا تذکرہ فرمایا ہے اور فرمایا کہ باطنی اعضا کو ظاہری اعضا سے ملا دیا گیا ہے یہ عصبی نظام کی طرف اشارہ ہے۔ باطنی اعضا کے جسم انسانی میں وجود کی دریافت آج سے ایک سو سال ہوئی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ ہمارے اعضا ہمارے گواہ ہوں گے کچھ سال پہلے ہی سائنس نے یہ معلوم کیا کہ ہمارے اعضا جسمانی کی تمام حرکات مرتسم ہو جاتی ہے اور ہمارے دماغ کے ان حصوں کو جہاں ہمارے باطنی اعضا کے مقامات ہیں ان کو الیکٹروڈ (ELECTROTE) سے چھوا جائے تو وہ سب کچھ اگل دیتے ہیں جو ان مقامات میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔ انسان کی صورتوں اور سیرتوں کا سبب اس مادی طینت کو قرار دیا ہے (مادی طینت سے مراد وہ اجزائے عنصری ہیں جو زندگی کی ابتدا اور اصل ہیں)۔ سائنس نے بھی ان ہی اجزا (GENER) کو اختلاف صورت اور سیرت کا سبب مانا ہے۔

چمگادڑ کی عجیب و غریب خلقت کا ذکر فرمایا ہے۔ مور کی آفرینش کا تذکرہ ہے۔ مور اور کوا کس طرح اپنی نسل بڑھاتا ہے اور کس طرح انڈے دیتا ہے بتلایا ہے اور اس کے ان غلط تصورات کو دور کیا ہے جو آج بھی غلط تصورات ہمارے دل و دماغ میں لئے ہوئے ہیں مولا نے صحیح طریقہ تولید کو بتلایا ہے۔ نباتات کے سلسلہ میں ایک چمکتے ہوئے درخت کا ذکر ہے جس سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہر ماہر سائنس داں ان خطبات کا بغور مطالعہ کرے تو یقینی کئی سائنسی رموز کا انکشاف ہوگا۔

ان خطبات میں اس غیر محسوس خلقت کا بھی تذکرہ ہے جسکو سائنسی دنیا آج تک معلوم نہ کر سکی۔

حوالہ جات (۱) نہج البلاغہ۔ ترجمہ انگریزی۔ مولانا سید محمد عسکری جعفری اعلیٰ اللہ مقامہ (۲) نہج البلاغہ اردو ترجمہ۔ مفتی جعفر حسین صاحب اور مولانا رئیس احمد صاحب جعفری۔

(۳) منہاج نہج البلاغہ

الفاضل الشہید سید سبط حسن الہنسوی

اس مضمون کو تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نہج البلاغہ کا مطالعہ عام ہو اور ہر شخص کو نہج البلاغہ سے دلچسپی اور شوق پیدا ہو جائے۔ ہر فکر و نظر رکھنے والا شخص اپنے زاویہ نگاہ سے مطالعہ فرما کر موضوعات نہج البلاغہ پر تفصیلی روشنی ڈالے اور اس میں جو علم کے رموز ہیں انکو پیش کرے تاکہ ہم مستفید ہو سکیں۔

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ وسیم
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینیٹیز اینڈ سوشل سائنسز
ریجنل انجینیرنگ کالج۔ سری نگر کشمیر

علیؑ کی نظر میں سماجی اور معاشی انصاف

مولائے کائنات کی مدح کرتا ہوا مشہور تاریخ داں گبن (Gibbon) اپنی کتاب "دی ہسٹری آف دی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر" (The History of the Decline and Fall of the Roman Empire) کی جلد ۵ میں لکھتا ہے۔

"علیؑ کا ولولہ اور اُن کی خصوصیات کچھ ایسی تھیں کہ اُن کی وجہ سے اُن کا کوئی ہم عصر اُن پر سبقت نہ پا سکا۔ اُن میں بیک وقت ایک شاعر، ایک دلیر سپاہی اور ایک ولی کی خصوصیات یکجا ہوگئی تھیں۔ اُن کا ہر حریف بزم و رزم میں اُن کی فصاحت و شجاعت کے آگے سر بہ خم نظر آتا تھا۔ پیغمبر اسلام کے مشن کے اولیں لمحات سے اُن کی مراسم تجہیز و تکفین تک پیغمبر کو اُن کے اس جانباز نے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے اُنھیں اپنا بھائی، اپنا جانشین اور فرماں بردار مثیل ہارون کہنے میں خوشی محسوس کی۔"

اسی طرح مصر کا مشہور عیسائی مؤرخ، ماہر لسانیات، فلسفی اور شاعر جرجی زیدان (Jurji Zaidan) علیؑ کی "صداقت و انصاف پسندی پر یقین صادق" رکھتا ہے اور وہ اُن کی مدح سرائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

آسبورن (Osborne) نے بھی مولائے کائنات کے حق و انصاف کے نظریہ کا ذکر یہ کہہ کر کیا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسا سماج وجود میں آئے کہ جس کی بنیاد حق پرستی اور انصاف پر ہو۔ وہ لکھتا ہے:

"علیؑ کو اُن کے متعدد مشیروں نے رائے دی تھی کہ جب تک وہ اپنے دشمنوں سے نجات حاصل نہیں کر لیتے، سابق حکومتوں کے مقرر شدہ بدعنوانیاں کرنے والے گورنروں کو برطرف نہ کریں لیکن اسلام کے اس شیر نے جو خوف و ہراس اور سرزنش سے بالاتر تھے دغا، اقوال و اعمال میں تضاد یا ناانصافی سے سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن اُن کے اس بہترین اقدام کی قیمت اُن کی حکومت اور خود اُن کی زندگی کو

...کسی بھی چیز کو انصاف
...زیادہ مقدّر تصور نہیں کرتے

...مساوات اور ہر ایک کے لئے برابری کے
...قائم کرنے میں یقین رکھتے تھے اور اسی کے لئے
...کوشاں رہتے تھے۔ وہ انسانی ضروریات میں اپنے دوست
و دشمن دونوں کو برابری کا درجہ عطا کرتے تھے جنگ جمل
کے موقع پر حضرت زخمی ہو گئے تھے بدن سے خون رس
رہا تھا لیکن قنبر نے جب شربت پیش کیا تو اللہ کے اس
سپاہی نے فرمایا

"کیا میں اس (شربت) کو پی کر راحت
حاصل کروں؟ جب کہ میں دیکھ رہا ہوں
کہ سینکڑوں افراد زخمی پڑے ہوئے پیاس
اور زخموں سے جاں بلب ہیں میرے لئے یہ
شیریں مشروب لانے سے اچھا تو یہ ہوتا
کہ تم ان زخمی لوگوں کو ٹھنڈے پانی سے
سیراب کر دیتے۔"

وفادار قنبر نے یہ سب ادب سے سنا اور فرمایا:

"مولا! مگر یہ سب تو ہمارے
دشمن ہیں"

لیکن امیر المومنین نے پھر ٹوکا:

"ہوا کریں مگر یہ سب انسان ہیں جاؤ
اور ان کی خبر گیری کرو۔"

...میں آذربائیجان (Aizarbayan)
...آردابیل (Ardabail) کی
...کو مولا کا ایک فرمان دستیاب ہوا
...مینا کے عیسائیوں
(Armenia...) کی جان، مال، عزت
...کی ضمانت دی تھی اسی

فرمان کے ذریعہ اپنے افسروں کو ہدایت کی تھی کہ ان
کو حقیر نہ سمجھا جائے اور انھیں غیر مسلم تصور کرکے ان
کے ساتھ بدسلوکی ہرگز نہ کی جائے

(۲)

حضرت علیؑ ایک ایسے ہی بلند مرتبے کے حامل انسان
ہیں کہ جنھیں خدا کے رسول نے انا مدینة العلم
و علی بابها کہہ کر دیا کہ پہچنوایا تھا۔ ہم امیرالمومنین
کے خطبوں اور تحریروں کے چند اقتباسات اس لئے پیش
کر رہے ہیں کہ ہمارے قارئین مولائے کائنات کے سماجی
اور معاشی انصاف کے نظریہ سے روشناس ہوں آپ
نے اپنے گورنروں اور افسروں کو ہمیشہ یہ ہدایت کی کہ وہ
ایسے خیالات اور اقدامات کے حامل ہیں جس سے ایک
فلاحی حکومت (Welfare State) کا وجود
عمل میں آئے۔

اپنے ایک خطبے میں آپ نے فرمایا۔

"(اے لوگو) یاد رکھو کہ اگر تم میں سے
کوئی شخص بھی عوام میں افلاس، بیچارگی
اور بھوک کو دیکھتا ہے اور اُن کی طرف مدد
کرنے والا ہاتھ نہیں بڑھاتا تو وہ اس طرح
اپنی دولت میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح
اگر وہ خیرات کرتا ہے تو اس کی دولت میں
ترقی ہوگی اور سرتہ وہ افلاس کی طرف
گر جائے گا"

اسی لئے آپ نے اعلان فرمایا:

"(اے لوگو) تمھاری طرف میری
ذمہ داری یہ ہے کہ میں تمھیں زندگی کے
صحیح طریقے سکھاؤں، تمھارے لئے ایک

فلاحی حکومت (Welfare State)
کی تشکیل کروں، تمہاری آمدنی اور معیارِ
زندگی کو بلند کروں، تمہیں تعلیم دوں اور
تمہیں ایک معیاری تہذیب اور ثقافتی
اقدار سے مالا مال کر دوں؟

لیکن یہ سب کچھ جس کا بیان اوپر کیا گیا ہے، وجود میں اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ایک ایسی حکومت وجود میں نہ ہو جس کی حدود میں مکر و فریب، استحصال اور نوکر شاہی کا دور دورہ نہ ہو۔ اسی لئے امیر المومنین نے ایک ذمہ دار حکومت کی ایک اہم ضرورت بتایا اور فرمایا کہ:

"(ایسی حکومت کی ضرورت اس لئے
ہے کہ) اس کے زیرِ سایہ مسلم اور غیر مسلم
دونوں برابری سے اپنی فلاح حاصل کر سکیں
اور اپنی ذہنی اور جسمانی کد و کاوشوں سے
(جائز) فوائد حاصل کر سکیں تاکہ اس
(حکومت) کی مہربان محافظت میں اللہ
انہیں خوشحال زندگی اور ذہنی سکون عطا
کرے تاکہ وہ حکومت کے زیرِ سایہ آگے
بڑھیں، ترقی کر سکیں اور اُن کی نشو و نما
ہو سکے، اور (اگر وقت پڑ جائے تو) عوام
اس (حکومت) کے علم کے سائے میں اپنے
دشمنوں سے اپنا دفاع کر سکیں تاکہ (ملک
میں) شاہراہوں، زندگی، عزت، مذہب
اور آیندہ (زندگی) کی ضمانت ہو۔"

ایک فلاحی حکومت کو اپنے سماجی اور معاشی انصاف کے منصوبوں میں محروم افراد (Under-privileged) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ہر سرکاری منصوبے میں اُن کا ذکر خاص کر ہونا چاہئے۔ آئیے دیکھیں کہ اللہ کے اس نمائندے نے اپنے گورنر — مالک اشتر — کو اپنے ایک

فرمان کے ذریعے کیا ارشاد [illegible]
"تمہیں مفلس عوام سے [illegible]
اور اُن کی فلاح و بہبود کا [illegible]
جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں [illegible]
کی خود بینی اور دولت کا خیال [illegible]
اہم ذمہ داری کو نظر انداز نہ کرنے [illegible]
تمہارا عہدہ ایک ایسا اہم عہدہ ہے کہ تم
چھوٹی سے چھوٹی غلطی اور فروگذاشت
سے یہ کہہ کر دامن نہیں بچا سکتے کہ تم [illegible]
کے اہم اُمور اور ذمہ داریوں کو محنت [illegible]
جانفشانی سے انجام دینے میں مصروف
تھے۔ اس لئے (اے مالک) غریب عوام
کی فلاح و بہبود کے لئے مستعد رہو۔
یاد رکھو کہ تمہیں ان لوگوں کا خاص خیال
رکھنا ہوگا جو تم تک نہیں پہنچ سکتے اور
جنہیں یہ سماج نفرت و بیزاری کی نظر
سے دیکھتا ہے (اس لئے) تم اُن کے لئے
اطمینانِ قلب، محبت اور عزت کا
باعث بن جاؤ۔"

اسی لئے اگر ضرورت پڑ جائے تو سماج میں دولت اور مواقع کا منصفانہ بٹوارہ کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] نے فرمایا کہ ایک انصاف پسند حکومت کو ایسا نظام [illegible] چاہئے کہ جس میں:

... مفلس، نادار، [illegible]
پسماندہ عوام کے حقوق اور [illegible]
ان طاقت [illegible]
لئے جائیں [illegible]
انھیں [illegible]
[illegible]

[illegible] کیا جا سکے گا۔"

سماج میں افراد کے لئے دولت کا بلا وجہ دبا رکھنا (Hoarding) اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وہ اپنے متعلقین، اعزا، یتیموں اور مسافروں کی طرف اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی نہ کریں۔ موجودہ زمانے کی زری مقدار کی آمدنی اور اخراجات کے نظریئے (Income and Expenditure Approach to the Quantity Theory of Money) کی رُو سے دورِ حاضر کی زری معیشت کی فلاح اسی میں ہے کہ زر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں (اقتصادی اقدامات کی وجہ سے) منتقل ہوتا رہے۔ دولت کا دبا کر رکھنا ہمیشہ علیؑ کی نظر میں ایک مذموم فعل تھا جب آپ کو قنبر کی پس انداز رقم کا پتہ چلا تو آپ نے اُن سے استفسار کیا۔ قنبر نے فرمایا کہ اُنھوں نے یہ ذخیرہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی آمدنی میں سے حاصل کیا ہے لیکن مولا نے قنبر سے کہا:

"قنبر! اگر تمھارے لئے اس رقم کی (کسی خرچ کے لئے) ضرورت نہ تھی تو (اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ) تمھارے اردگرد ایسے افراد نہ تھے جنھیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ ان میں سے بعض فاقہ کش ہوں گے اور کچھ بیمار اور مجبور۔ کیا تم ان کی امداد نہ کر سکتے تھے؟ مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ تم ایک ایسے سخت دل انسان ہوگے کہ تم دولت سے صرف دولت کے لئے محبت کروگے۔"

[illegible] اس گفتگو کے بعد قنبر جیسے وفادار اور جاں نثار [illegible] ممکن تھا کہ وہ اپنے پاس اکٹھا درہم سے دست بردار نہ ہوتے؟ لہٰذا اُنھوں نے اُنھیں مساوی طور سے مسجد کوفہ کے اطراف میں محتاجوں میں تقسیم کر دیا بے شک! جیسا کہ حضرت علیؑ نے مالکِ اشتر کو لکھا تھا:

"کسی بھی ملک کی زبوں حالی اور بربادی کی وجہ اس ملک کے عوام کی غریبی ہے اور عوام کی مفلسی کی وجہ اس ملک کے حکام اور افسران کی وہ ہوس ہے جس کی رَو میں بہہ کر وہ دولت اور املاک پر جائز و ناجائز طور سے قبضہ کرنے لگتے ہیں۔"

(۳)

حضرت علیؑ کی نظر میں ایک خود اختیاری طور سے ترقی پذیر اور انصاف پر مبنی سماجی ڈھانچہ کی بڑی ضرورت اور وقعت تھی۔ اُن کا نظریۂ انصاف قرآن کریم میں دی ہوئی اللہ کی حمد و ثنا سے مطابقت رکھتا ہے یعنی اللہ کو "رب العالمین" کہہ کر اُس کی تعریف کی گئی ہے۔ اس سے ایک عالمگیر نظریہ کی نشوونما ہوتی ہے۔ جہاں ہر طرح کا تعصب دم توڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ذرا علیؑ کے اس حکم کو تو دیکھئے کہ جب اُنھیں یہ خبر ملی کہ غیر مسلم افراد کی طرف عبداللہ ابن عباس کا رویہ نامناسب ہے تو آپ نے اُنھیں فوراً تحریر فرمایا:

"تمھارے صوبے کی زرعی آبادی نے تمھارے سخت گیر، اہانت آمیز اور بے رحم رویہ کی شکایت کی ہے۔ اُن کی شکایت پر غور و فکر لازم ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان سے

جو سلوک کیا گیا ہے وہ اُس سے بہتر کے حقدار ہیں۔"

اس طرح انھوں نے غیر مسلم افراد کے ساتھ بھی نرمی اور شفقت سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے ابن عباس کو یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ:

"انھیں موقع دو کہ وہ تم سے ملاقات کر سکیں۔ اُن سے اخلاق اور نرمی سے پیش آنا۔ وہ بت پرست اور مشرک ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ وہ ہماری رعایا اور انسان ہیں لہٰذا انھیں اپنے سے دور نہیں بھگایا جا سکتا اور اُن سے درشت اور اہانت آمیز رویہ (بھی) اختیار نہیں کیا جا سکتا۔"

حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سبھی سرکاری عمال کو ہدایت کی تھی کہ وہ حد درجہ مساوات اور انصاف سے اپنے فرائض انجام دیں۔ مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر کیا تو ایک مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا:

"جہاں تک انصاف بہم پہنچانے کا تعلق ہے اس کام کے لیے تمھیں جماعت کے طریقے سے اپنے افسران کو چننا ہوگا۔ تم پر لازم ہے کہ تم ایسے افراد کا انتخاب کرو جو بہترین چال چلن، اعلیٰ استعداد اور ملازمت کے بہترین ریکارڈ کے حامل ہوں۔"

اسی طرح زکوٰۃ کی رقم کا تعین کرنے اور اُسے وصول کرنے والے افسروں کو ہدایت دیتے ہوئے مولا نے اس بات پر زور دیا کہ:

"دیکھو جب تم کسی جماعت (قبیلے) [illegible] کے پاس ٹیکس کا تعین اور وصولیابی کرنے جاؤ تو تم اس جگہ قیام کرو [illegible] سے وہ پانی حاصل کرتے ہیں۔ دیکھو [illegible] ریگستانی علاقے میں ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ ہے۔ مگر اُن کے مکانات میں ہرگز نہ ٹھہرو۔ اُن کی مناسب طور پر عزت کرو۔ اگر اُن میں سے کوئی فرد یہ عذر پیش کرے کہ اُس کے پاس کوئی ایسا مال و متاع نہیں ہے جس کی وجہ سے اُس پر ٹیکس عاید کیا جا سکے تو اُسے پریشان نہ کرو بلکہ اُس کی اس دلیل کو قبول کر لو۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ وہ زکوٰۃ دینے کی استعداد رکھتا ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے گھر، کھیت یا چراگاہ تک جاؤ۔ مگر اُسے نہ تو خوف زدہ کرو اور نہ حواس باختہ اور دیکھو ہرگز ہرگز اُن میں سے کسی کے ساتھ سختی اور جابرانہ رویہ سے پیش نہ آنا۔"

اسی نظریۂ انصاف کے تحت مولا نے مالک اشتر کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے لیے "کسی ایسی شے کو صرف اپنے تصرف کے لیے نہ رکھ لیں جس میں دوسرے بھی برابر کے حقدار ہوں۔"

اگر آج کے اس افراتفری کے دور میں ہم مولا [illegible] کی اس ہدایت پر کاربند ہوں تو عوام کا یقین [illegible] حکومت اور اُس کے افسران پر کتنا بڑھ جائے [illegible] ہم سب یہ جانتے ہیں کہ دفتری [illegible] کی خود غرضی اور مفاد پرستی سے دنیا [illegible] بھی جلد ہی بدنام ہو جاتی ہیں [illegible] مالک اشتر کو لکھا تھا:

"دیکھو افسروں [illegible]

[illegible]

استحصال کی طرف سے اپنی آنکھیں بند نہ کر لینا کیونکہ دوسروں کی بدعنوانیوں کی ذمہ داری تم پر عائد ہوگی۔"

ایک بار جناب عبداللہ ابن جعفر نے بیت المال سے پیشگی قسط کی رقم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو باوجود جناب عبداللہ سے بے پناہ محبت فرمانے کے مولا نے یہ کہہ کر قطعی طور پر منع فرمایا "نہیں ہرگز نہیں ایک دن بھی دوسروں سے پہلے نہیں اور ایک درہم بھی دوسروں سے زیادہ نہیں۔"

(۴)

لیکن ایک سماجی و معاشی انصاف پر مبنی حکومت کے قیام میں دیانتدار اور راسخ العقیدہ حکمران اور اہلکاروں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بعد عوام کا اعتماد اور تعاون خود بخود حاصل ہونے لگتا ہے اور پھر حکومت ایک مستحکم اور روشن مستقبل کی حقدار بن جاتی ہے کیونکہ عوام کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ملک میں جو کچھ بھی پیداوار اور سماجی و معاشی ترقی ہوگی اُس میں سے اُن کا جائز حق اُنھیں ملتا رہے گا۔ اور اب خوشحال افراد (Haves) اور محروم افراد (Have - nots) دونوں کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حق و انصاف کے تقاضوں پر مبنی ایک راسخ العقیدہ حکومت کے زیر سایہ ہم سب اپنی اپنی کد و کاوش سے جائز فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت علیؑ کو یہ بات قطعی ناپسند تھی کہ اُن کے مقرر کردہ افسران رعایتیں اور دعوت نامے منظور کرتے پھریں جب کہ ایک طبقاتی سماج میں محروم افراد مفلسی و مصیبت میں گرفتار زندگی بسر کر رہے ہوں ... رعایتیں (Concessions) دو عیاشیوں کو جنم دیتی ہیں اور دعوت نامے استحصالی قوتوں کے سلسلے قائم کرتے ہیں جب کہ مفلس و نادار عوام صرف سماجی اور معاشی انصاف کی آرزو لئے بہر حال زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

اسی لئے مولائے کائنات کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کے ایک گورنر عثمان ابن حنیف کو بصرہ کے کسی متمول شخص نے دعوت پر بلایا تھا تو آپ نے ایسے اس گورنر کو فوراً تحریر فرمایا

"مجھے امید بھی نہ تھی کہ تم ایک ایسے شخص کا دعوت نامہ قبول کر لو گے جو امیراں مالدار اور متمول افراد کو تو مدعو کرتا ہے مگر جس کے دروازے سے مفلس نادار اور فاقہ کش افراد کو بد سلوکی سے بھگا دیا جاتا ہے (دیکھو) صرف وہی چیز استعمال کرو جس کے بارے میں تمھیں قطعی یقین ہو کہ اُسے ایماندارانہ جائز اور اُصولی طریقے سے حاصل کیا گیا ہے۔"

ایسے تھے مولائے کائنات حضرت علیؑ جو مومنین کے امیر اور جنھوں نے ہمیشہ "انصاف بہم پہنچانے کے معاملہ میں غیر جانبدار" رہنے کی ہدایات کی ہے۔

قطعہ ۔ از ندائے اہلبیت دتو ماتھو پرشاد صاحب ماتھر لکھنوی

پھر نہ سایہ کوئی دیوار نے دیکھا ہوگا
پھر علیؑ جیسا نہ کونین میں جلوہ ہوگا
کتنے ہی سجدے کریں کتنے ہی ہو جائیں طواف
اب دوبارہ کوئی کعبے میں نہ پیدا ہوگا

سید محمد جابر باقری

افضلیت علیؑ حقیقت منجلی

کفیٰ فی فضل مولانا علیؑ
وقوع الشک فیہ انہ اللہ (امام شافعی)

ایک ایسی فرد جو ہر نوع امتیازی خصوصیات کی حامل ہو اس کا موازنہ اُن افراد سے کرنا جو دنیائے فضائل میں کالعدم ہوں نادانی ہے لیکن تعجب ہے کہ نہ صرف یہ کہ امیر المومنینؑ ایسی جامع کمالات ذات کا موازنہ دوسروں سے کیا جاتا ہے بلکہ اس مسئلہ کو دانستہ طور سے لاینحل بنا دیا گیا ہے کہ افضل کون ہے؟ علامہ آمدی کا قول ہے کہ ہمارے سلف مسئلہ تفضیل کو حل نہ کر سکے۔ بعض تو تفضیل بر ترتیب خلافت کے معترف رہے۔ بعض حضرت عثمان پر حضرت علیؑ کو ترجیح دیتے تھے اور بعض حضرات حضرت علیؑ کو افضل اُمت مانتے آئے (استیعاب ج ۲ ص ۴۷۹)

دراصل بنیادی خامی یہ ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو ہر ایک سے افضل مان لیا جائے تو فوراً یہ سوال اُٹھے گا کہ جب علیؑ افضل تھے تو افضل کی موجودگی میں مفضول کو تفویض خلافت کیا ایک ناجائز فعل نہ تھا؟ پس اسی وجہ سے اس مسئلہ کو نزاعی بنا دیا گیا۔ امیر المومنینؑ کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی اُس پر تو اُمت مسلمہ کو تا قیام قیامت ماتم کرنا ہی ہے لیکن ایک غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے علی مرتضیٰ کے فضائل کیوں چھپائے جائیں۔ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں کہ میں اُس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی طرف تمام فضیلتیں منسوب ہیں جو ہر فرقے کے لئے آخری منزل ہے اور جس سے ہر جماعت وابستہ ہونا چاہتی ہے۔ بس وہ فضیلتوں کا راس و رئیس ہے (شرح نہج البلاغہ)

امام حاکم امام احمد حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلعم کے اصحاب میں سے کسی کے لئے اس قدر فضائل وارد نہیں ہوئے جس قدر کہ جناب امیرؑ کے لئے وارد ہوئے ہیں (ارجح المطالب باب سوم ص ۱۱۳) علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام احمد حنبل فرماتے ہیں احادیث سے جتنی فضیلت آپ کی ثابت ہوتی ہے کسی صحابی کی نہیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۹) امیر المومنینؑ کی ذات بابرکات کا جس حیثیت سے مطالعہ کیا جائے آپ کی افضلیت کے ثبوت فراہم ہوں گے اگر سابق الاسلام کی تلاش کی جائے تو آپ ہی کا اسم گرامی سرِ فہرست نظر آئے گا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم جناب علیؑ سے کہتے تھے کہ تم اسلام لانے میں سب مسلمانوں سے مقدم ہو اور مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے سب سے مقدم ہو اور ان سب سے زیادہ خدا کے عہد کو پورا کرنے والے ہو (مطالب السئول ص ۲۱) اگرچہ اس بات کا بھی [illegible] کیا کہ علیؑ کا اسلام بچپن کا تھا جو کوئی [illegible] ایک عظیم الشان [illegible]

[illegible] ہے کہ علیؑ خود سے ایمان لائے یا [illegible] کی دعوت پر۔ اور جب ثابت ہے کہ رسولؐ کی دعوت [illegible] لائے تو کیا رسولؐ نے ایک بچے کو دعوت دے کر [illegible] کیا۔ ظاہر ہے رسول بغیر وحیِ الٰہی کے کلام نہیں کرتے تھے لہٰذا ایمائے الٰہی علیؑ کو رسولؐ نے دعوت دی اور علیؑ ایمان لائے۔ تفصیل دیکھئے (عقد الفرید ج ۳ ص ۳۳)

اگر عالم کی تلاش کی جائے تو آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ ارشادِ پیغمبرؐ ہے اعلم امتی من بعدی علی ابن ابی طالبؑ (حاشیہ مسند امام احمد حنبل ج ۵ ص ۳۳) میرے بعد امت میں سب سے زیادہ جاننے والے علیؑ ہیں۔ سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ کے صحابیوں میں کوئی ایک سوائے حضرت علی علیہ السلام کے نہیں تھا جو کہتا ہو کہ جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھو (صواعق محرقہ ص ۲۱۶) حضرت جناب امیرؑ کا ارشاد ہے کہ اگر میرے واسطے مسند بچھا دی جائے اور میں اُس پر بیٹھوں تو اہلِ توراۃ کو توراۃ سے، اہلِ انجیل کو انجیل سے، اہلِ زبور کو زبور سے اور اہلِ قرآن کو قرآن سے فیصلہ دوں۔ خدا کی قسم کوئی ایسی آیت نہیں جو جنگل میں یا سمندر میں یا میدان میں یا پہاڑ یا چٹان یا زمین یا آسمان پر یا دن یا رات میں نازل ہوئی ہو اور میں یہ جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس کی شان میں نازل ہوئی (مطالب السئول، ص ۲۶) ابن عباس کا بیان ہے کہ ایک دن بعد عشاء امیر المومنین مجھے بقیع کے قبرستان میں لے گئے اور [illegible] تک مجھ سے بائے بسم اللہ کے رموز و اسرار [illegible] (ینابیع المودۃ) شعرانی حضرت کا یہ قول نقل [illegible] فرمایا اگر میں بسم اللہ کے ایک نقطۂ با [illegible] اونٹوں کا بوجھ ہو جائے (میزان الکبری [illegible] حضرت کا دعویٰ تھا لو شئت

لاُوقرت من تفسیر الفاتحة سبعین بعیرا "اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر دوں۔ ان مثالوں ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ رسولؐ کے بعد آپ کا علمی درجہ سب سے زیادہ تھا اسی لئے پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا تھا انا مدینة العلم وعلی بابها (تاریخ الخلفاء ص ۹۲) علم کے ساتھ ساتھ آپ کی قوت فیصلہ اور حکمت بھی سب سے زیادہ تھی۔ ارشادِ نبوی ہے انا دار الحکمة وعلی بابها۔ نیز فرمایا اقضاکم علیؑ۔ تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں۔ حضرت عمر نے اقرار بھی فرمایا۔ اقضانا علیؑ (رواہ بخاری) جب مسائل آتے تھے حضرت عمر اُن کے حل کرنے سے عاجز رہتے تو حضرت علیؑ مشکل کشائی فرماتے اور عمر کو کہنا پڑتا۔ لولا علی لهلك عمر "اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" (نور الابصار ص ۷۳، اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۲ وغیرہ) حضرت عمر اُس مشکل سے پناہ مانگتے تھے جس میں حضرت علیؑ نہ ہوں (تذکرہ خواص الامہ ص ۸۵) آپ کے فہم اور آپ کی ذکاوت کو دیکھتے ہوئے نبیؐ نے ارشاد فرمایا اعدلهم عملا ان میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے علیؑ ہیں۔ اقسمهم بالسویه برابر برابر سے تقسیم کرنے والے علیؑ ہیں (کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۱)

شجاعت کے میدان میں بھی آپ ہی شہسوار نکلتے ہیں اور تمام اسلامی جنگوں میں آپ نے اپنے قوتِ بازو سے اسلام کی فتح کا پرچم لہرایا۔ بدر و احد، خیبر و خندق میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن پر روشنی ڈالنے کی چنداں ضرورت نہیں اسی بہادری کا نتیجہ تھا کہ قدرت نے آپ کو ذوالفقار ایسی تلوار عنایت فرمائی جنگ بدر میں آپ نے شیبہ، ولید، عاص ایسے سرداران

کفار کو تہ تیغ کیا احد میں جب لشکر اسلام فرار ہو رہا تھا تو آپ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اسلام اور رسول اسلام کی حفاظت فرما رہے تھے۔ ابن مسعود کا قول تھا کہ احد کی فتح صرف علیؑ کی بہادری شجاعت اور محنت جانفشانی کا نتیجہ تھی (تاریخ طبری) لافتیٰ الا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار آپ کی شجاعت ہی کا ثمرہ تھا دیکھئے (فصول المہمہ ص۳۱) خیبر میں جب لشکر اسلام مسلسل ہزیمت اٹھا چکا تھا بقول حضرت عمر رسولؐ نے فرمایا۔ کل میں اُس کو علم دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں کرار غیر فرار اور ثابت قدم رہ کر حملہ کرنے والا ہے (کنز العمال ج ۶ ص۳۹۵) اور جب دوسرے روز تمام صحابہ کی آرزوؤں کو ٹھکرا کر علم علیؑ کو ملا تو کبھی حارث کو قتل کیا کبھی مرحب کو مارا اور خیبر کا در اُکھاڑ کر اسی سے جنگ کی دیکھئے (روضۃ الاحباب ص۳۰۳) جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود کو ایک ہی ضرب میں واصل جہنم کیا اور حدیث رسولؐ نے بڑھ کر فتح کا سہرا سر علیؑ پر باندھا رسول نے فرمایا۔ "علیؑ کی خندق کے دن کی ضربت عبادت ثقلین سے بہتر ہے"

ان کمالات کے ساتھ ساتھ آپ کا زہد و تقویٰ، علم و بردباری، جود و سخاوت اور صبر و توکل بھی اپنی انتہائی معراج پر تھا۔ تقویٰ ایسا کہ آنحضرت نے اکثر آپ کو امام الاتقیاء کے لقب سے یاد فرمایا (کنز العمال ج ۶ ص۱۵۷) زہد کی گواہی پیغمبرؐ نے یہ کہہ کر دی کہ اے علیؑ خدا نے تم کو وہ زینت دی ہے جس سے بہتر کسی کو نہ دی۔ وہ زہد فی الدنیا ہے (ریاض النضرہ ص۲۲۸) عمر ابن عبدالعزیز کا قول تھا ماعلمنا احداً کان فی ھذہ الامۃ بعد النبی ازھد من علی ابن ابی طالب (مطالب السئول) میں نبیؐ کے بعد اس امت میں کسی شخص کو زیادہ زاہد نہیں جانتا۔ آپ کے علم کے لئے رسول نے فرمایا اعظمھم حلما (کنز [illegible] ص۱۵۶) سخاوت ایسی کہ حالت رکوع میں [illegible] آیۂ ولایت کا تمغہ حاصل کیا اور کبھی یتیم و مسکین [illegible] کو کھانا کھلا کر اپنی شان میں پورا سورۂ دہر [illegible] ایسے کہ ظلم و ستم سہتے رہے لیکن وصیت رسول کا پاس کرتے ہوئے اُن پر صبر ہی فرماتے رہے۔ یہی وہ صفات تھے جنھوں نے علیؑ کو محبوب خدا و رسول بنا دیا۔

انس ابن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کے پاس ایک بُھنا ہوا مُرغ تھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا اے میرے رب خلقت میں جو شخص تجھے سب سے زیادہ عزیز ہو اُسے میرے پاس بھیج دے کہ وہ میرے ساتھ اس مرغ کو کھائے۔ پس علی مرتضیٰ تشریف لائے اور آپ کے ساتھ مرغ تناول فرمایا (تذکرۂ خواص الامۃ ص۲۳ [illegible] ج ۶) مامون الرشید نے متذکرہ بالا مناظرہ میں اس حدیث کے سلسلے میں بھی بڑی لطیف بات کہی ہے کہ جو افضلیت امیرالمومنینؑ کا منکر ہے اسے تین باتوں میں سے ایک ماننا پڑے گی اور تینوں صورتیں باطل ہیں۔ تینوں صورتیں یہ ہیں کہ یا تو آنحضرتؐ کی دعا خدا نے قبول نہیں کی اور علیؑ کو نہیں بھیجا یا یہ کہ افضل خلق کے ہوتے ہوئے خدا مفضول کو زیادہ دوست رکھتا تھا (جو حکمت الٰہیہ سے بعید ہے) یا خدا کو (معاذ اللہ) افضل و مفضول میں تمیز نہیں تھی (جو افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو [illegible] (عقد الفرید ج ۲ ص۲۳۲) انس ابن مالک سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی منگا کر وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا پہلا جو شخص اس دروازے سے [illegible] امیرالمومنین۔ مسلمانوں کا سردار [illegible] کا پیشوا اور خاتم الاوصیاء ہے [illegible] انصار میں سے [illegible] (مطالب السئول ص[illegible])

حضرت امیر المومنینؑ کا خداوند عالم کے نزدیک کیا مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ابن عباس ابن مسعود اور ابوذر کا بیان ہے کہ علیؑ کی شان میں جس کثرت سے آیتیں نازل ہوئیں کسی اور کی شان میں نہ آئیں (حلیۃ الاولیا صـ۶۶) ابی ابن کعب۔ حذیفہ یمانی اور ابن عباس آنحضرت سے ناقل ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی یا ایہا الذین آمنوا کا خطاب ہے علیؑ اس گروہ کے سردار و رئیس ہیں۔ ابن عباس ہی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں (صواعق محرقہ صـ۷۶)

آپ کی شان میں احادیث اتنی ہیں کہ اگر انھیں یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ احمد ابن حنبلؒ نسائی۔ حاکم۔ ابن جریر۔ ابن عبدالبر اعتراف کرتے ہیں کہ جس کثرت سے صحیح الاسناد حدیثیں فضائل جناب امیرؑ میں آئی ہیں ایسی کسی اور صحابی کی شان میں نہیں آئیں (مستدرک ج ۳ صـ۱۰۷ واستیعاب ج ۲ صـ۴۹۸) علیؑ کے فضائل بے شمار ہونے پر یہ حدیث دال ہے۔ ارشاد نبوی ہے اے ابوالحسن اگر سمندر روشنائی بن جائے درخت قلم بن جائیں۔ سارے انسان لکھنے والے ہوں اور تمام قوم اجنہ حساب کرنے والی ہو جب بھی تمہارے فضائل کا احصار نا ممکن ہے (کفایت الطالب باب ۶۲) یہ ارشاد پیغمبرؐ اس بات کا ثبوت ہے کہ علی مرتضیٰ کی شخصیت امتیازی شان کی حامل تھی اور نبی کے بعد آپ کا مخصوص درجہ تھا اسی لئے پیغمبر اسلامؐ نے خم غدیر میں ارشاد فرمادیا تھا۔ جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اُس کے مولا ہیں۔ (کنز العمال ج ۶ صـ۳۹۹) اس کے علاوہ مختلف مقامات [illegible] کو بار بار دہرانے میں کسر نہیں اٹھا رکھی کہ علیؑ تمام [illegible] جس کی وضاحت ان احادیث سے [illegible] نے ارشاد فرمایا علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مروج الذہب مسعودی ج ۲ صـ۴۹) (یعنی اگر نبوت ہوتی تو علیؑ ہی نبی ہوتے) علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو سر کو بدن سے (کنز العمال ج ۳ صـ۱۵۳) جس کا میں سردار ہوں علیؑ بھی اُس کے سردار ہیں۔ جس نے علیؑ کو دوست رکھا اُس نے مجھے دوست رکھا۔ جس نے علیؑ کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔ علیؑ کو دیکھنا عبادت ہے۔ علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ (کنز العمال ج ۶ صـ۱۵۲) علیؑ کا گوشت و خون میرا گوشت و خون ہے (کنز العمال ج ۶ صـ۱۵۴) جس نے علیؑ کو چھوڑا اُس نے مجھے چھوڑا جس نے مجھے چھوڑا اُس نے خدا کو چھوڑا (کنز العمال ج ۶ صـ۱۵۶) علی بہترین بشر ہیں جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہوا (ارجح المطالب باب جس نے علیؑ کو گالی دی اُس نے مجھے گالی دی (کنز العمال ج ۵ صـ۳۰) میں نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا سوا خدائے وحدہ لاشریک کے کوئی خدا نہیں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے اُن کی مدد علیؑ کے ذریعہ کی ہے (خصائص الکبریٰ ج ۱ صـ۷) علیؑ حق کے ساتھ ہیں حق علیؑ کے ساتھ ہے (ارجح المطالب باب ۴) (اے علیؑ تمھیں) سوائے حلال زادہ کے کوئی دوست نہ رکھے گا اور سوائے ولد الحرام کوئی دشمن نہ رکھے گا (فصول المہمہ) میرے بھائی میرے وصی اور میرے عقب میں آنے والوں میں سب سے افضل ہیں (ارجح المطالب صـ۲۶) میری اور علیؑ کی خلقت ایک ہی نور سے ہے۔ (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر صـ۴۵۰) اس میں تو کسی شبہہ کی گنجائش ہی نہیں کہ حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے علاوہ سب سے افضل و برتر ہیں ؎

اوروں کو جو مرتضیٰ سے اچھا سمجھے
انصاف یہ کہتا ہے کہ بلے جائے
مفضول کی تفضیل ہے فاضل پہ فضول
اعلیٰ وہ ہے جو علیؑ کو اعلیٰ سمجھے

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ سوائے خاتم الانبیاء کے تمام انبیاء سے افضل ہیں اس لئے کہ آپ مثیل محمدؐ ہونے کی حیثیت سے ان تمام خصوصیات کے حامل ہیں جو پیغمبر کو عطا ہوئی تھیں جناب رسولخداؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کا نظیر اس کی اُمت میں ہوتی ہے پس علیؑ میری نظیر ہے (ارجح المطالب باب ۱۴ ص۵۲۱) نظیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ جملہ صفات پیغمبرؐ کے وارث ہوں ظاہر ہے اس صورت میں امیر المومنینؑ اُن تمام انبیاء سے افضل ہیں جن کے حصّے میں پیغمبرؐ کی فضیلتوں کا عشر عشیر بھی نہ آیا

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مولا امیر المومنینؑ بہت سے بلکہ زیادہ تر فضائل میں پیغمبرؐ سے مشابہت رکھتے تھے (تفسیر ثعلبی) جب کہ دیگر انبیاء اس نعمت سے محروم تھے کہ صفات انبیاء کو علیحدہ علیحدہ ملے تھے وہ علیؑ کو تنہا ہی ملے تھے۔ رسول اسلام کا ارشاد ہے کہ من اراد ان ینظر الی آدم فی علمه والی نوح فی تقواه والی ابراهیم فی حلمه والی موسیٰ فی هیبته والی عیسیٰ فی زهده وعبادته فلینظر الی علی ابن ابی طالب (کفایت الطالب باب ۲۳ وفصول المهمه ص۱۲۱ وغیرہ) جو شخص چاہتا ہے کہ آدمؑ کو اُن کے علم میں، نوحؑ کو اُن کے تقویٰ میں، ابراہیمؑ کو اُن کے حلم میں، موسیٰؑ کو اُن کی ہیبت میں، عیسیٰؑ کو اُن کی عبادت میں دیکھے تو وہ علی ابن ابیطالبؑ کو دیکھ لے۔ جناب جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسولخداؐ صلعم نے فرمایا کہ جو کوئی اسرافیل کو اُن کی ہیبت میں، میکائیل کو اُن کے رتبے میں، جبرئیل کو اُن کی جلالت میں، آدمؑ کو اُن کے علم میں نوحؑ کو اُن کے خوف میں، ابراہیمؑ کو اُن کی خلت میں، یعقوبؑ کو اُن کے غم میں، یوسفؑ کو اُن کے حسن میں، موسیٰؑ کو اُن کی مناجات میں، ایوبؑ کو اُن کے صبر میں، یحییٰؑ کو اُن کے

زہد میں عیسیٰؑ کو اُن کی عبادت میں، یونسؑ کو اُن کی [illegible] میں، محمدؐ کو اُن کے کمال حسب و خلق میں دیکھنا چاہے وہ علی ابن ابی طالبؑ کی جانب نظر کرے کیونکہ علیؑ میں نوّے خصلتیں انبیاء کی خدا نے جمع کی ہیں جو کسی اور میں نہیں جمع تھیں (مودۃ القربیٰ الہمدانی ص۲) ظاہر ہے علیؑ کی وہ ذات جو جمیع صفات کی حامل ہے اُن تمام انبیاء سے افضل ہے جو تنہا ایک صفت کے مالک تھے اس لئے کہ علیؑ میں وہ حسن نہ تھا جو یوسفؑ کا تھا، یعقوبؑ میں وہ زہد نہ تھا جو عیسیٰؑ میں تھا۔ نوحؑ میں وہ صبر نہ تھا جو ایوبؑ کو ملا۔ البتہ ہمارے نبیؐ میں یہ تمام صفتیں درجۂ کمال پر پہنچی ہوئی تھیں علیؑ یوسفؑ سے زیادہ حسین تھے آدمؑ سے زیادہ عالم تھے نوحؑ سے زیادہ متقی تھے اور عیسیٰؑ سے زیادہ زاہد تھے اسی لئے تمام انبیاء سے افضل تھے جو امیر المومنینؑ انا عبد من عباد محمد (میں محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک ادنیٰ غلام ہوں) کہہ کر فخر فرمایا کرتے تھے۔

دل چاہتا ہے اس موقع پر صعصعہ ابن صوحان کے پیش کردہ سوالات کے جو جوابات امیر المومنینؑ نے دیئے تھے وہ نقل کر دوں جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ آپ انبیاء سے افضل تھے۔ جب آپ کی میت کا وقت قریب آیا اصحاب زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو جناب امیر نے تکیف آزار میں فرمایا جو پوچھنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لو۔ صعصعہ نے پوچھا۔ مولا آپ افضل ہیں یا آدمؑ آپ نے جواب دیا کہ انسان کے لئے خود اپنی تعریف کرنا ٹھیک نہیں لیکن اما بنعمة ربك فحدث (خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو بیان کرنا [illegible] بتلا کر میں آدمؑ سے افضل ہوں۔ صعصعہ نے [illegible] کس وجہ سے۔ آپ نے فرمایا اس لئے کہ [illegible] لئے جنت میں تمام [illegible]

[illegible] سے روکا گیا تھا لیکن جناب آدمؑ نے گیہوں استعمال [illegible] جنت سے نکلنا پڑا لیکن باوجودیکہ مجھے خدا [illegible] نے منع نہیں فرمایا تھا لیکن دنیا کو قابل توجہ [illegible] نے اپنے ارادہ سے گیہوں نہ کھایا لہٰذا میں [illegible] صعصعہ نے عرض کیا۔ آپ افضل ہیں یا نوحؑ۔ فرمایا۔ میں افضل ہوں اس لئے کہ جب جناب نوحؑ کو قوم نے ستایا تو آپ نے بد دعا کی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ خداوندا روئے زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔ لیکن بعد پیغمبر جب مجھے ستایا گیا تو صبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجی یعنی میں نے صبر کیا درانحالیکہ آنکھ میں تنکا اور حلق میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔ صعصعہ نے عرض کیا آپ افضل ہیں یا ابراہیمؑ آپ نے جواب دیا۔ میں ابراہیمؑ سے افضل ہوں اس لئے کہ جناب ابراہیمؑ نے دعا کی۔ رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ مجھے دکھا دے مُردوں کو زندہ کیسے کرتا ہے (اطمینان قلب کے لئے) لیکن میرا ایمان اس منزل پر ہے کہ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً یعنی اگر پردے ہٹا دیئے جائیں جب بھی میرے یقین میں زیادتی کی گنجائش نہیں۔ صعصعہ نے جب جناب موسیٰ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ میں موسیٰ سے افضل ہوں اس لئے کہ انھوں نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تھا اس لئے تنہا مصر جا کر تبلیغ کرنے پر تیار نہ ہوئے اور ہارون کو اپنا مددگار بنا کر لے گئے لیکن جب میں سورۂ برأت سنانے پر مامور کیا گیا تو اگرچہ کفار مکہ کے بہت سے اعزہ کو میں قتل کر چکا تھا لیکن میں خوف زدہ نہیں ہوا اور تنہا اس فرض کو انجام دیا۔ پھر صعصعہ نے پوچھا عیسیٰ افضل ہیں کہ آپ۔ آپ نے جواب دیا کہ میں عیسیٰ سے افضل ہوں اس لئے کہ مادر عیسیٰ مریم کو جب دردِ زہ شروع ہوا تو حکم ہوا کہ بیت المقدس سے کہیں اور چلی جاؤ یہ عبادت کا گھر ہے زچہ خانہ نہیں لیکن میری مادر گرامی بوقت میری ماں فاطمہ بنت اسد کے لئے کعبہ میں سامان مہیا ہوا اور انھیں حکم ہوا کہ کعبہ میں داخل ہو جائیں۔ غرض علیؑ وہ ہیں جن کی ہمسری انبیاء بھی نہ کر سکے تو اوروں کا کیا ذکر ہے

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست
کہ تر کنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

قطعات

(از قائم جعفری صاحب حیدرآباد)

ہمارے عزم بر حق کی فضیلت اور کیا ہوگی — فراز دار کی منزل میں تجدید وفا ہوگی
سبق مدح حیدر کا لیا ہے ہم نے میثم سے — زباں کٹتی رہے گی اور حیدر کی ثنا ہوگی

[illegible] بن گیا ہے مسئلہ عرفان کا — کیا یہی مفہوم ہے اللہ کے فرمان کا
[illegible] قرآن کو صامت دیکھ کر — سامنا کرنا ہے اک دن بولتے قرآن کا

از مفکر اسلام
شہید صفی پوری
ایم۔اے

"علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے"

حق کی پہچان طبرانی کی روایت ہے کہ پیغمبر خداؐ نے روز غدیر ارشاد فرمایا: "خداوندا تو حق کو اُدھر گردش دے جدھر علیؑ گردش کریں"۔ پیغمبرؐ کے اس ارشاد سے علیؑ کی سیرت کو حقانیت کے معیار کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث سول سے بے بصیرت افراد کو تصور ہو سکتا تھا کہ پیغمبرؐ نے اپنی حدیثوں میں اس بات پر زور دیے کر کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور جدھر علیؑ گردش کریں گے حق بھی اُسی طرف گردش کرے گا شخصیت پرستی کی تعلیم دی ہے اس لئے خود صاحب معاملہ یعنی باب مدینۃ العلم نے پیغمبر خداؐ کی حدیث کا مفہوم بھی واضح کر دیا حق ایسی معرفت کے حصول کا علمی وسیلہ بھی بتلایا اور اپنے مخالفین کے ہاتھ میں حق کی کسوٹی دے کر انھیں چیلنج بھی کر دیا کہ اس پر اُن کے کردار کو پرکھ کر پیغمبرؐ کی حقانیت کی تصدیق کر لیں اور ارشاد فرمایا۔ "سچائی انسانوں کے ذریعے نہیں پہچانی جاتی پہلے حق کی معرفت حاصل کرو تو اہل حق کی پہچان خود بخود ہو جائے گی"

حق کے معنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ "حق" کیا ہے جس کی معرفت کے بغیر علیؑ کی معرفت نہیں ہو سکتی پیغمبر خدا نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جو کسی کے لئے باعث استعجاب ہو۔ حیرت اُسی کو ہوگی جسے حق کی بالکل معرفت نہ ہو جسے علم سے ذرا سا بھی لگاؤ ہوگا۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جب تک کوئی شخص فلسفہ سے واقف نہ ہو وہ ارسطو کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ بغیر شاعری سے دلچسپی اور واقفیت کے شکسپیر کی معرفت حاصل کر سکتا ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ بغیر حق کی معرفت کے اہل حق کی معرفت حاصل ہو جائے جب حق کا پیغمبر اسلام نے استعمال کیا تو یہ سمجھنا دشوار نہیں ہے کہ حق کے "اسلام" کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں ہو سکتے۔

اسلام کیا ہے؟ یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ دنیا کے دوسرے باطل مذاہب کی طرح اسلام بھی عقائد و توہمات کا ایک [illegible] ہے یہ خیال انھیں کا ہو سکتا ہے جو اپنے جہل کو تقدس کے سانچے میں ڈھال کر مذہب کو ایک دھندے کی صورت میں اختیار کر لیں اور جاہل عوام میں گمراہ کن اور باطل تصورات [illegible] کر اپنا اُلو سیدھا کریں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے [illegible] نقلی ہے" کا اُصول گڑھ کر اپنے نزدیک علمی تنقید سے بچنے کے لئے ایک پناہ گاہ بھی تلاش کر لی اور انسانوں کے [illegible] پھیر کر انھیں جہل و گمراہی کے تاریک غار میں [illegible] کی سازش بھی کی لیکن انسان کو جوہر عقل سے محروم کر دینے کی یہ ناپاک سازش نہ کامیاب ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے اور [illegible] خیر و شر اور مفید و مضر کو پرکھنے کے لئے عقل کے علاوہ کوئی دوسری کسوٹی نہیں تلاش کی جا سکتی۔

"اسلام کیا ہے؟" یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں ہے [illegible] عالم انسانیت کا مسئلہ ہے اور ہر باشعور انسان [illegible] کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اسلام کے [illegible] کی جگہ خواہ کسی لفظ کا استعمال کیا جائے [illegible] بدلتی سادہ دو سوال یہ ہے کہ انسان [illegible] اُس کا مقصد حیات کیا ہے؟ [illegible] ہوتا ہے کہ بغیر اس سوال کا [illegible] غلام خیالات [illegible]

تو اب اُسے زندہ تو رہنا ہی پڑے گا اور زندگی بغیر [...] جسمانی عمل کے ممکن نہیں اس لیے اُسے زندگی کے ہر [...] فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ عمل کے [...] پر اُس کی قوتِ ممیزہ حرکت میں آئے گی اور خیر و شر [...] امتیاز کے لیے ہر مرتبہ اُسے اسی سوال کو حل کرنا پڑے گا کہ اُس کا مقصدِ حیات کیا ہے۔ بغیر منزل کے راستہ کا تعین نہیں ہو سکتا نہ یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کون سا راستہ سیدھا ہے اور کون ٹیڑھا اور پیچیدہ، کون محفوظ ہے اور کون خطرات سے بھرا ہوا۔

انسان اور کائنات تفکر اور تعقل انسان کو حصولِ علم پر آمادہ کرتا ہے اس لیے کہ انسان علم کے بغیر کسی شعبۂ حیات میں بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ انسانی علم آگے بڑھتے بڑھتے اب اُس جگہ پہنچ چکا ہے کہ انسان یہ بات سمجھ لے کہ ساری کائنات ایک وحدت ہے اور اُس کے سارے عوامل ایک ہی بسیط قانون کے تابع ہیں اور یہی قانون سارے علوم کا ماخذ اور منبع ہے۔

انسان اور خالقِ کائنات جب انسانی فکر اور آگے بڑھتی ہے تو لازمی طور پر کائنات کی وحدت اور ایک ہی قانونِ فطرت کی کائنات میں کارفرمائی کے تصورات اُس کی ایک ہی طاقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے اور جس کی عظمت و جبروت کے سامنے آسمان پر گردش کرتے ہوئے سیارے اسی طرح سربسجود ہیں جس طرح مادہ کے وہ باریک ذرات جن کا انسانی نظر مشاہدہ بھی نہیں کر سکتی۔

جبر و اختیار لیکن اس پوری کائنات میں صرف انسان قانونِ فطرت کے نظامِ جبر سے مستثنیٰ ہے۔ بے شک اُس کی نصف زندگی قانونِ قدرت کی اُسی طرح قہری طور پر مطیع ہے جس طرح کائنات کی دوسری اشیاء، لیکن اُس کے تمام شعوری افعال اُس کی قوتِ [...] کے تابع ہیں اسی لیے پوری کائنات میں اُسے ایک امتیازی [...] حاصل ہے۔ انسان کی خصوصیت عقل ہے جس سے وہ علم [...] علم کی بنیاد پر خیر و شر اور مفید و مضر میں امتیاز کرتا ہے اور اپنے ارادہ و اختیار سے اپنا لائحۂ عمل مرتب کرتا ہے۔ انسان کو مجبور ماننا اُسے حیوانیت کی سطح پر اُتار دینے کے مترادف ہے۔ محمد حسنین ہیکل نے "فاروقِ اعظم" میں عقیدۂ جبر کی ترویج کا سہرا خلیفہ دوم کے سر باندھا ہے لیکن اسلام سے اس باطل تصور کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اسلام کے علاوہ بھی کوئی مثبت اور بامعنی فلسفۂ حیات اُصولِ جبر کو دُرست نہیں تسلیم کر سکتا۔ اگر عقیدۂ جبر دُرست ہوتا تو کانگریس بجائے غلطی کے اعتراف کے ایمرجنسی کے جواز کی دلیل پیش کرتی کہ جو کچھ ہم نے کیا اُس میں نہ ہمارے ارادہ کو دخل تھا نہ مسز گاندھی کے ارادہ کا بلکہ اللہ کے حکم سے ایمرجنسی نافذ ہو گئی اور ترکمان گیٹ کے مسلمان حکمِ الٰہی سے اجاڑے گئے۔

اگر انسان اپنے اعمال میں اُسی طرح ایک نظامِ جبر کا پابند ہے جس طرح جمادات، نباتات اور حیوانات پابند ہیں تو حکومت کے وجود کا کوئی جواز نہیں ہے ساری عدالتیں بند کر دینا چاہیے، ساری تعلیم گاہوں میں تالے ڈال دینا چاہیے اور خود اسلام کی تبلیغ و تعلیم کو ختم کر دینا چاہیے اس لیے کہ تعلیم و تربیت، عدل و انصاف، سزا و جزا اور خیر و شر سب کی بنیاد انسان کو فاعلِ مختار ماننے کے تصور پر قائم ہے۔

اسلام اور قانونِ فطرت اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ساری کائنات قانونِ فطرت کی تابع ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان بالکل آزاد ہو اور وہ کسی قانون کا تابع نہ ہو۔ یہیں سے کفر و اسلام کی تفریق پیدا ہوتی ہے۔ کافر قانونِ فطرت کے وجود کو تسلیم کرتا ہے لیکن خالقِ کائنات کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں بالکل آزاد ہے اور اُس پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ یہی مطلق العنانی اُسے نفسانیت، حرص و ہوا، خود غرضی، لذت پرستی اور دنیا طلبی کی طرف لے جاتی ہے اور وہ دنیا میں خوب کھُل کھیل کر رہتا ہے۔ بے خوفی کے ساتھ نفس پرستی یہی کفر ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام

ہے جس کا سنگِ اساس تقویٰ یعنی خوفِ الٰہی ہے اور جس کا اصول ہے اپنے نفس کو رضائے الٰہی کا تابع بنا لینا۔ یہ "رضائے الٰہی" اپنی مرضی یا اپنی خواہش کا دوسرا نام نہیں ہے بلکہ یہ قانونِ فطرت کا وہ پہلو ہے جس کا تعلق اُن انسانی اعمال سے ہے جن میں انسان مختار ہے اور جن میں وہ اپنے شعور اور ارادے سے کام لیتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ پوری کائنات ایک مکمل قانون کی تابع ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ انسان اپنے ارادی اعمال میں بالکل خود مختار ہو۔ انسان فاعلِ مختار ضرور ہے لیکن فاعلِ مختار ہونے کا مطلب نہیں ہے کہ اُس کی زندگی کسی اصول کی پابند نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے خود اپنے ارادہ و اختیار سے اُن حدود کو اختیار کرنا چاہیے جو قدرت نے اُس پر عائد کئے ہیں۔

<u>دینِ اسلام اور شریعت</u> نہیں ہے دین اسلام اور شریعت اور علومِ طبیعی میں خطِ امتیاز کھنچا ہے۔ اللہ نے انسان میں حصولِ علم کی صلاحیت دی ہے۔ وہ کوشش، کاوش، جستجو، تجربہ اور غور و فکر سے قوانینِ فطرت کو دریافت کرتا ہے اور جتنا اُس کا علم بڑھتا جاتا ہے اور وہ اپنے اعمال کو قوانینِ فطرت کا تابع بناتا جاتا ہے اتنا ہی اُس کی مادّی و جسمانی فلاح کا امکان بڑھتا جاتا ہے اور فطرت کی اطاعت ہی سے اُس کا فطرت پر اقتدار اور تسلّط مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ قانونِ فطرت کی متابعت ہی سے اُس کی طاقت بڑھتی ہے لیکن انسانی علم کی تدوین کی رفتار بہت سست اور غیر یقینی ہے جب کہ ارادی افعال میں خیر و شر اور ظلم و عدل کا امتیاز اُس کے لئے اوّل دن سے ضروری تھا جس دن اُس نے اس کرۂ خاکی پر قدم رکھا۔ اگر خالقِ کائنات باشعور، حکیم اور عادل ہے تو اُس پر لازم ہے کہ انسان کی رہنمائی کا خود انتظام کرے۔ چنانچہ اسلامی فلسفۂ حیات کی رُو سے پہلا انسان جس نے دنیا میں قدم رکھا وہ پیغمبر تھا۔ یہ پیغمبر اور رسول اللہ کے پیغام کا پہنچانے والا ہے۔ یہی پیغام وہ ہے جو "رضائے الٰہی" کی تعیین کرتا ہے۔ اللہ کی۔ لہٰذا انسان اپنی مرضی سے معین نہیں کر سکتا۔ اُسی طرح جس طرح قانونِ فطرت وہ وضع نہیں کر سکتا "رضائے الٰہی" اُسی طرح انسانی ارادہ و خواہش سے بالاتر ہے جس طرح قانونِ فطرت، اس لئے کہ درحقیقت اپنی ماہیت کے لحاظ سے وہ دونوں ایک ہیں اور ایک ہی خالق کے ارادہ و مرضی کے مظہر ہیں۔ رضائے الٰہی اُسی طرح ناقابلِ تغیر ہے جس طرح قانونِ فطرت اور اُس کے مقابلہ میں انسان اُسی طرح بے بس ہے جس طرح قانونِ فطرت کے مقابلہ میں بے بس ہے۔ اسی لئے مسلمان شریعتِ اسلام کو ناقابلِ تبدیل سمجھتے ہیں۔ اکثریت، فوج و علم، حکومت و اقتدار اور مال و خزانہ سب قانونِ فطرت کے آگے بے بس ہیں۔ اگر پوری دنیا کے افراد کا اجماع اس امر پر ہو جائے کہ زمین گردش نہیں کرتی تب بھی زمین گردش کرتی رہے گی۔ اور اگر پوری دنیا کا بادشاہ اعلان کر دے کہ انسان مختار نہیں مجبور ہے تب بھی انسان فاعلِ مختار ہی رہے گا۔

<u>مکمل نظامِ حیات</u> انسان کے ارادی افعال کا دائرہ نہایت وسیع ہے اور اسلام کی تعلیمات اس پورے وسیع دائرہ پر محیط ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلام سارے شعبہ ہائے حیات پر حاوی ہے۔ انسان کا ہر ارادی عمل دو طرح سے انجام پا سکتا ہے، ایک صحیح طریقہ سے اور ایک غلط طریقے سے۔ اسلامی طریقہ ہے اور غیر صحیح غیر اسلامی

[illegible] رضائے الٰہی کے مطابق ہے باقی تمام طریقے رضائے الٰہی کے خلاف ہیں۔ اللہ ایک ہے، کائنات ایک ہے، انسانی فطرت ایک ہے، اسلام ایک ہے، شریعت ایک ہے، مذہب ایک ہے۔ فقہ کے چار مکاتب اُسی وقت درست ہو سکتے تھے جب خلفائے راشدین کی طرح چار اللہ ہوتے اور اُن میں سے ہر ایک کی رضا الگ ہوتی۔ یا اللہ ایک ہوتا اور اُس کی رضا چار طرح کی ہوتی یا اُس کی رضا بدلتی رہتی لیکن قرآن نے جب اعلان کر دیا لا سنۃ اللہ تبدیلا "اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی" تو شریعت کے احکام میں تبدیلی اور اختلاف کی گنجائش ختم ہو گئی۔

مصدر شریعت قرآن ہے رضائے الٰہی کی تعیین نہ عقل کر سکتی ہے نہ اُسے قیاس سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اظہار براہِ راست اللہ کرتا ہے اور اسی کا نام قرآن ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ احکامِ قرآنی کو نازل کرنے والی وہی ذات ہے جو انسان کی خالق ہے اس لئے احکامِ قرآنی فطرتِ انسانی پر مبنی ہیں اور فطرتِ انسانی پر مبنی ہونے کی وجہ سے اُن کی انسانی عقل کے ساتھ مکمل مطابقت ہے اور اگر انھیں عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو وہ اُس کے معیار پر پورے اُتریں گے۔

انسان کا اسلامی تصور جب ہم "انسانی فطرت" کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ عام طور پر جیسے انسان دنیا میں موجود ہیں اُن کے لحاظ سے انسانی فطرت کا معیار مقرر کیا گیا ہے۔ نظریہ قائم کرنے کا یہ [illegible] طریقہ ہے جو اصولِ استقرار پر مبنی ہے لیکن اس [illegible] سے مقاصدِ الٰہی کو دریافت نہیں کیا جا سکتا ہے [illegible] مسئلہ ہے "کیا ہونا چاہئے" اُس کے [illegible]۔ "انسان" سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان کیسا ہے بلکہ یہ ہے کہ "انسان کو کیسا ہونا چاہیئے"۔ انسان جیسا ہے وہ اُس کے اپنے ارادہ، اپنی مرضی اور پسند کا نتیجہ ہے لیکن انسان کو کیسا ہونا چاہیئے یہ اللہ کی رضا، اللہ کی پسند اور اللہ کی مشیت کا مسئلہ ہے۔ انسان ناقص ہے اس لئے وہ اپنے ارادہ سے نقص کی طرف بڑھتا ہے لیکن اللہ کامل ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ انسان نقص سے بلند ہو کر کمال حاصل کرے۔ نقص سے کمال کی طرف بڑھنا ہی معرفتِ الٰہی ہے جو انسان کا مقصدِ حیات ہے اور جب وہ اپنی رضا کا اظہار کرتا ہے کہ انسان کو کیسا ہونا چاہیئے تو وہ انسان کے سامنے کمال کا آئیڈیل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان کو ایسا ہونا چاہیئے اور میری مرضی یہی ہے کہ تم ایسے بننے کی کوشش کرو۔ یہ آئیڈیل اسلام ہے۔ انسان وہی ہے جو اپنے نفس کو اپنی مرضی سے رضائے الٰہی کا ایسا تابع بنا لے کہ اُس کی رضا کے خلاف اُس سے کوئی فعل سرزد ہی نہ ہو۔ علامہ مودودی نے اپنی تفسیر قرآن میں عصمت کے خلاف یہ دلیل پیش کی ہے کہ انسان کو معصوم ماننا گویا اُسے دیوتا ماننا ہے اس لئے کہ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ انسان یقیناً خطا و نسیان سے مرکب ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ انسان کو خطا و نسیان سے مرکب ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر یہ نتیجہ نکالا جائے گا تو پھر انسان کی تعریف یہ ہو جائے گی کہ انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو مکمل طور پر رضائے الٰہی کا تابع نہ بنائے بلکہ گاہے گاہے اطاعت الٰہی سے سرتابی بھی کرتا رہے۔ انسان کی اس تعریف کا جس مذہب سے بھی تعلق ہو، اسلام سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ معصوم کو دیوتا سمجھنا دوسرا مغالطہ ہے اس لئے کہ خالق کا کمال خالق کی حیثیت سے ہے اور مخلوق کا کمال مخلوق کے لحاظ سے۔ خالق کے

کمال کا معیار اُس کی قدرت ہے اور انسان کے کمال کا معیار اُس کی عبدیت و اطاعت ہے۔ اگر خدا کا کوئی بندہ ایسا اطاعت گزار ہو کہ اُس کا ہر عمل رضائے الٰہی کا تابع ہو یعنی وہ معصوم ہو تو اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ وہ خدا ہو گیا۔

<u>کتاب و سُنّت</u> یہ قرآن جو شریعت کا ماخذ اور رضائے الٰہی کا مظہر ہے اگر بقول عمر کافی ہوتا تو اُسے عالمِ موجودات میں سے کسی شے پر بھی نازل کر دیا جاتا سوال یہ ہے کہ قرآن انسان کے علاوہ کسی اور شے پر کیوں نازل کیا جاتا جب کہ رضائے الٰہی سے واقفیت صرف انسان کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے اتمام حجت کے لئے اللہ پر واجب تھا کہ وہ تقاضائے عدل انسان کو ہدایت دے۔ پھر اگر وہ اپنی رضا کا اظہار انسان پر نہ کرتا تو کس پر کرتا۔ انسان کے علاوہ کائنات میں اور کوئی شے نہ تھی جو قرآن کے نزول کا متحمل ہو سکے اسی لئے قرآن انسان پر اُتارا گیا اور اُس انسان نے قرآن ہی کی زبان میں وضاحت بھی کر دی کہ میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہی ہوں بس فرق صرف یہ ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ رسول کی اس وضاحت کے بعد بھی مسلمانوں کے ایک فرقہ کے افراد اس فرق کو نہ سمجھ سکے۔ آدھی بات تو وہ سمجھ گئے کہ میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہوں اور آدھی بات جس سے عام انسان اور رسول میں فرق پیدا ہوتا ہے وہ نہ سمجھ سکے یا جان بوجھ کر اُنھوں نے نہ سمجھنا چاہا یا سمجھ گئے لیکن اقرار نہ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کہنے لگے کہ اگر ہم کوشش کریں تو ہم بھی رسول ہو سکتے ہیں حالانکہ وحی کا نازل کرنا اللہ کا فعل ہے، اُس کا انسانی کوشش سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ایسا ہے کہ اللہ نے جس پر جی چاہا اُس پر وحی نازل کر دی۔ نزولِ وحی کا بھی ایک

الٰہی معیار ہے اور اُس میں بھی اللہ کی حکمت اور عدل کارفرما ہے۔ رضائے الٰہی جو پوری حیاتِ انسانی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جو تمام شعبہ ہائے حیات پر محیط ہے اور جس کے تحت تمام علوم آجاتے ہیں جو انسان کے مقصدِ حیات کو معین کرتی ہے جو [illegible] ہے وہ ایسی شے تو نہیں ہو سکتی کہ ہر کس و ناکس پر اس کا انکشاف کر دیا جائے رضائے الٰہی [illegible] دنیا میں کتنے انسان ہیں جو شیکسپیر کے فن کو پوری طرح سمجھتے ہوں، کتنے ہیں جو ارسطو کے فلسفے کے دقائق سے باخبر ہیں اور کتنے ہیں جو آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کو سمجھتے ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ اللہ کی نظر با دیانت زین کا انتخاب کرتی ہے اور [illegible] منتخب کیا جاتا ہے جو علمِ ربانی کے بارِ گراں کا تحمل کر سکیں۔

<u>علم و عمل</u> رسول پر وحی اس لئے نازل ہوئی کہ وہ اللہ کے سب سے زیادہ اطاعت گزار بندے تھے۔ وہ "عبد" پہلے تھے "رسول" بعد میں۔ وہ رسول اسی لئے بنائے گئے کہ وہ صحیح معنوں میں عبد تھے اور حقیقی معنوں میں انسان تھے۔ ویسے نہیں جیسے عام انسان ہیں بلکہ ویسے جیسا اللہ کی نظر میں انسان کو ہونا چاہیئے۔ انسان کو کیسا ہونا چاہیئے اس کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے ارادی افعال میں اللہ کی رضا کا ویسا ہی تابع ہو جیسا [illegible] افعال میں وہ قانونِ فطرت کا تابع ہے جن میں اُس کو اختیار نہیں ہے۔ ہادی وہ نہیں ہے جو لوگوں کو جن باتوں کی ہدایت کرے اُن پر خود عمل نہ کرے ایسے ہادی کو تو سیاست کی پست دنیا میں بھی [illegible] پر [illegible] تیار نہ ہوگا۔ ہادی وہ ہے جو پہلے [illegible] اطاعت کرے پھر دوسروں کو [illegible] اطاعت [illegible] اور ایسی اطاعت [illegible] فعل بحیثیت ہادی [illegible]

کا تعلق عمل سے ہے۔ اسلام کی حقیقی تعریف وہی ہے جو علیؑ نے کی ہے یعنی اسلام کے معنی ہیں تسلیم۔ تسلیم کا مطلب ہے یقین اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق سے مراد ہے اقرار اور اقرار ادا اور ادا عمل کو کہتے ہیں۔ اگر رسول صرف زبانی پیغام پہنچا دیتا تو انسانوں پر حجت تمام نہ ہوتی۔ اس لئے رسولؐ نے اتمام حجت کے لئے فرمایا کہ میں دنیا ہی ایک انسان ہوں جیسے تم ہو۔ بے شک اگر انسان کوشش کرے تو وہ اللہ کی اسی طرح اطاعت کر سکتا ہے جس طرح رسول کرتے تھے۔ عام انسانوں کے لئے اسلام نے اطاعت کا معیار اُن کے ظرف اور اُن کی صلاحیت کے لحاظ سے رکھا ہے اور اُس پر پورا اُترنا اُن کے لئے بالکل ممکن ہے۔ رسول کی معرفت اور اُن کے علم کے لحاظ سے اُن کے عمل کا معیار بلند اور عام انسانوں سے مختلف تھا اور رسول کا معیار حاصل کرنے کی اُن پر تکلیف عائد نہیں کی گئی ہے۔ اسلام زندگی کا علم ہے اور زندہ رہنے کا فن ہے کتاب معلم کی جگہ نہیں لے سکتی اور نہ نمونۂ عمل بن سکتی ہے علم کتاب میں محفوظ رہتا لیکن اسے زندگی اُس وقت ملتی ہے جب وہ انسان کی رُوح کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور وہ اس کے جزو کے ساتھ گردش کرے۔ بغیر انسانی ظرف کے نہ اُس کی نشو و نما ہو سکتی ہے نہ ارتقا، ہو سکتا ہے جو انسانی علم کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اسی امر کی وضاحت حضرت علیؑ نے فرمائی تھی یہ بتا کر کہ پیغمبرؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب کے ہزار باب خود پیدا کر لئے اسی لئے رضائے الٰہی کو انسانوں تک پہنچانے کا وسیلہ انسان ہی کو بنایا گیا تاکہ عام انسانوں کا حوصلہ بلند ہو اور وہ رسول کے کردار کی عظمتوں اور اُس کے اسوۂ حسنہ کی جمال آفرینیوں سے متاثر ہو کر اُس کی سنت کی پیروی کریں۔ معیار رسول نہیں ہے بلکہ معیار اخلاق [illegible] وہ ہے جو سر تا سر خیر، حسن اور عدل ہے، [illegible] رضائے الٰہی ہے۔ اسی طرح رسول حاکم نہیں ہے حاکم صرف اللہ ہے رسول معیار اپنی اطاعت کی وجہ سے بن گیا، عبدیت نے واجب الاطاعت ہونے کا استحقاق پیدا کیا۔ خلق عظیم نے محمدؐ بنایا اور مدح کا جواز پیدا کیا اور حسن کردار نے لائق محبت بنا دیا۔ اطاعت، مدح اور محبت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو اس لئے کہ معصوم کی اطاعت، مدح اور محبت اللہ ہی پر منتہی ہوتی ہے اور انسان کے لئے معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے

رسالت و امامت اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہادی بھیجے۔ ہر ایک نے ایک ہی دین یعنی اسلام کی تعلیم دی لیکن اُمتوں نے ہر مرتبہ پیغمبروں کی تعلیمات کو مسخ کر دیا جب بھی دین میں اختلاف پیدا کیا گیا جب بھی رضائے الٰہی کی غلط تاویلیں کی گئیں تو ایک ہادی بھیجا گیا تاکہ وہ اسلام کے مٹے ہوئے نقش کو پھر اُبھارے یہاں تک کہ پیغمبر آخرالزماں مبعوث برسالت ہوئے اور اُنھوں نے آخری مرتبہ شریعت اسلام کی تعلیم دی اور اپنی سیرت سے تعلیمات قرآنی کو ایک جیتا جاگتا پیکر عطا کیا۔

لیکن بعد رحلت رسول انسان وہی تھا، اُس کا نفس وہی تھا، اُس کی نفسانیت وہی تھی، بالکل ویسا ہی جیسا علامہ مودودی سمجھتے ہیں یعنی خطا و نسیان کا مجموعہ! پھر بھلا وہ طلب دنیا کے لئے دین کو مسخ کیوں نہ کرتا اور اسلامی تعلیمات میں اختلاف کیوں نہ پیدا کرتا۔ چنانچہ اختلاف پیدا کیا گیا تعلیمات قرآنی کو پس پشت ڈال کر حلال خدا کو حرام اور حرام کو حلال کیا گیا یہاں تک کہ عبادات میں تبدیلی کر دی گئی اور اب تو اختلاف کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اسلام میں افتراق پیدا ہو گیا اور قیامت تک مسلمانوں کے تہتر فرقے ہو جائیں گے اس لئے ہدایت کے اسلامی فلسفہ کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا ناگزیر ہے کہ جس بنیاد پر ابتدائے نسل انسانی سے لے کر عہد ختم المرسلین تک دنیا میں ہادی آتے رہے اسی بنیاد پر ضروری ہے کہ ہادیان دین

کا سلسلہ تا قیامِ قیامت باقی رہے۔ وہ انسان جسے اللہ نے اپنا خلیفہ یا نائب بنا کر دنیا میں بھیجا اُس وقت تک اللہ کی نیابت کرتا رہے گا جب تک دنیا قائم ہے۔ حاکمِ حقیقی دنیا کو اپنے نائب سے خالی کیوں رکھنے لگا جب کہ کوئی دنیوی حاکم بھی کسی صوبہ کو بغیر گورنر کے نہیں چھوڑ سکتا۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر کے بعد بھی ہادیانِ دین کی ضرورت ہے اور یہ ائمۂ طاہرین ہیں۔ سیرتِ ائمہ خود معیار نہیں ہے۔ اُسی طرح جس طرح رسول کا کردار خود معیار نہیں ہے۔ رسول کی سیرت معیار اس لئے ہے کہ وہ سنتِ رسول سے کامل مطابقت رکھتی ہے۔ اسی طرح ائمہ کی سیرت معیار اس لئے ہے کہ وہ سنتِ رسول سے کامل مطابقت رکھتی ہے۔ ائمۂ طاہرین کی ضرورت اس لئے تھی کہ چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور نئی شریعت کوئی آنے والی نہیں ہے اس لئے شریعتِ اسلام کا تحفظ کیا جائے تاکہ وہ تا قیامِ قیامت اپنی اصلی شکل میں برقرار رہے اور اُس میں کوئی تبدیلی نہ کی جا سکے یعنی عصمتِ ائمہ کے اقرار سے پیغمبر کے نبی آخر الزمان ہونے کا انکار نہیں ہوتا بلکہ اُس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چونکہ رسولِ خدا کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا اس لئے اللہ پر واجب تھا کہ وہ سنتِ پیغمبر کو زندہ رکھے اور جس کی سیرت سیرتِ نبوی سے مکمل مطابقت رکھے گی اُس کی سیرت قرآن سے بھی مکمل مطابقت رکھے گی اور یہی عصمت ہے جو رسول اور ائمہ دونوں میں مشترک ہے۔ ختمِ نبوت کا انکار تو اُس وقت ہوتا جب عصمت کے مفہوم میں نبوت بھی شامل ہوتی۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ اللہ کا نظامِ حکمت اسلام کو جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی نبوت کا ثمرہ تھا ایک ایسے "ناگہانی فتنہ" کے رحم و کرم پر کبھی چھوڑ نہیں سکتا تھا جس کے شر سے بقول عمر اللہ نے اُمت کو بچا لیا اس لئے کہ حقائق نے ثابت کر دیا کہ اُسی کے شر میں اُمت مبتلا ہے اور بعد والوں کو اس شر کے نتائج سے محفوظ رکھنا عدلِ الٰہی کے خلاف ہے اس لئے کہ شر کا نتیجہ عقوبتِ الٰہی ہے۔

دینِ اسلام میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں اسلام کے نظم کی استواری توحید سے ہوتی ہے اور اُس کا سارا فلسفہ خود لفظ "اسلام" کے مفہوم ہی میں سمویا ہوا ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسلام کے معنی ہیں اپنے نفس کو رضائے الٰہی کا تابع کر لینا۔ رضائے الٰہی کا معیار قرآن ہے اور قرآن کی تفسیر سنتِ رسول۔ اس بات سے مسلمانوں کے کسی فرقہ کو انکار نہیں۔

مسئلہ خلافت و امامت اب سارا اختلاف پیدا ہوتا ہے مسئلہ عصمت اور مسئلہ خلافت سے لیکن اس اختلاف کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسلام کے بنیادی مقصد ہی کو نظر انداز کر دیا جائے یا قرآن و سنت کے معیارِ حق ہونے کا ہی انکار کر دیا جائے۔ پیغمبر خدا کے بعد ہادیانِ دین کی ضرورت ہے یا نہیں ہے اس امر پر بھی سب فرقے متفق ہیں کہ پیغمبر کے بعد ہادیانِ دین کی ضرورت ہے فرق صرف یہ ہے کہ ایک فرقہ ائمۂ معصومین کو ہادی مانتا ہے دوسرا غیر معصوم افراد کو۔ اب فیصلہ صرف یہ کرنا رہ گیا کہ پیغمبر کے بعد آنے والے ہر ہادی کو معصوم ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اگر نہیں ہونا چاہیئے تو پھر ماننا پڑے گا کہ غیر معصوم خلیفہ بعض اُمور میں سنتِ رسول کی پیروی کرے گا اور بعض میں نہیں کرے گا۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے لازم ہو جائے گا کہ وہ خلیفہ کی سنت اور سنتِ رسول کا ہر ہر قدم پر موازنہ کرے اور جن اُمور میں خلیفۂ رسول مکمل سنتِ رسول سے مطابقت نہ رکھتا ہو اُن میں اُس کی پیروی کا ترک کرے یعنی معیار پھر سنتِ رسول ہی رہے گی اور اگر یہ کہا جائے کہ غیر معصوم افراد ہی سنتِ رسول سے واقفیت کا ذریعہ ہیں تو اس سے قدرتِ الٰہی کا انکار لازم آئے گا جس پر عدلِ الٰہی کا اظہار کرنے کے لئے اتنا زور دیا جا رہا ہے اس لئے کہ اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ تبلیغ و ہدایتِ اسلام کا وہ سلسلہ جو آدم سے لے کر خاتم تک معصوم انبیاء کے ذریعہ جاری رہا وہ ختم ہو گیا اس طرح گویا الٰہی مشن فیل ہو گیا اور ختمِ نبی کے بعد سے قیامت تک پھر خدا کو غیر معصوم اور خطاکار افراد ہی کا سہارا لینا پڑا [illegible] قیامت تک کے لئے قرآن و سنت کو ہدایت کا وسیلہ [illegible] تو جس طرح وہ قرآن کا محافظ ہے اور اس میں کوئی [illegible] ہو سکتی اُسی طرح وہ سنت کا بھی محافظ ہے [illegible] جن میں ہر ایک اپنی سیرت کے لحاظ سے [illegible]

[illegible] کر دیا معصوم ہادی سے خالی نہیں۔ [illegible] اس کا وجود حجت خدا ہے اور بغیر اُس کے نہ دین اسلام اپنی اصل صورت پر باقی رہ سکتا ہے نہ انسانوں پر حجت قائم ہو سکتی ہے۔

[illegible] فطرت اور دین اسلام قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنی روح آدم میں پھونکی۔ ذات الٰہی حسن، حکمت اور خیر کا منبع ہے۔ قول باری کا منشا یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت خیر متعین کی۔ اس کے بعد عہد الست کا تذکرہ ہے عالم ارواح میں انسان سے قبل خلقت سوال کیا گیا الست بربکم کیا میں تیرا رب نہیں ہوں؟ انسان نے جواب دیا بلیٰ بے شک تو میرا رب ہے معلوم ہوا کہ انسان کو خلق کرنے کے بعد ہی اللہ نے اُس سے اپنی بیعت لے لی اور اپنی ربوبیت کا اقرار کرالیا۔ اسی لئے یہ بتایا گیا کہ انسان اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسی لئے اسلام کو دین فطرت کہا گیا۔ جس طرح اللہ خیر کا منبع ہے اُسی طرح شیطان شر کا ماخذ ہے۔ شیطان نے آدم کی پیشانی میں نور عصمت دیکھا اور حسد میں مبتلا ہوگیا اور اُس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا میں ضلالت، گمراہی اور فساد انھیں افراد کے ذریعہ پھیلے گا جو ہادیان برحق کی عصمت پر حسد کریں گے اور اُن کے مشن کو ناکام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے کافر اور منافق بھی اپنی فطرت کے لحاظ سے حق پرست ہیں لیکن شیطان یا اپنے نفس سے مغلوب ہو کر اس بیعت کو توڑ دیتا ہے اور کھلم کھلا یا پوشیدہ طور پر احکام الٰہی سے انحراف کرتا ہے۔ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد جب کوئی انسان اُسے توڑ دے گا اور کسی غیر معصوم انسان کے ہاتھ پر بیعت کرے گا تو اس کا ہمیشہ مطلب یہ ہوگا کہ اُس نے شیطان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

[illegible] کا جامع فلسفۂ حیات اسلام کے ساتھ منافقین نے [illegible] رسول [illegible] برتاؤ کیا جو ہندہ نے جناب حمزہ کی لاش [illegible] کیا تھا یعنی انھوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے [illegible] کے اجزا منتشر، بے ربط اور متناقض ہو گئے

اور وہ صرف بے معنی بن گیا بلکہ بقول حضرت علیؑ اس طرح اوندھا ہوگیا جیسے کسی ظرف کو اُن چیزوں سمیت جو اس میں ہوں اُلٹ دیا جائے۔ تھیالوجی کی زبان میں یہ شیطانی ردعمل تھا جس نے دین اسلام کو کفر میں تبدیل کر دیا اور سماجی نقطۂ نظر سے یہ رجعت پرستی کا ردعمل تھا جس نے اسلام کے نظام اخلاق و عدل کو دین ملوکیت نظام سرمایہ داری اور حکومت جور میں تبدیل کر دیا۔ اور اُس کے روحانی، انسانی، علمی اور اخلاقی اقدار کو پامال کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اختلاف ختم نہیں ہو سکتا لیکن یہ غلط ہے اور یہ پروپیگنڈا اُنھیں لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے جو نہیں چاہتے کہ اسلام کے اُصول اس طرح واضح ہو جائیں کہ اُن میں باطل کی آمیزش نہ ہو سکے حقیقت یہ ہے کہ دین کی راہیں بقول حضرت علیؑ سیدھی، واضح اور روشن ہیں، حجت تمام ہو چکی اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو استدلال سے سمجھی اور سمجھائی نہ جا سکے۔ اسلامی فلسفۂ حیات عقیدۂ توحید پر مبنی ہے اور سارا دین اسی ایک نقطۂ توحید سے اُسی طرح ماخوذ ہے جس طرح علم اقلیدس سارے کا سارا نقطہ سے اخذ ہوتا ہے۔ عقیدۂ توحید ہی پر اسلامی تصور کائنات مبنی ہے یعنی کائنات ایک وحدت ہے اور اُس کے سارے اجزاء ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اسی سے قانون فطرت کی وحدت کا نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے اور اسی سے اسلامی نظریۂ علم اخذ ہوتا ہے یعنی تمام علوم ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور اب اس کی تصدیق سائنس اور علم کی مختلف شاخوں سے بھی ہوگئی ہے اس طرح اللہ کی معرفت علم کا ماخذ اور منتہا بن جاتی ہے اور پھر اسی عقیدۂ توحید سے اسلام کا تصور انسان اور سماجی فلسفہ بھی اخذ ہوتا ہے۔ ساری کائنات میں صرف انسانی ذہن ہی وہ ہے جو علم حاصل کر سکتا ہے حصول علم کی صلاحیت کے معنی یہ ہیں کہ ذہن انسانی قانون فطرت کا احاطہ کر سکتا ہے اس طرح انسان بقول ہادی برحق حضرت علیؑ عالم اصغر ہے جو عالم اکبر کو چھپائے ہوئے ہے۔ اسی نظریہ سے عقل کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ عقل کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذہنی قوانین جن کے تحت ذہن انسانی کام کرتا ہے او

جن پر علم حساب اور علم منطق مبنی ہیں کائنات میں جاری و ساری قانونِ فطرت سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان کے لیے حصولِ علم ممکن ہی نہ ہوتا۔ علم کے دائرہ میں جہل شیطانی عنصر ہے اور اس کا منبع تنگ نظری، نفسانیت، ضد ہٹ دھرمی اور ذہنی عصبیت ہیں۔ جب انسانی رُوح نفسانیت کے تنگ دائرہ کو توڑ کر رُوحِ کائنات سے مطابقت حاصل کر لیتی ہے تو وہ اُن تمام ذہنی تعصبات سے بلند ہو جاتا ہے جو علم کے ادراک میں مانع ہو کر معرفتِ الٰہی کے حصول کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔ آخری تجزیہ میں حق خود ذاتِ باری ہے اور علیؑ مظہرِ کبریائی ہیں اور بابِ مدینۃ العلم بھی۔ عقل سے علم حاصل ہوتا ہے اور علم سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ رسولؐ کے اس قول کی کہ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ تفسیر یہی ہے کہ علیؑ معرفت کا وسیلہ ہیں اور علیؑ کے اس قول سے کہ "جو مجھ سے عداوت رکھے گا اُس کی عقل جاتی رہے گی" رسولؐ کی اُس حدیث کی تصدیق ہو تی ہے کہ "میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہیں" اور تاریخ گواہ ہے کہ جس نے بھی "حُسن و قبحِ اشیاء عقلی ہے" کے علمی اصول کو ترک کر کے بابِ مدینۃ العلم سے انحراف کیا اُس پر عقل، علم اور ایمان و معرفت کے دروازے بند ہو گئے۔

اسلام کا رکن مساوات و عدل بھی توحید پر مبنی ہیں۔ سب انسان اللہ کے بندے ہیں اس لیے اللہ کی نظر میں وہ سب یکساں ہیں اور اُن کے حقوق و فرائض مساوی ہیں۔ بلندی و پستی کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ وحدتِ نسلِ انسانی کا انقلاب انگیز تصوّر بھی عقیدۂ توحید ہی کا ایک لازمہ ہے۔ "حرّیت" اسلام کی دوسری خصوصیت ہے اور اُس کا راز بھی اطاعتِ الٰہی ہے۔ حاکم صرف اللہ ہے اس لیے ہر انسان صرف اُسی کا محکوم اور صرف اُسی کے سامنے جوابدہ ہے۔ اگر غور کیا جائے تو انسان کی محکومی کا سبب صرف یہ ہو گا کہ وہ اپنے نفس کا غلام اور اللہ کا نافرمان ہے۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے فرمایا "اللہ نے تمھیں آزاد پیدا کیا ہے، خبردار تم کسی کے غلام نہ بن جانا" مگر افسوس ہے انسان کی سرکشی کہ وہ اللہ کے ساتھ سرکشی کرنے پر تو جرأت

محکوم رہتا ہے لیکن ہر ادارے کے ... بدترین ... پر تیار ہو جاتا ہے۔ جب مسلمانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ اسلام کا نظریۂ حکومت کیا ہے تو "سیاست جاننے والے" ... کے باوجود بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور ... وحشیانہ تصوّر میں پناہ ڈھونڈتے ہیں ... آزمائے ہوئے مبہم تصوّر کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ جواب صاف ہے۔ اسلامی شریعت کی رُو سے حاکم صرف اللہ ہے اس لیے نہ انسان کو قانون بنانے کا حق ہے نہ حکم دینے کا اختیار اور حکومتِ الٰہیہ اُسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب حاکم کا ہر قول اور ہر فعل کتاب و سُنّت سے مکمل مطابقت رکھتا ہو یعنی وہ معصوم ہو اور اُس کا اپنا نفس انتظامِ حکومت میں دخیل نہ ہونے پائے۔ ایسا حاکم تاریخِ اسلام میں بعدِ رسولؐ صرف ایک گزرا ہے اور وہ وہ تھا جس نے حکومت کو ٹھکرا دی لیکن کتاب و سنّت کے ساتھ سنّتِ شیخین کی پیروی سے انکار کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر سنّتِ شیخین قرآن و سُنّت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے تو اُس کی پیروی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مطابقت نہیں رکھتی تو میں اس کی پیروی سے انکار کرتا ہوں۔ یہ حجّت خدا اور خلیفۃ اللہ کی آواز تھی جس نے حاکمِ مطلق کی حاکمیت کے تصوّر کو پھر سے زندہ کیا۔ شیخین نہ خود عصمت کے دعویدار تھے نہ اُن کے متبعین کی ہمّت پڑتی ہے کہ وہ اُن کو معصوم تسلیم کریں۔ حضرت علیؑ نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ سنّتِ شیخین قرآن و سنّت سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ اور پھر حضرت علیؑ کی اس وضاحت کے بعد جب مسلمانوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو بیعتِ شیخین اور بیعتِ عثمان جنھوں نے پیروی کا اقرار کیا خود بخود باطل ہو گئی اور یہ ... نے اس بیعت کی پھر تجدید کر دی جو مسلمانوں نے روزِ ... کی تھی اور قرآن و سنّت پھر سے ... قرآن کے اولی الامر کا مثالی ... حکومت نے عملی جامہ پہنایا ... حاکم ...

قصیدہ در مدح امیر المومنین حضرت علیؑ

از فدائے اہلبیت وشوناتھ پرشاد صاحب ماتھر لکھنوی

ہجر کے ماحول میں دل کی دوا دیکھا کیے — ہم تو کیا ہیں سمتِ کعبہ انبیا دیکھا کیے

کچھ تصور میں وفا کی انتہا دیکھا کیے — کچھ حقیقت کے چراغوں کی ضیا دیکھا کیے

ایسے بھی کچھ تھے جو تاریکی سے مِل کر رہ گئے — کچھ بُتوں کی شکل میں طرزِ ادا دیکھا کیے

چاندنی چھٹکی ہوا مہکی کھِلے رنگین پھول — اہلِ گلشن حُسن میں ڈوبی فضا دیکھا کیے

جھوم کر چھائیں گھٹائیں بابِ میخانہ کھُلا — حضرتِ واعظ اصولِ دلربا دیکھا کیے

آنسوؤں نے درد و غم سے ربط سا پیدا کیا — کشتیٔ دل کا تلاطم ناخدا دیکھا کیے

کھو گئے تاریکیٔ قسمت میں منزل کے چراغ — قافلے جاتے رہے اور رہنما دیکھا کیے

اہلِ دُنیا توحدِ دیر و حرم میں رہ گئے — ایک ہم تھے جو تمھارے نقشِ پا دیکھا کیے

جلوۂ تنویر میں حق کی ضیا دیکھا کیے

سال بھر تیرہ رجب کا آسرا دیکھا کیے

جس تجلّی کے لئے موسیٰ گئے تھے طور پر — دل کے ہر ہر گوشے میں جلوہ نما دیکھا کیے

جگمگایا تھا جو قلبِ حضرت ایوبؑ میں ہم اُسی جلوے میں نُورِ کبریا دیکھا کئے
فاطمہؑ بنتِ اسد نے جو اُٹھائے تھے کبھی کعبے کے پہلو میں وہ دستِ دعا دیکھا کئے
کس طرح دیوار میں کعبے کی ہوتا ہے شگاف دَر میں ہو جاتا ہے کیونکر راستا دیکھا کئے
آئے کعبہ میں علیؑ اور گر پڑے طاقوں سے بُت ایسی طاقت اور ایسا معجزہ دیکھا کئے

اہلِ ایماں جلوۂ نُورِ خدا دیکھا کئے
کعبے میں اوراقِ قرآں کی ضیا دیکھا کئے

روزنِ کعبہ سے پھیلی روشنی ایمان کی ہم بھی ماتھر عظمتِ شیرِ خدا دیکھا کئے
وہ نصیری تھے جو دھوکا کھا کے کافر ہو گئے ورنہ ہم تو نورِ حق کی انتہا دیکھا کئے
گود میں لے کر علیؑ کو دیکھ کر حُسنِ جمال خود پیمبر بھی کتابِ حق نما دیکھا کئے
جو مَلک آئے مُبارکباد دینے کے لئے نُورِ حق نُورِ علیؑ نُورِ خدا دیکھا کئے
ماتیں تو کچھ کر نہ سکتے تھے لب خاموش سے بُت نظر سے طاقتِ خیبر کُشا دیکھا کئے

رفتہ رفتہ ہر تجلّی ہو گئی دل میں مکیں
ہم بھی ماتھر یہ علیؑ کا معجزہ دیکھا کئے

قصیدہ

در مدح امیر المومنین و امام المتقین سیدنا علی ابن ابیطالب علیہم السلام

از نتیجۂ فکر حضرت معراج شارقی الوارثی منصور نگر لکھنؤ

عشق مولیٰ میں چمکتی ہے مرے دل کی جبیں — مرحبا صلِّ علےٰ بارشِ انوارِ یقیں
میرے افکار مجھے لیکے اُڑے جاتے ہیں — میری تخئیل کا گہوارہ ہے غالب کی زمیں
کون غالب اسد اللہ جسے کہتے ہیں — جس کی چوکھٹ پہ ہے خم اہلِ عقیدت کی جبیں
میں نے اس طرح قصیدے کی بنا ڈالی ہے — جس طرح کرتی ہیں گلشن کی بہاریں تزئیں
میں نے یوں گلشنِ معنی سے چُنے ہیں افکار — پھول چُنتا ہے چمن زار سے جیسے گُل چیں
میرے اشعار میں الفاظ حسیں ہیں ایسے — جسمِ محبوب پہ جس طرح لباسِ زرّیں
سن کے مومن جو کوئی غنچۂ دل کھل جائے — رنگ دے جائیں جھلکتے ہوئے گلہائے یقیں
دل کی آواز ہے یہ اس کو قصیدہ نہ کہو — میری گفتار میں گنجائشِ ابہام نہیں
نہ مجھے جاہ سے مطلب نہ مجھے زر کی ہوس — ایک شاعر کے لئے کچھ بھی نہیں تاج و نگیں
واسطہ کوئی نہیں فتنہ گری سے مجھ کو — کہ لغت میں ہی نہیں ہے مرے لفظِ نفریں
میں مسلماں ہوں یہ ہر وقت عقیدہ ہے مرا — جز خدائے دوجہاں کوئی بھی معبود نہیں

دستگیرِ فقرا کا جو کرم ہے مجھ پر
فقر کا لفظ ہے میرے لئے حرفِ تمکیں

وارثی ہوں مرا مولیٰ مرا آقا تو ہے
کوئی عالم ہو میں پاتا ہوں تجھے دل کے قریں

عاشقِ آلِ محمدؐ ہوں یہ کردو اعلان
میرا دل اُن کی محبت کا ہے واللہ امیں

آلِ اطہار کا رُتبہ ہے مری نظروں میں
میرا ایمان ہے فرمودۂ شاہنشہِ دیں

تیرے صدقہ میں ہے میخانۂ وارثؒ کا عروج
تیرے انوار سے میخواروں کی روشن ہے جبیں

کل بھی تھا فیض رساں آج بھی ہے فیض رساں
تجھ کو کیسے نہ کہوں تاجِ ولایت کا نگیں

مالکِ کوثر و فردوس غذا نانِ جویں
بارک اللہ مرے صبر گزیں فقر گزیں

ساقیٔ میکدۂ مصطفوی صلِّ علیٰ
تیرے صدقے میں ملا ساغرِ صہبائے یقیں

پوچھنے والو نہ پوچھو کہ ہے کیا حُبِّ علیؑ
یہ ہے معراج کی دُنیا یہ ہے معراج کا دیں

عشق واعظ کی سمجھ میں نہ کبھی آئے گا
اس سے کیا بات کروں میں جو ادا فہم نہیں

کیا کہوں عشق کسے کہتے ہیں ایماں کیا ہے
جب یہ عالم ہے کہ نظریں ہیں کہیں دل ہے کہیں

میں وہ عاشق ہوں نہیں خلد کی مجھ کو پروا
کیا ترے کوچہ میں رعنائیٔ فردوس نہیں

جس جگہ زندۂ جاوید کوئی سوتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ فردوس بریں بھی ہے وہیں

نام سنتے ہی علیؑ کا میں تڑپ جاتا ہوں
للہ الحمد مرا دل ہے عقیدت کا امیں

کوئی اس وقت نظر ڈالے عبادت پہ تری
عرش سے آتی ہے جس وقت صدائے تحسیں

تم اسے خون سمجھتے ہو مگر حق یہ ہے
صبغت اللہ سے ہے قالبِ حیدر رنگیں

نگہِ لطف تری میرے لئے کافی ہے
نہ سہی کوئی اگر میرا طلبگار نہیں

تیرا اک ایک قدم راہنمائے منزل
تیرا نقشِ کفِ پا مہرِ جبیں

کُلِّ ایماں کی سند پائی نبیؐ سے تو نے
یہ شرف کم نہیں تیرے لئے اے نازشِ دیں

شمعِ ایوانِ ازل نیّرِ تابانِ ابد ‏ قبلۂ اہلِ صفا کعبۂ اربابِ یقیں
پاس سے بڑھ کر تری تعریف کہاں ممکن ہے ‏ شاہدِ آیۂ تطہیر ہیں جبریلؑ امیں
جو تری آل میں ہے سچ ہے وہ لاثانی ہے ‏ تجھ پہ قرباں ہیں اے گنبدِ خضریٰ کے مکیں
آنکھ میں اشک بظاہر جو نہیں ہیں نہ سہی ‏ غمِ حسینؑ کا مخزن ہے مرا قلبِ حزیں
کیا کہوں مرتبۂ خوابگہِ شاہِ نجف ‏ دیکھ سکتی ہے یہ منظر نگہِ اہلِ یقیں
عرشِ معبود سے انوار کا ہوتا ہے نزول ‏ وہ اگر عرشِ معلّٰی ہے یہ ہے عرشِ زمیں

مے پرستوں کی نہیں کوئی کمی اے معراج
ذوقِ خاصانِ خرابات مگر عام نہیں

قطعات

(معجز سلطانی)

علیؑ کے منہ میں نبیؐ نے زباں دی حیرت کیا ‏ نبیؐ ہر ایک حقیقت کو جان لیتا ہے
زبان ہر کس و ناکس کو دی نہیں جاتی ‏ رسُول سوچ سمجھ کر زبان دیتا ہے

★

یہ پیمبر ہے کوئی کھیل نہیں ‏ ممتحن امتحان کیا دے گا
دے چکا ہے علیؑ کو کعبہ میں ‏ اب کسی کو زبان کیا دے گا

قصیدہ

(جناب خرد فیض آبادی)

محبت میں اس کے سوا اور کیا ہے
ستم ہی ستم ہے جفا ہی جفا ہے

جہاں پر نہ جبریل فہم اپنا پہونچے
تصور مرا اس سے آگے گیا ہے

مری خامشی سے نہ کچھ اور سمجھو
تقاضا یہی اصل میں وقت کا ہے

نگاہِ جہاں میں جو ہیں چار تنکے
وہی جب جلے ہیں تو گلشن بچا ہے

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"
تو ذروں میں کیا جانے کیا ڈھونڈھتا ہے

کوئی پیٹے کب تک پرانی لکیریں
نیا پن ہر اک کچھ نہ کچھ چاہتا ہے

ہے ماحول پر کچھ تو کچھ ہے عمل پر
وگرنہ برا ہے نہ کوئی بھلا ہے

ہمیشہ رہی نیک و بد میں لڑائی
وہی سلسلہ آج بھی چل رہا ہے

یہی جنگ آدم کو لائی زمیں پر
اسی جنگ نے بھائی کا خون کیا ہے

یہ چڑھا جب لبے پر نہ رنگ نبوت
سوال اس کے بعد اور لوگوں کا کیا ہے

اخوت نے جھانکے کنوئیں اس کے ہاتھوں
اسی نے محبت کا سودا کیا ہے

کرم ہے اسی کے یہ محسنوں کا
کہ بندہ خدا کا خدا بن گیا ہے

وہی جس نے نیکی کو رستہ دیا تھا
بدی کے لیے اک بلا بن گیا ہے

لپکنے لگے جب برائی کے شعلے
تو نیکی نے گلزار انھیں کر دیا ہے

جنازہ نکلتے جو نیکی کا دیکھا
مسیحا نے جاں دے کے زندہ کیا ہے

عروج اس نے بخشا فنِ آذری کو
اسی سے ہی کعبے کا [illegible] گیا ہے

اسی سے مٹی حق و باطل کی تفریق
اسی سے مسلماں کا فر بنا ہے

جب ابرِ بدی چھا گیا بن کے زحمت
تو دنیا میں رحمت کو آنا پڑا ہے

نبی لا الٰہ کی آواز جس وقت
تو پھر ہوا [illegible]

یہاں کے ہمراہ ہے سارا نکتہ
ادھر اک محمدؐ ہیں اور اک خدا ہے

یہ مشکل علی اب وہ آیا یہاں پر
جیسے لا فتیٰ کبریا نے کہا ہے

جدارِ حرم میں نیا در بنا ہے
یہ آنے سے پہلے کا اک معجزا ہے

بنانے زچہ خانہ گھر کو خدا کے
پیمبر نہیں اک امام آ رہا ہے

الٹ کے جو دیکھا ہے نام اس کا ہم نے
علی کے بجائے ولی بن گیا ہے

پیمبر کو دیکھا ہے، جب آنکھیں کھولیں
زباں اس نے کھولی تو قرآں پڑھا ہے

نہ ہو تو مصیبت میں نادِ علی کو
پیمبر نے خود پڑھ کے بتلا دیا ہے

ٹھکانا کہیں مشکلو! اور کر لو
زمانے میں مشکلکشا آ گیا ہے

کلامِ علی ہے، کلامِ محمدؐ
کلامِ محمدؐ کلامِ خدا ہے

پلٹ کے کیا ہے یہ سورج نے اعلان
جو اس کی رضا ہے وہ حق کی رضا ہے

خدا و نبیؐ پر ہے ایمان جس کا
وہی اس کی منزل کو پہچانتا ہے

یہ دو رخ ہیں تصویرِ ہجرت کے یعنی
ہے بیدار کوئی، کوئی سو رہا ہے

علی بھی ہے اک نام اقدس خدا کا
اسی واسطے ہر مرض کی دوا ہے

سمجھ کے اسے اپنی قسمت کی معراج
ستارے نے سر اس کے در پر رکھا ہے

میں ہوں جس کا مولا، یہ مولا ہے اس کا
کسی نے نہیں خود نبیؐ نے کہا ہے

یہ ایسا سخی ہے جو سائل بھی آیا
غنی ہو گیا اس قدر دے دیا ہے

غذا میں ہے نانِ جویں اور یہ طاقت
کہ خیبر کا دروازہ اک ہاتھ کا ہے

خوشی پیمبر کے بعد اس جری کی
حقیقت تو یہ ہے بڑا معرکہ ہے

ہے معراج میں کون پردے کے پیچھے
نبیؐ کہتے ہیں ہاتھ دیکھا ہوا ہے

علی مل گئے تو محمدؐ سے ملے ہیں
محمدؐ سے ملے تو خدا مل گیا ہے

... اس کے قدم اور دوشِ پیمبر
شرف گھر میں حق کے یہ اس کو ملا ہے

مئے حبِّ حیدر کو پی کے قمر نے
مئے حبِّ دنیا کو ٹھکرا دیا ہے

از ستارہ، لکھنوی

محسُوساتِ شارب

نمودِ آرائی حیات کی ... لیئے ہوئے
اشکِ ... شہ کی برودت لیئے ہوئے
باغِ رسولِ پاک کی نکہت لیئے ہوئے
اس دل میں پنجتنؑ کی محبت لیئے ہوئے
جنّت سے دور بیٹھا ہوں جنّت لیئے ہوئے

میں خوب جانتا ہوں جو ہے مرضیٔ خدا
قرآن میرے دل میں ہے نظروں میں کربلا
کعبہ گواہ ہے مجھے رستے کا خوف کیا
عشقِ رسولؐ عشقِ علیؑ یادِ فاطمہؑ
زادِ سفر ہوں حسبِ ضرورت لیئے ہوئے

دنیا میں ہے صلوٰۃ مسلسل مرا قیام
میرا نہیں کرو مرے جوہر کا احترام
جبرئیلؑ سے کہو کہ کریں وہ مجھے سلام
آلِ رسُولِ پاک کی الفت ہے جس کا نام
بیٹھا ہوں وہ خدا کی امانت لیئے ہوئے

اس در کی خاک ہو تو مزہ بندگی میں ہے
اس در پہ آ کے موت بھی شامل خوشی میں ہے
جو کچھ بھی ہے یہی تو مری زندگی میں ہے
جس خاک سے خمیر ہے ملنا اسی میں ہے
جاؤں کہاں میں فاضلِ طینت ...

طوفان ہر بلا سے ملائے ہوئے نظر
بے خوف کائنات سے دل میں خدا کا ڈر
منزل پکارتی ہے نہ بھٹکو ادھر ادھر
بندش کوئی نہیں ہے درِ اہلبیت پر
آؤ مگر ثبوتِ محبت لیئے ہوئے

آغوش کائنات میں رحمت خدا کی ہے
سوئے فلک نگاہ ہر اک پیشوا کی ہے
کعبے میں دھوم آمدِ مشکلکشا کی ہے
اک بھیڑ ہر قدم پہ جہاں انبیا کی ہے
ہم بھی کھڑے ہیں اجرِ رسالت لیئے ہوئے

جلوے سمٹ کے آ گئے بابِ حرم کھلا
آغوش وا کئے ہوئے آئے ہیں مصطفٰے
یوں اتصال نور کا اب تک نہیں ہوا
آغوش میں رسول کے بھائی رسول کا
رحمت ہے اپنی گود میں رحمت لیئے ہوئے

مدت سے باغِ مدحتِ آلِ عبا میں ہے
لایا ہے ایسے پھول کہ خوشبو ہوا میں ہے
کعبے میں ہے دیارِ حبیب خدا میں ہے
شاداب کبھی نجف میں کبھی کربلا میں ہے
پیمانۂ شرابِ محبت لیئے ہوئے

مدح حضرت علیؑ

از یعقوب حسین صاحب رضوی وحید لکھنوی

نور حق چمکا نصیری کیا سے کیا کہنے لگے
ہوش ایسے کھوئے بندے کو خدا کہنے لگے

پڑ گئے آنکھوں پہ پردے کیا سے کیا کہنے لگے
سب شب ہجرت علیؑ کو مصطفےٰ کہنے لگے

جس کو قدرت نے دیا تھا جوہر عقل و شعور
وہ علیؑ کو مظہر شان خدا کہنے لگے

ہم نہ سمجھے۔ ڈوبے نصیری تھا فقط لفظوں کا پھیر
وہ خدا کہنے لگے ہم ناخدا کہنے لگے

پی گئے جب شوق سے جام مئے حب علیؑ
ہم کو پابند شریعت پارسا کہنے لگے

جو نجف پہونچا مریض عشق اچھا ہو گیا
روضۂ اقدس کو ہم دار الشفا کہنے لگے

میرے ہاتھوں میں در شاہ نجف کی خاک تھی
اہل دل، اہل بصیرت کیمیا کہنے لگے

فرق اعدا پر گری جس دم چمک کر ذوالفقار
تیغ حیدر کو عدو قہر خدا کہنے لگے

دیکھ کر دور خلافت میں علیؑ کی سادگی
مسند شاہ نجف کو بوریا کہنے لگے

دیکھا قنبر نے جو یہ طغیانی بحر کرم
مرتضےٰ کو معدن جود و سخا کہنے لگے

زہد و تقوےٰ دیکھ کر شان عبادت دیکھ کر
متقی مولا کو روح اتقا کہنے لگے

بانیٔ اسلام کی شان صداقت دیکھ کر
دین احمد کو علیؑ دین خدا کہنے لگے

آیۂ بلغ ادھر اتری یہ میدان غدیر
ہم علیؑ کو جانشین مصطفےٰ کہنے لگے

دین ترا دن ہے دین ہے رات علیؑ

(شاعرۂ ملت محترمہ بانو سید پوری)

حق کا پیکر ہے تیری ذات علیؑ ۔۔۔ حق کا جوہر تری حیات علیؑ
تیری شانِ تصرفات علیؑ ۔۔۔ مرضئ حق ہے تیرے سات علیؑ
تو ہی "والفجر" ہے تو ہی "واللیل" ۔۔۔ دین ترا دن ہے دین ہے رات علیؑ
جیسے مولا ہیں سید کونین ۔۔۔ یوں ہے مولائے کائنات علیؑ
متن قرآن میں ذکرِ "انفسنا" ۔۔۔ ہے یہ تفسیر تیری بات علیؑ
جیسے الہام کتاب باری کا ۔۔۔ تیری سیرت تری حیات علیؑ
اس پہ شاہد ہے ہر مہم دیں کی ۔۔۔ تو تھا حلالِ مشکلات علیؑ
ذوالعشیرہ سے تا بہ خم غدیر ۔۔۔ ذکر تیرا ہے تیری بات علیؑ
تجھ سے وابستہ یوں ہے دیں کی بات ۔۔۔ رنگ و بو گل میں جیسے سات علیؑ
محترم نفس تیرا نفسِ خدا ۔۔۔ بات ترا خدا کا ہے ہات علیؑ
جس کو کہتے ہیں سب شبِ ہجرت ۔۔۔ تھی بھیانک وہ کتنی رات علیؑ
اس میں تیرا سکون وہ صبر علیؑ ۔۔۔ محوِ حیرت تھی کائنات علیؑ
جیسے ہارون ساتھ موسیٰ کے ۔۔۔ تو محمدؐ کے یوں ہے سات علیؑ

ذکر تیرا جہاں جہاں ہے وہاں
ہے فضائل کی اک برات علیؑ

قصیدہ در مدح جناب امیر علیہ السلام

(نتیجۂ فکر بلند محترمہ مس نرجس زیدی ایم۔اے ادیب کامل (علیگ) سرائے فیض علی
پرانی منڈی سہارنپور۔

آگیا موسمِ گل اہلِ گلستاں ہوں نہال — فیضِ رحمت سے درخشاں ہے چمن کا اقبال
بے بہا پوشش ہر نخل ہے حق نے جس میں — برگ و گل ٹانک دیئے لعل و زمرد کی مثال
نغمہ زن شاخِ شجر پر ہیں عنادل بطرب — چشمِ نرگس کے فسوں پر ہے فدا چشمِ غزال
جس طرف دیکھئے سرسبزی و شادابی ہے — گلشنِ دہر نظر آتا ہے جنت تمثال
پئے تسلیم ہے خم شاخِ ثمر بار کہیں — بہرِ تعظیم بہاراں کہیں استادہ نہال
درِ میخانۂ گلشن پہ ہے رندوں کا ہجوم — لب پہ اک ایک کے ہے بادۂ رنگیں کا سوال
چرخ کی سمت نظر کی تو یہ معلوم ہوا — آج نکلا ہے قمر صورتِ خورشید جمال
کس کی آمد کی خوشی میں یہ اسے اوج ملا — تھا یہ کل تک تو ہلال آج ہے اک بدرِ کمال

کر رقم مطلعِ ثانی کوئی ایسا نرجس
نہ ملے صنعتِ قصیدہ میں کوئی جس کی مثال

آیا مولودِ حرم کا مجھے نرجس جو خیال — ہو گیا فرطِ خوشی سے دلِ مغموم بحال
کیوں نہ ہوں کیوں نہ ہوں مسرور خدا کے بندے — خانۂ حق میں علیؑ کا ہے [illegible]
فکرِ مدحت میں تھی بیتاب زمیں پر لیکن — ہفت افلاک سے آگے تھے مرے [illegible]

شاخِ طوبیٰ کی قلم کر کے برائے خامہ　　دم میں حاضر ہوا منشیٔ فلک نیک مآل
جب ہوئی محو رُخِ مدحِ امیر المومنین　　ہو گیا صلِّ علیٰ ذوقِ سخن مالا مال
قعرِ دریائے معانی سے جو گوہر لائی　　کشتیٔ مدح کی زینت ہوئے بے قیل و قال
لب کشا گر کوئی ناقد ہوا بہرِ تنقید　　بُلبلِ خلد پُکارا کہ زباں اپنی سنبھال
گرم رفتار جو ہے رخشِ ثنائے مولا　　کرتا جاتا ہے قدم سے دلِ اعدا پامال
اللہ اللہ عجب تیزی و طرّاری ہے　　روکنا ایک نفس اس کی عناں کا ہے محال
کس زباں سے شہِ مرداں تری توصیف کروں　　شستہ الفاظ بہم اور نہ شیریں ہے مقال
غش ہوئے تھے کبھی تم دیکھ کے جس کو موسیٰ　　ہے درخشندہ اُسی نورِ الٰہی کا جمال
کس کی آمد پہ زچہ خانہ بنا بیت اللہ　　کس کی آمد پہ زِیا کعبہ سے مریم کو نکال
کس کی ہیبت سے گرے طاقِ حرم سے اصنام　　کر دیا کس نے خدائی کو بتوں کی پامال
حبذا نورِ خدا، دستِ خدا، شیرِ خدا　　قہرِ خلاقِ جہاں جس کا زمانہ میں جلال
کھل اُٹھی فرطِ مسرت سے جدارِ کعبہ　　آ گیا خانۂ معبود میں تو نیک خصال
آنکھیں کھولے گا یہ بچپن نہ ہو بنتِ اسد　　سامنے آئے تو محبوبِ الٰہی کا جمال
بھائی سے ملنے کو آتے ہیں رسول الثقلین　　ہو مبارک یہ برادر کو برادر کا وصال
لے کے آغوش میں حضرت نے دہن کو چوما　　گردنِ پاک میں مولود نے دیں باہیں ڈال
دے دیا تامِ الٰہی پہ جگر پاروں کو　　درِ دولت پہ کیا جب کسی سائل نے سوال
سو کے بستر پہ نبی کے شبِ ہجرت تو نے　　ختم اپنے ہی پہ کی ہمت و جرأت کی مثال
جوش بھرا تھا جو پردے سے نکالا تو نے　　بھائی کے ساتھ ملا رتبۂ معراجِ کمال
کٹ گئے تیغِ دو سر سے پرِ جبریلِ امیں　　جنگِ خیبر میں جو آیا مرے مولا کو جلال

صدقہ زہراؑ کا بر آئے یہ تمنائے کنیز   یا علیؑ غازیٔ سرکردۂ میدانِ قتال
ہر نفس محو تری مدح میں تا زیست رہوں   یوم سے ماہ تلک، ماہ سے لے کر تا سال

ختمِ مدحت پہ دعا مانگ خدا سے زجسؔ
اہلِ ایمان کو یہ عید آئے پھر آئندہ سال

قصیدہ در شانِ مولائے کائناتؑ (جناب صالح محمد صاحب ثاقبؔ)

وہ کالی گھٹاؤں کے بادل آ رہے ہیں   نئی زندگی کی خبر لا رہے ہیں
یہ ساون کی برکھا، یہ رم جھم کا موسم   دلوں کے کنول پھر کھلے جا رہے ہیں
وہ ساقی، وہ ساغر، وہ مے کی صراحی   سبھی رقص کرنے چلے آ رہے ہیں
چلی ہے کچھ ایسی ہوا انجمن میں   کہ شیخ حرم بھی پیے جا رہے ہیں
قیامت سے کہہ دو ابھی ٹھہر جائے   سراپا گھٹا بن کے وہ آ رہے ہیں

ق

بڑی مدتوں سے نصیبا ہے جاگا   لیے جام وہ خود چلے آ رہے ہیں
مبارک ہو ابرِ کرم آ رہے ہیں   لبوں پر ترانے چلے آ رہے ہیں
سیا طور، کعبہ میں جلوہ نما ہے   مبارک ہو نورِ خدا آ رہے ہیں
شہِ لافتیٰ، ہل اتیٰ آ رہے ہیں   وہ شمس الضحیٰ، مرتضیٰ آ رہے ہیں
نبیؐ کے وزیر و وصی آ رہے ہیں   دو عالم کے مشکل کشا آ رہے ہیں
جو صفدر لقب ہیں، جو خیبر شکن ہیں   وہ حیدرؑ، وہ شیرِ خدا آ رہے ہیں
وہ قرآنِ ناطق، وہ کوثر کے مالک   رہِ حق کے سالک، چلے آ رہے ہیں
غریبوں کے حامی، یتیموں کے والی   گلستاں کے مالی، چلے آ رہے ہیں
وہی اپنے ہادی، وہی اپنے رہبر   وہی اپنے عقدہ کشا آ رہے ہیں
حکیم و علیم و ولی آ رہے ہیں   علیؑ آ رہے ہیں، علیؑ آ رہے ہیں

بہ فیضِ شہِ لافتیٰ، ہم تو ثاقبؔ
سبھی کے دلوں میں جگہ پا رہے ہیں

ذکر و عبادت

(جناب سید قاسم نبیر صاحب نقوی نصیرآبادی)

اے حق نواز! دین تھا رسوا ترے بغیر
واللہ کوئی کفر نہ ٹوٹا ترے بغیر

ہر چیز بے مدار ہے مولا ترے بغیر
دنیا ترے بغیر نہ عقبیٰ ترے بغیر

پردے میں تھا یقین کا جلوہ ترے بغیر
پایا نہ زندگی نے اجالا ترے بغیر

جاتی کدھر حیاتِ بشر بہر عافیت
منزل کی تھی نمود نہ رستہ ترے بغیر

توحیدِ حق ثبوت کی منزل سے دور تھی
سنسان تھا شعور کا جادہ ترے بغیر

افکار بے فروغ تھے اسرار بے چراغ
تھا ذہن و ذہنیت پہ اندھیرا ترے بغیر

تجھ پر طلوعِ دینِ محمدؐ تھا منحصر
ہوتا نہ معرفت کا سویرا ترے بغیر

خیر البشر کو خیرِ عمل کی تلاش تھی
اسلام تھا مگر تھا ادھورا ترے بغیر

مٹی کو تجھ سے نور ملا اے ابوتراب
کچھ بھی نہ تھا زمین کا رتبہ ترے بغیر

تھے آدمی مگر نہ تھی تہذیبِ آدمی
انسانیت ہوئی نہ ہویدا ترے بغیر

دونوں کا تجھ سے ربط ہے دونوں کی آبرو
قبلہ ترے بغیر نہ کعبہ ترے بغیر

تو نے اسے مرقعِ معنی بنا دیا!
قرآں کسی کے کام نہ آیا ترے بغیر

تھا صرف ایک لفظ جو محرومِ شرح تھا
سمجھا نہ کوئی معنیٔ مولا ترے بغیر

اس کے لیے بھی تیری مودت ہی شرط ہے
جنت کو چھو سکے گی نہ دنیا ترے بغیر

حیدرؑ کی بات

جناب معجز سنبھلی

مدحتِ حیدرؑ نہ سُننے کا بہانہ خوب ہے ※ ہم سے یہ کہنا بڑھا دیتے ہو تم حیدرؑ کی بات

جواب

ہم حقیقت کو چھپائیں بھی تو اس کو کیا کریں
رکھنے والا آپ رکھ لیتا ہے جب اس گھر کی بات

رو کئے داخل حرم میں ہوگئیں بنتِ اسد
روکئے کہنے لگی دیوارِ کعبہ در کی بات

رو کئے ان کو زباں دیدی رسُول اللہ نے
ہم نہیں کہتے ہیں خود۔ یہ ہے خدا کے گھر کی بات

رو کئے وہ لا فتا آئی علیؑ کی شان میں
رک سکے تو رو کئے جبریل کے شہپر کی بات

رو کئے وہ آیۂ تطہیر نازل ہوگئی
رو کئے لایا فرشتہ عرش سے اُو پر کی بات

رو کئے ان کو نبیؐ نے کُلِ ایماں کہہ دیا
بات کو ان کی نہ مانو خالقِ اکبر کی بات

رو کئے کہنے لگا خیبر علیؑ کی داستاں
رو کئے دُنیا کہے گر مرحب و عنبر کی بات

رو کئے خود بانیٔ اسلام کو کہنا پڑا
تیرے دَم سے رَہ گئی اسلام کے لشکر کی بات

رو کئے وہ کر رہا ہے خانۂ حیدر تلاش
رو کئے وہ عرش سے آئے ہوئے اختر کی بات

باوجود اس کے بھی ہم عاصی سمجھتے ہیں اُسے
جو پیمبر سے بڑھا دے کوئی بھی حیدرؑ کی بات

عمر میں کم۔ چھوٹے بھائی اور دامادِ رسُولؐ
ان سے بہتر کیوں نہ ہوگی دین کے رہبر کی بات

تب قدر تعریف حیدرؑ ہو نبیؐ کا نام ہے
یعنی ہر صنعت کی ہے تعریف صنعت گر کی بات

مرتبے اپنی جگہ لیکن حقیقت میں ہے یہ
جو بھی اس گھر میں ہیں معجزؔ ایک ہے اس گھر کی بات

محفل دہر میں اک شمع امامت آئی

(ماسٹر سید مہدی حسین صاحب رضوی ہمدرد لکھنوی)

لیجئے رندوں کی معراج پہ قسمت آئی — آئے کعبہ میں علیؑ جوش میں رحمت آئی

ظلمت کفر مٹی آج وہ ساعت آئی — محفل دہر میں اک شمع امامت آئی

ہوگیا دل کو سکوں نزع کی الجھن نہ رہی — جب نظر حیدرؑ کرار کی صورت آئی

گر گئے خاک پہ اللہ کے گھر میں اصنام — زیر پا آپ کے جب مہر نبوت آئی

اپنی دختر دی محمدؐ نے خدا نے تلوار — آپ کے واسطے ہر ایک فضیلت آئی

دوست کیا غیروں کی، کی آپ نے مشکل آساں — جس نے آواز دی جب کوئی مصیبت آئی

نخل اسلام میں پیدا ہوا اک تازہ ثمر — یعنی آغوشِ نبوتؐ میں امامت آئی

ساقیا سوئے نجف جائیں گے پینے کیلئے — آج پھر جوش میں رندوں کی طبیعت آئی

آپ کے وصف بیاں کرنیکی طاقت ہے کسے — آپ کی مدح میں قرآن کی آیت آئی

کیوں نہ ہوں شاد کہ قسمت نے وہ دن دکھلایا
مجھ کو ہمدرد نظر شاہؑ کی صورت آئی

بہار رجب

(سید علی ماہر صاحب اجتہادی لکھنوی نتیجہ فکر)

مبارک ہو مبارک ہو تمہیں یہ عید سبحانی
وہ دیکھو آ رہا ہے ابر برساتا ہوا پانی
نہ جانے کیا اثر پیدا کیا ہے ابر باراں نے
نکلتی آ رہی ہیں ہر شجر میں کونپلیں دھانی
کہیں گھنگھور بادل آ رہے ہیں یہ صدا دیتے
نظر آنے لگے گا چارسو اب پانی ہی پانی
ادھر سبزہ لہکتا ہے ادھر شبو مہکتا ہے
شگوفے مسکرانے میں کہیں بلبلیں گلے ملتی ہیں کہہ کر ربّ یزدانی ۹
کہیں کلیاں چٹکتی ہیں کہیں گل مسکراتے ہیں
روش میں چارسو کیسی کھلی ہے رات کی رانی
نہ جانے کیا سبب ہے کیوں یہ گلشن میں بہار آئی
نہ جانے کیوں یہ ہے امواج میں اب زور طوفانی
صدائے تہنیت چاروں طرف سے کیوں یہ آتی ہے
ہنسے پڑتی ہے سن کر یہ کیوں ایماں کی پیشانی
سبب یہ ہے امامِ حق جہاں میں آج آئے ہیں
حجاب نور میں ہیں اس لئے صورت [illegible]

صغریٰ کی نبیرہ ہوئی ہے اس لیے تازہ بہار آئی
جب ہی تو اسی سے ہنس رہی ہے آج احمد کی بھی پیشانی
ہزاروں رحمتیں نازل نہ کیوں ہو آج نتیوں پر
امامت کی گواہی کیوں نہ دیں اوراق قرآنی
نیا گلشن نیا ہے پاسبان بنت خدا ابنرا
مبارک ہو کہ نبی کی آج یہ رحمت کی بارانی
وہ آغوشِ نبوت میں امامت کی ضیاء دیکھو
سو جیسے کہ جیسے ~~چھپی~~ ہو فانوس میں شمع شبستانی
چلو چل کر مبارک باد دیں ہم اہل محفل کو
سے ہار لے ہے پہ
کہیں خوش ہو کے اہل بزم بھی بہ فضل یزدانی
کہاں ہیں صدر آکر دیکھ لیں میرے قصیدے کو
کریں اصلاح اس کی دل میں ہے بیحد پریشانی
خدا نازل کرے رحمت مرے استاد پیر ماہر
تصدق ہے انہی کا جو بھی کہتا ہوں بآسانی

قصیدہ در حالِ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام

از سید علی عباس رضوی منیّر محمدی لکھنوی

حیدرِؑ صفدر کا سب کہتے ہیں دیوانہ مجھے
اَب بڑی مشکل ہے اِس دُنیا نے پہچانا مجھے

اک نہ اک دن تو محبت رنگ لائے گی ضرور
کب تلک کہتے رہیں گے آپ بیگانا مجھے

دَم بخود میں رہ گیا آتے ہی توبہ کا خیال
دیر تک دیکھا کیا ساقیٔ میخانا مجھے

لو جنوں کی حد سے آگے بڑھ گیا میرا جنوں
اَب تو دیوانے بھی کہدیتے ہیں دیوانا مجھے

حُبِّ حیدرؑ دل میں اور سینے پہ ماتم کا نشاں
ماسوا کیا اِس کے ہے دُنیا سے لے جانا مجھے

عزم و ہمت دے مجھے اے مالکِ لیل و نہار
بڑھ رہا ہے آج ہی باطل سے ٹکرانا مجھے

پھیرے نظریں زمانہ مجھ کو اس کا غم نہیں
میرے مولیٰ روزِ محشر تم نہ ٹھکرانا مجھے

مشکلوں کا سامنا کرنا عبادت بن گیا
زندگی یاد آگئی تیری فقیرانا مجھے

آگئے حیدرؑ تو کعبے نے کیا اعلانِ حق
کس میں دَم ہے اَب کہے جو کوئی بتخانا مجھے

روزِ محشر ہے نظر میں تیرے روضہ کا خیال
قصرِ جنت لگ رہا ہے جانا پہچانا مجھے

داستانِ اُلفتِ آلِ پیمبرؐ کے سوا
ہر حقیقت اَب نظر آتی ہے افسانا مجھے

لڑکھڑا جائے نہ یہ میری زباں وقتِ سوال
لکھ کے سینے پر علیؑ کا نام دفنانا مجھے

مَیں سمجھ لوں گا کہ مجھ کو مِل گئی راہِ نجات
آپ بس کہدیں زباں سے اپنا دیوانا مجھے

اَپنے روضے پر طلب فرمائیے نیّر کو اَب
میرے مولیٰ اَب میسر ہو نجف جانا مجھے

نقل تجویز تعزیت منظور کردہ مخصوص جلسہ مجلس عاملہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس

منعقدہ ۱۷ جولائی ۱۹۷۷ء بمقام لکھنؤ

"آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ فخر ملت الحاج سید ابو محمد صاحب آف بمبئی صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی اچانک وفات پر اپنے انتہائی رنج و غم، حزن و ملال کا اظہار کرتا ہے

مرحوم دو بار آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس اول جون پور (۱۹۶۵ء) و بنگلور (۱۹۷۳ء) کے صدر منتخب ہوئے اور تاحیات کانفرنس کے صدر رہے۔ مرحوم امامیہ مسجد بمبئی کی انتظامیہ کمیٹی کے بھی تاحیات صدر رہے۔ مرحوم سچے محب اہلبیت اور پرستار حسینیت تھے اور انھوں نے ترویج عزاء حسینؑ شہر بمبئی کے سلسلہ میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ وہ انسان باعمل، رحمدل، مروت کا پیکر تھے۔ مرحوم اتحاد بین المسلمین کے بھی زبردست علمبردار تھے۔ مرحوم شیعہ کالج جون پور کے صدر اور سنٹرل حج کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔

یہ جلسہ مرحوم کی عدیم المثال مذہبی اور ملی خدمات بالخصوص مسلم پرسنل لا اور اردو کے لئے ان کی جد و جہد کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کے انتقال پر ملال کو ملت اسلامیہ بالخصوص ملت جعفریہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان اور عظیم سانحہ تصور کرتا ہے اور مرحوم کی بیوہ، پسران و دختران اور دیگر پسماندگان کے ساتھ اُن کے رنج و غم میں برابر کا شریک ہے اور اُن کی خدمت میں کانفرنس کی جانب سے بہ خلوص تعزیت پیش کرتا ہے اور دست بدعا ہے کہ پروردگار عالم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

نقل مصدقہ

سید بہادر حسین رضوی

آنریری جوائنٹ سکریٹری

آل انڈیا شیعہ کانفرنس

"حاکم شامی لعین است"

والے نوحہ پڑھائی کورٹ کا فیصلہ

چاروں شیعہ باعزت طور پر بری کردیئے گئے

۲۲ جولائی ۱۹۷۶ء کو آنریبل الٰہ آباد ہائی کورٹ میں مسٹر جسٹس جی۔ڈی سریواستو نے مسٹر پی ایس ہرگرانی سیشن جج لکھنؤ کی سفارش کو مان لیا اور اشرف حسین، حضور نواب محمد حیدر اور آغا حسن بھارتی کو باعزت طور پر بری کردیا ان ملزمان پر پچاس روپے فی کس جرمانہ آرسی پانڈے اڈیشنل سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ نے اس بات پر کیا تھا کہ یہ لوگ ۲۷ اپریل ۱۹۷۴ء کو چہلم کے دن بیس ہزار شیعوں کے ساتھ پاٹے نالے سے گزرے اور سنیوں کی دل آزاری کے لئے یہ نوحہ پڑھا ۔

حاکم شامی لعین است	یعنی ۔ یزید حرین است
صدا بکرسی نشین است	صدا و داع حسینا واحسرتا حسینا

واقعات اس طرح تھے کہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۴ء کو امام مظلوم کا چہلم تھا۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۴ء کو بی۔ڈی۔جوشی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ نے دفعہ 153 A تعزیرات ہند کے تحت ان چاروں ملزمان کے خلاف مقدمہ چلایا اور کہا کہ ان ملزمان نے بیس ہزار شیعوں کا ناجائز مجمع بنا کر ۲۷ اپریل ۱۹۷۴ء کو پاٹے نالے سے علم نکالا اور بہت جلوس میں "حاکم شامی لعین است" پڑھ رہے تھے اور کوٹ سے لکھ بھی رہے تھے جس سے سنیوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی۔ ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ کے اجلاس پر واقعات کے تین گواہ گزرے۔ پیج بہادر کانسٹیبل نے کہا کہ وہ ڈیوٹی پر تھا۔ ملزمان کچھ اردو میں کہہ رہے تھے اور ٹکڑا رہے تھے وہ سمجھ نہیں سکا لیکن جب بعد میں لوگوں سے پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ سنیوں کے مولویوں کو گالیاں دے رہے ہیں

عبدالحمید گواہ نمبرت ۲ نے دل آزاری کی بات [illegible] اس نوحہ سے دل آزاری سنیوں کی ہوئی۔ [illegible] دارالمبلغین نے کہا کہ سنیوں کی دل آزاری اس نوحہ سے ہوئی۔ سید غلام حسنین نقوی ایڈووکیٹ کی جرح کے جواب میں گواہ نے کہا کہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسینؓ کے قتل کرنے والوں کو جو برا کہے اس سے سنیوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ گواہ نے مزید کہا کہ حضرت زینبؓ محمد صاحب کی نواسی تھیں۔ حضرت زینبؓ کا [illegible] کیا جانا جب کہ سیکڑوں کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوں اور حاکم سامنے بیٹھا ہو۔ اگر وہ شام کا حاکم بھی ہو کیا ہے اگر کوئی شخص برا کہے تو ہماری کوئی دل آزاری نہ ہوگی۔ گواہ نے مزید کہا کہ جس وقت کا یہ واقعہ بتایا جاتا ہے اس وقت حاکم شام یزید تھا۔ اس سزا کے حکم کے بعد نگرانی ہوئی [illegible] نے ہائی کورٹ کو ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو یہ سفارش کی کہ مقدمہ کے ملزمان کو بالکل بری کردیا جائے مزید لکھا کہ مجسٹریٹ [illegible] عبدالاول کا بیان پڑھا لیکن جرح کو بالکل [illegible] نے لکھا کہ حاکم شامی والے نوحہ سے کوئی دل آزاری نہیں [illegible] عورتوں کو جن میں زینبؓ بھی شامل تھیں قید کرکے [illegible] بے پردہ پیش کرنے کا قصہ ہے اس نوحہ سے [illegible] یہ اگر حاکم شام کو برا کہا جائے تو اس سے [illegible] نہ ہوگی۔ اس نوحہ میں کسی کا نام نہیں [illegible] حاکم شام کہا گیا وہ نہیں جانتے۔ اس [illegible]

اس لئے جملہ ملزمان کو بری کردینے کی سفارش کی۔ ہائی کورٹ نے سیشن جج کے فیصلے کو مان لیا اور ملزمان [illegible] غلام حسنین نقوی ایڈووکیٹ نے ملزمان کی طرف سے بحث کی اور مسٹر [illegible] [illegible]

سرفراز لکھنؤ
ہفتہ وار
جلد ۵۵ ۲؍اگست ۱۹۷۷ء نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹

سُنّی صاحبانِ فکر ونظر اور دانشوروں کا سکوت!

لکھنؤ کی سُنّی شیعہ فضا عرصے سے بیمار اور ظلمانی ہو رہی ہے کہ یہاں کے نہ سنیوں کو سکونِ قلب حاصل ہے اور نہ شیعوں کو۔ ہر وقت بلوے کا ڈر اور بدامنی کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور جب کوئی فساد ہو جاتا ہے تو اس سے ہمارے ہندو بھائی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے دفعہ ۱۴۴ کی پابندیوں اور کرفیو کی بندشوں کا اثر اُن پر بھی پڑتا ہے اور انہیں کا کاروبار سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اس لئے کہ تجارت زیادہ تر ہمارے برادرانِ وطن ہی کے ہاتھ میں ہے ان کی تجارت تباہ ہو جاتی ہے اور لُٹ جانے کے خوف سے بہت احتیاط اور دیکھ بھال کر اپنی دکانیں کھولتے اور بند کرتے ہیں

ہم نے اس تکلیف دہ صورتِ حال کو خوشگوار بنانے کے لئے بھرپور کوشش کی اور اس موضوع پر سرفراز میں لکھتے رہے ہیں لیکن تنہا ہماری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے۔ اکیلا چنا بھاڑ کہاں پھوڑ سکتا ہے ضرورت تو یہ تھی کہ سُنّی اور شیعہ دونوں فرقوں کے دانشور، باہم اور اہلِ قلم حضرات ایک مقصد کے لئے خلوصِ دل سے کوشش کرتے ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے شیعہ بھائیوں نے اس مہم میں پورا تعاون کیا، چنانچہ سرفراز کے کالموں میں اُن کے خیالات برابر آتے رہے ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بہت سی تحریریں شیعوں کے ایک طبقہ کے مذاق، مزاج کے خلاف بھی تھیں مگر ایسے مضامین کو بھی ہم نے سرفراز کے کالموں میں اس لئے جگہ دے دی کہ لوگ سمجھ سکیں کہ سوچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے خواہ وہ ہر ایک کے لئے پسندیدہ نہ ہو۔

مگر افسوس کہ سُنّی اربابِ فکر ونظر اور صاحبانِ قلم نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ حتیٰ کہ ہم نے خاص طور پر اُن سے اپیل کی تھی کہ وہ بھی اس مبارک کام میں حصہ لیں اور لکھنؤ میں اتحاد بین المسلمین کی بحالی کے لئے ہم سے تعاون کریں مگر نہ سُنّی دانشوروں نے اس طرف دھیان دیا اور نہ سُنّی پریس نے اور ہماری یہ اپیل صدا بصحرا ہو کر رہ گئی۔ بس ایک مسلم مجلس کے صدر ڈاکٹر مرتضیٰ احمد صاحب نے ضرور ہماری آواز پر صدائے لبیک بلند کی اور سُنّی شیعہ اتحاد کے سلسلہ میں موصوف نے ایک اپیل لکھ کر سرفراز کو بھیجی جو اُس کے ۷ اپریل کے شمارہ میں شائع کی گئی۔ ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے دردِ اسلامی کی قدر کرتے ہیں کہ موصوف نے انتہائی رواداری، اتحاد پروری اور صلح جوئی کے جذبہ سے کام لے کر دونوں فرقوں کو آپس کے باہمی اختلافات دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاوہ سُنّی صاحبانِ فکر وقلم نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی اور وہ اب تک خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں جیسے کہ ان کے نزدیک اتحادِ اسلامی کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا اور جیسے کہ لا تفسدوا فی الارض کا حکم قرآن میں مسلمانوں کو نہیں بلکہ ان غیر مسلموں کو دیا گیا ہے جو قرآنی احکام کو مسلمانوں کی طرح نہیں مانتے۔

ہمیں شکوہ ہے کہ اس سلسلہ میں جماعت اسلامی ہند، جمعیۃ العلماء اور دوسرے با اثر سُنّی اداروں نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی۔ اسی طرح ہمیں اپنے سُنّی معاصرین سے بھی گلہ ہے کہ اُنھوں نے اس ضمن میں کوئی ایسی کوشش نہیں کی جو لکھنؤ کے مسلمانوں میں لگی ہوئی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے۔ اگر معاصر ندائے ملت لکھنؤ، دعوت دہلی، الجمعیۃ دہلی، نقیب پھلواری شریف، ماہنامہ المیزان بمبئی، عزائم لکھنؤ، مجیب پھلواری شریف، تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ، انقلاب بمبئی اور مبارک سہارنپور جیسے سُنّی جرائد لکھنؤ میں سُنّی شیعہ اختلاف کو ختم کرنے کے لئے کوشش کرتے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نتیجہ خیز نہ ہوتی۔ اُن کی کوشش کارگر ہوتی یا نہ ہوتی مگر اُنھیں اپنے امکان بھر کوشش تو ضرور ہی کرنا چاہیئے تھی۔ اُن کی بات کا اگر لکھنؤ کے سارے مسلمانوں پر اثر نہ بھی ہوتا تو کچھ افراد کی ذہنیت پر تو اس کا اچھا اثر ضرور ہی پڑتا۔ رائے عامہ کی تعمیر میں اخبارات کا بڑا دخل ہوتا ہے اور اگر سارے سُنّی شیعہ جرائد متفقہ طور پر اس کی سعی کرتے تو کوئی وجہ نہیں کہ لکھنؤ کے مسلمان اتحادِ اسلامی کی اہمیت کو محسوس نہ کرنے لگتے۔ اور آپس کے اس اختلاف کو جو ان دونوں فرقوں کو نقصان پہنچا رہا ہے دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتے۔

کیا ہم امید کریں کہ سُنّی شیعہ جرائد اور سُنّی شیعہ مفکر و دانشور مل کر اتحاد کی اس مہم کو سر کرنے کی کوشش کریں گے۔

چار شیعوں کی ہائی کورٹ سے باعزت بریت

سنہ ۱۹۷۰ء سے لکھنؤ میں چار شیعہ حضرات، جناب سید اشرف حسین صاحب ایڈووکیٹ، [illegible] صاحب، محمد حیدر صاحب اور آکاش بھارتی صاحب پر اس الزام میں پولیس

[illegible] نے مقدمہ چلایا تھا کہ [illegible]
کا ایک گروہ لے کر پاٹے نالے [illegible]
لعین است" والا نوحہ پڑھ [illegible]
دل آزار نوحہ لکھ بھی رہے تھے۔

ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ کی عدالت [illegible]
میں استغاثہ کی طرف سے تین گواہ گزرے [illegible]
میں سب سے اہم گواہ سنیوں کے ایک [illegible]
عبدالاول صاحب تھے جو دار المبلغین [illegible]

ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی جو رپورٹ [illegible]
اخبار میں شائع کی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible]
صاحب موصوف نے سب سے زیادہ [illegible]
سید غلام حسنین صاحب نقوی ایڈووکیٹ [illegible]
میں موصوف نے مولوی صاحب مذکور سے [illegible]
کہ حضرت امام حسینؑ کے قتل کرنے والوں کو اگر کوئی [illegible]
تو اس سے اُن کی دل آزاری نہیں ہوگی۔ جرح [illegible]
سے یہ بھی قبول لیا گیا کہ دربار یزید میں جہاں [illegible]
کرسی نشین موجود تھے۔ یزید نے قتل امام حسینؑ کا حکم [illegible]
تھا اور اس بھرے دربار میں جو اہلبیت نبی کو گرفتار
کرکے لائے گئے تھے۔ اُن میں سب سے اہم [illegible]
زینبؑ کی تھی جو پیغمبر اسلام کی نواسی تھیں [illegible]
میں حاکم شام یعنی یزید کو اگر [illegible]
سنیوں کی دل آزاری نہیں ہوتی۔

ایڈیشنل سٹی مجسٹریٹ کی عدالت [illegible]
شیعوں پر فی کس پچاس پچاس [illegible]
اس کی نگرانی سشن [illegible]
عدالت میں کی گئی جج صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] رہا کردیا گیا

چنانچہ ۲۴ جولائی کو ہائی کورٹ سے یہ چاروں
[illegible] باعزت طور پر بری کردیئے گئے

اس فارسی نوحہ پر چڑھنا بالکل بے معنی ہے اس لئے
کہ اس میں صاف صاف "حاکم شامی" سے مراد یزید ہے جس
کے سامنے حضرت زینبؑ کو قیدی بنا کر پیش کیا گیا تھا۔ ظاہر
ہے اس محل پر "حاکم شامی" سے مراد معاویہ ہی ہو سکیاں
نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ واقعۂ کربلا کے وقوع سے
پہلے ہی اپنی عمر کو ختم کرکے اپنے دائمی مستقر کی طرف
کوچ کر گئے تھے

اصل حقیقت یہ ہے کہ نوحہ فارسی زبان میں ہے
اور آج کل فارسی سے عام لوگ بے بہرہ ہو چکے ہیں جو
پڑھے لکھے سُنی ہیں وہ اپنے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرنے کی
کوشش کرتے ہیں کہ "لعین است" میں معاویہ کو لعین
کہا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ پڑھے لکھے سنیوں کی شرارت
ہے کہ وہ اپنے عوام کو نوحہ کا اُلٹا مطلب بتا کر گمراہ کرتے
ہیں۔

اس پر ہمیں سُنی جاہلوں سے نہیں بلکہ سُنی تعلیمیافتہ
حضرات سے شکوہ ہے کہ وہ خواہ مخواہ کی ایک غلط فہمی
پھیلانے کی کیوں کوشش کرتے ہیں۔

فریق مخالف کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرنے
میں پانچ چھ وکیل تھے جب کہ شیعوں کی طرف سے صرف
سید غلام حسنین نقوی تھے۔ لیکن نقوی صاحب نے اسی
کامیاب پیروی کی کہ فریق مخالف کے پانچ پانچ چھ
چھ وکیلوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

لکھنؤ میں شیعوں نے ۱۴۴ گرفتاریاں دیں

لکھنؤ میں شیعوں کے جلوس ہائے عزا مہینوں
[illegible] اور ہر مہینے حکومت کے مشورہ پر شیعہ
اپنے اُن ماہانہ جلوسوں کو برابر ملتوی کرتے آ رہے تھے
حتیٰ کہ اُنھوں نے حکومت ہی کے ایماء پر ۸ رجب کی
نوحیدی کو جلوس نکالے اور ۲۸ رجب کو اپنا روایتی
اور قدیم جلوس۔ ہر مہینے حکومت شیعوں کو التوا کا
مشورہ دیتی رہی اور شیعہ اپنا ہر جلوس اور مذہبی تقریب
ملتوی کرتے رہے۔

مگر شعبان کی نوحیدی کو شیعوں کا پیمانۂ صبر لبریز
ہو گیا اور اُنھوں نے انجمن تنظیم ملت کی زیر سرکردگی حکومت
کے امتناعی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۲۱ اور ۲۲
۲۳، ۲۴ جولائی کو آ عظمی امامباڑہ سے علی الترتیب ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ و ۲۶
گرفتاریاں پیش کیں۔ شیعوں کا یہ احتجاج اپنے سُنی
بھائیوں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ حکومت کے رویہ کے خلاف
تھا۔

یوں تو اس گتھی کو سلجھانے کے لئے خود حکومت بھی
غور کر رہی ہے اور خیال ہے کہ وہ جلد اس ناخوشگوار صورت
حال کو ختم کرنے کا راستہ نکال لے گی۔ مگر ہم پھر یہی
کہیں گے کہ حکومت جو فیصلہ کرے گی وہ سُنی اور شیعہ
دونوں کو شاید مطمئن نہ کر سکے۔ وہ کسی نہ کسی فریق کے لئے
ناقابل قبول قرار پائے گا۔ اگر حکومت کے فیصلہ کو فریقین
مان لیں تو یہ سُنی، شیعہ اور حکومت تینوں کے لئے اچھا
ہوگا مگر ہمارا اب تک کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ایسا نہ ہوگا
اس پر یا تو سُنی اپنے عدم اطمینان کا اظہار کریں گے یا
شیعہ۔ دونوں کے لئے قابل قبول سمجھوتہ تو وہی ہوگا جو
سُنی شیعہ باہمی گفت و شنید سے کریں اور وہی سمجھوتہ
پائیدار بھی ہوگا اگر آپس میں افہام و تفہیم کے ذریعہ
دونوں کسی ایک متفقہ فیصلہ پر پہنچ جائیں تو اس سے
کسی کو انحراف کرنے کا موقع نہ رہے گا۔ جب تک کہ باہمی
گفت و شنید سے کوئی متفقہ سمجھوتہ نہیں ہوتا کسی
فریق کو تسکین نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایسے متفقہ سمجھوتہ

سے شیعہ سنّی اور حکومت سب کو اطمینان ہو جائے گا۔ حکومت کو بھی قیامِ امن کے لئے زیادہ جد و جہد نہ کرنا پڑے گی اور نہ محض حفاظت پُری کے لئے ہر جلوس کے ساتھ چند کانسٹبلوں کا تعینات کر دینا کافی ہو گا۔ اس کے بعد ہر مذہبی رسم خیر و خوبی اور عافیت و سکون کے ساتھ منائی جا سکے گی۔

۱۴ جولائی کو ۳۳ گرفتاریاں کرائی گئیں اس طرح مجموعی طور پر ۱۰۴ شیعہ گرفتار ہوئے اس سے پہلے ۱۳ مارچ کو آصفی میں انجمن تنظیم الملت کی طرف سے ایک جلسہ بھی طلب کیا گیا تھا جس میں کئی تحریریں منظور کی گئیں۔

(۱) ایک یہ کہ سنی شیعہ دونوں کے لئے مذہبی تقریبات میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ممنوع قرار دے دیا جائے اس لئے کہ اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے اور جو چیز بہت سے لوگ سننا نہیں چاہتے اُن کو زبردستی سنائی جاتی ہے

(۲) اگر کوئی سمجھوتہ بعض شیعہ لیڈروں اور حکومت کے درمیان ہو تو وہ اُس وقت تک قابلِ قبول نہ ہو گا جب تک کہ اُسے جلسۂ عام سے منظور نہ کرا لیا جائے۔

(۳) یہ تحریز بھی منظور کی گئی کہ اگر سنیوں کے جلوس ہائے علم پر سے پابندی نہیں ہٹائی جاتی ہے تو پھر لکھنؤ میں دوسرے فرقوں کے تمام جلوسوں پر بھی اُس وقت تک کے لئے پابندی لگا دی جائے جب تک کہ "علموں" کا مسئلہ حل نہ ہو جائے۔

(۴) اس جلسہ کے خیال میں شیعوں اور سنیوں میں گفتگوئے مصلحت کے لئے اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ شیعہ سنیوں سے کسی مصالحت کرنے پر تیار نہیں ہیں مدحِ صحابہ اور تبرا کا جھگڑا باہمی سمجھوتہ سے طے نہیں ہو سکتا۔

(نیشنل ہیرالڈ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء)

رجب نمبر میں اتنی تاخیر کیوں؟

رجب نمبر میں اب کی غیر معمولی تاخیر ہو گئی جس کے کچھ اسباب تھے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہر اسپیشل نمبر پر غیر معمولی اخراجات ہوتے ہیں۔ کتابت، طباعت، بائنڈنگ اور ٹکٹ ڈاک پر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے اس بڑھے ہوئے خرچ کو پورا کرنے کے لئے پہلے سے سبیل کرنا پڑتی ہے۔ اگلی جن ذرائع سے روپیہ مل سکتا تھا اُن سے نہ مل سکا اور بڑی مشکل سے پیسہ کا انتظام ہو سکا۔ جہاں تک ایڈیٹر سرفراز کا تعلق ہے ہمیں کسی کی جیب میں سے پیسہ نکالنے کا کوئی سلیقہ نہیں حتی کہ خود ہمارا قرضہ اگر کسی کے ذمہ ہوتا ہے تو وہ بھی ہم سے نہیں مانگا جاتا۔ اگر کسی نے قرضہ واپس کیا تو بصد شکریہ لے لیا ورنہ کبھی تقاضے کی ہماری ہمت نہیں ہوتی۔ اسی لئے ہم نے اپنا اُصول یہ بنا رکھا ہے کہ ہم کسی کو اتنا ہی قرض دیتے ہیں جو اگر وصول نہ ہو تو ہم اُسے برداشت کر لیں اور اُس کی عدم وصولی کی بنا پر ہمیں کوئی ناقابلِ برداشت زحمت نہ اُٹھانا پڑے۔

البتہ ہمارے منیجر جناب سید انصار حسین صاحب کو اس قسم کی ہُنرمندی کرنے میں بڑا سلیقہ ہے۔ وہ خوب کتر بیونت اور جوڑ توڑ کر کے کسی نہ کسی طرح اخراجات کو پورا کر ہی لیتے ہیں خواہ اُنھیں اپنی وثیقہ سہامات سے رہن رکھنے کے لئے زیوری کیوں نہ مانگنا پڑ جائے۔

دوسرے یہ کہ اگلی اس نمبر کی کتابت میں ہمیں خلافِ معمول سخت زحمت اُٹھانا پڑی۔ ہمارے مستقل کاتب سید محمد حید صاحب جو [illegible] سے مستقل کام کر رہے تھے [illegible] نہیں لکھ سکے۔ وہ اتفاقاً [illegible]

[illegible] ن کے دماغ کو تسکین مل سکا اور نہ [illegible] نمبر کی کتابت میں کوئی حصہ لے سکتے [illegible] ے جناب شبیہ صفی پوری کا جن کی توجہ [illegible] کتابت مکمل ہو سکی۔ شبیہ صاحب میں [illegible] ہے کہ وہ ہر فن مولا ہیں اور ان پر درزی کی [illegible] والی مثل صادق آتی ہے۔ وہ بیک وقت نثر نگار [illegible] ہیں شاعر بھی ہیں، نقاد بھی ہیں، فن خطاطی سے واقف بھی ہیں، آرٹسٹ بھی ہیں، فلسفی بھی ہیں اور بہترین معلم بھی ہیں۔ غرض کہ وہ کسی کام میں بند نہیں ہیں اور جس کام کو کرتے ہیں سلیقہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اگر شبیہ صاحب کا تعاون ہمیں حاصل نہ ہوتا تو ہم کتابت کی ہفت خوان کو ہرگز سر نہیں کر سکتے تھے اور یہ پرچہ ماہ اگست کو بھی نہ نکل سکتا۔

جہاں تک نمبر کے معیار کا سوال ہے وہ گزشتہ نمبروں سے کسی طرح کمتر نہیں ہے۔ اس میں سب سے اہم چیز جناب سید شاہد زعیم فاطمی صاحب کی کتاب "سیدنا علی ابن ابی طالب اور اُن کے سیاسی حریف" کا متن ہے جسے ہم نے بطور مضمون سب سے پہلے اس مبارک نمبر میں جگہ دی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ مضمون اس رجب نمبر میں گل سر سبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یقین ہے کہ قارئین اسے بہت پسند فرمائیں گے۔

تنظیم المکاتب کی مینجنگ کمیٹی کے الکشن میں حصّہ لیجئے

۱- اکتوبر ۱۹۷۷ء میں موجودہ مجلس انتظام کی مدت تمام ہو رہی ہے بنا بریں تمام ممبران عمومی و دائمی سے التماس ہے کہ وہ ممبران دائمی عمومی میں سے پانچ حضرات کو مجلس انتظام کے ارکان کے انتخاب کے لئے نامزد کرکے ۳۱ر جولائی ۱۹۷۷ء تک سکریٹری کو مطلع کردیں۔

۲- تمام مدرسین سے گذارش ہے کہ ۳۱ر جولائی تک اپنے نمائندہ کے انتخاب کے لئے کسی مدرس کو نامزد کرکے سکریٹری کو مطلع کریں۔

۳- تمام مدرسین سے گذارش ہے کہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۷ء تک اپنے نمائندے کے انتخاب کیلئے کسی منتظم کو نامزد کرکے سکریٹری کو مطلع کریں۔

۴- تمام لوکل سکریٹری حضرات سے گذارش ہے کہ ۳۱ر جولائی ۱۹۷۷ء تک اپنے نمائندے کے انتخاب کے لئے کسی لوکل سکریٹری کو نامزد کرکے سکریٹری کو مطلع کردیں۔

والسّلام

سیّد غلام عسکری

یکم جولائی ۱۹۷۷ء

۱۹۷۷ء میں تنظیم المکاتب کو ۸۵ ہزار روپیہ کی ضرورت

تمام اہل خیر سے التماس ہے کہ خمس، زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھال، امام ضامن حسب اجازت اعلم وقت آقائے خوئی مدظلہ العالی و دیگر علمائے عراق و ایران مرحمت فرمائیں

۱۹۷۶ء کا خرچ ۷۹ ـــ ۱۹۶۳۲۷

۱۹۷۷ء کے خرچ کا تخمینہ .. ـــ ۲۵۲۴۵۰

مستقل آمدنی جو سرمایہ محفوظ سے ہوتی ہے .. ـــ ۲۲۵..

دسمبر ۱۹۷۷ء تک کے خرچ کے لئے ۸۵ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے لہٰذا ادارہ کے دائمی اور عمومی ممبر بنئے۔

عمومی ممبر کی فیس .. ـــ ۲۵ روپیہ سالانہ

لائف ممبر کی فیس دس سال تک . ـــ ۱۰۰ روپیہ سالانہ

چیک یا ڈرافٹ لکھنؤ کے بنک کا بھیجئے جس پر صرف "تنظیم المکاتب" لکھا ہو

آپکے تعاون کا منتظر

سید غلام عسکری

سکریٹری تنظیم المکاتب ۴۷ جوہری محلہ لکھنؤ ۳

Tarjumanu...

ترجمان القرآن چھ زبان میں (جلد ششم)

... کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ہر پارہ کو ایک جلد یعنی ... تیس جلدوں میں چار زبان عربی (مصادر) فارسی اور انگریزی ترجمہ کرکے دنیائے اسلام میں بڑی نمایاں ... انجام دی گئی ہے۔ ہر جلد کی نکاسی کے بعد دوسری جلد کی اشاعت کی یکجائی ہوتی ہے۔ پانچ جلد تو آب و تاب کے ساتھ طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جلد ششم زیر طبع ہے لیکن جلد دوم، سوم، چہارم اور پنجم کے بہت سے نسخے باقی ہیں۔ چونکہ یہ کتب صرف لفظی ترجمہ ہیں لہذا احمد فرقہائے اسلامی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دوستان و عاشقان معانی قرآن سے التجا ہے کہ فوراً مرزا ہاؤس یرا دیزن سیکشن یا سپتا ہاؤس متصل صبیح جنگ مسجد منظر جاہی مارکیٹ تا سر جہانک قاضی حسین ... سے تنظیم خود مؤلف مولانا سید شاہ عباس منصوری کی قیامگاہ بیج محلہ متصل مکہ مسجد مکان نمبر ۱۸/۳۰/۲۰ حیدر آباد ۲ سے بدیہ پانچ روپے حاصل کرے اور اضلاع کو بھی علاوہ مخارج ڈاک سی آرڈر روانہ کرتا ہے اگر گزشتہ جلدوں کی نکاسی کے بعد جلد ششم جلد منظر عام پر آجائے۔ کالج کے طلباء وطالبات کے لیے خاص مراعات ہے۔

ضرورت رشتہ

دو شیعہ لڑکیوں کے نا طے رشتے مطلوب ہیں بڑی لڑکی ڈبل ایم اے ... سرکاری تعلیم ... ساتھ سات سو روپیہ ماہانہ کی ملازم ہے عمر تقریباً ... سال ہے۔ چھوٹی لڑکی ایم اے ہے عمر تقریباً تیس سال ہے دونوں لڑکیاں پاکیزہ سیرت اور رنگین صورت ہیں اور شہر کے ایک ... خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ لڑکوں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ... ہونا ... ہے۔ ملازمت یا دولت کے رشتہ کو ترجیح دی ... معرفت اخبار سرفراز لکھنؤ ...

(یا قائم آل عبا)

اصلاح المسلمین سوسائٹی رسڑا

قائم شدہ ۱۹۷۶ء

ملت جعفریہ کے افراد کی اقتصادی اور سماجی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے سماجی تنظیم ہے جس کا مقصد

۱۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کی تبلیغ
۲۔ دینی اور سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم کا فروغ

اس تنظیم نے ایک سال کی قلیل مدت میں امامیہ مدرسہ رسڑا قائم کیا۔ دینی لٹریچر شائع کیا اور محرم میں اس کو تقسیم کیا امسال بھی محرم میں مزید لٹریچر شائع کرانے کا منصوبہ ہے۔

امسال سے پسماندہ علاقوں میں تبلیغی جلسوں (سیرت النبیؐ) کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

سوسائٹی کی ممبرشپ

۱۔ لائف ممبرشپ ایک ہزار روپیہ یکمشت یا بالاقساط
۲۔ عمومی ممبرشپ ۱۰ روپیے سالانہ

اہل خیر حضرات اس کی ممبرشپ قبول کریں اور اپنے گرانقدر عطیات مرحمت فرما کر عنداللہ عندالرسول ماجور ہوں

المستدعیان

(ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق نقوی لکھنوی۔ ایم اے پی ایچ ڈی (سرپرست) (مولانا) زین العابدین حیدری کرباگنج (صدر) سید محمد مجتبیٰ حسین بی ایس سی، ایل ایل بی (سکریٹری)

ترسیل زر کا پتہ۔ مولانا زین العابدین حیدری صاحب قبلہ (صدر اصلاح المسلمین سوسائٹی رسڑا) محلہ بازید پورہ۔ پوسٹ کرباگنج ضلع اعظم گڑھ

خط وکتابت کا پتہ: سید محمد مجتبیٰ حسین سکریٹری اصلاح المسلمین سوسائٹی رسڑا۔ نزد اسٹیٹ بینک پوسٹ رسڑا۔ ضلع بلیا۔